فضلِ قدیر

ترجمہ

تفسیرِ کبیر

تصنیف

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی

ترجمہ

محقق العصر مفتی محمد خان قادری

مرکزِ تحقیقاتِ اسلامیہ

فضلِ قدیر

ترجمہ

جلد ۲

تفسیرِ کبیر

تصنیف

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی علیہ رحمۃ اللہ

مترجم

محقق العصر

مفتی محمد خان قادری مدظلہ العالی

مرکز تحقیقاتِ اسلامیہ

1- جامعہ اسلامیہ لاہور، میلاد سٹریٹ گلشن رحمان ٹھوکر نیاز بیگ لاہور

Marfat.com

﴿جملہ حقوق محفوظ ہیں﴾

نام کتاب .... فضل قدیر ترجمہ تفسیر کبیر

مفاتیح الغیب جز ۲ .... تفسیر سورۃ البقرہ (آیت ۱ تا ۴۴)

تصنیف .... امام فخر الدین محمد بن عمر رازی (۶۰۶ھ)

ترجمہ .... محقق العصر مفتی محمد خان قادری

اہتمام .... محمد فاروق قادری

ناشر .... مرکز تحقیقات اسلامیہ لاہور

حروف سازی .... اسلامیہ کمپوزنگ سنٹر

صفحات ۵۱۷

اشاعت اول 2010ء

ملنے کے پتے

☆ فرید بک سٹال اُردو بازار لاہور ☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، کراچی

☆ مکتبہ غوثیہ سبزی منڈی کراچی ☆ مکتبہ برکات المدینہ بہادر آباد کراچی

☆ احمد بک کارپوریشن راولپنڈی ☆ اسلامک بک کارپوریشن راولپنڈی

☆ اسلامی کتب خانہ اقبال روڈ سیالکوٹ ☆ مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور

☆ مکتبہ جمال کرم دربار مارکیٹ لاہور ☆ مکتبہ تنظیم المدارس جامعہ نظامیہ لاہور

☆ مکتبہ دار العلم دربار مارکیٹ لاہور ☆ مکتبہ نوریہ رضویہ گنج بخش روڈ لاہور

☆ مکتبہ قادریہ دربار مارکیٹ لاہور ☆ رضوان کتب خانہ گنج بخش روڈ لاہور

☆ قادری رضوی کتب خانہ دربار مارکیٹ لاہور ☆ مکتبہ نبویہ دربار مارکیٹ لاہور

مرکز تحقیقاتِ اسلامیہ لاہور

جامعہ اسلامیہ لاہور۔ ۱ میلاد سٹریٹ گلشن رحمان ٹھوکر نیاز بیگ لاہور

042,35300353...0300.4407048

Marfat.com

پہلا مسئلہ: کیا معدوم، شی ہوتا ہے	۱۸۶	حرف تنبیہ کے دو فوائد	۱۹۴
جواب	۱۸۷	چھٹا مسئلہ	۱۹۴
دوسرا مسئلہ: اللہ تعالیٰ پر شی کا اطلاق	۱۸۷	چند مباحث	۱۹۴
ہمارے اصحاب کے دلائل	۱۸۷	پہلی بحث: جمع معرف باللام میں عموم کا فائدہ	۱۹۴
تیسرا مسئلہ: بندہ کا مقدور، اللہ کا مقدور	۱۸۷	دوسری بحث: معدوم سے خطاب	۱۹۵
چوتھا مسئلہ: حادث، اللہ کا مقدور	۱۸۸	سوال وجواب	۱۹۵
پانچواں مسئلہ	۱۸۸	تیسری بحث: تمام عبادات کا حکم	۱۹۵
سوال وجواب	۱۸۸	سوال وجواب	۱۹۵
توحید، نبوت اور آخرت پر دلائل اور تفصیلی گفتگو	۱۸۹	چوتھی بحث: کفار اور حکم عبادت	۱۹۶
آیت ۲۱،۲۲: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ		سوال وجواب	۱۹۶
کی تفسیر	۱۹۱	پانچویں بحث: منکرین تکلیف کے دلائل	۱۹۷
پہلا مسئلہ: التفات کے چند فوائد	۱۹۱	جواب	۱۹۸
پہلا فائدہ: مزید شوق کا سبب	۱۹۱	چھٹی بحث	۱۹۸
دوسرا فائدہ: مکالمہ کا شرف	۱۹۱	چوتھا مسئلہ: بندہ کا حق لازم نہیں	۱۹۹
تیسرا فائدہ	۱۹۲	رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ	
چوتھا فائدہ	۱۹۲	کی تفسیر	۱۹۹
دوسرا مسئلہ: مکی ومدنی سورتوں کی علامت،	۱۹۲	پہلا مسئلہ	۱۹۹
تیسرا مسئلہ	۱۹۲	تین مقامات،	۱۹۹
یا زَیْدُ اور اُنَادِیْ زَیْدًا میں فرق	۱۹۲	پہلا مقام، علم کلام کی فضیلت	۱۹۹
ایک اہم نکتہ: حالت ندا و تضرع میں مناسبت	۱۹۳	وجود صانع وخالق پر دلائل	۲۰۱
چوتھا مسئلہ: یا ندا بعید ہے	۱۹۳	صفات الٰہی پر دلائل	۲۰۱
سوال وجواب	۱۹۳	پہلا مقام: ان کی اپنی ذات کے ساتھ بحث	۲۰۴
پانچواں مسئلہ	۱۹۴	دوسرا مقام، اپنے باپ کے ساتھ بحث	۲۰۴

Marfat.com

تیسرا مقام، قوم کے ساتھ بحث	۲۰۴	تیسری دلیل: موجب نظر کون؟	۲۱۵
چوتھا مقام، اپنے وقت کے بادشاہ سے مناظرہ	۲۰۵	تیسرا مقام: نظر مفید علم	۲۱۵
آخرت و معاد میں ان کی بحث	۲۰۵	چار دلائل	۲۱۵
تمام باطل فرقوں کا رد	۲۰۶	چوتھا مقام، نظر بذات بد نہیں	۲۱۶
۱۔دہریہ کا رد	۲۰۶	سوال و جواب	۲۱۶
۲۔قادر مختار کے منکرین	۲۰۶	پانچواں مقام، علم کلام پڑھنا بدعت	۲۱۷
۳۔شریک باری ماننے والوں کا رد	۲۰۷	آثار صحابہ و تابعین	۲۱۸
۴۔نبوت پر طعن کرنے والے دو گروہ	۲۰۷	ان دلائل کا رد	۲۱۸
۵۔حشر و نشر میں اختلاف کرنیوالے	۲۰۸	جواب	۲۱۸
۶۔مکلف ہونے پر اعتراض	۲۰۸	دوسرا مسئلہ	۲۱۹
دوسرا مقام: اس علم کے لزوم حصول پر دلائل	۲۰۸	خلق کا مفہوم	۲۱۹
دلائل عقلیہ	۲۰۸	تیسرا مسئلہ، وجودِ باری تعالیٰ پر دلائل	۲۲۱
دلائل نقلیہ	۲۰۸	۱۔ذوات کے ممکن ہونے سے استدلال	۲۲۱
احادیث مبارکہ اور نظر و فکر	۲۱۱	۲۔صفات کے ممکن ہونے سے استدلال	۲۲۲
مخالف کے مقامات	۲۱۲	۳۔اجسام کے حادث ہونے سے استدلال	۲۲۲
پہلا مقام: نظر مفید علم نہیں	۲۱۲	۴۔حدوث اعراض سے استدلال	۲۲۲
نظر الٰہیات میں مفید نہیں	۲۱۳	۱۔دلائل انفسی	۲۲۲
پہلی وجہ	۲۱۳	سوال جواب	۲۲۲
سوال و جواب	۲۱۳	دلائل آفاقی	۲۲۳
دوسری وجہ	۲۱۴	دو وجوہات	۲۲۳
پہلی دلیل	۲۱۴	وجودِ باری پر اسلاف کے اعلیٰ دلائل و طرق	۲۲۵
سوال و جواب	۲۱۴	امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل	۲۲۷
دوسری دلیل	۲۱۴	امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل	۲۲۷

Marfat.com

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل	۲۲۸
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل	۲۲۹
امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل	۲۲۹
چوتھا مسئلہ	۲۳۰
سوال وجواب	۲۳۰
پانچواں مسئلہ، لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کی تفسیر	۲۳۰
معنی لعل میں تاویل	۲۳۱
پانچ تاویلات	۲۳۱
دوسری بحث، عبادت وتقوی کا تعلق	۲۳۲
سوال وجواب	۲۳۲
چھٹا مسئلہ	۲۳۲
آیت ۲۲: اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا کی تفسیر	۲۳۳
پہلا مسئلہ	۲۳۳
دوسرا مسئلہ	۲۳۳
تیسرا مسئلہ: پانچ انواع ودلائل کا تذکرہ	۲۳۳
ترتیب کے فوائد	۲۳۴
چوتھا مسئلہ	۲۳۴
زمین کے فراش ہونے کی شرائط	۲۳۴
پہلی شرط	۲۳۴
سکون کے اسباب	۲۳۵
دو وجوہات	۲۳۵
دوسری شرط	۲۳۶
تیسری شرط	۲۳۷
چوتھی شرط	۲۳۷
کرہ نہ ہو	۲۳۷
پانچواں مسئلہ: زمین کے منافع وصفات	۲۳۷
چھٹا مسئلہ: آسمان افضل یا زمین؟	۲۴۱
زمین افضل ہے	۲۴۱
سوال وجواب	۲۴۲
السَّمَآءَ بِنَآءً کی تفسیر	۲۴۳
پہلا مسئلہ	۲۴۳
دوسرا مسئلہ: آسمان کے فضائل	۲۴۳
تیسرا مسئلہ: سماء اوران میں موجود اشیاء کے فضائل	۲۴۵
حرکت شمس کے منافع	۲۴۶
کچھ فوائد چاند	۲۴۷
ایک حکایت	۲۴۸
چاند کی شمس پر فضیلت	۲۴۸
ستاروں کے تین منافع	۲۴۹
ستاروں کی اقسام	۲۴۹
فلاسفہ کا دعویٰ	۲۴۹
چوتھا مسئلہ: آسمان کے چھت ہونے کی تفصیل	۲۵۰
چند سوالات	۲۵۱
کیا واسطہ سے تخلیق، قدرت کے منافی ہے؟	۲۵۱
مدت طویل میں تخلیق کی حکمتیں	۲۵۲
مِنَ الثَّمَرٰتِ میں مِنْ کا معنی	۲۵۳

Marfat.com

لفظ "رِزقًا" منصوب کیوں؟	۲۵۳
سوال وجواب	۲۵۳
فَلَا تَجْعَلُوْا اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کی تفسیر	۲۵۴
لَا تَجْعَلُوْا کا تین سے تعلق	۲۵۴
نِد کسے کہتے ہیں؟	۲۵۴
سوال وجواب	۲۵۴
پہلا مسئلہ: ثنویہ اور دو الٰہ	۲۲۵
غیر اللہ کی عبادت کرنے والے	۲۲۵
تین فریق	۲۵۵
بُت پرستی کی تاریخ	۲۵۵
بُت پرستوں کی غلط فہمی	۲۵۶
دوسرا مسئلہ: عبادت کا عدم جواز	۲۵۷
سوال وجواب	۲۵۷
تیسرا مسئلہ	۲۵۸
آیت ۲۳، ۲۴: وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ کی تفسیر	۲۵۹
پہلا مسئلہ: نبوت پہ دلائل	۲۵۹
قرآن کا معجزہ ہونا	۲۵۹
کی فصاحت سات اسباب	۲۶۰
اعجاز قرآن کا طریق ثانی	۲۶۲
دوسرا مسئلہ: نَزَّلْنَا لانے کی حکمت	۲۶۲
تیسرا مسئلہ: السورۃ کا مفہوم قرآن کا حصہ	۲۶۳
سوال وجواب	۲۶۳
چوتھا مسئلہ: فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ کی تفسیر	۲۶۴
پانچواں مسئلہ، قرآنی چیلنج کی چند صورتیں	۲۶۴
سوال وجواب	۲۶۴
چھٹا مسئلہ، مِنْ مِّثْلِهٖ کی ضمیر	۲۶۵
ساتواں مسئلہ، شہداء سے مراد دو صورتیں	۲۶۶
سوال وجواب	۲۶۶
آٹھواں مسئلہ: لفظ دُوْن کا معنی	۲۶۷
سوال، مِن دُوْنِ اللهِ کا متعلق کون؟	۲۶۷
جواب، اس کے متعلق کی دو صورتیں ہیں	۲۶۷
نواں مسئلہ: قول جبر کا بطلان	۲۶۸
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا کی تفسیر	۲۶۹
چند سوالات اور ان کے جوابات	۲۷۰
لَنْ میں تین اقوال	۲۷۰
آخرت پر گفتگو	۲۷۳
آیت ۲۵: وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی تفسیر	۲۷۵
آیت کا ربط	۲۷۵
پہلا مسئلہ،	۲۷۵
دو وجوہات	۲۷۵
امکان قیامت پر چار اُمور سے استدلال	۲۷۶
امکان حشر پر شاہد دلائل کی دوسری نوع	۲۸۰
تیسری نوع، آسمانوں پر اس کی قدرت سے	
قدرت حشر پر استدلال	۲۸۱

Marfat.com

چوتھی نوع، ثواب وعذاب میں امتیاز	۲۸۱
پانچویں نوع، صحت حشر ونشر پر دنیا میں مردہ کی زندگی سے استدلال	۲۸۲
حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا واقعہ	۲۸۳
منکر حشر ونشر کافر ہے	۲۸۴
دوسرا مسئلہ، جنت ودوزخ کا مخلوق ہونا	۲۸۴
تیسرا مسئلہ: حصول لذت کے مقامات	۲۸۵
الفاظ آیت پہ گفتگو	۲۸۵
بشارت کا حکم	۲۸۵
بشارت کا مفہوم	۲۸۶
الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُو الصّٰلِحَات کی تفسیر	۲۸۶
پہلا مسئلہ، اعمال ایمان کا حصہ نہیں	۲۸۶
دوسرا مسئلہ	۲۸۶
تحابط (حبط اعمال کیوں محال ہے؟	۲۸۶
جواب	۲۸۷
دو اقوال	۲۸۸
تیسرا مسئلہ	۲۸۸
چوتھا مسئلہ: لفظ جنت کا مفہوم	۲۸۸
جنّات نکرہ کیوں؟	۲۸۸
سوال وجواب	۲۸۸
جنات کی دوسری قسم	۲۸۹
سوال وجواب	۲۸۹
رزق دنیاوی یا جنتی؟	۲۸۹
دنیاوی رزق	۲۹۰
دو دلائل	۲۹۰
دوسرا قول: جنتی رزق	۲۹۰
اہل معرفت کا قول	۲۹۰
وَاُتُوْبِهٖ مُتَشَابِهًا کی تفسیر	۲۹۱
سوال وجواب	۲۹۱
وَلَهُمْ فِيهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ کی تفسیر	۲۹۱
سوال وجواب	۲۹۲
وَهُمْ فِيهَا خَالِدُوْنَ کی تفسیر	۲۹۲
آیت ۲۶، ۲۷: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحِيٓ اَنْ يَضْرِبَ کی تفسیر	۲۹۳
کفار کا شبہ	۲۹۴
شبہ کی تفصیل اور جواب	۲۹۴
پہلا مسئلہ: شان نزول	۲۹۴
تین اقوال	۲۹۴
دوسرا مسئلہ، حیا کا مفہوم	۲۹۵
پہلی وجہ: صفات الٰہی کے بارے میں قانون	۲۹۶
دوسری وجہ	۲۹۶
تیسرا مسئلہ	۲۹۷
مچھر کا کھجور سے مکالمہ	۲۹۷
مثال کی تفسیر	۲۹۸
ایک اور مثال	۲۹۸
چوتھا مسئلہ: ما کا زائد ہونا	۲۹۹

Marfat.com

بَعُوْضَةً میں دو قرأتیں	۲۹۹
پانچواں مسئلہ	۳۰۰
چھٹا مسئلہ	۳۰۰
ساتواں مسئلہ	۳۰۰
مچھر عجیب مخلوق	۳۰۱
آٹھواں مسئلہ: فَمَا فَوْقَهَا میں دو وجہیں	۳۰۱
پہلے قول پر دو دلائل	۳۰۱
جواب	
نواں مسئلہ	۳۰۲
دسواں مسئلہ: حق کا مفہوم	۳۰۲
گیارہواں مسئلہ	۳۰۲
بارہواں مسئلہ: ارادہ کا مفہوم	۳۰۲
اللہ تعالیٰ اور ارادہ	۳۰۳
تیرہواں، چودہواں، پندرہواں مسئلہ	۳۰۳
ہدایت و گمراہی پر تفصیلی گفتگو	۳۰۴
اللہ کی طرف سے گمراہی کا مفہوم	۳۰۴
معتزلہ کا مؤقف	۳۰۶
دلائل عقلیہ کی تفصیل	۳۰۶
دیگر تاویلات	۳۱۱
۲۔گمراہ قرار دینا	۳۱۳
۳۔کھلا چھوڑنا	۳۱۳
۴۔مراد عذاب دینا	۳۱۴
۵۔ہلاک و باطل کرنا	۳۱۴
۶۔جنت سے گمراہ کرنا	۳۱۵
۷۔گمراہ پایا	۳۱۵
۸۔کفار کا قول	۳۱۵
سوال جواب	۳۱۶
تین مقدمات	۳۱۶
پہلا مقدمہ: تصورات غیر کسبی	۳۱۶
دوسرا مقدمہ: تصدیقات بدیہیہ غیر کسبی	۳۱۷
تیسرا مقدمہ: تصدیقات غیر کسبی	۳۱۷
مذکورہ تاویلات پر گفتگو	۳۱۷
دو قباحتیں	۳۱۷
یہاں آٹھ تاویلات ہیں	۳۱۸
ہدایت کا مفہوم	۳۲۰
۱۔دلالت و بیان	۳۲۰
۲۔دعوت دینا	۳۲۱
۳۔اللہ کی توفیق	۳۲۱
۴۔جنت کی طرف رہنمائی	۳۲۲
۵۔ہدایت بمعنی مقدم ہونا	۳۲۳
۶۔فیصلہ کر دینا	۳۲۳
جبریہ کا قول	۳۲۴
قدریہ کا انکار	۳۲۴
بندے کا کسب	۳۲۴
سوال و جواب	۳۲۴
تین صورتیں	۳۲۴

Marfat.com

جبریہ اور دلائل عقلیہ	۳۲۵
سولہواں مسئلہ، سوال	۳۲۵
حدیث نبوی ﷺ	۳۲۵
جواب	۳۲۵
سترہواں مسئلہ	۳۲۵
اہل قبلہ کا اختلاف، فاسق، مومن یا کافر؟	۳۲۵
اٹھارہواں مسئلہ: میثاق سے مراد	۳۲۶
اللہ تعالیٰ کے تین عہد	۳۲۷
انیسواں مسئلہ: قطع سے مراد تین چیزیں	۳۲۸
بیسواں مسئلہ، وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ کی تفسیر	۳۲۸
آیت ۲۸: كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ کی تفسیر	۳۳۰
انعامات کی تفصیل	۳۳۰
چار انعامات	۳۳۰
فاو ثم، سے عطف کیوں؟	۳۳۰
سوال وجواب	۳۳۰
پہلا مسئلہ، معتزلہ کا قول	۳۳۱
جواب	۳۳۲
دوسرا مسئلہ، كُنتُمْ أَمْوَاتًا سے مراد	۳۳۳
تیسرا مسئلہ عذاب قبر کے خلاف استدلال	۳۳۴
چوتھا مسئلہ	۳۳۵
پانچواں مسئلہ، مجسمہ کے استدلال کا رد	۳۳۵
چھٹا مسئلہ: چند امور کا ثبوت	۳۳۶
موت اٹل ہے	۳۳۶
حضرت یحییٰ بن معاذ رازی کی دعا	۳۳۷
اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا	۳۳۷
بارگاہ الٰہی میں دعا	۳۳۸
آیت ۲۹ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا کی تفسیر	۳۳۸
دوسرا انعام	۳۳۸
حکم کا فائدہ	۳۳۸
پہلا مسئلہ، اللہ کا فعل غرض سے پاک	۳۳۹
سوال وجواب	۳۳۹
لام میں گفتگو	۳۴۰
دوسرا مسئلہ: اہلِ اباحت کا استدلال	۳۴۰
تیسرا مسئلہ: مٹی کھانے کا شرعی حکم	۳۴۱
چوتھا مسئلہ	۳۴۱
ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ کی تفسیر	۳۴۱
پہلا مسئلہ	۳۴۱
دوسرا مسئلہ	۳۴۱
تیسرا مسئلہ: زمین کی پہلے تخلیق پر استدلال	۳۴۲
جوابات	۳۴۲
سوال وجواب	۳۴۳
چوتھا مسئلہ	۳۴۴
پانچواں مسئلہ، سات آسمانوں کا وجود	۳۴۴

Marfat.com

افلاک کا نو ہونا	۳۴۵
یہ دلائل ضعیف ہیں	۳۴۵
سوال وجواب	۳۴۵
پہلا مقدمہ	۳۴۶
دوسرا مقدمہ	۳۴۶
اور بھی افلاک ہیں	۳۴۶
دو اقوال	۳۴۷
سوال وجواب	۳۴۷
چھٹا مسئلہ: اللہ تعالیٰ کا علم محیط	۳۴۷
آیت ۳۰: وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ کی تفسیر	۳۴۸
تیسرا انعام	۳۴۸
پہلا مسئلہ، "اِذْ" میں دو اقوال	۳۴۹
دوسرا مسئلہ، "الملك" کا مفہوم	۳۴۹
تیسرا مسئلہ، ملائکہ پر گفتگو	۳۴۹
حضرات انبیاء پر گفتگو	۳۵۰
ملائکہ کی حقیقت	۳۵۰
دو اقوال	۳۵۰
جواہر کی اقسام	۳۵۱
فرشتوں کا عقلاً وجود	۳۵۱
دلائل عقلیہ	۳۵۲
چوتھا مسئلہ: کثرت ملائکہ کی تفصیل	۳۵۲
تفصیل مخلوق کی جھلک	۳۵۲
سیدنا جبریل امین کی عمر	۳۵۳
اصناف واقسام ملائکہ	۳۵۳
۱۔حاملین عرش	۳۵۴
۲۔حافلین عرش	۳۵۴
۳۔اکابر ملائکہ	۳۵۴
اوصاف جبریل	۳۵۴
۴۔ملائکہ جنت	۳۵۶
۵۔ملائکہ جہنم	۳۵۶
۶۔اولاد آدم پہ مقرر	۳۵۷
۷۔کاتبین اعمال	۳۵۷
۸۔احوال کائنات پر مقرر	۳۵۷
مددگار فرشتے	۳۵۸
اوصاف ملائکہ	۳۵۸
سوال وجواب	۳۵۸
ان کی طاعات کی شانیں	۳۵۸
چار صورتیں	۳۵۹
پانچ وجوہات	۳۵۹
سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا قول	۳۶۱
پانچواں مسئلہ: ملائکہ سے مراد	۳۶۲
چھٹا، ساتواں مسئلہ	۳۶۲
آٹھواں مسئلہ: خلیفہ کا مفہوم	۳۶۲
خلیفہ کون اور کیوں؟	۳۶۳
دو وجوہات	۳۶۳

Marfat.com

سول وجواب	۳۶۳
"قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا" کی تفسیر	۳۶۴
پہلا مسئلہ	۳۶۴
سوال وجواب	۳۶۴
مخالفین کے دلائل	۳۶۵
آٹھ وجوہات	۳۶۵
دوسرا شبہ، واقعہ ہاروت و ماروت	۳۶۷
دوسری روایت	۳۶۷
تیسرا شبہ، ابلیس کا ملائکہ میں سے ہونا	۳۶۸
چوتھا شبہ، ملائکہ کو عذاب دیا جانا	۳۶۸
پہلے شبہ کا جواب	۳۶۸
معتزلہ کا جواب	۳۶۹
حکماء کا جواب	۳۶۹
ملائکہ کا قول	۳۷۰
دوسرے استدلال کا جواب	۳۷۱
تیسرے استدلال کا جواب	
اپنی تعریف ہر حال میں منع	۳۷۱
چوتھے استدلال کا رد	۳۷۱
پانچویں استدلال کا رد	۳۷۲
یہ بطور یقین تھا	۳۷۲
پانچ دلائل	۳۷۳
چھٹے استدلال کا رد	۳۷۳
دوسرا شبہ: واقعہ ہاروت و ماروت	۳۷۳
چار وجوہات	۳۷۳
تیسرا شبہ، چوتھا شبہ	۳۷۴
دوسرا مسئلہ: ملائکہ، معاصی پر قادر ہیں یا نہیں؟	۳۷۴
معتزلی کا رد	۳۷۵
تیسرا مسئلہ: تسبیح اور تقدیس کا مفہوم	۳۷۵
تسبیح بمعنی تنزیہی	۳۷۶
تسبیح بمعنی تعجب	۳۷۷
حاملین عرش	۳۷۸
تمام کا ثواب بندوں کے لیے	۳۷۹
چوتھا مسئلہ: بِحَمْدِكَ کی تفسیر	۳۸۱
حضرت داؤد علیہ السلام کا اہم قول	۳۸۱
تسبیح سے مراد	۳۸۱
پانچواں مسئلہ: تقدیس سے مراد	۳۸۲
معتزلہ کا موقف	۳۸۳
پہلی وجہ: ملائکہ کے قول	۳۸۳
چھ وجوہات	۳۸۳
چھٹا مسئلہ: اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کے متعدد معانی	۳۸۴
چھ احتمالات	۳۸۴
آیت ۳۱: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کی تفسیر	۳۸۵
تفصیلی وجہ حکمت	۳۸۵
پہلا مسئلہ: زبانیں اور لغات توقیفی ہیں	۳۸۵
ان دلائل کا جواب	۳۸۶
دوسرا مسئلہ: صفات وخواص کا علم	۳۸۶
دو اقوال	۳۸۶
دو وجوہات	۳۸۷

Marfat.com

اہل معانی وحقائق کا قول	۳۸۷
عَرَضَهُمْ کی حکمت	۳۸۸
سوال وجواب	۳۸۸
تیسرا مسئلہ	۳۸۸
چوتھا مسئلہ: حضرت آدم علیہ السلام کا نبی ہونا	۳۸۸
دو وجوہات	۳۸۸
سیدنا آدم اس وقت نبی نہ تھے	۳۸۹
تین دلائل	۳۸۹
پانچواں مسئلہ: إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ کی تفسیر	۳۹۰
چار وجوہات	۳۹۰
چھٹا مسئلہ: فضیلت علم	۳۹۱
فضیلت علم اور کتاب اللہ	۳۹۳
چار وجوہات	۳۹۳
قلیل علم اور مخلوق	۳۹۴
قلتِ دنیا پر دلیل	۳۹۵
سات افراد میں فرق	۳۹۵
اُولی الامر، اصحاب علم	۳۹۶
چار اصناف کے درجات	۳۹۶
علماء کے پانچ مناقب	۳۹۷
احادیثِ مبارکہ اور فضیلت علم	۳۹۸
علم حاصل کرنے والا روزہ دار کی طرح	۳۹۸
عالم اور انبیاء کا قرب	۳۹۸
مخلوق روتی ہے	۳۹۹
عابد پر ستر درجے	۳۹۹
خلفاء رسول	۳۹۹
آثار صحابہ اور فضیلت علم	۴۰۰
علماء تین طرح کے	۴۰۰
عالم بامر اللہ کی تین علامات	۴۰۱
عالم باللہ کی تین علامات	۴۰۱
عالم باللہ و بامر اللہ کی چھ علامات	۴۰۲
علم و فکر کے بغیر دل کا مردہ ہونا	۴۰۲
تین اوقات میں نیند اور ہنسی	۴۰۲
۱۔علم و پانی میں پانچ مشابہتیں	۴۰۲
۲۔دنیا کی بہار پانچ چیزیں	۴۰۲
۳۔امام حسن بصری کی پانچ فضیلتیں	۴۰۳
۴۔علم نافع کی پہچان کیسے ہو؟	۴۰۴
۵۔پانچ چیزوں سے پانچ طلب کرو	۴۰۴
۶۔خواص کے پانچ طبقات	۴۰۴
۷۔علم مال سے سات طرح افضل ہے	۴۰۵
۸۔سات عزتوں کا حصول	۴۰۵
۹۔علماء اور طبقات دوزخ	۴۰۶
۱۰۔آٹھ آدمیوں کی صحبت	۴۰۶
۱۱۔سات طرح کا علم	۴۰۷
کمالات علم	۴۰۸
علم اور سلام الٰہی	۴۰۸
اُمت اور محبت نبوی ﷺ	۴۰۸
۱۲۔مومن اور چھ خصائل	۴۰۹
۱۳۔جنت کا راستہ	۴۰۹

Marfat.com

۱۴۔چار سے چار کا حصول	۴۱۰	چیونٹی کا علم وادب	۴۲۷
۱۵۔چار چیزوں کی تکمیل	۴۱۰	سدھایا ہوا کتا اور علم	۴۲۷
۱۶۔قیام دنیا اور چار	۴۱۰	قوت دل اور علم	۴۲۸
۱۷۔مرد چار طرح کے	۴۱۱	علم وعمل کا رشتہ	۴۲۸
۱۸۔چار سے نفرت نہیں	۴۱۱	علم اور خدمت رب	۴۲۸
۱۹۔علماء اور مال	۴۱۱	حکایات متعلقہ فضیلت علم	۴۲۹
فضیلت علم پر عقلی دلائل	۴۱۱	۱۔امام ابو یوسف کا کمال علمی	۴۳۱
علم جنت اور جہالتِ دوزخ	۴۱۲	۲۔حسنین کا اولاد رسول ہونا	۴۳۱
لذت علم سے بڑھ کر کوئی لذت نہیں	۴۱۳	۳۔امام اعظم کا فاتحہ خلف الامام	۴۳۲
فضیلتِ علم پر مزید چار نصوص	۴۱۳	۴۔فرزدق کی ذہانت	۴۳۲
سوال وجواب	۴۱۳	۵۔امام اعظم کی دانائی	۴۳۳
تین وجوہات	۴۱۳	۶۔امام ابو یوسف اور احترامِ مسلم	۴۳۳
اہلِ جنت ہونے پر دلالت	۴۱۴	۷۔السلام علیکم اور امن	۴۳۴
عقلی دلیل	۴۱۴	علوم کا انکشاف	۴۳۴
تین اُمور کا علم	۴۱۴	امام اعظم کی علمی بصیرت	۴۳۵
خوف اور حصول جنت	۴۱۴	امام محمد کا علمی کمال	۴۳۷
احادیث طیبہ اور علم	۴۱۹	امام شافعی کا علمی کمال	۴۳۸
اُمت کو پڑھانے والوں کی شان	۴۱۹	امام حسین رضی اللہ عنہ اور اعرابی کی علمی گفتگو	۴۳۸
عالم کی تعظیم	۴۲۰	چند سوالات وجوابات	۴۳۸
موت اور حصولِ علم	۴۲۳	فضیلت علم پر شواہد عقلی	۴۴۱
ہُدہُد اور پانی	۴۲۵	ساتواں مسئلہ: تعریف علم میں اقوال	۴۴۹
یہ میرے بس میں نہیں	۴۲۶	اعتراض وجواب	۴۴۹
نکات متعلقہ فضیلت علم	۴۲۶	معتزلہ اور تعریف علم	۴۵۱
حضرت یوسف علیہ السلام کا گواہ	۲۲۷	فلاسفہ اور تعریف علم	۴۵۱

Marfat.com

چار عیوب ۴۵۱
آئینہ میں تین اُمور ۴۵۲
شیخ غزالی کا رد ۴۵۲
تین وجوہات ۴۵۲
علم کی مختار تعریف ۴۵۳
آٹھواں مسئلہ: علم کے مترادف الفاظ کا بیان ۴۵۳
اہم تفسیری نکتہ ۴۵۴
ایک اور راز ۴۵۵
تفسیر معرفت میں اقوال ۴۵۵
حکمت کی تعریف ۴۵۷
نواں مسئلہ: اللہ تعالیٰ پر معلم کا اطلاق نہیں ہوتا ۴۶۱
آیت ۳۲۔۳۳ قَالُوْا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا
کی تفسیر ۴۶۲
معصیت کا قول کرنے والے ۴۶۲
عصمت ماننے والے ۴۶۲
پہلا مسئلہ: معارف اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں ۴۶۳
جواب ۴۶۳
دوسرا مسئلہ: غیب اور تعلیم الٰہی ۴۶۳
تیسرا مسئلہ: اَلْعَلِيْمُ کی تفسیر ۴۶۳
چوتھا مسئلہ: حکیم کا استعمال ۴۶۴
پانچواں مسئلہ: اشیاء اور علم الٰہی ۴۶۴
سوال وجواب ۴۶۴
وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ کی تفسیر ۴۶۵
پانچ اقسام کا بیان ۴۶۵
چھٹا مسئلہ: خوف عظیم اور فرحت عظیم ۴۶۵
اللہ تعالیٰ کی خاطر گناہوں سے رکنا ۴۶۶
تین احوال میں نفس کا خیال ۴۶۶
آیت ۳۴: وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ
کی تفسیر ۴۶۷
چوتھا انعام ۴۶۷
پہلا مسئلہ: حکم سجدہ تکمیل تخلیق سے پہلے ۴۶۸
دوسرا مسئلہ: یہ سجدہ عبادت نہ تھا ۴۶۸
دو اعتراضات ۴۶۸
دوسرا طعن ۴۶۸
جواب ۴۶۸
دوسرا قول: سجدہ تعظیمی تھا ۴۶۹
تیسرا قول: سجدہ بمعنی طاعت ۴۷۰
سوال وجواب ۴۷۰
تیسرا مسئلہ: کیا ابلیس فرشتوں میں داخل ہے؟ ۴۷۰
ایک اور دلیل ۴۷۱
خازن جنت مراد ہے ۴۷۱
سوال وجواب ۴۷۱
ملائکہ سے ماننے والوں کی دلیل ۴۷۳
چوتھا مسئلہ: انبیاء، ملائکہ سے افضل ۴۷۵
اہل سنت کا مسلک ۴۷۵
ملائکہ انسان سے افضل ۴۷۵
بیس دلائل ۴۷۶
پہلی دلیل کا رد ۴۷۸

Marfat.com

حضرت کعب الاحبار کا خوبصورت جواب	۴۷۹
سوال و جواب	۴۷۹
ملائکہ کی متعدد زبانیں	۴۸۰
نوٹ	۴۸۰
پانچویں دلیل: انبیاء اُمتوں سے افضل	۴۸۲
سوال و جواب	۴۸۲
چھٹی دلیل	۴۸۳
ملائکہ اور ثبوت تقوی	۴۸۳
چند سوالات و جوابات	۴۸۳
ملائکہ اور تمناء درجات	۴۸۳
انسانی خواہشات زیادہ ہیں	۴۸۴
ساتویں دلیل	۴۸۴
سوال و جواب	۴۸۶
تین دلائل	۴۸۹
مکلف کی چار انواع	۴۹۰
نوٹ	۴۹۴
سترہویں دلیل: حضرت جبریل اور حضرت محمد ﷺ پر گفتگو	۴۹۵
سوال و جواب	۴۹۶
علوم کی دو اقسام	۴۹۷
فلاسفہ کا اتفاق	۴۹۹
دلائل و اعتراضات	۴۹۹
اہم باریک نکتہ	۵۰۱
ملائکہ کی قوت شیاطین سے زیادہ	۵۰۲
حضرات انبیاء علیہم السلام کے افضل ہونے پر دلائل	۵۰۵
چھ دلائل	۵۰۶
مخالفین کا جواب	۵۱۰
پہلی دلیل کا جواب	۵۱۰
دوسری دلیل کا رد	۵۱۰
سوال جواب	۵۱۱
تیسری دلیل کا رد	۵۱۱
آخری دو وجہ	۵۱۲
پانچواں مسئلہ	۵۱۲
جواب	۵۱۳
چھٹا مسئلہ: عقلاء کے دو اقوال	۵۱۴
حکمت پر سات اعتراضات	۵۱۴
چند مباحث	۵۱۶
پہلی بحث	۵۱۶
پہلی تفسیر	۵۱۶
دوسری تفسیر	۵۱۶
دوسری بحث: معصیت اور کفر	۵۱۷
جواب	۵۱۷
ساتواں مسئلہ: تمام فرشتوں کو سجدہ کا حکم	۵۱۷
دو دلائل	۵۱۷
بعض کا انکار	۵۱۷
حکماء کا قول	۵۱۷
تفسیر کا دوسرا جز	۵۱۷

Marfat.com

یہ مدنی سورت ہے لیکن آیت 281 حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں نازل ہوئی۔اس کی کل دو سو چھیاسی (۲۸۶) آیات ہیں۔

[۱] الٓمّٓ ﴿۱﴾

(الف،لام،میم)

الٓمّٓ میں دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ، الفاظ کا اسماء ہونا

واضح رہنا چاہیے جن الفاظ سے اسماء مرکب ہوتے ہیں، ان کے مسمیات حروف مفردہ ہیں، اس لئے لفظ ضاد مفرد اور یہ معنی مستقل پر دلالت کرتا ہے لیکن اس میں کوئی معین زمانہ نہیں، 'ضرب' کے حرف اول 'ض' کا یہی مفہوم ہے تو ثابت ہوا کہ یہ اسماء ہیں اس لئے بھی کہ ان حروف میں امالہ، تفخیم، تعریف، تنکیر، جمع تصغیر، وصف، اسناد و اضافت تمام جاری ہوتے ہیں۔لہٰذا یہ یقیناً اسماء ہی ہیں۔

سوال: امام ابوعیسیٰ ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن کا ایک حرف پڑھا اس کیلئے ایسی نیکی ہے جو دس کے برابر ہے تو میں یہ نہیں کہتا کہ "الٓمّٓ" ایک حرف ہے بلکہ الف، لام اور میم الگ الگ حروف ہیں۔ (سنن ترمذی:۲۹۱۰)

یہ روایت تمہارے بیان کردہ (کہ یہ اسماء ہیں) کے مخالف ہے۔

جواب: انھیں مجازاً حرف فرمایا گیا کیونکہ یہ حروف کے اسماء ہیں، آپس میں دو متلازمین میں سے ہر ایک کا دوسرے پر مجازاً اطلاق معروف ہے۔

حروف کے نام رکھنے کی وجہ، چند فروعات

۱۔ ان کے ناموں میں اہلِ علم نے لطیف معانی کی رعایت بیان کی ہے۔وہ یہ ہے کہ جب اپنے اسماء کی طرح مسمیات الفاظ ہوں گے اور یہ حروف مفرد ہیں اور اسامی کے عدد حروف تین تک چلے جائیں تو پھر اسم کی مسمیٰ پر دلالت ہوتی ہے تو الف کے سوا، مسمیٰ ہر اسم کا صدر ہوسکتا ہے۔تو انہوں نے اس کے مسمیٰ کی جگہ ہمزہ لے لیا کیونکہ الف ساکن ہی ہوتا۔

Marfat.com

۲۔عامل کے بغیر حکم

ان کا بغیر عامل حکم یہ ہے کہ ان کا آخر ساکن ہوگا جیسے اسماء اعداد۔ مثلاً الف، لام، میم، جس طرح ہم کہتے ہیں: واحد، اثنان، ثلاثہ، جب ان پہ عامل آئے گا تو یہ اعراب پائیں گے مثلاً ھذہ الف (یہ الف ہے) کتبت الفاً (میں نے الف لکھا) نظرت الی الف (میں نے الف دیکھا)۔

اسی طرح ہر اسم کا معاملہ ہے۔ جو مسمّیٰ تک پہنچاتا ہے اس لیے کہ ذات لفظ کی وضع ذات معنی کیلئے ہے اور حرکاتِ الفاظ، احوال معانی پر دلالت کرتی ہیں تو جب جوہر معنی مقصود ہو تو پھر لفظ کا حرکات سے خالی ہونا ضروری ہوگا۔

۳۔ان کا معرب ہونا

یہ اسماء معرب ہیں اور ان پر سکون ان دیگر اسماء کی طرح ہے جن پر عامل نہ ہونے کی وجہ سے اعراب نہیں۔ دلیل یہ ہے کہ ان کا ساکن ہونا وقف کی وجہ سے ہے نہ کہ مبنی ہونے کی وجہ سے کیونکہ اگر یہ مبنی ہوتے تو یہ کیف، این اور ھؤلاء کی طرح ہوتے نہ کہ دو ساکن کا مجموعہ صاد، قاف، نون۔

دوسرا مسئلہ، سورتوں کے ابتدائی کلمات میں دو اقوال

ارشاد الٰہی الم اور دیگر فواتح سور میں دو اقوال ہیں:

پہلا قول: ان کا علم پوشیدہ اور ایسا راز ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص فرمایا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

فی کل کتاب سر و سرہ فی القرآن اوائل السور — ہر کتاب کے کچھ راز ہوتے ہیں، اللہ کے راز قرآن میں اوائل سور ہیں

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان لکل کتاب صفوۃ و صفوۃ ھذا الکتاب حروف التھجی — ہر کتاب کے منتخبات ہوتے ہیں، قرآن کے منتخبات یہ حروف تہجی ہیں

راز رکھنے کی حکمت

بعض عرفاء نے فرمایا، علم سمندر کی طرح ہے اس سے دریا جاری ہیں اور دریا سے نہریں، نہر سے سوئے پھر اس سوئے سے چھوٹے کھال، اگر دریا، جدول کی طرف بہے تو وہ غرق و فاسد ہو جائے، اگر سمندر نالہ کی طرف بہے تو وہ ختم ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مبارک سے یہی مراد ہے

Marfat.com

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا　　اس نے آسمان سے پانی اتارا تو نالے اپنے اپنے لائق بہہ نکلے　(پ ۱۳ الرعد: ۱۷)

اللہ تعالیٰ کے ہاں علم سمندر ہیں، اس میں سے انبیاء علیہم السلام کو اس نے علوم کے دریا عطا فرمائے، پھر انبیاء علیہم السلام نے علماء کو علوم کی نہریں عطا کیں، علماء نے عوام کو حسب استعداد کھالوں کی صورت میں علم دیا پھر انھوں نے بقدر طاقت آگے پھیلایا۔

یہی حقیقت ایک روایت میں یوں ہے:

کچھ علماء کے راز ہوتے ہیں اور کچھ خلفاء کے، کچھ انبیاء علیہم السلام کے راز، اور کچھ فرشتوں کے، اس کے اوپر تمام اللہ کیلئے راز ہیں، اگر جاہل لوگ، علماء کے رازوں سے آگاہ ہو جائیں تو انھیں ظاہر کر دیں، اگر علماء، خلفاء کے رازوں سے واقف ہو جائیں تو وہ انھیں پھینک دیں اگر خلفاء، انبیاء علیہم السلام کے اسرار سے آگاہ ہو جائیں تو وہ ان کی مخالفت کریں، اگر حضرات انبیاء علیہم السلام، ملائکہ کے رموز سے آگاہ ہو جائیں تو ان پر تہمت باندھیں، اگر ملائکہ، اللہ تعالیٰ کے راز سے آگاہ ہو جائیں تو حیرانگی میں پڑ جائیں اور جل کر راکھ ہو جائیں۔

اس کا سبب

اس کا سبب یہ ہے کہ کمزور عقلیں اسرار قویہ کی متحمل نہیں ہو سکتیں، جیسے چمگادڑ نور شمس کی متحمل نہیں، حضرات انبیاء علیہم السلام کو اسرار نبوت نبھانے کیلئے دوسروں کی نسبت کامل عقل دی گئی ہے۔ علماء کو عوام کی نسبت، اسرار کے لئے اعلیٰ عقل دی گئی ہے، عوام ان اسرار کو سمجھنے سے قاصر ہیں، اسی طرح علماء باطن کا معاملہ ہے اور وہی حکماء ہیں، ان کی عقلیں وہ کچھ اٹھا سکتی ہیں جس سے علماء ظاہر عاجز ہیں۔

امام شعبی سے ان حروف کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

سر اللہ فلا تطلبوہ　　یہ اللہ تعالیٰ کے راز ہیں ان کا معنی مت پوچھو

امام ابوظبیان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا، علماء ان کے ادراک سے عاجز ہیں۔

امام حسین بن الفضل نے فرمایا: یہ متشابہات میں سے ہیں۔

متکلمین کا انکار اور دلائل

اہل کلام و عقائد نے اس قول کا انکار کرتے ہوئے کہا یہ ہرگز جائز نہیں کہ کتاب اللہ میں ایسی چیز ہو جو مخلوق سمجھ ہی نہ پائے،

Marfat.com

اس پر آیات، احادیث اور دلائل عقلیہ سے یوں استدلال کیا ہے۔

چودہ آیات قرآنی

اس پر انہوں نے چودہ آیات قرآنی ذکر کی ہیں:

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (پ۲۶، محمد:۲۴) تو کیا وہ قرآن میں سوچتے نہیں یا دلوں پر ان کے قفل لگے ہیں

یہاں لوگوں کو قرآن میں تدبر کا حکم ہے اگر وہ سارا سمجھ نہیں آتا تو پھر تدبر کا حکم کیسے؟

۲۔ ارشاد مبارک ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (پ۵، النساء:۸۲) تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے

تو نفی تناقص واختلاف کی معرفت کیلئے لوگوں کو قرآن میں تدبر کا حکم کیوں دیا جبکہ مخلوق اس کو سمجھ ہی نہیں پاتی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (پ۱۹، الشعراء:۱۹۲،۱۹۵) اور بے شک یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے اسے روح الامین لے کر اترا، تمہارے دل پر، کہ تم ڈر سناؤ، روشن عربی زبان میں

اگر قرآن سمجھ ہی نہیں آتا تو اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا منذر (ڈر سنانے والا) ہونا باطل ہو جائے گا، پھر

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (پ، الشعراء:۱۹۴) واضح عربی زبان میں

بتا رہا ہے کہ یہ لغت عرب میں نازل ہوا ہے اس وجہ سے اس کا مفہوم سمجھ میں آنا ضروری ہے۔

۴۔ ارشاد الٰہی ہے:

لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (پ۵، النساء:۸۳) تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے

قرآن سے استنباط، تب ہی ممکن ہے جب اس کے تمام معانی سے آگاہی ہو۔

Marfat.com

۵۔ فرمایا:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (پ۱۴، النحل:۸۹) اور ہم نے تم پر قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے

دوسرے مقام پر الفاظ مبارکہ ہیں:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ (پ۷، الانعام:۳۸) ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا

۶۔ قرآن کی صفت بیان کی:

هُدًى لِّلنَّاسِ (پ۲، البقرہ:۱۸۵) لوگوں کیلئے ہدایت اور راہنمائی

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (پ۱، البقرہ:۲) ہدایت ہے ڈر والوں کیلئے

جو نامعلوم ہو وہ رہبر و ہادی نہیں بن سکتا۔

۷۔ قرآن کے بارے میں فرمایا:

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ (پ۲۷، القمر:۵) معراج کو پہنچی ہوئی حکمت

شفا قرار دیتے ہوئے فرمایا:

وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ (پ۱۱، یونس:۵۷) اور دلوں کی صحت اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کیلئے

یہ تمام صفات کسی غیر معلوم کی نہیں ہو سکتیں۔

۸۔ فرمایا:

قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَّكِتَابٌ مُّبِينٌ (پ۶، المائدہ:۱۵) بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور کتاب روشن

۹۔ ارشاد مبارک ہے:

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (پ۲۱، العنکبوت:۵۱) اور کیا یہ انھیں کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے بے شک اس میں رحمت اور نصیحت ہے ایمان والوں کیلئے

Marfat.com

یہ کتاب کافی کیسے ہوسکتی ہے، اور یہ نصیحت کیسے ہوسکتی ہے؟ اگر یہ سمجھ ہی نہیں آتی؟

۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ (پ۱۳،ابراہیم:۵۲) یہ لوگوں کو حکم پہنچاتا ہے اور اس لیے کہ وہ اس سے ڈرائے جائیں

تو یہ بلاغ (حکم پہنچانے والی) کیسے بنے گی، اس کے ساتھ انذار (ڈرانا) کیسے ہوگا جبکہ یہ معلوم ہی نہیں؟

اس آیت کے آخر میں فرمایا:

وَلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (پ۱۳،ابراہیم:۵۲) اور اس لئے کہ عقل والے نصیحت مانیں

یہ وصف تب ہے کہ یہ معلوم ہو۔

۱۱۔ ارشاد مقدس ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (پ۶،النساء:۱۷۴) تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اتارا

اگر اس کا معنی سمجھ نہیں آتا تو یہ برہان اور نور مبین کیسے قرار پائے گی؟

۱۲۔ ارشاد فرمایا:

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا (پ۱۶،طٰہٰ:۱۲۳،۱۲۴) تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا وہ نہ بہکے نہ بد بخت ہو اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو بیشک اس کیلئے تنگ زندگانی ہے

اگر یہ معلوم نہیں تو اسکی اتباع اور اس سے اعراض کا کیا معنی؟

۱۳۔ ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (پ۱۵،الاسراء:۹) بیشک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے

اگر اس کے معانی معلوم نہیں تو یہ کتاب ہادی کیسے بن سکتی ہے؟

۱۴۔ ارشاد الٰہی ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (پ۳،البقرۃ:۲۸۵) رسول ایمان لایا اس پر جو اس کے رب کے پاس سے اترا اور ایمان والے اور عرض کی کہ ہم نے سنا اور مانا

Marfat.com

اور طاعت، معنی سمجھنے کے بعد ہی ممکن ہے لہٰذا قرآن کا مفہوم ہونا لازم وضروری ہے

احادیث مبارکہ

۱۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے میں تمہارے اندر جو چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم اس سے تمسک (پکڑ کر) رکھو تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

کتاب اللہ و سنتی (سنن ترمذی، ۳۷۸۸) وہ اللہ کی کتاب اور میری سنت ہے

اگر قرآن کے معنی ہی معلوم نہ ہوں تو اس سے تمسک کیسے ہوگا؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم پر کتاب اللہ کا ماننا لازم ہے، اس میں تمہارے لئے تم سے پہلے اور بعد کی خبریں ہیں اور یہی تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے، یہی قطعی بات کرتا ہے، یہ مذاق نہیں، جس نے اسے چھوڑا اللہ تعالیٰ اسے ختم کر دے گا، جس نے اس کے علاوہ کی اتباع کی اللہ تعالیٰ اس پر گمراہی مسلط فرما دے گا، یہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی، ذکر، حکیم اور صراط مستقیم ہے۔ اس کی وجہ سے خواہشات میں ٹیڑھ پیدا نہیں ہوتا۔ اس سے اہل علم کبھی سیر نہ ہوں گے، یہ کثرت تلاوت سے پرانا نہیں ہوگا، اس کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے، جس نے اس کے ساتھ قول کیا وہ سچا، جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا وہ عادل، جس نے اس کے ذریعے جھگڑا کیا وہ کامیاب ٹھہرا، جس نے اس کی دعوت دی اس نے صراط مستقیم کی رہنمائی پائی۔

دلائل عقلیہ

دلائل عقلیہ یہ ہیں:

۱۔ ایسی شئی جس کا علم نہ ہو اس کے ساتھ ایک دوسرے سے تخاطب و گفتگو ایسے ہی ہے جیسے کسی عربی سے حبشی اپنی زبان میں گفتگو کرے۔ جب یہ جائز نہیں تو یہاں عدم مفہوم کے بغیر تخاطب جائز نہ ہوگا۔

۲۔ کلام و گفتگو سے مقصود افہام اور بات سمجھانا ہوتا ہے جب کلام مفہوم و معلوم ہی نہیں تو اس کے ساتھ مخاطبت عبث و کم عقلی ہوگی اور یہ بات حکیم ذات کے لائق وشایانِ شاں کہاں؟

۳۔ قرآن کے ساتھ چیلنج اور تحدی ہے اور جو مفہوم و معلوم ہی نہ ہو، اس کے ساتھ تحدی کا جواز نہیں ہوسکتا۔

مخالفین کے دلائل

متکلمین کے مخالفین نے بھی آیات، احادیث اور عقلی دلائل دیے ہیں

Marfat.com

آیت قرآنی

متشابہ قرآن کا حصہ ہے لیکن وہ (کسی کو) معلوم نہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ — اوراس کا حقیقی پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے (پ۳، آل عمران:۷)

یہاں "الا اللہ" پر وقف ان وجوہات کی بنا پر لازم ہے۔

۱۔ ارشادگرامی "وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ" کا عطف اگر الا اللہ پر ہو تو "يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ" ماقبل سے منقطع ہو جائے گا اور یہ جائز نہیں کیونکہ تنہا اس کا کوئی معنی نہیں۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ "يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ" حال ہے کیونکہ پھر اس کا تعلق ماقبل تمام (عبارت) سے ہوگا تو لازماً معنی یہ ہوگا، اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے کہ ہم ایمان لائے جو ہمارے رب کی طرف سے ہے اور یہ بات سراسر کفر ہے۔

۲۔ اگر راسخین فی العلم، تاویل متشابہات سے آگاہ ہوں تو پھر انھیں ان پہ ایمان کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں کیونکہ جب وہ اس کے معنی سے آگاہ ہیں تو ان پر ایمان، محکم آیات پر ایمان کی طرح ہی ہوگا، لہٰذا متشابہ پر ایمان کے لئے کوئی مزید مدح نہ بنے گی، حالانکہ یہ مدح ہے۔

۳۔ اگر متشابہات کی تاویل کا جاننا لازمی ہے تو پھر ان کی تاویل طلب کرنے پر مذمت نہیں ہونی چاہیئے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایسی طلب پر مذمت فرمائی ہے۔ ارشاد مبارک ہے:

فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ — وہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑے ہیں (پ۳، آل عمران:۷)

حدیث مبارکہ

دوسرا مسئلہ کے ابتدا میں جو روایات آئی ہیں: مثلاً سیدنا صدیق اکبر کا قول "لکل کتاب سر الخ" (ہر کتاب کے کچھ راز ہوتے ہیں) یہ بھی ان کے دلائل ہیں

۱۔ یہ بھی مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا بعض علوم مخفی خزانہ ہیں جنہیں "عارف باللہ" لوگ ہی جانتے ہیں، جب وہ انھیں ظاہر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے مخالف اس کا انکار کرتے ہیں۔ (مسند الفردوس، ۸۰۲)

۲۔ اوائل سُور (سورتوں کے ابتدائی کلمات) کا معنی معلوم نہیں، یہ اکابر صحابہ کا قول ہے لہٰذا اسی کا حق ہونا ضروری ہے۔ سرور عالم ﷺ کا فرمان ہے:

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اهتدیتم — میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی اقتدا کرلو گے ہدایت پاؤ گے (تلخیص الحبیر: ۱، ۱۹۰)

Marfat.com

دلائل عقلیہ

ہمیں جن اعمال کا مکلف بنایا گیا ان کی دو اقسام ہیں:

۱۔ ہم ان اعمال کی وجہ یعنی حکمت سے آگاہ ہیں، صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، کیونکہ نماز خالق کی بارگاہ اقدس میں خشوع و خضوع اور تضرع ہے، زکوٰۃ محتاج و ضرورتمند کی حاجت پوری کرنے کی کوشش و جدوجہد ہے، صوم، ترک شہوت کا ذریعہ ہے۔

۲۔ بعض اعمال کی حکمت سے ہم آگاہ نہیں مثلاً افعال حج۔ رمی جمرات، صفا و مروہ میں سعی، رمل و اضطباع کی حکمت سمجھ نہیں آتی۔

اس پر تمام محققین متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا جس طرح پہلی قسم کے افعال کا حکم دینا جائز ہے، اسی طرح دوسری قسم کے افعال کا حکم دینا بھی حسن اور جائز ہے اس لئے کہ قسم اول کی طاعت، کمال انقیاد، فرمانبرداری پہ دلیل نہیں کیونکہ ممکن ہے مکلف نے مخفی مصلحت کی بنا پر ہی بجالا رہا ہو ہاں قسم ثانی کی طاعت کمال فرمانبرداری اور انتہائی تسلیم پر دلیل ہے اس لئے کہ جب وہ ان کی مخفی مصلحت سے آگاہ ہی نہیں تو اب ان کی بجا آوری محض فرمانبرداری و تسلیم ہی کی وجہ سے ہوگی۔

اقوال کی دو اقسام

جب افعال کی صورت یہ ہے تو اقوال کی دو اقسام کیوں نہیں ہو سکتیں؟

۱۔ اللہ تعالیٰ ہم سے ایسے کلمات سے کلام فرمائے کہ ہم اس کے معنی سے آگاہ ہوں۔

۲۔ اور کبھی ہم ان کے معانی سے آگاہ نہ ہوں۔

تو اس سے مقصود، مکلف کا حاکم کے سامنے انقیاد و تسلیم کا ہی ظہور ہو۔

جبکہ اس میں ایک اور فائدہ بھی ہے، انسان جب کسی معنی سے اچھی طرح واقف ہو تو اس کا اثر دل میں کم ہو جاتا ہے، لیکن جب مقصود سے آگاہ نہ ہو اور قطعاً جانتا ہو کہ کلام فرمانے والا احکم الحاکمین ہے تو انسان کا دل ہمیشہ ہی اس کی طرف متوجہ اور اس میں غور و فکر کرتا رہے گا، مکلف بنانے کا نچوڑ یہ ہے۔

اشتغال السر بذکر اللہ تعالیٰ و التفکر فی کلامہ دل ذکر الٰہی میں اور دماغ فکر کلام الٰہی میں مشغول رہے

کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہو کہ بندے کے ذہن و دماغ کا اس طرف ہمیشہ متوجہ رہنے میں اس کیلئے عظیم مصلحت ہے اور اسی مصلحت کی تحصیل کیلئے وہ قول و کلام پر ایمان رکھے گا، اس مسئلہ پر فریقین کی گفتگو کا خلاصہ یہی ہے

Marfat.com

اوائل سُور میں اکیس اقوال

کیا اوائل سُور کے معانی معلوم ہیں؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے معانی معلوم ہیں۔ پھر ان کے درمیان معانی میں درج ذیل اختلاف ہے۔

۱۔ یہ اسماء سُور ہیں، اکثر متکلمین کا یہی قول ہے، شیخ خلیل اور سیبویہ کا مختار بھی یہی ہے۔

شیخ قفال کہتے ہیں عرب ان حروف کے ساتھ مختلف اشیاء کا نام رکھتے مثلاً حارثہ کے والد کا لام ہے، حارثہ بن لام الطاقی، نحاس (تانبہ) کو صاد، نقدی کو عین، سحاب کو غین، جبل کا نام قاف، مچھلی کا نام نون۔

۲۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ یوں دعا کیا کرتے، یا کھیٰعص، یا حم عسق۔

۳۔ یہ اسماء الٰہیہ کے حصص و اجزا ہیں، حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (الم، حم، ن) ان کا مجموعہ الرحمٰن ہے لیکن ہم باقی کی کیفیت ترکیب سے آگاہ نہیں

۴۔ یہ اسماء قرآن میں سے ہیں، امام کلبی، سدی، اور قتادہ کا قول یہی ہے۔

۵۔ ان میں سے ہر کوئی اللہ تعالیٰ کے کسی اسم یا صفت پر دال ہے، الم کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔

الف، اللہ تعالیٰ کے احد، اول، آخر، ازلی، ابدی۔ لام اس کے لطیف، اور میم اس کے مالک، مجید و منان ہونے پر دال ہے۔

کھیعص میں فرمایا یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ثنا کی ہے، کاف، اس کے کافی۔ ھا، اس کے ہادی، عین، عالم او صاد، صادق ہونے پر دال ہے

امام ابن جریر (ت، ۳۱۰) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا، کاف، کبیر و کریم، یا، یجیر (وہ پناہ دیتا ہے) عین، عزیز (غالب) وعدل پہ دال ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مذکور مروی دونوں وجوہ میں فرق یہ ہے پہلی وجہ میں ان حروف میں سے ہر ایک اسم معین کے ساتھ خاص جبکہ دوسری وجہ میں ایسا نہیں ہے۔

۶۔ ان میں سے بعض کی اسماء ذات پر اور بعض کی اسماء صفات پہ دلالت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الم کا معنی یوں بیان کیا

انا اللّٰہ اعلم — میں اللہ سب سے علم والا

المص کے بارے میں بتایا:

انا اللّٰہ افعل — میں اللہ فیصلہ فرمانے والا

الر میں بتایا:

Marfat.com

انا اللہ اری — میں اللہ دیکھنے والا

اور یہ شیخ ابوصالح اور سعید بن جبیر سے بھی مروی ہے۔

۷۔ ہر ایک صفات افعال پہ دال ہے، الف۔الاءہ، (اس کی نعمتیں) لام، اس کا لطف، میم، اس کا مجد و بزرگی۔ یہ امام محمد بن کعب قرظی کا قول ہے، حضرت ربیع بن انس نے کہا:

ما منھا الا فی ذکر الائہ و نعمائہ — ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور نعمتوں پر دال ہے

۸۔ بعض، اللہ کے اسماء پر اور بعض اسماء غیر اللہ پر دال ہیں، حضرت ضحاک نے فرمایا الف، من اللہ (اللہ کی طرف سے) لام، من جبریل (جبریل لائے) میم (محمد پر) یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب جبریل امین کے ذریعے حضرت محمد ﷺ پر اتاری۔

۹۔ ہر حرف اللہ تعالیٰ کے کسی فعل پر دال ہے، الف، اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ سے محبت فرمائی اور انھیں رسول بنایا، لام، مخالفین نے آپ پر ملامت کی، میم، کفار جل اٹھے اور ظہور حق سے ذلیل ہوئے۔

بعض صوفیہ نے فرمایا الف کا معنی انا (میں) لام، لی (میرے لئے) میم کا، منّی (مجھ سے) ہے۔

۱۰۔ یہ معنی شیخ مبرد نے ذکر کیا اور اسے محققین کی عظیم جماعت نے قبول کیا، اللہ تعالیٰ نے ان حروف کا ذکر کفار کے خلاف بطور استدلال کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب انھیں چیلنج کیا کہ مثل قرآن لے آؤ یا دس سورتوں کی مثل یا ایک ہی سورت کی مثل لے آؤ تو وہ لانے سے عاجز ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان حروف کو نازل کیا اور بتایا کہ قرآن تو ان حروف سے مرکب ہے جن پر تم قادر ہو اور تم قوانین فصاحت سے واقف ہو تو تم پر قرآن کی مثل لانا لازم تھا جب تم اس سے عاجز آ گئے تو اس نے اشکار کر دیا۔

انہ من عند اللہ لا من البشر — یہ اللہ کی طرف سے ہے نہ کہ بشر کی طرف سے

۱۱۔ شیخ عبدالعزیز بن یحیٰ نے کہا، ان حروف کے ذریعے اللہ تعالیٰ گویا بندوں سے فرما رہا ہے ان حروف کو الگ الگ اچھی طرح جان لو حتیٰ کہ جب یہ بصورت مرکب تم پر آئیں تو تم انھیں پہچانتے ہوں جیسا کہ بچوں کو اولاً الگ حروف سکھائے جاتے ہیں اور پھر مرکبات۔

۱۲۔ شیخ ابن روق اور قطرب کا قول یہ ہے جب کفار نے کہا:

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ — اس قرآن کو مت سنو اور اس میں شور ڈالو تا کہ تمہیں غلبہ ہو جائے

(پ۲۴، فصلت:۲۶)

Marfat.com

تو مسلسل انھوں نے قرآن سے اعراض شروع کیا چونکہ اللہ تعالیٰ ان کا نفع اور اصلاح چاہتے تھے تو ان پر ایسی خبر نازل کی جسے وہ نہ جانتے تھے تاکہ وہ نازل ہونے والے قرآن کو سنیں اور خاموشی اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ نے یہ حروف نازل کیئے جب وہ سنتے تو متعجب ہو کر کہتے، سنو جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لایا ہے جیسے ہی متوجہ ہوتے تو قرآن ان پر غالب آجاتا تو یہ ان کے سننے اور نفع حاصل کرنے کا ذریعہ بن گئے۔

۱۳۔ حضرت ابو العالیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان میں سے ہر حرف قوموں کی مدت واجل پر دال ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا، ابو یاسر بن اخطب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گذرا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ البقرہ (الم ذالك الكتاب) کی تلاوت فرما رہے تھے پھر اس کے بھائی حیی بن اخطب اور کعب بن اشرف نے آکر الم کے بارے میں سوالات کیے تمہیں اللہ کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں کیا حق ہے کہ یہ تم پر آسمان سے نازل ہوا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، یہ اسی طرح نازل ہوا ہے، حیی بن اخطب کہنے لگا اگر تم نے سچ کہا ہے تو میں اس امت کی عمر سے آگاہ ہو گیا ہوں تو ہم ایسے آدمی کے دین میں کیسے داخل ہو جائیں جس کی امت کی آخری مدت اکہتر (۷۱) سال ہے۔ اس پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے، کہنے لگا: اس کے علاوہ بھی کچھ ہے؟ فرمایا: ہاں المص کہنے لگا یہ پہلے سے اکثر ہے، یہ ایک سو اکسٹھ سال ہیں۔ کیا اس کے علاوہ ہے؟ فرمایا: ہاں! الر۔ کہنے لگا یہ پہلے دونوں سے زائد پر دال ہے، اگر تو سچا ہے تو تیری امت دو سو اکتیس سال (۲۳۱) رہے گی۔ کیا اس کے علاوہ بھی ہے؟ فرمایا: المر۔ کہنے لگا: ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہم ایمان نہیں لائیں گے ہم یہ نہیں جان سکے کہ تمہارے کون سے قول کو اخذ کریں۔

ابو یاسر کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ سارے انبیاء نے اس امت کی ہمیں خبر دی مگر انھوں نے اس کی تعداد نہیں بتائی، اگر محمد اپنے قول میں سچے ہیں تو میں دیکھ رہا ہوں یہ تمام کو جمع کر لیں گے۔ اس پر وہ کھڑے ہو گئے اور کہا ہم پر تمہارا معاملہ مشتبہ ہو گیا ہم نہیں جان رہے کہ قلیل کو لیں یا کثیر کو؟ اس ارشاد مبارک کی یہی وجہ نزول ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ (پ۳، آل عمران:۷) وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اُتاری

(تفسیر ابن کثیر:۱،۵۱)

۱۴۔ یہ حروف، کلام کے انقطاع اور نئے کلام پہ دال ہوتے ہیں، شیخ احمد بن یحییٰ بن ثعلب کہتے ہیں عرب جب نیا کلام شروع کرتے تو وہ ایسی شئی لاتے جو نئے کلام کے علاوہ ہوتی جس سے وہ مخاطبین پر واضح کرتے کہ کلام اول ختم اور نیا کلام شروع ہو رہا ہے

۱۵۔ امام ابن جوزی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا:

Marfat.com

ان هذه الحروف ثناء اثنیٰ الله عزوجل به علی نفسه یہ حروف ثناء ہیں ان سے اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف وثنا کی ہے

۱۶۔ شیخ اخفش کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان حروف بے نقط کے شرف وفضل پر ان کی قسم کھائی، اس لئے یہ کہ مختلف زبانوں میں نازل شدہ کتب کے مبانی اور بنیاد ہیں۔ یہ اسماء حسنیٰ اور صفات الہیہ کے بھی مبانی ہیں، انہی سے اللہ تعالیٰ کی معرفت، ذکر و توحید الٰہی نصیب ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر بعض پر اکتفا کیا اگرچہ کل مراد ہے مثلاً ہم ایک بار کہیں میں نے الحمد پڑھی تو اس سے مراد پوری سورت ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں ان حروف کی قسم کھا کر کہتا ہوں یہ کتاب وہی ہے جو لوح محفوظ میں ثابت وتحریر ہے۔

۱۷۔ ان حروف کا تکلم اگرچہ ہر ایک کرتا ہے مگر ان اسماء کا مسمّٰی ہونا وہی جانتے ہیں جو تعلم واستفادہ میں مشغول ہوتے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے بغیر تعلم واستفادہ یہ حروف پڑھے تو یہ غیبی خبر بن گئے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر مقدم کیا تاکہ ابتداء سورت سن کر ہی معلوم ہو جائے کہ یہ معجزہ ہے جو حضور ﷺ کے صدق پر شاہد ہے

۱۸۔ شیخ ابوبکر تبریزی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس امت کا ایک گروہ قدمِ قرآن کا قول کرے گا تو اس نے یہ حروف ذکر کیے تاکہ واضح ہو جائے یہ کلام انہی حروف سے مرکب ہے، لہٰذا لازم ہے کہ یہ قدیم نہ ہو۔

۱۹۔ قاضی ماوردی فرماتے ہیں الم سے مراد الم بکم ذالك الكتاب (یہ کتاب تم پر نازل کی گئی) ہے المام بمعنی زیارت، اس کی وجہ یہ ہے کہ جبریل امین اللہ تعالیٰ سے یہ کتاب لے کر حضور ﷺ کے پاس بطور زائر (ملاقاتی) آئے۔

۲۰۔ الف، ابتدا میں ضروری استقامت کی طرف اشارہ ہے اور وہ رعایت وخیال شریعت ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر پکے ہو گئے

(پ ۲۴، فصلت:۳۰)

لام، مجاهدات کے وقت حاصل کردہ تواضع اور یہ رعایت طریقت ہے۔ ارشاد مبارک ہے:

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے (پ ۲۱، العنکبوت:۶۹)

میم، میں اشارہ ہے کہ بندہ محبت میں اس دائرہ کی طرح ہے جس کی انتہا عین ابتدا اور ابتدا عین انتہا ہوتی ہے۔ اور یہ کلیۃً فنا فی اللہ میں ہے اور یہی مقام حقیقت ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ (پ ۷، الانعام ۹۱) اللہ کہو پھر انہیں چھوڑ دو ان کی بیہودگی میں انہیں کھیلتا

Marfat.com

۲۱۔ الف کا مخرج اقصیٰ حلق ہے اور یہ حروف کا اول مخرج ہے، لام کا مخرج وسطِ لسان ہے جو وسط مخارج اور میم شفوی ہے جو آخر مخرج ہے، یہ اس طرف اشارہ ہے۔

لابد وان یکون اول ذکر العبد و وسطه و آخره بندے کے ذکر میں اول، وسط، اور آخر میں اللہ تعالیٰ ہی ہونا

لیس الا اللہ تعالیٰ چاہیے

جیسے کہ فرمان الٰہی ہے:

فَفِرُّوا اِلَى اللّٰهِ (پ۲۷، الذاریات:۵۰) پس بھاگو اللہ کی طرف

اوائل کا اسماء سُور ہونا

ان اقوال میں سے اکثر محققین کا مختار یہ ہے کہ یہ حروف سورتوں کے نام ہیں۔

اس پر دلیل یہ ہے کہ یہ الفاظ مفہوم و سمجھ نہیں آتے یا سمجھ آتے ہیں۔

اول صورت (سمجھ نہ آنا) ان وجوہ کی بنا پر باطل ہے۔

۱۔ اگر ایسا جائز ہو تو پھر عربی کے ساتھ حبشی زبان میں کلام کرنا جائز ہونا چاہیے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے بارے میں فرمایا کہ یہ تمام کا تمام ہدایت و رہنمائی ہے اور یہ اس کے معلوم و سمجھ نہ آنے کے منافی ہے اور اگر مفہوم ہیں تو ان سے مراد یہی اسماء القاب ہے یا اسماء معانی، دوسری صورت ان وجوہ پر باطل ہے۔

۱۔ لغت عرب میں یہ الفاظ ان معانی کیلئے وضع نہیں جو مفسرین نے ذکر کیے لہٰذا ان پر ان کا حمل محال ہے۔

۲۔ قرآن لغت عرب میں نازل ہوا لہٰذا انھیں ان معانی پر محمول نہیں کیا جا سکتا جو لغت عرب میں نہ ہوں۔

۳۔ مفسرین نے مختلف معانی بیان کیے اور ان کی بعض پر دلالت دوسرے بعض پر دلالت سے اولیٰ نہیں۔ تو اب تمام پر عمل ہوگا تو یہ بالاتفاق دشوار ہے کیونکہ ہر مفسر نے انھیں ایک ہی معنی پر محمول کیا ہے کسی نے بھی ان تمام پر محمول نہیں کیا۔

یا کسی پر بھی محمول نہیں کریں گے تو جب یہ قسم باطل ٹھہری تو لازماً ان سے مراد اسماء القاب ہیں۔

اسماء القاب یا معانی؟

سوال: یہ کیوں نہیں کہا جا سکتا کہ ان الفاظ کے معانی نامعلوم ہیں، رہا یہ اعتراض کہ اب عربی کے ساتھ حبشی زبان میں گفتگو جائز ہوگی، اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے، یہ کیوں جائز نہیں ہو سکتی، تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ مشکوٰۃ ذکر کیا جو حبشی لفظ ہے اسی طرح سجیل و استبرق دونوں فارسی ہیں۔

Marfat.com

پھر یہ کہنا کہ قرآن تمام بیان وہدایت ہے۔اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجملات، متشابہات پر بھی تو مشتمل ہے اگر وہ اس کے ہدایت وبیان کے منافی نہیں تو یہ کیسے منافی ہوں گے؟

چلو ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہ معلوم ومفہوم ہیں لیکن تمہارا یہ قول کہ اسماء القاب یا اسماء معانی ہیں، تب درست ہے جب یہ ثابت ہو کہ یہ کسی معنوی افادہ کے لئے موضوع ہیں اور یہ ثابت نہیں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے ان کا کسی اور حکمت پر نزول فرمایا ہو جیسے پیچھے شیخ قطرب سے آیا، ابتدا میں جب کفار نے اتفاق کر لیا کہ وہ قرآن کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ابتدا میں یہ حروف پڑھنے کا حکم دیا حتیٰ کہ انھوں نے سنا تو تعجب کرتے ہوئے خاموش ہو گئے پھر قرآن نے ان کی سماعتوں پہ اثر کیا۔

چلو ہم یہ مان لیتے ہیں کہ یہ کسی امر کیلئے وضع ہیں تو یہ کیوں نہیں کہا جاسکتا کہ اسماء معانی میں سے ہیں۔

اور معترض کا کہنا یہ لغت عرب میں کسی معنی کیلئے ہرگز موضوع نہیں، اس کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ تنہا تو کسی معنی کیلئے نہیں لیکن یہ کیوں نہیں کہا جاسکتا کہ قرینہ مخصوصہ کی وجہ سے یہ معنی معین کا فائدہ دے سکتے ہیں۔اور اس پر دلائل یہ ہیں:

۱۔ حضور علیہ السلام نے بار بار کفار کو قرآن سے تحدی کی، جب آپ نے یہ حروف ذکر کئے تو حالات بتا رہے ہیں کہ ان کے ذکر سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ تھی کہ یہ قرآن انھی حروف سے مرکب ہے جن پر تم قادر ہو۔اگر یہ قرآن کلام بشر ہے تو تمہارا اس کی مثل پر قادر ہونا لازم ہے۔

۲۔ ان حروف کو حساب وکتاب پہ محمول کرنا لوگوں کا معروف طریقہ تھا۔

۳۔ یہ حروف اصول کلام کی وجہ سے عزت وعظمت والے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی باقی اشیاء کی طرح قسم اٹھائی۔

۴۔ کسی بھی اسم واحد کے حروف میں سے ایک حرف پہ اکتفا عربوں کی معروف عادت تھی تو اللہ تعالیٰ نے انھی حروف کے ذریعے اپنے اسماء کی طرف توجہ دلائی۔

متعدد وجوہ سے معارضہ

ہم تمہاری دلیل مانتے ہیں مگر کئی وجوہ اس کے معارض ومخالف ہیں۔

۱۔ ہم کثیر سورتوں کو الم اور حم میں متفق پاتے ہیں جس کی وجہ سے اشتباہ ہوتا ہے حالانکہ اسم علم سے اشتباہ کا ازالہ مقصود ہوتا ہے۔

سوال: بہت سارے لوگوں کا نام محمد ہوتا ہے تو اشتراک، علمیت کے منافی نہیں؟

Marfat.com

جواب: ہم نے کہا الم میں کسی معنی کا فائدہ نہیں، اب اگر اسے ہم علم بنادیں تو تعیین اور ازالہ اشتباہ کے علاوہ کوئی فائدہ نہ ہوگا اور اس سے یہ مقصد بھی حاصل نہیں ہو رہا تو اسے علم بنانا محال ہے۔

بخلاف نام محمد، وہاں تعیین کے علاوہ بھی کئی مقاصد ہو سکتے ہیں۔ مثلاً حصول برکت کیونکہ یہ اسم رسول ﷺ ہے اور یہ صفات شرف میں سے بھی ہے۔ لہٰذا یہاں نام سے تعیین کے علاوہ بھی فائدہ ہوتا ہے۔

بخلاف الم، یہاں تو تعیین کے علاوہ کوئی فائدہ ہی نہیں تو جب اس سے یہ فائدہ ہی حاصل نہ ہوا تو اس کے ساتھ نام رکھنا عبث ہوگا

۲۔ اگر یہ الفاظ اسماء سورتیں ہیں تو ان کا بصورت تواتر منقول ہونا لازم ہوگا کیونکہ یہ اسماء، قوانین اسماء کے مطابق نہیں تو امور عجیبہ کے نقل کے متعدد تقاضے اور دواعی و اسباب ہوتے ہیں خصوصاً جب معاملہ ایسا ہو اس کے اخفا پر نہ رغبت ہو اور نہ خوف، تو جب نقل کے دواعی کثیر ہوں گے تو وہ معلوم بالتواتر ہوگا اور اختلاف ختم ہو جائے گا جب صورت حال ایسی نہیں تو واضح ہو گیا یہ اسماء سور نہیں۔

۳۔ قرآن لغت عرب میں آیا اور عرب دو ناموں کے مجموعہ سے تجاوز نہیں کرتے مثلاً معد یکرب، بعلبک تو وہ تین، چار، پانچ ناموں کا مجموعہ نہیں بناتے، اگر انھیں اسماء سور بنایا جائے تو یہ لغت عرب سے خروج ہوگا جو جائز نہیں۔

۴۔ اگر یہ سورتوں کے اسماء ہیں تو پھر سورتوں کو ان ناموں سے مشہور ہونا ضروری تھا نہ کہ دیگر ناموں سے لیکن وہ تو دیگر ناموں و اسماء سے معروف ہیں، مثلاً سورۃ البقرہ، سورۂ آل عمران۔

۵۔ یہ الفاظ سورتوں میں داخل اور ان کا جزو ہیں، شئی کا جز رتبہ میں شئی سے مقدم ہوتا ہے اور شئی کا اسم، رتبہ میں شئی سے مؤخر، اگر ہم ان حروف کو سورتوں کے اسماء بنائیں تو ایک ہی شئی کا مقدم و مؤخر ہونا لازم آئے گا جو محال ہے۔

سوال: ہم کہتے ہیں صاد، حرف اول (ص) کا اسم ہے جب مرکب بعض مفردات کا نام ہو سکتا ہے تو اسی مرکب کے بعض مفردات اس مرکب کا نام کیوں نہیں ہو سکتے؟

جواب: فرق ظاہر ہے کیونکہ مرکب، مفرد سے مؤخر ہوتا ہے، اور اسم، مسمیٰ سے، اب اگر ہم مرکب کو مفرد کا اسم بنائیں تو اب اس مرکب کا مفرد پر دو طرح سے متاخر ہونا لازم آئے گا اور یہ محال نہیں۔

لیکن جب مفرد کو مرکب کا نام بنائیں تو لازم آئے گا بحیثیت مفرد مقدم ہو اور بحیثیت نام مؤخر ہو اور یہ محال ہے۔

۶۔ اگر یہ اسماء سور ہیں تو لازم تھا کوئی قرآنی سورت ایسے نام سے خالی نہ ہوتی اور یہ چیز حاصل نہیں۔

Marfat.com

کچھ جوابات

یہ کہنا مشکاۃ اور سجیل لغت عرب سے نہیں، اس کے دو جواب ہیں۔

۱۔ یہ عربی ہیں البتہ دیگر لغات کے بھی موافق ہیں اور دو لغتوں و زبانوں میں اتفاق ہوسکتا ہے۔

۲۔ ان اسماء کا مسمیٰ پہلے بلاد عرب میں نہ تھا، جب انھیں اس کی معرفت ہوئی تو ان کے اسماء کا بھی پتہ چل گیا اور انھوں نے اس کا اعلان کیا تو یہ الفاظ بھی عربی ہی قرار پائے۔

قول معترض ''جب کتاب میں مجملات، اس کے بیان ہونے کے منافی نہیں'' کا جواب یہ ہے کہ کتاب اللہ میں جو بھی مجمل ہے اس کا بیان عقل، کتاب یا سنت میں ضرور ہوگا تو اب اس کا غیر مفید ہونا لازم نہیں آئے گا تو اب بیان کی وہاں ضرورت پیش آئے گی جس سے مراد الٰہی کی معرفت ممکن نہ ہو۔

معترض کا قول ''یہ کیوں ممکن نہیں'' کہ ان الفاظ سے کفار کا شور سے خاموش کرنا ہو۔

جواب: اگر ان الفاظ سے مقصد یہی تھا تو باقی اور بیانات کا تذکرہ بھی ایسی غرض کیلئے جائز ہو جانا چاہیئے جو بالاتفاق باطل ہے۔

رہی ان کی باقی ذکر کردہ وجوہات تو ہم نے بیان کر دیا تھا کہ الم لغت عرب میں ان معانی کیلئے موضوع ہی نہیں لہٰذا ان میں اس کا استعمال جائز نہیں کیونکہ قرآن لغت عرب میں آیا ہے۔

پھر یہ وجوہات آپس میں متعارض بھی ہیں، لہٰذا بعض کو چھوڑ کر بعض پر عمل کرنا اولیٰ نہیں۔

پھر اگر ہم ان تاویلات کا دروازہ کھول دیں تو تاویلات باطلہ اور دیگر سطحی باتوں کا دروازہ کھل جائے گا جو ہرگز درست نہیں۔

معارضہ اولیٰ کا جواب

معارضہ اولیٰ کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی بُعد اور خرابی نہیں کہ کثیر سورتوں کا نام ایک ہی ہو اور وہ کسی دوسری علامت (خفیہ حکمت) کی وجہ سے ممتاز ہوں۔

دوسرے کا جواب یہ ہے کہ سورت کا نام لفظ معین سے ہونا امور عظیمہ میں سے نہیں تو ممکن ہے یہ حد شہرت و تواتر کو نہ پہنچے ہوں

تیسرے کا جواب یہ ہے تین نام ملا کر اسم واحد بنانے سے کلام عرب سے خروج اس وقت ہوگا جب تم اسے اسم واحد بناؤ مثلاً حضرموت، لیکن اگر غیر مرکب بلکہ اسماء عدد بصورت نثر ہو تو یہ جائز ہوتا ہے کیونکہ شیخ سیبویہ نے جملہ، شعر کے مصرعہ اور حروف معجمہ کو جمع کر کے نام رکھنے کو جائز قرار دیا ہے۔

Marfat.com

چوتھے کا جواب یہ ہے کہ یہ کوئی بعید نہیں کہ لقب، اسم اصلی سے زیادہ مشہور ہوجائے تو یہاں یہی صورت ہے۔

پانچویں کا جواب یہ ہے اسم وہ لفظ ہے جو مستقل دلالت کرے اور اس میں زمانہ معین نہ ہو، لفظ اسم کا معاملہ بھی یہی ہے تو اسم اپنی ذات کا بھی اسم ہے جب یہ جائز ہے تو شی کا جز، شئی کا نام واسم کیوں نہیں بن سکتا؟

چھٹے کا جواب یہ ہے کسی کا نام حکمت کے تحت رکھا جاتا ہے۔کوئی بعید نہیں حکمت بعض سورتوں کے نام کا ہی تقاضا کرے اور بعض کیلئے نہ کرے۔

قول حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے جو چاہے کرے، اس مسلک ومذہب کی مدد میں یہ انتہائی وآخری بات ہے۔

شیخ قطرب کا قول

اس مذہب کے بعد جس کی ہم نے مذکور اقوال میں سے تائید کی شیخ قطرب کا قول ہے، مشرکین ایک دوسرے کو کہتے:

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ — اس قرآن کو مت سنو اور اس میں شور ڈالو تا کہ تم غالب ہو جاؤ

(پ ۲۴، فصلت:۲۶)

تو جب رسول اللہ ﷺ یہ حروف سورتوں سے پہلے پڑھتے تو ان سے کچھ سمجھ نہ آتا اور انسان منع کیے جانے والی چیز پر حریص ہوتا ہے تو وہ قرآن کی طرف کان لگاتے اس کی ابتدا وانتہا پر غور وفکر کرتے اس امید پر شاید اس مبہم اور مشکل کلام کا آگے ازالہ ہو جائے تو اس طرح یہ ان کے قرآن سننے کا وسیلہ بنے۔

اس مذہب کی تائید ان دو امور سے ہوتی ہے۔

۱۔ یہ حروف فقط اوائل سورتوں ہی میں ہیں جو بتاتے ہیں شاید ان کا یہی مقصد ہو۔

۲۔ اہل علم کہتے ہیں حکمت، انزال متشابہات میں یہ ہے کہ مخالف کو جب علم ہوگا کہ قرآن متشابہات پر مشتمل ہے تو وہ اس امید پر قرآن میں خوب تدبر وتفکر سے کام لے گا کہ اس میں کہیں میرے قول کی تائید اور میرے مذہب کی نصرت مل جائے گی تو یہی اس کا مطالعہ وتدبیر ان محکمات پر آگاہی کا سبب بن جائے گا جو گمراہیوں سے اسے نکال دے، جب ان متشابہات کا انزال جائز ہے جو ایسے بُرے مقصد وغرض وضلالات کا وہم پیدا کرے تو ان حروف کا نزول بطریق اولیٰ جائز ہوگا جو ایسی فاسد غرض اور خطا کا وہم پیدا نہیں کرتے۔

اس بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی کیا جا سکتا ہے کہ پھر انگریز کا عربی کے ساتھ کلام جائز اور اسی غرض کی خاطر ہذیان بیہودہ گوئی بھی جائز ہے اور پھر قرآن کے ہدایت اور بیان ہونے پر بھی طعن آئے گا۔

Marfat.com

اس کا جواب

لیکن ہم جواباً کہہ سکتے ہیں یہ کیوں نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ انگریزی میں عربی کے ساتھ گفتگو کرے (اور وہ ایسی مذکورہ مصلحت کو متضمن ہو) تو یہ جائز ہے۔

تفصیل کچھ یوں ہے کہ کلام، افعال میں سے ایک فعل ہے اس کا داعی وتقاضا کبھی افادہ ہوتا ہے اور کہیں افادہ کے علاوہ

ان یکون هذیانا۔ (کہ یہ ہذیان ہو)

جواباً ہم کہتے ہیں ہذیان سے مراد اگر فعل کا کلیتہً مصلحت سے خالی ہونا ہے تو معاملہ یوں نہیں (مصلحت اس میں ہے) اور اگر مراد افادہ سے خالی ہونا ہے تو پھر تم یہ کیوں کہتے ہو کہ یہ حکمت پر طعن ہے جب اس وجہ (افادہ) کے علاوہ دیگر وجوہات اس میں موجود ہیں

رہا قرآن کا وصف بیان وہدایت تو وہ ہماری گفتگو کے منافی نہیں کیونکہ جب ان کی غرض وہی ہے جو ہم نے بیان کر دی کہ وہ کلام الٰہی کی طرف متوجہ ہوں تو ان کا سننا بیان وہدایت کی اعلیٰ صورت ہے۔

یہ سورتوں کے اسماء ہیں

جب انہیں سورتوں کے اسماء مانا جائے تو اس قول پر یہ فروع واحکام ہیں۔

۱۔ ان اسماء کی دو اقسام ہیں:

۲۔ ان میں اعراب آئے گا جب اسم مفرد ہو مثلاً صاد، قاف، نون یا مفرد کے وزن پر مجموعہ ہو مثلاً حم، طس، یٰس، کیونکہ یہ قابیل، ہابیل کے وزن پر ہیں، طسم اگرچہ تین اسماء کا مجموعہ ہے جیسے در ابجر دیہ غیر منصرب ہوگا کیونکہ علیت وتانیث کا اجتماع ہے

۳۔ کچھ محل اعراب نہ ہونگے مثلاً کھیعص، الر۔

جب تمہیں اس بات کا علم ہو گیا تو اب سنیے۔

ان میں جو مفرد ہیں ان میں دو قرأتیں ہیں:

۱۔ بعض نے انہیں منصوب پڑھا، صاد، قاف، نون تو ان پر زبر، فعل مخفی، اذکر کی وجہ سے ہی ہو سکتی ہے۔

ان پہ تنوین غیر منصرف ہونے کی وجہ سے نہیں آسکتی جیسے پہلے آچکا ہے۔

شیخ سیبویہ نے حم، طس، اور یٰس میں اسی طرح جائز رکھا اگر ان پہ نصب پڑھا جائے۔

شیخ سیرافی نے نقل کیا، بعض قراء نے یٰس کو نون کی فتحہ کے ساتھ پڑھا اور یہ جرِ جوار کی وجہ سے ہوگی بایں طور کہ یہاں باقسمیہ مقدر ہے، یوں بھی کہا: "اللہ لا فعلن" البتہ محل جر میں غیر منصرف ہونے کی وجہ سے مفتوح ہوگی

Marfat.com

اس میں وہ بات تاکید پیدا کرتی ہے جو بعض سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حروف سے قسم اٹھائی ہے۔

۲- بعض نے صاد پر کسرہ پڑھا اور اسی کے متحرک ہونے کی وجہ سے جمع ساکنین ہوا۔

پہلی قسم: جن میں اعراب نہیں تو وہ بطور حکایت ہوں گے اس کا مفہوم یہ ہے کہ انہیں پہلی صورت پر ہی نقل کیا جائے گا مثلاً دعنی من تمرتان۔

دوسری قسم: اللہ تعالیٰ نے ان سورتوں کی ابتداء میں حروف تہجی کے نصف اسماء رکھے ہیں اور وہ چودہ ہیں، الف، لام، میم، صاد، کاف، ھا، یا، عین، طا، سین، حا، قاف، نون اور یہ انتیس سورتوں کی ابتدا میں ہیں۔

تیسری قسم: یہ ابتدائی کلمات مختلف تعداد میں ہیں حرف واحد ص، ق، ن، دو حروف، طہ، طس، یس، حم، تین حروف، الم، الر، چار حروف المص، المر، پانچ حروف، کھیعص، حمعسق۔ اس کا سبب یہ ہے کہ کلمات کے اوزان ایک حرف سے لے کر پانچ تک ہی ہیں تو یہاں بھی اس کا خیال رکھا گیا ہے۔

چوتھی قسم۔ ان ابتدائی کلمات کا محل اعراب ہے یا نہیں؟ اگر تو انھیں اسماء سورتیں مانو تو محل اعراب ہے پھر تین صورتیں ہیں مبتدا ہونے کی وجہ سے رفع، قسم کی صورت میں فتح اور جر۔

اور جو انھیں اسماء سورتیں نہیں مانتے ان کے ہاں ان کا کوئی محل اعراب نہیں جیسا کہ ابتدائی جملہ اور مفردات معدودہ محل اعراب نہیں ہوتے۔

[۲] ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾

(وہ بلند مرتبہ کتاب (قرآن) کسی شک کی جگہ نہیں تو اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کیلئے)

ارشاد الٰہی ذٰلِكَ الْكِتٰبُ کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں۔

پہلا مسئلہ، ذٰلِكَ لانے کی حکمت

سوال: یہاں جس کی طرف اشارہ ہے (کتاب) سامنے اور قریب ہے حالانکہ ذالک، اسم مبہم ہے اس سے تو کسی بعید اور دو کی

Marfat.com

طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

جواب دو طرح ہے:

۱۔ ہم کتاب کو ان اسباب کی وجہ سے سامنے و حاضر تسلیم نہیں کرتے۔

شیخ اصم کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے کتاب تھوڑی تھوڑی اتاری، سورۃ البقرہ سے پہلے کثیر سورتوں کا نزول ہو چکا اور وہ تمام مکہ میں آئیں ان میں توحید، فسادِ شرک، اثباتِ نبوت اور اثباتِ آخرت پر دلائل تھے تو ''ذالک'' ان سابقہ سورتوں کی طرف اشارہ ہے اور بعض قرآن کو بھی قرآن ہی کہا گیا ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا — اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو (پ ۹، الاعراف: ۲۰۴)

اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى (پ ۲۶، الاحقاف: ۳۰) — ہم نے ایک کتاب سنی جو موسیٰ کے بعد اُتاری گئی

واضح ہے انھوں نے کچھ قرآن ہی سنا تھا جو اس وقت تک نازل ہوا تھا۔

۲۔ بوقت بعثت، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا کہ میں تم پر ایسی کتاب نازل کروں گا جسے کوئی مٹا نہ سکے گا، اس کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو عطا کی، پھر امت نے آپ سے آگے روایت کیا اس وعدہ کی تائید اس ارشاد سے ہو رہی ہے۔

اِنَّا سَنُلْقِىْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا (پ ۲۹، المزمل: ۵) — بیشک عنقریب ہم تم پر ایک بھاری بات ڈالیں گے

یہ سورۂ مزمل میں ہے اور یہ ابتدا میں نازل ہوئی تھی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے خطاب فرمایا کیونکہ سورۃ البقرہ مدنی ہے اور اس کا اکثر حصہ بنی اسرائیل کے خلاف احتجاج و استدلال ہے، بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے اطلاع دی تھی اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کر کے ان پر کتاب نازل کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذالک الکتاب یعنی یہ وہ کتاب ہے جس کے بارے میں پہلے انبیاء نے اطلاع دی تھی وہ عنقریب اولادِ اسماعیل میں سے آنے والے نبی پر نازل ہو گی۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے بارے میں یہ اطلاع دی کہ وہ لوحِ محفوظ میں ہے، فرمایا:

وَاِنَّهٗ فِىْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا (پ ۲۵، الزخرف: ۴) — اور بیشک وہ اصل کتاب میں ہمارے پاس ہے

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو خبر دی تو ذٰلِكَ الْكِتٰبُ کہنے میں کوئی ممانعت نہیں تا کہ علم ہو کہ یہ وہی کتاب ہے جو لوحِ محفوظ میں ثبت اور تحریر ہے

Marfat.com

۵۔ ذالک کا اشارہ ''الم'' کی طرف ہے جس کا تکلم ہوگیا اور گذر گیا کیونکہ گزرنے والا بعید ہی ہوتا ہے۔

۶۔ جب کوئی شئی مرسل الیہ (جس کی طرف شئی بھجوائی گئی) تک پہنچتی ہے تو اس کا وقوع بعد ہی میں ہوتا ہے جیسا کہ تم اپنے ساتھی کو کوئی چیز دے کر کہو احتفظ بذلك (اس کی خوب حفاظت کرنا)

۷۔ قرآن چونکہ ایسی عظیم حکمتوں اور علوم کثیرہ پر مشتمل ہے کہ ان تمام کا حصول اور ان پر اطلاع قوتِ بشری پر نہایت دشوار ہے تو قرآن اگرچہ صورت کے اعتبار سے حاضر و سامنے ہے مگر اپنے اسرار و حقائق کی وجہ سے غائب ہے لہٰذا اس کی طرف ایسے اشارہ کیا جاسکتا ہے جیسے کسی بعید و غائب کی طرف ہو۔

قریب و بعید دونوں کیلئے

دوسری وجہ یہ کہ ہم مانتے ہیں کہ کتاب سامنے ہے لیکن ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ذالک سے اشارہ بعید ہی کی طرف ہوتا ہے اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

ذالك اور ھٰذا دونوں حروف اشارہ ہیں ان کا اصل ''ذا'' ہے جو حرف اشارہ ہے، ارشاد الٰہی ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً (پ۲، البقرۃ:۲۴۵) ہے کوئی جو اللہ کو قرض حسنہ دے

اور 'ہا' کا معنی تنبیہ ہے، جب شئی قریب ہو تو 'ھٰذا' سے اشارہ کرکے کہا جاتا ہے اے مخاطب متوجہ ہو جس کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں وہ اس طرح تیرے پاس ہے کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔

اور کبھی ذا پر کافِ خطاب اور لام، بمعنی اشارہ بھی تاکید کیلئے لایا جاتا ہے تو "ذالك" بن گیا گویا کلام والا، تنبیہ میں خوب اضافہ کر رہا ہے کیونکہ یہاں مشارالیہ مخاطب سے مؤخر ہے۔

یہاں سے واضح ہو رہا ہے کہ ذالک اصل وضع کے اعتبار سے بعید پر دال نہیں بلکہ عرف میں بُعد پر اشارہ کیلئے ساتھ قرینہ کی ضرورت ہوگی تو یہ دابتکی طرح ہے جو عرف میں گھوڑے کیلئے ہے اگرچہ اصلِ وضع میں ہر زمین پہ چلنے والے کیلئے ہے۔

جب یہ حقیقت سامنے آگئی تو ہم کہیں گے ہم یہاں ذالک کو وضع لغوی پر ہی محمول کریں گے نہ کہ وضع عرفی پر، تو اب اس میں بُعد نہیں ہے، ذالک اور ہٰذا کو اسی مقاربت کی وجہ سے ایک دوسرے کے مقام پر لایا جاتا ہے مثلاً اللہ پاک کا ارشاد ہے:

وَاذْكُرْ عِبَادَنَا اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْحَاقَ وَ يَعْقُوْبَ اُوْلِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ اِنَّا اَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ ذَا الْكِفْلِ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ (پ۲۳، ص:۴۵تا۴۸)

یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم، اسحٰق، یعقوب قدرت اور علم والوں کو بلاشبہ ہم نے انہیں اعلیٰ بات سے امتیاز بخشا کہ وہ اس گھر کی یاد ہے اور بلاشبہ وہ ہمارے ہاں چنے اور پسندیدہ ہیں اور یاد کرو اسمٰعیل اور یسع اور ذوالکفل کو اور یہ تمام اچھے ہیں

Marfat.com

پھر فرمایا:

هٰذَا ذِكْرٌ — یہ قرآن میرے ساتھ والوں کا ذکر ہے

اور فرمایا:

وَعِنْدَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ هٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ (پ ۲۳، ص: ۵۲، ۵۳)

اوران کے پاس وہ بیبیاں ہیں کہ اپنے شوہر کے سوا اور کی طرف آنکھ نہیں اٹھاتیں ایک عمر کی یہ ہے وہ جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے

یہ بھی فرمایا:

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَالِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ (پ ۲۶. ق ۱۹)

اور آئی موت کی سختی حق کے ساتھ، یہ ہے جس سے تو بھاگتا تھا

ارشاد الٰہی ہے:

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى (پ ۳۰، النازعات: ۲۵، ۲۶)

تو اللہ نے دنیا و آخرت کے عذاب میں اسے پکڑا بلاشبہ اس میں ڈر والے کیلئے سبق ہے

یہ بھی فرمان الٰہی ہے:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (پ ۱۷، الانبیاء: ۱۰۵)

اور بیشک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہیں

پھر فرمایا:

اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ (پ ۱۷، الانبیاء: ۱۰۶)

بیشک یہ قرآن کافی ہے عبادت والوں کو

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى (پ ۱، البقرہ: ۷۳)

تو ہم نے فرمایا اس مقتول کو اس گائے کا ایک ٹکڑا مارو۔

یعنی اللہ تعالیٰ اس طرح مردوں کو زندہ فرماتا ہے۔

فرمایا:

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَا مُوْسٰى (پ ۱۶، طٰہٰ: ۱۷)

اور تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ

Marfat.com

يعني ما هٰذا التي بيمينك (یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے)۔واللہ اعلم

دوسرا مسئلہ،اسم اشارہ مذکر کیوں؟

سوال: اسم اشارہ مذکر کیوں حالانکہ مشار الیہ سورت مؤنث ہے؟

جواب: ہم مشار الیہ مؤنث نہیں مانتے کیونکہ مؤنث مسمّٰی ہے یا اسم،اول باطل کیونکہ مسمی بعض قرآن ہے اور وہ مونث نہیں اور اسم وہ ''الم'' ہے اور یہ بھی مؤنث نہیں ہاں اس کا دوسرا اسمٰی سورت ہے اور وہ مؤنث ہے لیکن سابق مذکور اسم مؤنث نہیں اور وہ الم ہے نہ کہ سورت۔

مدلول لفظ کتاب

تیسرا مسئلہ،اسماء قرآن کثیر ہیں

۱۔ الکتاب۔یہ القیام اور الصیام کی طرح مصدر ہے،فعال بمعنی مفعول جیسے لباس بمعنی ملبوس ہے۔اس پر اتفاق ہے کہ کتاب سے مراد قرآن ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ (پ۲۳ ،ص:۲۹) یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف اُتاری

کتاب کے معانی

قرآن مجید میں کتاب کا استعمال کئی معانی میں ہوا ہے۔

۱۔ بمعنی فرض،ارشاد مبارک ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ (پ۲،البقرہ:۱۷۸) تم پر قصاص فرض ہے

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (پ۲،البقرہ:۱۸۳) تم پر روزے فرض کئے گئے

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا بیشک نماز مسلمانوں پر وقت مقررہ پر فرض ہے

(پ۵ ،النساء:۱۰۳)

۲۔ حجت وبرہان،فرمان مبارک ہے:

Marfat.com

4 فَأْتُوا بِكِتَابِكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ — لاؤ اپنی کتاب اگر تم سچے ہو

(پ ۲۳، الصافات: ۱۵۷)

یعنی اپنی دلیل لاؤ۔

۳۔ اجل، ارشاد مقدس ہے:

وَمَا أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُومٌ — اور جو بستی ہم نے ہلاک کی اس کا ایک جانا ہوا نوشتہ تھا

(پ ۱۴، الحجر: ۴)

۴۔ غلام کو مکاتب بنانا، ارشاد الٰہی ہے:

وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ — اور تمہارے ہاتھ کی ملک باندی غلاموں میں سے جو یہ چاہیں کہ کچھ مال کمانے کی شرط پر انہیں آزادی لکھ دو

(پ ۱۸، النور: ۳۳)

یہ مصدر فعال بمعنی مفاعلہ ہے جیسے جدال، صیام، قتال بمعنی مجادلہ، مخاصمہ، اور مقاتلہ ہیں، کتاب، کتبت الشئ بمعنی جمع سے مشتق ہے، لشکر کو اجتماع کی وجہ سے کتیبہ کہا جاتا ہے۔

کتاب کو بھی کتاب کہنے کی وجہ یہی ہے کہ یہ شبہات کے لشکروں کے مقابل لشکر کا درجہ رکھتی ہے یا اس لئے کہ اس میں جمیع علوم جمع ہیں یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں مخلوق پر ذمہ داریاں لازم کیں ہیں۔

لفظ قرآن پر بحث

۲۔ اس کا دوسرا نام القرآن ہے، ارشاد الٰہی ہے:

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ — تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کی مثل نہ لاسکیں گے

(پ ۱۵، الاسراء: ۸۸)

إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا — (پ ۲۵، الزخرف: ۳) — ہم نے اسے عربی قرآن اتارا۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ — (پ ۲، البقرہ: ۱۸۵) — رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اُترا

Marfat.com

4/4

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ بیشک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے

(پ۱۵، الاسراء:۹)

مفسرین کے دواقوال

مفسرین کے اس میں دواقوال ہیں۔

۱۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے قرآن اور قرأۃ ایک ہی ہیں جیسے خسران وخسارہ ایک ہیں۔اس پہ دلیل یہ ارشادمقدس ہے

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ (پ۲۹، القیامۃ:۱۸) توجب ہم اسے پڑھ چکیں تو اس کی اتباع میں پڑھو

یعنی جب ہم اس کی تم پر تلاوت کریں تو اس تلاوت کی اتباع کرو۔

۲۔ حضرت قتادہ کا قول، قرآن مصدر ہے، جب حوض میں پانی جمع کرو تو کہو گے قرأت الماء فی الحوض۔(حوض میں پانی جمع ہے)

حضرت سفیان بن عیینہ نے کہا قرآن کہنے کی وجہ یہ ہے، حروف جمع ہو کر کلمات، کلمات جمع ہو کر آیات اور آیات جمع ہو کر سورتیں اور سورتیں جمع ہو کر قرآن

ثم جمع فیه علوم الاولین والآخرین پھر اس میں اولین وآخرین کے علوم جمع کر دیئے گئے ہیں

حاصل یہ ہے کہ لفظ قرآن کا معنی تلاوت یا جمع کرنا ہے۔

فرقان کامفہوم

۳۔ الفرقان، ارشادمبارک ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ ۔ بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ پر ،

(پ۱۸، الفرقان:۱)

وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ (پ۲، البقرہ:۱۸۵) ہدایت اور راہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں

اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

۱۔ اس لیے فرقان ہے کہ اس کا نزول آہستہ آہستہ اور جدا جدا بیس سال سے زائد عرصہ میں ہوا۔ارشادمبارک شاہد ہے۔

Marfat.com

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا (پ ۱۵، الاسراء:۱۰۶) اور قرآن ہم نے جدا جدا کر کے اتارا تا کہ تم اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو اور ہم نے اسے بتدریج رہ رہ کر اُتارا

باقی تمام کتب سماویہ یکبار نازل ہوئیں، اسے تھوڑا تھوڑا اُتارنے کی حکمت سورۃ الفرقان میں ان الفاظ میں بیان فرمائی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ (پ ۱۹، الفرقان:۳۲) اور کافر بولے قرآن ان پر ایک ساتھ کیوں نہ اُتار دیا ہم نے یونہی بتدریج اسے اُتارا ہے تا کہ ہم اس کے ذریعے تمہارے دل کو تقویت دیں

۲۔ فرقان کہنے کی وجہ یہ ہے قرآن حق و باطل، حلال و حرام، مجمل و بین، اور محکم و مؤول میں فرق کر دیتا ہے۔

۳۔ فرقان کا معنی نجات ہے، حضرت عکرمہ اور سدی کا یہی قول ہے، مخلوق، گمراہیوں کی ظلمتوں میں تھی تو قرآن کے ذریعے اس نے نجات پائی۔ اس ارشاد الٰہی میں مفسرین نے فرقان کا معنی یہی لیا ہے

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (پ ۱، البقرہ:۵۳) اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور نجات دی کہ کہیں تم راہ پر آؤ

الذکر کا معنی

۴۔ الذکر، التذکرہ الذکریٰ۔

الذکر، ارشاد مبارک ہے:

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ (پ ۱۷، الانبیاء:۵۰) اور یہ برکت والا ذکر کہ ہم نے اُتارا

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ (پ ۱۴، الحجر:۹) بے شک ہم نے اُتارا یہ قرآن

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ (پ ۲۵، الزخرف:۴۴) اور بیشک وہ شرف ہے تمہارے لئے اور تمھاری قوم کیلئے۔

اس میں دو وجوہ ہیں:

۱۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یاددہانی ہے جس کے ذریعے اس نے اپنے بندوں کو متوجہ کیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد فرمودہ ذمہ داریوں اور اس کے احکام سے آگاہ ہوگے۔

Marfat.com

۴۔ یہ اس پہ ایمان لانے والوں کیلئے ذکر، شرف، اور فخر ہے، یہ حضور ﷺ اور آپ کی اُمت کیلئے سراپا شرف ہے

التذکرہ، قرآن مجید میں ہے:

وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ (پ۲۹، الحاقہ:۴۸) اور بیشک یہ قرآن ڈر والوں کیلئے نصیحت ہے

الذکرٰی، ارشاد فرمایا:

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ اور سمجھاؤ کہ سمجھانا مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے

(پ۲۷، الذاریات:۵۵)

تنزیل وحدیث

۵۔ التنزیل۔ جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں ہے۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ اور بیشک یہ قرآن رب العالمین کا اُتارا ہوا ہے اسے روح الامین لے کر اُترا (پ۱۹، الشعراء:۱۹۲،۱۹۳)

۶۔الحدیث۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا (پ۲۳، الزمر:۲۳) اللہ تعالیٰ نے اتاری سب سے اچھی کتاب

نام حدیث کی وجہ یہ ہے یہ آپ ﷺ کیلئے جدید اور نیا ہے اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے گفتگو کے ساتھ تشبیہ دی کیونکہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مکلفین سے خطاب فرمایا ہے:

۷۔ موعظۃ ارشاد الٰہی ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی (پ۱۱، یونس:۵۷)

حقیقت میں قرآن ہی موعظت و نصیحت ہے کہ نازل فرمانے والے اللہ تعالیٰ، لانے والے جبریل امین اور حاصل کرنے والے محمد ﷺ ہیں تو اس کے ساتھ موعظت کیوں نہ حاصل ہوگی؟

Marfat.com

الحکم والحکمۃ

۸۔ الحکم، الحکمۃ، الحکیم، المحکم۔

قرآن کو حکم قرار دیتے ہوئے فرمایا

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا (پ۱۳،الرعد:۳۷) اوراسی طرح ہم نے اسے عربی فیصلہ اتارا

حِکْمَۃ قرار دیتے ہوئے فرمایا

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ (پ۲۷،القمر:۵) انتہا کو پہنچی ہوئی حکمت

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں اللہ کی آیتیں اور حکمت (پ۲۲،الاحزاب:۳۴)

الحکیم کے بارے میں فرمایا

يٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ (پ۲۲،یٰسین:۱) حکمت والے قرآن کی قسم

المحکم کے بارے میں یہ آیت ہے:

كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ (پ۱۱،ھود:۱) یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں محکم ہیں

معنیٰ حکمت کی تفصیل

معنیٰ حکمت میں دو اقوال ہیں

۱۔ شیخ خلیل کہتے ہیں یہ اِحکام والزام (پختہ لازم کرنا) سے ماخوذ ہے

۲۔ شیخ مؤرج کے ہاں یہ حکمۃ اللجام سے ہے کیونکہ لگام جس طرح چار پائے کو کنٹرول میں رکھتی ہے اسی طرح حکمت انسان کو بے وقوفی سے بچاتی ہے۔

۹۔ **الشفاء**۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کیلئے شفا ورحمت ہے (پ۱۵،الاسراء:۸۲)

Marfat.com

وَشِفَاۗءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ (پ۱۱، یونس:۵۷) اور یہ دلوں کیلئے شفاء ہے

اس میں دو صورتیں ہیں

۱۔ یہ امراض سے شفا کا ذریعہ ہے

۲۔ یہ مرضِ کفر سے شفا دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفر وشرک کو مرض قرار دیا ہے

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (پ۱، البقرہ:۱۰) ان کے دلوں میں مرض ہے

قرآن سے ہر قلبی شک دور ہو جاتا ہے لہٰذا اسے سراپا شفا کہنا درست ہے

قرآن کا ہدایت وہادی ہونا

۱۰۔ الہدیٰ، الہادی۔ ہدی، قرار دیتے ہوئے ارشاد ہے

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (پ۱، البقرۃ:۲) اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کے لیے

هُدًى لِّلنَّاسِ (پ۳، آل عمران:۴) لوگوں کو راہ دکھاتی ہے

وَشِفَاۗءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ اور دلوں کی صحت اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کیلئے

(پ۱۱، یونس:۵۷)

الہادی، اس بارے میں فرمان الٰہی ہے

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِىَ اَقْوَمُ بیشک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بہت سیدھی ہے

(پ۱۵، الاسراء:۹)

جنّات سے حکایت ہے

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ ہم نے ایک خوبصورت قرآن سنا جو بھلائی کی راہ بتاتا ہے

(پ۲۹، الجن:۱،۲)

۱۱۔ صراط مستقیم۔ ارشاد الٰہی ہے

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ اور بلاشبہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے، اس کی اتباع کرو

(پ۸، الانعام:۱۵۳)

Marfat.com

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صراط مستقیم کی تفسیر، قرآن کی ہے

۱۲-الحبل۔ ارشاد مبارک ہے

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا (پ۴ ال عمران:۱۰۳) اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو

حبل کی تفسیر قرآن ہے، حبل کہنے کی وجہ یہ ہے جس طرح رسی پکڑنے والا غرق ہونے اور ہلاکت سے بچ جاتا ہے اسی طرح قرآن سے تمسک کرنے والا آخرت کے عذاب اور دنیاوی عبرت و پریشانی سے بچ نکلتا ہے۔ اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو، عصمہ، قرار دیا

ان هذا القرآن عصمة لمن اعتصم به قرآن اسے بچانے والا ہے جو اس سے تمسک کرے

(المستدرک:۲۰۴۰)

اور اس لئے بھی

يعصم الناس عن المعاصي یہ لوگوں کو معاصی و نافرمانی سے روکتا ہے

۱۳-الرحمۃ ارشاد الٰہی ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کیلئے شفا اور رحمت ہے (پ۱۵، الاسراء:۸۸)

گمراہیوں اور جہالتوں سے چھٹکارے سے بڑھ کر کون سی رحمت ہوتی ہے؟ اور یہ قرآن سے حاصل ہوتا ہے

۱۴-الروح۔ قرآن مجید میں ہے

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اور یونہی ہم نے تمھیں وحی بھیجی ایک جانفزا چیز اپنے حکم سے

(پ۲۵، الشوریٰ:۵۲)

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ ملائکہ کو ایمان کی جان یعنی وحی دے کر اپنے جن بندوں پر چاہے اُتارتا ہے (پ۱۴، النحل:۲)

روح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حیاتِ ارواح کا سبب ہے، حضرت جبریل امین کو روح کہا گیا۔

Marfat.com

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا (پ۱۶، مریم:۱۷) تو اس کی طرف ہم نے اپنا روحانی بھیجا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی روح کہا گیا

اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ (پ۶، النساء:۱۷۱) مریم کی طرف بھیجا اور اس کے یہاں کی ایک روح

۱۵۔القصص، ارشاد الٰہی ہے

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ (پ۱۲، یوسف:۳) ہم تمہیں سب سے اچھا بیان سناتے ہیں

قصص، اتباع کیونکہ قرآن کی اتباع لازم ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ (پ۲۰، القصص:۱۱) اور اس کی ماں نے اس کی بہن سے کہا اس کے پیچھے چلی جا

یا اس لئے کہ قرآن نے سابقہ واقعات وحقائق سے موافقت کی۔ارشاد الٰہی ہے

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ (پ۳، ال عمران:۶۲) یہی بے شک سچا بیان ہے

۱۶۔ البیان۔ التبیان۔ المبین۔ بیان قرار دیتے ہوئے فرمایا

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ (پ۴، ال عمران:۱۳۸) یہ لوگوں کو بتانا ہے

تبیان کے حوالہ سے فرمایا

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ اور ہم نے تم پر یہ قرآن اُتارا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

(پ۱۴، النحل:۸۹)

مبین۔اس ارشاد مقدس میں یہی نام ہے

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ (پ۱۲، یوسف۱) یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں

۱۷۔البصائر۔اس نام کی نشاندہی یہ آیت کر رہی ہے

هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ (پ۹، الاعراف۲۰۳) یہ تمہارے رب کی طرف سے آنکھیں کھولنا ہے

جس طرح بصر (آنکھ) سے نجات کا راستہ دیکھا جاتا ہے اسی طرح قرآنی دلائل سے حق کا راستہ دیکھا جا سکتا ہے

۱۸۔الفصل۔اس آیت مبارکہ میں یہی نام ہے

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ (پ۳۰، الطارق:۱۳،۱۴) بلاشبہ یہ ضرور فیصل ہے اور یہ کوئی ہنسی کی بات نہیں

Marfat.com

الفصل کے دومعانی

ا۔ فیصلہ، کیونکہ اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا

۲۔ روز قیامت لوگوں کے درمیان امتیاز کردے گا کچھ لوگوں کو جنت اور کچھ کو دوزخ کی طرف بھیجے گا، جس نے دنیا میں قرآن کو قائد بنایا اسے یہ جنت کی طرف بھیجے گا اور جس نے اس سے روگردانی کردی اسے دوزخ کی طرف چلادے گا۔

۱۹۔ النجوم۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے

فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ (پ۲۷، الواقعہ:۷۵) مجھے قسم ہے ان مقامات کی جہاں ستارے ڈوبتے ہیں

وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰى (پ۲۷، النجم:۱) قسم ستارے کی جب وہ اُترا

اس لئے کہ یہ تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے

۲۰۔ المثانی۔ ارشاد الٰہی ہے

مَثَانِیَ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ (پ۲۳، الزمر:۲۳) دوہرے بیان والی اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں

کیونکہ اس میں واقعات اور خبریں بار بار لائی گئی ہیں۔

۲۱۔ النعمۃ۔ ارشاد مبارک ہے:

وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ (پ۳۰، الضحیٰ ۱۱) اور اپنے رب کی نعمت کا چرچا کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نعمت کی تفسیر قرآن کی ہے۔

۲۲۔ البرھان۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے

قَدۡ جَآءَكُمۡ بُرۡهَانٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ (پ۶، النساء:۱۷۴) بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل آئی۔

قرآن، برہان (قطعی و آخری دلیل) کیسے نہ ہو تمام فصحاء اس کی مثل لانے سے عاجز ہیں

۲۳۔ المبشر۔ النذیر۔ قرآن کی انہی ناموں کی بنا پر انبیاء علیہم السلام سے مشارکت ہے۔ کیونکہ رُسل کرام کے بارے میں ہے

رُسُلًا مُّبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ (پ۶، النساء:۱۶۵) رسول خوشخبری دینے اور ڈرسنانے والے ہیں

Marfat.com

حضرت محمد ﷺ کے بارے میں فرمایا

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا — ہم نے بھیجا آپ کو گواہ، مبشر اور نذیر بنا کر

(پ ۲۶، الفتح:۸)

شانِ قرآن حم السجدہ میں یوں بیان کی

بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَكۡثَرُهُمۡ (پ ۲۴، فصلت:۴) یہ بشارت دینے اور ڈرانے والا ہے تو ان میں سے اکثر نے اعراض کیا

یعنی اپنی اتباع کرنے والوں کو جنت کی بشارت اور نافرمانی کرنے والوں کو دوزخ سے باخبر کرتا ہے۔اسی بنا پر ہم اللہ تعالیٰ اور قرآن کے مشترکہ نام ذکر کیا کرتے ہیں

۲۴۔ القیم۔ اس کا نام یوں ہے

قَيِّمًا لِّيُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِيۡدًا (پ ۱۵، الکہف ۲) عدل والی کتاب تاکہ سخت عذاب سے ڈرائے

دین بھی قیم ہے۔ارشاد ہے

ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ (پ ۱۰، التوبہ:۳۶) یہ سیدھا دین ہے

اللہ سبحانہ قیوم ہے

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡحَىُّ الۡقَيُّوۡمُ — اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ آپ زندہ اور اوروں کو قائم رکھنے والا ہے (پ ۳ البقرۃ:۲۵۵، پ ۳ آل عمران ۲)

قیم کی وجہ یہ ہے کہ قرآن بیان و افادہ میں قائم بذاتہ ہے اور دوسرے کا محتاج نہیں

۲۵۔المھیمن۔ اس نام قرآن کا تذکرہ اس طرح ہے

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ الۡكِتٰبِ وَمُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِ (پ ۶، المائدہ:۴۸) اور اے محبوب! ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اُتاری اگلی کتابوں کی تصدیق فرمائی اور اس پر محافظ

یہ امین سے بنا ہے، قرآن کا نام اسی وجہ سے ہے کہ جس نے بھی قرآن کا دامن پکڑ لیا وہ دنیا و آخرت کے نقصان سے امن پا جائے گا۔ ربِ مھیمن نے، کتابِ مھیمن، نبی امین پہ ایسی اُمت کیلئے نازل فرمائی جو مخلوق پہ اللہ تعالیٰ کے امین و شہداء ہیں،

Marfat.com

جیسا کہ فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (پ۲، البقرۃ:۱۴۳)
اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب اُمتوں میں افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو

۲۶۔الھادی۔ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ (پ۱۵، الاسراء:۹)
بیشک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے

یَهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ (پ۲۹، الجن:۲)
کہ بھلائی کی راہ بتاتا ہے

اللہ تعالیٰ بھی ہادی ہے۔جیسا کہ حدیث میں ہے وہ نورو ہادی ہے

۲۷۔النور۔اللہ تعالیٰ کا مبارک فرمان ہے

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (پ۱۸، النور:۳۵)
اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا

قرآن کے بارے میں ہے:

وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ
اور اتباع کرتے ہیں اس نور کی جو نبی کے ساتھ نازل کیا گیا ہے

(پ۹، الاعراف:۵۷)

یہاں مراد قرآن ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نور قرار دیتے ہوئے فرمان ہے

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ
بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب

(پ۶، المائدہ:۱۵)

یہاں نور سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہے

اپنے دین کو نور قرار دیا

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ
چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے مونہوں سے بجھا دیں

(پ۲۸، الصف:۸)

Marfat.com

اس کے بیان کو نور فرمایا

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (پ۲۳، الزمر:۲۲) تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے

تورات کو نور فرمایا

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ (پ۶، المائدۃ:۴۴) بیشک ہم نے توریت اُتاری اس میں ہدایت اور نور ہے

انجیل کو نور بتایا

وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ (پ۶، المائدۃ:۴۶) اور ہم نے اسے انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور ہے۔

ایمان کو بھی نور قرار دیا

يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ (پ۲۷، الحدید:۱۲) دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے آگے۔

۲۸-الحق- اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الباعث، الشہید، الحق بھی ہیں- قرآن حق ہے

وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ (پ۲۹، الحاقہ:۵۱) اور بیشک وہ یقینی حق ہے

تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا نام حق رکھا کیونکہ یہ باطل کی ایسی ضد ہے کہ اسے زائل کر دیتا ہے جیسا کہ فرمایا:

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ (پ۱۷، الانبیاء:۱۸) بلکہ ہم حق کو باطل پہ دے مارتے ہیں تو وہ اس کا بھیجہ نکال دیتا ہے تو جبھی وہ مٹ کر رہ جاتا ہے

زاھق کا معنی، ختم کر دینے والا ہے

۲۹-العزیز- رب العزت کے بارے میں ہے

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (پ۱۹، الشعراء:۹) اور بیشک تمہارا رب ضرور وہی عزت والا مہربان ہے

شانِ قرآن میں فرمایا

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ (پ۲۴، فصلت:۴۱) بلاشبہ یہ کتاب عزیز ہے

Marfat.com

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی عزیز ہیں۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ (پ۱۱، التوبہ:۱۲۸) بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے

اُمت بھی عزیز ہے

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کیلئے ہے۔

(پ۲۸، المنافقون:۸)

تو رب عزیز نے، کتاب عزیز، نبی عزیز پر اُمتِ عزیز کیلئے نازل فرمائی

عزیز کے دو معانی

۱۔ القاھر۔ قرآن کی شان بھی یہی ہے کیونکہ یہ دشمنوں پر غالب اور اس سے معارضہ کرنے والے کو پچھاڑ دیتا ہے

۲۔ اس کی مثل کوئی نہ ہو۔ (یعنی نادر الوجود)

۳۰۔ الکریم۔ ارشاد الٰہی ہے

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ بیشک یہ عزت والا قرآن ہے محفوظ نوشتہ میں

(پ۲۷، الواقعہ:۷۷)

یاد رہے اللہ تعالیٰ نے سات اشیاء کو کریم کہا

۱۔ اپنی ذات اقدس کے بارے میں فرمایا

مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ (پ۳۰، الانفطار:۶) اے آدمی تجھے کس چیز نے فریب دیا اپنے رب کریم سے

کیونکہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بلکہ اس کے برابر و مثل کوئی سخی نہیں۔

۲۔ قرآن کو کریم کہا کیونکہ جو حکمتیں و علوم اس سے مستفاد ہوتے ہیں وہ کسی دوسری کتاب سے حاصل ہو ہی نہیں سکتے

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا

وَجَاءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ (پ۲۵، الدخان:۷) اور آیا ان کے پاس کریم رسول

Marfat.com

۴۔ ثواب کو کریم فرمایا:

فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّ اَجْرٍ كَرِيْمٍ (پ ۲۲، یٰسین:۱۱) تو اسے بخشش اور عزت کے ثواب کی بشارت دو

۵۔ عرش کریم ہے:

اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں وہ بڑے عرش کا مالک ہے (پ ۱۹، النمل:۲۶)

کیونکہ یہ رحمت کا مرکز ہے

۶۔ حضرت جبریل علیہ السلام کو کریم کہا

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (پ ۳۰، التکویر:۱۹) یہ قرآن کریم رسول کا قول ہے

اس کا معنی عزیز (عزت والے) ہے

۷۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط کریم ہے

اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ (پ ۱۹، النمل ۲۹) میری طرف ایک عزت والا خط ڈالا گیا۔

تو ربِ کریم نے کتابِ کریم، ملکِ کریم کے ذریعے نبیِ کریم پر اُمتِ کریم کیلئے نازل فرمائی۔ جب وہ اس پر عمل کریں گے تو ثواب کریم حاصل کرلیں گے

۳۱۔العظیم۔ ارشادالٰہی ہے

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ اور یقیناً ہم نے آپ کو سات آیات دیں جو دوہرائی جاتی ہیں اور قرآن عظیم (پ ۱۴، الحجر:۸۷)

۱۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اقدس کو عظیم کہا۔

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ (پ ۳، البقرہ:۲۵۵) وہی ہے بلند بڑائی والا

۲۔ اس کا عرش عظیم ہے۔

وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (پ ۱۱، التوبہ:۱۲۹) وہ بڑے عرش کا مالک ہے

۳۔ اس کی کتاب عظیم ہے

Marfat.com

وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ (پ۱۴، الحجر:۸۷) اور عظمت والا قرآن

۴۔ یوم قیامت عظیم ہے

لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ (پ۳۰، المطففین ۵،۶) ایک عظمت والے دن کیلئے جس دن سب لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے

۵۔ زلزلہ عظیم

اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ (پ۱۷، الحج۱) بیشک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے

۶۔ خلق رسول عظیم

وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (پ۲۹، القلم:۴) اور بیشک تمہاری خو بڑی شان کی ہے

۷۔ علم عظیم

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا (پ۵، النساء:۴) اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے

۸۔ کید نساء عظیم

اِنَّ كَیْدَكُنَّ عَظِیْمٌ (پ۱۲، یوسف:۲۸) بیشک تمہارا مکر بڑا ہے

۹۔ فرعونیوں کا جادو عظیم

وَجَآءُوْا بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ (پ۹، الاعراف:۱۱۶) اور وہ بڑا جادو لائے

۱۰۔ نفس ثواب عظیم

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا (پ۲۶، الفتح:۲۹) اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو ان میں ایمان اور اچھے کاموں والے ہیں بخشش اور بڑے ثواب کا

۱۱۔ عقاب عذاب عظیم

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (پ۱، البقرۃ:۷) اور ان کیلئے بڑا عذاب

فضل قدیر

Marfat.com

۳۲۔المبارک۔ ارشادمقدس ہے

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ (پ۱۷، الانبیاء:۵۰) اور یہ ہے برکت والا ذکر

اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کو مبارک قرار دیا

۱۔حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کا مقام۔ارشادفرمایا

فِى الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ (پ۲۰، القصص:۳۰) برکت والے مقام درخت کے پاس

۲۔ زیتون۔اس کے بارے میں فرمان ہے

يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ (پ۱۸، النور۳۵) موتی سا چمکتا روشن ہوتا ہے برکت والے پیڑ زیتون سے

کثرت منافع کی وجہ سے ایسا فرمایا

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا

وَجَعَلَنِى مُبَارَكًا (پ۱۶، مریم:۳۱) اس نے مجھے مبارک کیا

۴۔ بارش

وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا (پ۲۶، ق:۹) اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اُتارا

کیونکہ اس میں کثیر منافع ہیں۔

۵۔ لیلۃ القدر۔

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِى لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ (پ۲۵، الدخان:۳) بیشک ہم نے اسے برکت والی رات میں اُتارا

تو قرآن ایسا ذکر مبارک جسے ملک مبارک نے لیلۂ مبارک میں نبی مبارک پہ امت مبارک کیلئے نازل کیا۔

چوتھا مسئلہ، الٓمٓ اور ذالک الکتاب کا اتصال

صاحب کشاف لکھتے ہیں، اگر الم کو سورت کا نام قرار دیا جائے تو اس اتصال میں یہ وجوہات ہیں:

۱۔ الٓمٓ ،مبتدا، ذالک، مبتدا ثانی اور کتاب خبر پھر یہ جملہ مبتدا اول کی خبر ہے، معنی ہوگا یہ وہ کتاب کامل ہے گویا اس کے مقابل دیگر کتب ناقص ہیں اور یہی اس لائق ہے کہ اسے کتاب کہا جائے جیسے تم کسی کو کہتے ہو۔ھو الرجل یعنی وہ آدمی اچھی خصال میں دوسروں سے کامل ہے

Marfat.com

الکتاب، صفت بھی بن سکتی ہے، یعنی یہ وہ کتاب ہے جس کا وعدہ کیا گیا۔

۲۔ آلم ، مبتدا محذوف کی خبر بھی ہو سکتی ہے یعنی هذه الم ، ذالك الكتاب خبر ثانی یا بدل جبکہ کتاب کو صفت بنایا جائے

هذه الم ایک جملہ جبکہ ذالك الكتاب دوسرا جملہ ہے

۳۔ اگر الم کو بمنزل صوت رکھا جائے تو ذلک مبتدا اور الکتاب اس کی خبر ہے یعنی وہ کتاب جو کتاب کامل کی صورت میں نازل کی گئی

یا الکتاب صفت اور مابعد خبر ہے یا مبتدا محذوف ہے ہو، یعنی ان حروف سے وہ کتاب مرکب ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت ہے الم تنزيل الكتاب لا ريب فيه، اب ترکیب ظاہر ہے

لَارَیْبَ فِیْهِ کی تفسیر

یہاں دو مسائل ہیں

پہلا مسئلہ: ریب، شک کے قریب بلکہ اس میں اضافہ ہے مثلاً کوئی کہتا ہے رابنی امر فلان (مجھے فلاں معاملہ نے شک میں ڈالا) تو اس میں سوءِ ظن ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

دع ما يريبك الى مالا يريبك چھوڑ دو جس میں شک ہے اور اپناؤ جس میں شک ہی نہیں

سوال: ریب تو حوادث کے معنی میں مستعمل ہے "ریب الدھر وریب الزمان" (زمانہ کے حوادثات)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

نَتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ (پ ۲۷، الطور ۳۰) ہمیں ان پہ حوادث زمانہ کا انتظار ہے

غصہ کی وجہ سے دلی اضطراب کو بھی ریب کہا جاتا ہے، شاعر نے کہا:

قضينا من تهامة كل ريب و خيبر ثم اجمعنا السيوفا

"ہم نے تہامہ اور خیبر میں پریشانی اٹھائی تو پھر ہم نے تلواروں کو جمع کیا"

جواب: ان دونوں میں معنی شک ہے کیونکہ جو ریب زمانہ سے ڈرتا ہے وہ اس میں مشکوک کی طرح ہے۔ اسی طرح دل کا اختلاج بھی یقینی نہیں

تو ارشاد الٰہی لاریب فیه سے مراد ہے کہ یہ کتاب کسی طرح بھی محلِ شک نہیں، مقصود یہ کہ اس کی صحت میں کوئی شبہ نہیں اس کے کلام الٰہی اور معجز ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

اگر ہم یہ کہیں کہ خصوصاً اس کے معجز ہونے میں کوئی شک نہیں تو اس تاویل آیت کی تاکید اس فرمان کے اقرب ہوگی۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کیا (پ ۱، البقرہ ۲۳)

Marfat.com

اعتراضاتِ ملحدین کے جوابات

چند سوالات جو ملحدین نے وارد کیے ہیں

پہلا سوال: اگر تم، یہ مراد لو کہ مخالفین کو اس میں شک نہیں تو غلط کیونکہ اس میں ہمیں شک ہے، اگر مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کو شک نہیں تو اس کا کیا فائدہ؟

جواب: مراد یہ ہے کہ یہ کتاب ظہور و وضاحتِ حجت میں یہاں تک ہے کہ کسی کا اس میں شک کرنا مناسب ہی نہیں، اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کیونکہ عرب، فصاحت کے آخری درجہ پر فائز ہونے کے باوجود قرآن کی سب سے چھوٹی سورت کا مقابلہ و معارضہ نہ کر پائے اور یہ بات گواہ بن رہی ہے کہ یہ کتاب ظہورِ حجت میں اس مقام پر ہے کہ کوئی عاقل اس میں شک جائز ہی نہیں سمجھتا۔

دوسرا سوال: یہاں لَا رَیۡبَ فِیۡهِ کیوں کہا یعنی فیہ کو بعد میں لایا گیا جبکہ دوسرے مقام پر

لَا فِیۡهَا غَوۡلٌ (پ۲۳، الصافات:۴۷) اس میں نشہ نہیں

کے الفاظ و انداز ہیں

جواب: اصول یہ ہے کہ سب سے اہم کو مقدم کیا جاتا ہے پھر اس کے بعد والے اہم کو، اس مقام پہ کتاب سے کلیۃً شک کی نفی اہم ہے، اگر یہاں لا فیہ ریب کہا جاتا تو وہم ہوتا شاید یہاں کوئی اور کتاب ہے جس میں شک ہے حالانکہ یہاں ایسی کوئی کتاب نہیں جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

لَا فِیۡهَا غَوۡلٌ (پ۲۳، الصافات:۴۷) اس میں نشہ نہیں

میں مقصود شرابِ جنت کو شرابِ دنیا سے فضیلت دینا ہے کہ وہ عقول کو اس طرح تباہ نہیں کرتا جیسے شرابِ دنیا کرتا ہے۔

تیسرا سوال: کیسے معلوم ہوا کہ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ سے کلیۃً ریب کی نفی ہے؟

جواب: اس کی قرأت مشہورہ لازماً کلیۃً ریب کی نفی کو مستلزم ہے، اس پہ دلیل یہ ہے لاریب میں، ماہیت ریب کی نفی ہے اور نفی ماہیت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ افراد ماہیت کے ہر فرد کی نفی ہو کیونکہ اگر افراد ماہیت میں سے ایک فرد بھی ثابت ہو جائے تو ماہیت ثابت ہو جائے گی اور یہ نفی ماہیت سے متناقض ہے۔

اسی حکمت و راز کی بنا پر کلمہ طیبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' میں اللہ تعالیٰ کے سوا تمام الٰہ کی نفی ہے

ابوشعثاء نے ''لاریب'' پر رفع پڑھا ہے، یہ ''ریب فیہ'' کی نقیض اور ثبوت فرد واحد کا مفید ہے۔

Marfat.com

اور قرأت مشہور سے نفی، تمام افراد کے نفی کو مستلزم ہوگی جس سے تناقص لازم آئے گا۔

دوسرا مسئلہ، فِیْہِ پروقف

فیہ پر وقف مشہور ہے، لیکن امام نافع وعاصم دونوں ''لاریب'' پر وقف کرتے ہیں لیکن وقف کرنے والوں کے ذہن میں خبر کا ہونا ضروری ہے اس کی نظیر ارشاد الٰہی ہے:

قَالُوْا لَا ضَیْرَ (پ۱۹، الشعراء:۵۰) وہ بولے کچھ نقصان نہیں

اور عربوں کا قول ''لاباس'' (اس میں کوئی وجہ نہیں) ہے اور یہ اھل حجاز کے ہاں کثیر ہے تقدیراً یہ عبارت ہوئی لاریب فیہ، فیہ ھدًی

واضح رہے پہلی قرأت (''فیہ'' پر وقف) ہی اولیٰ ہے کیونکہ اس قرأت پر خود کتاب سراپا ہدایت ہے جبکہ دوسری میں کتاب سراپا ہدایت نہیں بلکہ اس میں ہدایت (جز) ہے اول اولیٰ ہے کیونکہ قرآن میں بار بار آیا قرآن سراپا نور و ہدایت ہے

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں

پہلا مسئلہ، ہدایت کی حقیقت

۱۔ دلالت و رہنمائی ہے

۲۔ صاحب کشاف کہتے ہیں الھدٰی، وہ رہنمائی ہے جو مطلوب تک پہنچادے

۳۔ دیگر حضرات کہتے ہیں یہ ہدایت، رہنمائی اور علم کا نام ہے

پہلا قول: (رہنمائی) کی صحت اور دوسرے اور تیسرے قول کے فساد پر دلیل یہ ہے کہ اگر مطلوب تک پہنچانا ''ھدٰی'' میں معتبر ہوتو مطلوب نہ پانے کے وقت حصولِ ہدایت محال ہوگی اس لئے کہ منزل کی طرف رہنمائی، عدم 'اھتدا' کی صورت میں محال ہو گی حالانکہ وہ محال نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى اور رہے ثمود انہیں ہم نے راہ دکھائی لیکن انہوں نے گمراہی کو

(پ۲۴، فصلت:۱۷) ہدایت پر چاہا

یہاں ہدایت و رہنمائی کا اثبات ہے لیکن ''اھتدا'' (ہدایت پالینے) کا نہیں اور اس لئے بھی کہ لغت عرب میں کہا جاتا ہے، ھدیتہ فلم یھتد (میں نے رہنمائی کی مگر وہ منزل نہ پاسکا) اور یہ ہماری تائید ہے۔

Marfat.com

صاحب کشاف کے تین دلائل

صاحب کشاف نے تین امور بطور دلیل پیش کئے ہیں

۱۔ ہدایت کے مقابل ضلالت وگمراہی ہے۔ارشاد الٰہی ہے

اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی

(پ۱،البقرہ:۱۶)

لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (پ۲۲، سبا:۲۴) یا تو ضرور ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں

۲۔ لفظ مہدی (ہدایت یافتہ) مھتدی کی طرح مقام مدح میں بولا جاتا ہے اگر ہدایت میں مطلوب تک ایصال ورسائی نہ ہوتو مہدی ہونا کوئی مدح نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے ہدایت ہومگر ہدایت نہ پائی ہو۔

۳۔ اھتدی،ھدی کے مطاوع ہے مثلاً ھدیتہ فاھتدی جیسے کسرتہ فانکسر (میں نے توڑا وہ ٹوٹ گیا) قطعتہ فانقطع (میں نے کاٹا وہ کٹ گیا) جیسے ٹوٹ جانا اور قطع ہوجانا، کسر وقطع کو لازم ہیں اسی طرح ہدایت پانا بھی لوازمِ ہدایت میں سے ہے

اول کا جواب

ہدایت دینے اور ہدایت پانے میں بلاشبہ فرق موجود ہے تو ہدایت ورہنمائی کے مقابل گمراہ کرنا اور اھتدا وہدایت پانے کے مقابل گمراہی ہے تو ہدایت کو گمراہی کے مقابل لانا ہی محال ہے

دوسرے کا جواب

ہدایت سے فائدہ اٹھانے والا ہی مھدی (ہدایت یافتہ) ہوتا ہے اور جو اس سے نفع نہیں اٹھاتا اسے مھدی نہیں کہا جاسکتا اور اس لئے بھی کہ جب وسیلہ مقصود تک نہ پہنچائے تو وہ کالعدم ہوجاتا ہے۔

تیسرے کا جواب

ائتمار، امر کا مطاوع ہے کہا جاتا ہے امرتہ فائتمر لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امر ہونے کیلئے ائتمار (بجالانا) شرط ہے۔ اسی طرح ہدایت کیلئے لازم نہیں کہ وہ ہدایت یافتہ بنائے پھر یہ اس محاورہ کے معارض ہے ھدیتہ فلم یھتد (میں نے رہنمائی کی مگر اس نے قبول نہ کی)

خصوصاً ہدی بمعنی علم کے فساد پر یہ بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کا وصف ہدی فرمایا اور یہ بلاشبہ بذاتہ علم نہیں تو واضح ہو گیا ہدایت، رہنمائی ہی ہے نہ ہدایت یافتہ اور نہ علم

Marfat.com

دوسرا مسئلہ، متقی کا مفہوم

المتقی، اسم فاعل، وقاہ فاتقی سے ہے، وقایہ (بہت زیادہ بچنا) جب یہ جان لیا تو اب سنیے، اللہ تعالیٰ نے یہاں لفظ متقی مقام مدح میں ذکر فرمایا تو جس میں یہ وصف ہوگا وہ بطریق اولیٰ اُمور دنیا میں متقی ہوگا۔ بلکہ وہ ہر اس معاملہ میں متقی ہوگا جس کا تعلق دین سے ہے، یعنی وہ عبادات بجالاتے ہوئے ممنوعات سے بچنے والا ہوگا۔

کیا صغائر سے بچنا تقویٰ میں شامل ہے؟

اس میں اختلاف ہے کیا صغائر سے اجتناب تقویٰ میں شامل ہے؟ بعض نے کہا ہے اسی طرح شامل ہیں جیسے صغائر وعید میں شامل ہیں جبکہ بعض شامل نہیں مانتے تاہم تمام سے توبہ کے لزوم پر کوئی نزاع نہیں، نزاع اس میں ہے کہ جب آدمی صغائر سے نہیں بچتا تو اس پر متقی کا نام آئے گا؟ حضور ﷺ سے مروی ہے:

لا یبلغ العبد درجة المتقین حتی یدع مالا بأس به حذراً مما به البأس (سنن ترمذی، ۲۴۵۱)

بندہ درجہ متقین تک نہیں پہنچتا جب تک وہ کام نہ چھوڑے جن میں کوئی حرج نہیں اس سے ڈرتے ہوئے کہیں یہ حرج والے کاموں سے ہو

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ متقی ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ہر اس معاملہ میں بھی ڈرتے ہوں جس کی طرف ان کی خواہش کا میلان ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہوتے ہیں، ان تمام کی تصدیق کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔

تقویٰ خشیت کا نام ہے، ابتدائے سورۃ النساء میں فرمایا:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ (پ۴، النساء:۱) اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو

اسی طرح سورۃ الحج کے اول میں بھی ہے۔ الشعراء میں فرمایا:

اِذْ قَالَ لَھُمْ اَخُوْھُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ (پ۱۹، الشعراء:۱۰۶) جب ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا تم کیوں نہیں تقویٰ اختیار کرتے

یعنی کیا تم اللہ سے خشیت نہیں رکھتے؟ اسی طرح حضرت ھود، حضرت صالح، حضرت لوط، اور حضرت شعیب علیہم السلام نے اپنی اُمتوں سے کہا، سورۃ العنکبوت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا

Marfat.com

اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ — اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو

یعنی اس سے خشیت وخوف اختیار کرو، اسی طرح فرمان الٰہی ہے:

اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (پ۴، ال عمران:۱۰۲) اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (پ۲، البقرۃ:۱۹۷) توشہ ساتھ لو کہ سب سے بہتر توشہ پرہیزگاری ہے

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا (پ۱، البقرۃ ۴۸) اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہو سکے گی

یاد رہے حقیقت تقوٰی وہی ہے جو ہم نے بیان کر دی لیکن قرآن میں غرض اصلی کے طور پر ان چیزوں کے لئے زیادہ آیا ہے۔

ا۔ایمان ۲۔توبہ ۳۔طاعت ۴۔ترک معصیت ۵۔اخلاص

ا۔ التقوٰی بمعنی ایمان۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى (پ۲۶، الفتح:۲۸) اور پرہیزگاری کا کلمہ ان پر لازم فرمایا

یہاں توحید مراد ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى (پ۲۶، الحجرات:۳) وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کیلئے پرکھ رکھا ہے

قَوْمَ فِرْعَوْنَ اَلَا يَتَّقُوْنَ (پ۱۹، الشعراء:۱۱) جو فرعون کی قوم ہے کیا وہ نہ ڈریں گے

۲۔ توبہ،ارشاد الٰہی ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا (پ۹، الاعراف:۹۶) اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور ڈرتے

یعنی وہ توبہ کر لیں

۳۔ اطاعت،ارشاد الٰہی ہے

اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ (پ۱۴، النحل:۲) کہ ڈر سناؤ کہ میرے سوا کسی کی بندگی نہیں تو میری طاعت کرو

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ (پ۱۴، النحل:۵۲) تو کیا اللہ کے سوا دوسرے کی طاعت کرتے ہو؟

وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ (پ۱۸، المؤمنون:۵۲) میں تمہارا رب ہوں میری اطاعت کرو

Marfat.com

۴۔ ترک معصیت، ارشاد مبارک ہے:

وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ (پ۲، البقرہ:۱۸۹) گھروں میں دروازوں سے آؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو

یعنی اللہ کی نافرمانی نہ کرو۔

۵۔ اخلاص، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (پ۱۷، الحج:۳۲) تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے

یعنی یہ خلوص دل سے ہے

اسی طرح فرمان الٰہی ہے:

وَإِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ (پ۱، البقرہ:۴۱) اور مجھی سے ڈرو

واضح رہے مقام تقویٰ، مقام اعلیٰ ہے، ارشاد الٰہی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ بیشک اللہ ان کے ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں اور جو نیکیاں کرتے ہیں (پ۱۴، النحل:۱۲۸)

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے (پ۲۶، الحجرات:۱۳)

تقویٰ کی تفصیل

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چاہے کہ لوگوں میں معزز ہو جاؤں وہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرے، جو چاہے میں لوگوں سے طاقتور ہو جاؤں وہ اللہ پر بھروسہ و توکل کرے جو چاہے میں سب سے غنی ہو جاؤں تو وہ جو کچھ اللہ کے قبضہ میں ہے اس پہ زیادہ بھروسہ کرے اس سے جو بندوں کے پاس ہے۔ (المستدرک، ۷۷۰۷)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ہے تقویٰ، معصیت پہ ترکِ اصرار اور طاعت پہ ترک غرور ہے۔

امام حسن بصری نے کہا: تقویٰ یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پہ کسی کو ترجیح نہ دے اور جان لے کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم نے فرمایا: تقویٰ یہ ہے کہ مخلوق تیری زباں میں عیب نہ پائے، ملائکہ تیرے افعال میں اور مالک عرش تیرے دل میں عیب نہ پائے۔

Marfat.com

شیخ واقدی کہتے ہیں: تقوٰی یہ ہے کہ تیرا دل حق تعالیٰ کیلئے اس سے بڑھ کر مزین ہو جیسے تیرا ظاہر مخلوق کیلئے مزین ہے۔

تقوٰی کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے:

ان لا یراك حیث نهاك		وہ ذات تمہیں وہاں نہ پائے جہاں سے اس نے منع فرمایا ہے

یہ بھی بیان ہوئی ہے، متقی وہ ہے جو مصطفےٰ ﷺ کے راستہ پر چلے، دنیا کو پس پشت ڈال دے اپنے نفس میں اخلاص اور وفا پیدا کرے، حرام وظلم سے بچے۔

اور اگر متقی کیلئے کوئی اور فضیلت نہ بھی ہو تو ھدًی للمتقین ہی کافی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا قرآن لوگوں کیلئے ہدایت ہے

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ		رمضان وہ ماہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کیلئے ہدایت ہے

(پ۲، البقرہ، ۱۸۵)

اور یہاں فرمایا هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ تو یہ کلمات بتا رہے ہیں متقین ہی انسان ہیں تو جو متقی نہیں وہ گویا انسان ہی نہیں۔

تیسرا مسئلہ، چند سوالات

پہلا سوال: شئی کا ہدایت و رہنمائی ہونا اشخاص کے اعتبار سے مختلف نہیں تو کیا وجہ قرآن کو فقط متقین کیلئے ہدایت بنایا؟ پھر متقی ہدایت یافتہ ہوتا ہے اور اسے دوبارہ ہدایت نہیں دی جاتی تو قرآن متقین کیلئے بھی ہدایت نہ ہوگا؟

جواب: قرآن مجید جس طرح متقین کیلئے وجود صانع، اس کے دین اور اس کے رسول کے صدق پہ ہدایت و رہنمائی ہے اسی طرح یہ کفار کیلئے بھی ہدایت ہے مگر اللہ تعالیٰ نے بطور مدح متقین کا ذکر کیا تا کہ واضح ہو کہ یہی لوگ اس کی ہدایت سے نفع پاتے ہیں جیسا کہ فرمایا:

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰهَا	(پ۳۰، النازعات: ۴۵)	تم انہی کو ڈراؤ گے جو اس سے ڈرتا ہے

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ	(پ۲۲، یٰسین ۱۱)	تم اسے ہی ڈراؤ گے جو نصیحت کی اتباع کرے

حالانکہ حضور ﷺ تمام انسانوں کیلئے ڈرسنانے اور تنبیہ کرنے والے ہیں لیکن تذکرہ مخصوص لوگوں کا کیا کیونکہ وہی آپ ﷺ کے انذار سے فائدہ اٹھانے والے ہیں

جن لوگوں نے یہاں ہدایت کا معنی مقصود پالینا کیا ہے ان پر اعتراض نہیں ہوگا کیونکہ قرآن کا مقصود تک پہنچانے والا ہونا صرف متقین کے حق میں ہی ہے

Marfat.com

دوسرا سوال: تمام قرآن کو ہدایت کیسے فرمادیا حالانکہ اس میں بہت سی آیات مجمل ومتشابہ بھی ہیں، اگر رہنمائی عقل نہ ہو تو محکم، متشابہ سے ممتاز نہ ہو تو حقیقۃً ہدایت عقلی رہنما ہے نہ کہ قرآن، اس وجہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ہے انھوں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خوارج کی طرف بھیجتے وقت بطور نصیحت فرمایا

لا تحتج علیھم بالقراٰن فانہ خصم ذو وجھین — ان کے سامنے قرآن سے استدلال نہ کرنا کیونکہ اس میں کئی معانی کا احتمال ہے

تو اگر یہ ہدایت ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ یوں نہ فرماتے

پھر یہ کہ تمام فرقِ اسلام قرآن ہی سے استدلال کرتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں قرآن ان آیات سے مالا مال ہے جو بعض مذہب جبریہ اور بعض مذہب قدریہ پر صراحۃً دال ہیں اور ان کے درمیان تطبیق نہایت ہی دشوار ہے تو یہ ہدایت کیسے بن سکتا ہے؟

جواب: چونکہ متشابہ اور مجمل کی مراد عقل کی رہنمائی یا دلیل نقلی سے متعین ہو جاتی ہے لہٰذا یہ تمام ہدایت بن جائے گا

تیسرا سوال: جس پر خود قرآن کی صحتِ حجیت موقوف ہے اس میں قرآن ہدایت نہ ہوگا تو اب اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت، اس کی صفات کی معرفت اور معرفت نبوت میں قرآن کا ہدایت ہونا محال ٹھہرا حالانکہ یہ مقاصد ومطالب سب سے اعلیٰ وافضل ہیں تو جب قرآن ان میں ہدایت نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اسے مطلقاً ہدایت کیسے فرمادیا؟

جواب: اس کے ہدایت ہونے کیلئے ضروری نہیں کہ یہ ہر شئی میں ہدایت ہو بلکہ اس کا بعض اشیاء میں ہدایت ہونا ہی کافی ہے مثلاً یہ معرفت شرائع میں ہدایت ہے یا یہ معقولات کی تائید میں ہدایت ہے۔

یہی آیت اس پہ سب سے قوی دلیل ہے کہ مطلق، عموم کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کا وصف ہدایت بغیر کسی قید کے ذکر کیا ہے حالانکہ اس کا معرفتِ ذاتِ الٰہی، صفاتِ الٰہی اور اثباتِ نبوت میں ہدایت ہونا محال ہے تو ثابت ہوا مطلق مفید عموم نہیں

چوتھا سوال: ہدایت کیلئے ضروری ہے کہ بیان وفصاحت میں وہ اسقدر واضح ہو کہ دوسرے کو واضح کردے حالانکہ قرآن کا معاملہ ایسے نہیں کیونکہ مفسرین نے ہر آیت کے تحت آپس میں مخالف اقوال کثیرہ بیان کیے ہیں، جس کا حال یہ ہو وہ تو خود واضح نہیں چہ جائیکہ وہ کسی دوسرے کو واضح کرے تو یہ ہدایت کیسے بنا؟

جواب: جن مفسرین نے اقوال متعارضہ ذکر کئے اور ان میں سے کسی کو ترجیح نہیں دی ان پہ یہ سوال وارد ہوگا ہم نے تو ان میں سے ایک کو دلیل کی بنیاد پہ ترجیح دی ہے لہٰذا یہ سوال ہم پہ وارد نہیں ہو سکتا۔

چوتھا مسئلہ: صاحب کشاف کہتے ہیں، "ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ" کا محل رفع ہے کیونکہ یہ محذوف مبتدا کی خبر یا یہ لاریب فیہ سے مل کر ذالک کی خبر ہے یا یہ مبتدا ہے اور ظرف مقدم 'فیہ' خبر ہے، یہ بطور حال منصوب بھی ہو سکتا ہے اور اس میں عامل اشارہ یا ظرف ہے۔

Marfat.com

بلاغت میں پختہ ورسوخ رکھنے والا یہ راستہ اختیار کر کے یوں کہے گا" الٓمٓ "مستقل جملہ ہے یا حروف مجم کا طائفہ ہے جو مستقل ہے "ذالك الكتاب" دوسرا جملہ ہے لاریب فیہ تیسرا، "هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ "چوتھا جملہ ہے ان کی ترتیب میں بلاغت کا جوڑ اور نظم کا حسن ہوتا اگر کوئی حرف عطف ہوتا لیکن یہاں اس کے بغیر بھی حسن ہے کیونکہ یہ ایک دوسرے سے اس قدر متصل ہیں کہ دوسرا پہلے سے متحد ہے اسی طرح تیسرا اور پھر چوتھا

اس کی کچھ تفصیل

اولاً اس پہ تنبیہ کی کہ یہ کلام ذریعہ تحدی وچیلنج ہے پھر اسی طرف یوں اشارہ کیا یہ کتاب انتہائی کامل ہے تو یہ جہت تحدی میں پختگی فرمائی پھر اس کی نفی کی کہ اس میں ریب نہیں ہوسکتا تو یہ کمالِ کتاب پہ شہادت ہوگئی پھر اطلاع دی کہ متقین کیلئے ہدایت ہے اس سے یہ یقین کامل ہوا کہ اس میں شک پھٹک نہیں سکتا

ان چاروں میں اس ترتیب کے بعد ہر ایک میں عظیم نکتہ ہے پہلے میں حذف اور اعلیٰ طریق سے غرض کی طرف اشارہ ہے، دوسرے میں معرفہ کی عظمت ہے، تیسرے میں ریب کو ظرف سے مقدم کرنا، چوتھے میں حذف اور وصف ھاد کی جگہ ھدًی مصدر اور پھر نکرہ لانا خوب ہے۔

[۳] اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾

"جو بے دیکھے ایمان لائیں اور نماز قائم رکھیں اور ہماری عطا کردہ روزی سے خرچ کریں"

چند مسائل

پہلا مسئلہ: صاحب کشاف لکھتے ہیں "الذین یؤمنون" صفت متقین کی مجرور ہے یا اعنی کا مفعول منصوب یا ھم مبتدا کی خبر ہے یا متقین منقطع ہو کر مبتدا اولئك علی ھدًی اس کی خبر ہے۔

جب متصل ہو تو متقین پہ وقف حسن غیر تام ہے اور منقطع ہو تو پھر وقف تام ہے۔

دوسرا مسئلہ: بعض نے کہا: اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ متقین کی تفسیر ہے وہ یوں کہ نیکیاں بجالانے والا اور برائیوں کا تارک متقی ہوتا ہے۔ اب فعل یا تو فعل قلب ہے اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ اسی کا بیان ہے یا جوارح کا فعل ہوگا اور اس کی بنیاد نماز، زکوٰۃ اور صدقہ ہے کیونکہ عبادت یا تو بدنی ہوگی اور ان میں نماز سب سے افضل یا مالی ہوگی اور ان میں زکوٰۃ سب سے اعلیٰ، اسی لئے رسول اللہ ﷺ انھیں یہ نام دیے۔

Marfat.com

اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ وَالزَّکٰوۃُ قَنْطَرَۃُ الْاِسْلَامِ — نماز دین کا ستون اور زکوٰۃ اسلام کا پل ہے

(المعجم الاوسط للطبرانی:۸۹۳۷)

یا ترک فعل ہے اور یہ نماز میں داخل ہے، ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ — بیشک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور بری بات سے

(پ۲۱، العنکبوت ۴۵)

اقرب ومختار یہی ہے کہ یہ اشیاء متقین کی تفسیر نہ بنیں اس لئے کہ کمال سعادت تب حاصل ہوتی ہے کہ انسان نامناسب کو ترک کردے اور مناسب ہی کرے۔ ترک، تقویٰ ہے اور فعل یا فعل قلب ہے اور وہ ایمان ہے یا فعل جوارح واعضاء اور وہ نماز وزکوٰۃ ہے تقویٰ (ترک) کو فعل ایمان، نماز اور زکوٰۃ پر مقدم کیا ہے۔ کیونکہ دل اس تختی کی طرح ہے جو عقائد حقہ اور اخلاق فاضلہ کے نقوش قبول کرتی ہے اور تختی کیلئے اولاً ضروری ہوتا ہے کہ اسے نقوش فاسدہ سے پاک کیا جائے تاکہ اس پہ عمدہ نقوش کو ثبت کیا جاسکے، یہی قول اخلاق میں ہے۔ اسی وجہ سے تقویٰ کو مقدم کیا جو غیر مناسب افعال کا ترک ہے اور اس کے بعد مناسب افعال بجا لانے کا ذکر کیا۔

تیسرا مسئلہ: صاحب کشاف نے لکھا، ایمان، امن سے باب افعال ہے، جب کوئی کسی کی تصدیق کرے تو کہا جاتا ہے امنہ، اور اس کی حقیقت کسی کو تکذیب ومخالفت سے امن دینا ہے، با کے ساتھ متعدی ہونے کی وجہ سے اس کا معنی اقرار واعتراف کو متضمن ہوتا ہے شیخ ابوزید سے جو منقول ہے نما امنت ان اجد صحابۃ (یعنی میں اعتماد نہیں کروں گا) تو اس کی حقیقت یہی ہے کہ میں امن والا اور اطمینان وسکوں والا ہو جاؤں۔ یؤمنون بالغیب کے دونوں معانی حسن ہیں یعنی وہ حق کا اعتراف کرتے ہیں یا حق پہ اعتماد کرتے ہیں

ایمان کا شرعی مفہوم

اہل قبلہ کا شرعی ایمان کے بارے میں اختلاف ہے اور وہ چار فرقوں میں جمع ہیں۔

پہلا فرقہ: افعال قلوب وجوارح اور اقرار لسان کا نام ایمان ہے، معتزلہ، خوارج، زیدیہ اور محدثین کا یہی موقف ہے۔

خوارج اس پہ متفق ہیں کہ ایمان باللہ، معرفت الٰہی اور ہر اس شئی کو شامل ہے جس پہ اللہ تعالیٰ نے دلیل عقلی یا کتاب وسنت سے دلیل نقلی بیان کی ہے، اسی طرح طاعت الٰہی کو بھی شامل ہے جو تمام مامور افعال وتروک میں ہے خواہ وہ صغیر ہے یا کبیر، ان تمام کا مجموعہ ایمان ہے، ان میں ایک کو بھی ترک کرنا کفر ہے۔

Marfat.com

معتزلہ اس پر متفق ہیں کہ جب لفظ ایمان با کے ساتھ متعدی ہو تو مراد تصدیق ہوتی ہے، اس لئے کہا جاتا ہے، فلان امن باللہ و برسولہ تو یہاں تصدیق ہی مراد ہے کیونکہ ایمان بمعنی اداءِ واجبات یوں متعدی نہیں ہوتا، جب کوئی نماز و روزہ کرے تو نہیں کہا جاتا فلان امن ھکذا جبکہ کہا جاتا ہے، فلاں امن باللہ جیسا کہ یوں بھی کہا جاتا ہے صَام وصلی للّٰہ تو جب لفظ ایمان با سے متعدی ہوگا تو اس کا معنی اہل لغت والا (تصدیق) ہی ہوگا، ہاں جب مطلق غیر متعدی استعمال ہوگا تو یہ معنی لغوی (تصدیق) سے منقول ہو کر دوسرے معنی میں مستعمل ہوگا۔

معتزلہ کا اختلاف، وہ معنی کیا ہے؟

اس بارے میں ان کا اختلاف ہے

۱۔ ایمان، تمام طاعات کا بجالانا ہے خواہ وہ لازم ہیں یا مندوب، وہ باب اقوال سے ہیں یا افعال یا اعتقادات، یہ واصل بن عطاء، ابوالہذیل اور قاضی عبدالجبار بن احمد کا قول ہے۔

۲۔ ایمان، واجبات کا بجالانا ہے نہ کہ نوافل کا، یہ ابوعلی اور ابو ہاشم کا قول ہے

۳۔ ایمان، ہر اس کام سے بچنا ہے جس پر وعید ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ مومن ہے جو کبائر سے اجتناب کرے اور ہمارے ہاں مؤمن جو ہر اس کام سے اجتناب کرے جس پہ وعید آئی ہے۔ یہ نظام کا قول ہے۔

اور اس کے کچھ اصحاب ہمارے ہاں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مومن کیلئے تمام کبائر سے بچنا شرط قرار دیتے ہیں۔

محدثین کی رائے

انہوں نے دو طریق بیان کئے ہیں

۱۔ معرفت الٰہی، ایمان کامل ہے اور یہی اصل ہے۔ اس کے بعد ہر طاعت الگ ایمان ہے اور تمام طاعات تب ایمان بنتیں ہیں جب یہ اصل معرفت پہ مرتب ہوں اور کہتے ہیں ان کا انکار و مخالفت کفر ہے پھر اس کے بعد ہر معصیت کفر ہے، یہ کسی طاعت کو بھی ایمان نہیں کہتے جب تک معرفت و اقرار موجود نہ ہو اور کسی معصیت کو کفر نہیں کہتے جب تک انکار و مخالفت نہ ہو کیونکہ فرع اصل کے بغیر نہیں ہوسکتی، یہ عبداللہ بن سعید بن کلاب کا قول ہے

۲۔ ایمان، تمام طاعات کے بجالانے کا نام ہے اور یہ ایمان واحد ہے، انھوں نے تمام فرائض و نوافل کو ایمان کا حصہ و جز کہا ہے، جس نے فرائض میں سے کچھ ترک کیا اس کا ایمان ناقص اور جس نے نوافل چھوڑے اس کا ایمان ناقص نہیں، ان میں بعض نے کہا، ایمان، فرائض کا نام ہے، نوافل کا نہیں۔

Marfat.com

دوسرا فرقہ

ایمان، تصدیق قلبی اور لسانی دونوں کا نام ہے، ان کا اختلاف ہے۔

۱- ایمان، اقرار باللسان اور معرفت قلبی کا نام ہے، یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور تمام فقہاء کا مذہب ہے، پھر ان میں دو مقامات پر اختلاف ہے

۱- اس معرفت کی حقیقت میں اختلاف ہے، بعض نے اس کی تفسیر، اعتقاد جازم کی ہے خواہ وہ اعتقاد تقلیدی ہو یا دلیل کی بنا پر ہو، یہی اکثریت کہتی ہے کہ مقلد مسلمان ہی ہوتا ہے بعض نے معرفت کی تفسیر یوں کی کہ ایسا علم جو استدلال سے ثابت ہو۔

۲- ثبوت ایمان میں کون سا علم معتبر ہے؟

بعض متکلمین نے کہا کامل طور پر اللہ کی ذات وصفات کا علم ہے پھر جب صفات باری میں خلق کا بہت زیادہ اختلاف ہو گیا اور ہر ایک نے دوسرے کی تکفیر کی تو اہل انصاف نے کہا ہر اس شئی کا علم جس کا دین محمدی ہونا بدیہی ہو یعنی ضروریاتِ دین کا ماننا کافی ہے تو اس قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کا عالم بالعلم، عالم لذاتہ اور اس کے مرئی اور غیر مرئی ہونے کا علم ایمان میں داخل نہیں۔

دوسرا قول: ایمان تصدیق قلبی اور لسانی کا نام ہے۔ یہ بشر بن عتاب مریسی اور ابوالحسن اشعری کا موقف ہے۔ یہاں تصدیق بالقلب سے مراد کلام قائم بالنفس ہے۔

تیسرا قول: صوفیاء کا گروہ کہتا ہے، اقرارِ لسانی اور اخلاص قلبی کا نام ایمان ہے۔

تیسرا فرقہ

ایمان، فقط عمل قلبی کا نام ہے، پھر ان کے دو اقوال ہیں:

۱- ایمان معرفت الٰہی بالقلب ہے حتیٰ کہ جسے دلی معرفت الٰہی حاصل ہو گی پھر زبان سے انکار کیا اور پھر اقرار سے پہلے مر گیا تو وہ کامل مومن ہے یہ جہم بن صفوان کا قول ہے، وہ کہتا ہے معرفتِ کتب، رسل اور یوم آخرت، ایمان میں داخل نہیں۔
شیخ کعبی نے اس سے یہ نقل کیا ایمان، اللہ کی معرفت کے ساتھ اس تمام کی معرفت کا نام ہے جس کا دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہونا واضح ہو

۲- ایمان محض تصدیق قلبی کا نام ہے، یہ حسین بن فضل البجلی کا قول ہے۔

Marfat.com

چوتھا فرقہ

ایمان، فقط اقرار لسانی ہے آگے ان کے دو گروہ ہیں:

۱۔ ایمان تو فقط اقرار لسانی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ دل میں حصول معرفت ہو، تو ان کے ہاں اقرار کے ایمان بننے کیلئے معرفت شرط ہے نہ کہ ایمان میں داخل، یہ غیلان بن مسلم دمشقی اور فضل رقاشی کا قول ہے اگرچہ کعبی نے غیلان کا قول کہنے سے انکار کیا ہے

۲۔ ایمان محض اقرار لسانی ہے اور یہ کرامیہ کا قول ہے ان کا کہنا یہ ہے منافق ظاہراً مؤمن اور باطناً کافر ہے دنیا میں اس کا حکم مومنین اور آخرت میں کفار والا ہے

ایمان کے شرعی مفہوم میں اقوال کا مجموعہ وخلاصہ یہی ہے

مختار قول

ہمارا موقف یہ ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے، یہاں ماہیت تصدیق قلبی کا جاننا ضروری ہے تو سنیے جو کہتے ہیں عالم حادث ہے تو ان الفاظ کا معنی یہ نہیں کہ عالم حدوث سے موصوف ہے بلکہ اس کا مقصود، عالم کا حادث ہونا بیان کرنا ہے۔ ثبوتِ حدوث عالم کا حکم، ثبوت حدوث عالم کا غیر ہے تو یہ ثبوت وانتفا کا حکم ذہنی ایسا معاملہ ہے جس کیلئے ہر لغت میں لفظ خاص ہے، حکم ذہنی واحد ہونے کے باوجود عبارات والفاظ کا اختلاف واضح کرتا ہے حکم ذہنی، علم کا غیر ہے کیونکہ شئ سے جاہل بھی اس پر حکم لگاتا ہے تو واضح ہوگیا حکم ذہنی، علم کا مغایر ہے تو تصدیق بالقلب سے مراد یہی حکم ذہنی ہے

یہاں ایک لفظی بحث رہ جاتی ہے کہ لغت میں مسمّیٰ بالتصدیق حکم ذہنی ہے یا وہ صیغہ جو اس حکم ذہنی پہ دال ہے۔

اس پر تفصیلی گفتگو ہم نے اصول فقہ میں کردی ہے جب یہ مقدمہ معلوم ہوگیا تو اب ہم کہتے ہیں ایمان اعتقاد کے ساتھ ان تمام کی تصدیق کا نام ہے جن کا دینِ محمدی ہونا معروف وآشکار ہے۔

اس مذہب کے ثبوت کیلئے ان چار قیود کی محتاجی وثبوت ضروری ہے۔

ثبوت وتذکرہ چار قیود

پہلی قید: ایمان تصدیق کا نام ہے اس پہ یہ دلائل ہیں۔

۱۔ اصل لغت میں اس کا معنی تصدیق ہے اگر عرف شرع میں اس کا معنی غیر تصدیق ہو تو لازم آئے گا اس کے ساتھ کلام کرنے والا غیر کلام عرب بول رہا ہے اور یہ قرآن کے عربی ہونے کے منافی ہے۔

Marfat.com

۲۔ لفظ ایمان سب الفاظ سے اکثر مسلمانوں کی زباں پہ جاری ہوتا ہے اگر یہ غیر مسمیٰ اصلی کی طرف منقول ہو جاتا تو اس کی معرفت کے دواعی کثیر تھے تو یہ مشہور ہو کر حد تواتر کو پہنچ جاتا جب ایسا نہیں تو یہ اپنی اصل وضع (تصدیق) پر ہی ہے۔

۳۔اس پر اتفاق ہے کہ با کے ساتھ جب متعدی ہو تو اصل لغت پر ہی ہوتا ہے تو لازم ہے جب غیر متعدی ہو تو اس کی بھی یہی صورت ہو

۴۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی قرآن میں ایمان کا ذکر کیا تو اس کی اضافت دل کی طرف کی

مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ (پ ۶، المائدہ:۴۱) کچھ لوگ زباں سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور ان کے دل مومن نہیں

وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (پ ۱۴، النحل:۱۰۶) اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہے

كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ (پ ۲۸، المجادلہ:۲۲) ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے

وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (پ ۲۶، الحجرات:۱۴) ہاں یوں کہو کہ ہم مطیع ہوئے اور ابھی ایمان تمھارے دلوں میں کہاں داخل ہوا

۵۔ اللہ تعالیٰ نے جس جگہ ایمان کا ذکر کیا عمل صالح کو بھی اس کے ساتھ ملایا اگر اعمال، ایمان میں داخل ہوتے تو یہ محض تکرار ہے

۶۔ اللہ تعالیٰ نے بہت دفعہ ایمان کے ساتھ معاصی کا ذکر فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (پ ۸، الانعام:۸۲) جو ایمان لائے اور ان کا ایمان ظلم سے ملوث نہ ہو

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ (پ ۲۶، الحجرات:۹) اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کراؤ پھر اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس زیادتی والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے

مومن ہونے پر تین دلائل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس پر اس فرمان الٰہی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى (پ ۲، البقرۃ:۱۷۸) اے ایمان والو تم پر فرض ہے کہ (جو ناحق مارے جائیں) ان کے خون کا بدلہ لو

Marfat.com

سے تین طرح سے استدلال کیا ہے۔

۱۔ قصاص عمداً قاتل پہ ہے، فرمان ہے۔یا ایُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا "جو بتا رہا ہے کہ قاتل مومن ہی رہتا ہے

۲۔ ساتھ یہ بھی فرمایا:

فَمَنْ عُفِیَ لَہٗ مِنْ اَخِیْہِ شَیْءٌ (پ۲، البقرۃ:۱۷۸) تو جس کیلئے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی ہوئی

اور یہ اخوت، اخوت ایمانی ہی ہے کیونکہ ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (پ۲۶، الحجرات:۱۰) اہل ایمان آپس میں بھائی ہیں

۳۔ ساتھ یہ بھی فرمایا

ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَۃٌ (پ۲، البقرہ:۱۷۸) یہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارا بوجھ ہلکا کرنا ہے اور رحمت ہے

اور رحمت مومن کے لائق ہی ہے

ہمارے مطلوب پر یہ ارشاد بھی شاہد ہے:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُھَاجِرُوْا (پ۱۰، الانفال:۷۲) اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت نہ کی

ہجرت نہ کرنے والے کو مومن کہا حالانکہ ترکِ ہجرت پر شدید وعید ہے۔فرمان الٰہی ہے:

اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِكَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ فرشتے ان کی جان نکالتے ہیں اس حال پہ کہ وہ اپنا بُرا کر رہے تھے

(پ۱۴، النحل:۲۸)

دوسرے مقام پر ہے:

مَالَكُمْ مِنْ وَّلَایَتِھِمْ مِنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُھَاجِرُوْا تمہیں ان کا ترکہ کچھ نہیں پہنچتا جب تک ہجرت نہ کریں

(پ۱۰، الانفال:۷۲)

اس کے باوجود انہیں اہل ایمان ہی کہا۔

یہ ارشادات عالیہ بھی شاہد ہیں:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ

(پ۲۸، الممتحنۃ:۱)

Marfat.com

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ (پ ۹، الانفال:۲۷) اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے دغا نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں دانستہ خیانت

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا (پ ۲۸، التحریم:۸) اے ایمان والو! اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے کیلئے نصیحت ہو جائے

گناہ سے پاک کو توبہ کا حکم دینا محال ہے

وَتُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ (پ ۵، النور،۳۱) اور اللہ کی طرف توبہ کرو تمام اے اہلِ ایمان

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مومن گناہگار ہے حالانکہ ہمارا قول یہ نہیں ہاں یہ گناہ گاروں کے علاوہ میں ہے اور ان کے حوالہ سے یہ حجت ہے۔

دوسری قید: ایمان تصدیق لسانی کا نام نہیں، دلیل اس پہ یہ ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ (پ ۱، البقرۃ:۸) اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور وہ ایمان والے نہیں

یہاں ان کے مومن ہونے کی نفی ہے اگر ایمان تصدیق لسانی ہی ہوتا تو یہ نفی درست نہ ہوتی

تیسری قید: ایمان مطلق تصدیق نہیں کیونکہ جس نے کسی بُت اور طاغوت کی تصدیق کی وہ مومن نہیں ہو سکتا

چوتھی قید: ایمان کیلئے تمام صفات الٰہی کی تصدیق ضروری نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے ایسے لوگوں کو بھی مومن قرار دیا جن کے دل میں اللہ تعالیٰ کے عالم لذاتہ یا عالم بالعلم کا تصور بھی نہ تھا اگر یہ اور اس جیسی قیودات ثبوت ایمان میں شرط ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے لوگوں کو یہ پوچھے بغیر، تم یہ جانتے ہو کہ نہیں مومن کہنا درست نہ ہوتا۔

سوال: یہاں دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت: جس نے دلیل و برہان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی جب اس کا عرفان تمام ہوا وہ فوت ہو گیا اور اس نے وقت نہیں پایا کہ وہ زبان سے کلمات شہادت کہتا، اب تم اگر یہ فیصلہ دیتے ہو کہ وہ مومن ہے تو تم نے یہ فیصلہ دے دیا کہ ثبوتِ ایمان میں اقرار لسانی معتبر نہیں اور یہ خلاف اجماع ہے اور اگر تم اس کے غیر مومن ہونے کا فیصلہ دیتے ہو تو یہ باطل ہے

Marfat.com

حضور ﷺ کا فرمان ہے

یخرج من النار من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من ایمان — دوزخ سے اسے نکال لیا جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا

تو یہ قلب ایمان سے مالا مال اور معمور تھا تو یہ مومن کیسے نہ ہوگا؟

دوسری صورت: جس نے اللہ تعالیٰ کی دلیل سے معرفت پالی، اور کلمہ شہادت کہنے کا وقت بھی پایا لیکن اس نے زبان سے کلمات نہیں کہے اب اگر تم فیصلہ دو کہ یہ مومن ہے تو خلاف اجماع اور اگر تم غیر مومن کہو تو باطل۔ آپ ﷺ کا فرمان گزرا جس کے دل میں ذرہ ایمان ہے وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا تو زباں کے سکوت سے دلی ایمان کی نفی تو نہیں ہوتی

جواب: شیخ غزالی نے ان دونوں صورتوں میں فرمایا ایسا کوئی اجماع نہیں اور یہ دونوں مومن ہیں۔ زباں سے اعلان نہ کرنا ایمان کے ساتھ دیگر گناہوں کی طرح ہی گناہ ہے

چوتھا مسئلہ: الغیب کی تفسیر

یہ مصدر، قائم مقام اسم فاعل ہے جیسے صوم بمعنی صائم اور زور بمعنی زائر ہوتا ہے۔ ارشاد الٰہی یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ میں دو اقوال ہیں

پہلا قول: شیخ ابو مسلم اصفہانی کا یہی مختار ہے، بالغیب، مومنین کی صفت ہے معنی یہ ہے کہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ پر حالت غیب میں بھی ایمان رکھتے ہیں جیسا کہ وہ سامنے ایمان رکھتے ہیں اور وہ منافقین کی طرح نہیں ہوتے

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (پ۱، البقرہ:۱۴)

اور جب ایمان والوں سے ملیں تو کہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوں تو کہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو یوں ہی ہنسی کرتے ہیں

اس کی نظیر یہ ارشاد الٰہی ہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:

ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ (پ۱۳، یوسف:۵۲)

یہ میں نے اس لئے کیا کہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے پیٹھ پیچھے خیانت نہیں کی

لوگ ایک دوسرے سے کہتے ہیں:

نعم الصدیق لك فلان بظهر الغیب — تمہارا فلاں دوست پشت پیچھے بھی اچھا ہے

Marfat.com

یہ تمام اہل ایمان کی مدح ہے ان کا ظاہر ان کے باطن کے موافق اور حال منافقین کے مخالف ہے کیونکہ وہ منہ سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں۔

دوسرا قول: جمہور مفسرین کا قول ہے، غیب جو حواس سے غائب ہو۔ پھر اس کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ غیب جس پہ دلیل ہے۔

۲۔ جس پہ کوئی دلیل نہیں۔

اس آیت میں متقین کی مدح ہے کہ وہ اس غیب پر ایمان رکھتے ہیں جس پہ دلیل شاہد ہے بایں طور کہ وہ تفکر واستدلال کر کے غیب پر ایمان لاتے ہیں، اس صورت میں ذات الٰہی، اس کی صفات کا علم، آخرت کا علم، نبوت اور احکام شرعیہ کا علم بھی داخل ہے کیونکہ ان علوم کے استدلال سے حصول میں بہت مشقت ہے لہٰذا یہ ان کی ثناء عظیم کا سبب ٹھہرا

دلائل ابو مسلم

شیخ ابو مسلم نے اپنے قول پر ان امور سے استدلال کیا ہے

پہلی چیز: ارشاد الٰہی ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (پ ۱، البقرۃ:۴) اور وہ کہ ایمان لائیں اس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اترا اور جو تم سے پہلے اترا اور آخرت پر یقین رکھیں

یہ تمام اشیاء غائبہ پر ایمان ہے اگر "يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ" میں بھی اشیاء غائبہ ہی مراد ہوں تو معطوف ومعطوف علیہ دونوں ایک ہی ہو جائیں گے جو جائز نہیں۔

دوسری چیز: اگر ہم اسے ایمان بالغیب پر محمول کریں تو لازم آئے گا انسان غیب جانتا ہے اور یہ اس ارشاد الٰہی کے مخالف ہے۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ (پ ۷، الانعام:۵۵) اسی کے پاس ہیں غیب کے خزانے جنہیں وہی جانتا ہے

اگر ہمارے والی تفسیر کر لو تو یہ اعتراض وارد ہی نہ ہوگا۔

تیسری چیز: لفظ غیب کا اطلاق اس پر نہیں ہو سکتا جس پر حضور کا اطلاق ہو سکے تو اب لفظ غیب کا اطلاق ذات وصفات الٰہی پر نہیں ہو سکتا اب اس میں صرف ایمان بالآخرت رہ جاتا ہے اور یہ جائز نہیں کیونکہ ایمان کا رکن اعظم اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر ایمان ہے تو لفظ کو ایسے معنی پر کیسے محمول کیا جائے گا جس کی وجہ سے اصل خارج ہو جائے اگر آپ ہمارے والے معنی پر محمول کریں تو یہ اعتراض وکمی لازم ہی نہ آئے گی۔

فضل قدیر

Marfat.com

پہلے کا جواب: "یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" ایمان غائبات پر اجمالاً مشتمل ہے اس کے بعد ہے

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ اور وہ ایمان لائیں اس پر جو تمہاری طرف اترا اور جو تم سے پہلے اترا (پ۱،البقرہ:۴)

اور یہ بعض غائبات پر ایمان کی تفصیل ہے تو یہ تفصیل کا اجمال پر عطف ہے جو جائز ہے جیسا کہ اس ارشاد الٰہی میں ہے

وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِیْلَ وَمِیْكٰىلَ (پ۱،البقرہ:۹۸) اس کے فرشتے اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل

دوسرے کا جواب: اس میں کوئی نزاع نہیں کہ ہم اشیاء غائبہ پر ایمان رکھتے ہیں تو یہ تخصیص دونوں تفاسیر پر لازم آئے گی۔

سوال: پھر کیا کہو گے بندے غیب جانتے ہیں کہ نہیں؟

جواب: ہم نے بتایا کہ غیب کی دو اقسام ہیں

۱۔ جس کے جاننے پر دلیل ہے۔

۲۔ جس کے جاننے پر دلیل نہیں۔

جس کے جاننے پر دلیل نہیں ایسے غیب کو اللہ سبحانہ ہی جانتا ہے اس کے علاوہ اسے کوئی نہیں جانتا اور جس کے جاننے پر دلیل ہے اس کے بارے میں یہ کہنے کی کوئی ممانعت نہیں۔

نعلم من الغیب مالنا علیہ دلیل ہم وہ غیب جانتے ہیں جس پر ہمارے پاس دلیل ہے

اب کلام بغیر التباس کے مفید ہے۔اس بنا پر اہل علم کہتے ہیں

الاستدلال بالشاھد علی الغائب احد اقسام الادلۃ شاہد و حاضر سے غائب پر استدلال بھی دلائل کی ایک قسم ہے

تیسرے کا جواب: ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ لفظ غیب کا اطلاق اسی پر ہوگا جس پر حضور کا ہے اور دلیل اس پر یہ ہے کہ متکلمین کہتے ہیں: ھذا من باب الحاق الغائب بالشاھد (یہ شاہد کا غائب کے ساتھ الحاق ہے) اور اس غائب سے مراد وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس اور اس کی صفات لیتے ہیں۔ واللہ اعلم

پانچواں مسئلہ: مہدی منتظر مراد لینا درست نہیں

بعض شیعہ نے کہا، یہاں غیب سے مراد امام مہدی منتظر ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں قرآن وسنت میں وعدہ کیا

قرآن میں:

Marfat.com

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (پ۱۸، النور:۵۵)

اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا جیسی ان سے پہلوں کو دی

حدیث میں آپ ﷺ کا فرمان ہے: اگر دنیا سے ایک ہی دن رہ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس دن کو طویل فرمادے گا حتیٰ کہ میری اہل بیت سے ایک آدمی آئے گا جس کا نام وکنیت میرے نام وکنیت کے مطابق ہوگی وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جیسا کہ وہ پہلے سے ظلم وجور سے بھری تھی۔

لیکن واضح رہے مطلق کو بغیر دلیل کے مخصوص کر لینا باطل ہوتا ہے لہٰذا یہ مراد لینا باطل ہوگا۔

چھٹا مسئلہ: تفسیر اقامت صلاۃ

اقامت صلاۃ کی متعدد تفاسیر ہیں:

۱۔ اقامت سے مراد، اس کے ارکان کو ٹھیک ادا کرنا اور اس کے فرائض، سنن اور آداب میں کمی وخلل سے حفاظت ہے۔ جب لکڑی سیدھی کی جائے تو کہا جاتا ہے قام العود۔(لکڑی سیدھی ہوگئی)

۲۔ اقامت سے مراد، نماز پر دوام وہمیشگی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ اور وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں

(پ۲۹، المعارج:۳۴)

اور فرمایا:

اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ (پ۲۹، المعارج:۲۳) جو اپنی نماز کے پابند ہیں

جب بازار میں خرید وفروخت میں گرمی ہو تو کہا جاتا ہے قامت السوق، (بازار گرم ہے) اقامت صلاۃ کا معنی اس کا خوب وعمدہ ہونا، جب اس پر محافظت کی جاتی ہے تو یہ اس نقد شئی کی طرح ہے جس میں رغبت وشوق ہوتا ہے اور جب اسے ضائع کیا جائے تو یہ اس کھوٹی شئی کی طرح جسے کوئی نہیں لیتا۔

۳۔ نماز کو شوق سے ادا کرنا، اس کی ادائیگی میں کمی وستی نہ ہو، مثلاً قام بالامر، قامت الحرب علی ساقها (جوش میں آنا) بطور ضد الفاظ ہیں" قعد عن الامر "(وہ کام سے بیٹھ گیا)

Marfat.com

۴۔ نماز کی ادائیگی مراد ہے۔ اداکو اقامت، اس لئے کہا کہ قیام اس کا رکن ہے جیسا کہ اسے قنوت، رکوع اور سجود سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔یسبح اذا صلی کیونکہ نماز میں تسبیح موجود ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ (پ۲۳،الصافات ۱۴۳) پس اگر وہ تسبیح نہ کہتا

اولیٰ یہ ہے کہ کلام کا حمل اس پر ہو، جس میں ثنا عظیم ہے اور یہ اسی وقت حاصل ہوگا جب ہم اقامت سے ادائیگی نماز میں دوام اور اس کے ارکان وشرائط میں خلل کا نہ ہونا مراد لیں۔

اور اس لئے بھی کہ لشکر پر مقرر منتظم کو قیم اسی وقت کہا جاتا ہے جب وہ بغیر کمی و کجی کے حقوق ادا کرے۔اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا وصف قائم وقیوم ہے اس لئے کہ اس کا وجود دائمی ہے اور اس لئے بھی کہ مخلوق پہ اس کے رزق کی برسات دائمی ہے

ساتواں مسئلہ: صلاۃ کی لغوی تحقیق

لغت کے اعتبار سے صلاۃ کے کئی معانی بیان ہوئے ہیں:

۱۔ اس کا معنی دعا ہے۔شاعر نے کہا

و قابلها الریح فی دنها و صلی علی دنها وارتشم

۲۔ شیخ خارزنجی کہتے ہیں ''صلی '' بمعنی نار سے ہے جب عصا کو آگ کے ذریعے سیدھا کیا جائے تو 'صلیت العصا ' کہا جاتا ہے تو '' مصلی '' (نمازی) گویا اس کے ظاہر و باطن کو خوب سیدھا رکھنے کی کوشش کرتا ہے جیسے لکڑی کو سیدھا کرنے کیلئے اسے آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔

۳۔ صلاۃ کا معنی لازم ہونا۔ارشاد الٰہی ہے:

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً (پ۳۰،الغاشیہ:۴) جائیں بھڑکتی آگ میں۔

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ (پ۳۰،اللھب:۳) اب دھنستا ہے لپٹ مارتی آگ میں وہ۔

مسابقت میں دوڑنے والے گھوڑوں میں دوسرے نمبر پر آنے والے کو مصلی کہا جاتا ہے

۴۔ صاحب کشاف کہتے ہیں صلاۃ، صلی سے فعلۃ کے وزن پر ہے جیسے زکی سے زکاۃ اور ان کی تعظیم کی وجہ سے واو کے ساتھ صلوۃ، زکوۃ لکھا جاتا ہے اور صلی کا معنی اپنے کولھوں کو حرکت دینا ہے چونکہ نمازی رکوع اور سجدہ میں انہیں حرکت دیتا ہے۔
بعض دعوت دینے والے کو مصلی کہتے ہیں کیونکہ وہ تواضع کرنے میں رکوع اور سجود کرنے والے کی طرح ہوتا ہے۔

Marfat.com

صاحب کشاف کارد

یہاں دو مباحث ہیں۔

پہلی بحث: صاحب کشاف نے جو مادہ بیان کیا یہ قرآن کے حجت ہونے پر بہت بڑے طعن کا ذریعہ ہے اس لئے کہ لفظ صلاۃ ان بڑے اور اکثر الفاظ میں سے ہے جو مسلمانوں کی زبان پر جاری رہتے ہیں اسے " تحریك الصلوین "(سرین کی حرکت) سے مشتق قرار دینا بہت ہی بعید ہے کیونکہ اہل نقل کے ہاں یہ مشہور ہے

اگر ہم یہ کہنا جائز رکھیں کہ صلوٰۃ (نماز) کا اصل یہی تھا پھر یہ مخفی ومٹ گیا اب اسے کوئی کوئی ہی جانتا تھا تو ایسا ہونا دیگر الفاظ میں بھی جائز و ممکن ہو جائے گا اگر ہم اسے جائز مان لیں تو ہمیں یہ یقین کہاں سے حاصل ہوگا کہ ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے جو ہم اپنے دور میں ان سے سمجھ رہے ہیں کیونکہ ممکن ہے رسول اللہ ﷺ ہی کی ظاہری حیات میں ان کا کوئی اور معنی ہو اور وہی معنی اللہ تعالیٰ کی مراد تھے ہاں وہ معانی ہمارے دور میں مٹ گئے جیسا کہ لفظ صلاۃ میں ہوا۔ حالانکہ اس بات کے باطل ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے تو کہنا پڑے گا صاحب کشاف کا بیان کردہ مادہ باطل ہے۔

دوسری بحث: صلاۃ، شرع میں مخصوص افعال کا نام ہے ان میں سے کچھ پہلے اور کچھ بعد میں ہیں، اس کا افتتاح تکبیر تحریمہ سے اور اختتام تحلیل (سلام) سے ہوتا ہے اور اس اسم کا اطلاق فرض و نفل دونوں پر ہوتا ہے لیکن اس آیت میں مراد فرائض ہیں کیونکہ فلاح کا مدار انہی پر ہے حضور ﷺ نے جب اعرابی کو فرض نماز کی تفصیل بتائی تو اس نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ میں نہ ہی کمی کروں گا اور نہ اضافہ تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا تو فلاح پا گیا (مسلم:۱۱)

آٹھواں مسئلہ: رزق کی لغوی تحقیق

کلام عرب میں رزق کا معنی (حظ) حصہ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ (پ۲۷، الواقعہ:۸۲) اور اپنا حصہ یہ بناتے ہو کہ جھٹلاتے ہو۔

یعنی اس معاملہ سے تمہارا حصہ یہ ہے

حظ، آدمی کا وہ مخصوص حصہ جو دوسرے کا نہ ہو

۱۔ بعض نے کہا رزق، جو کھایا یا استعمال کیا جائے لیکن یہ باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کردہ رزق میں سے خرچ کا حکم دیا ہے

Marfat.com

وَاَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰکُمۡ (پ۱۳،الرعد:۲۲) ہمارے دیئے سے ہماری راہ میں خرچ کرو

اگر رزق وہی ہے جو کھالیا جائے تو اس کا انفاق کیسے ممکن ہوگا؟

2- بعض نے کہا: رزق، جس کا مالک بنا جائے، یہ بھی باطل ہے کیونکہ انسان یہ دعا کرتا ہے

اللھم ارزقني ولداً صالحًا و زوجةً صالحةً اے اللہ! مجھے نیک اولاد عطا فرما، مجھے صالح بیوی عطا فرما

حالانکہ وہ نہ اولاد کا مالک ہوتا ہے اور نہ بیوی کا اور یہ بھی دعا کرتا ہے۔

اللھم ارزقني عقلاً اعيش به مجھے ایسی عقل عطا فرما جس سے بہتر زندگی بسر کروں

حالانکہ عقل مملوک وغلام نہیں

پھر چوپایوں کا رزق ہے حالانکہ وہ اس کے مالک نہیں ہوتے

رزق کا شرعی مفہوم

عرفِ شرع میں رزق کے مفہوم میں یہ اقوال ہیں:

۱۔ شیخ ابوالحسین بصری کہتے ہیں، جاندار کی کسی شئی سے حصول نفع پر ایسی قدرت کہ کوئی دوسرا اسے نفع سے روک نہ سکے جب ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں مال بطور رزق دیا تو معنی یہی ہے کہ ہمیں ان سے نفع حاصل کرنے پر قادر بنایا، جب ہم اللہ تعالیٰ سے بطور رزق مانگتے ہیں تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ وہ مال ہمارے لئے ہی خاص ہو، جب ہم چوپایوں کیلئے مانگتے ہیں تو وہ ان کیلئے خاص ہوتا ہے، تو یہ خاص تب ہی بنے گا جب اس سے نفع پر قادر ہوں اور کوئی دوسرا اسے نفع سے منع نہ کرسکے

یاد رہے معتزلہ رزق کی جب یہ تفسیر کرتے ہیں تو یقیناً وہ کہیں گے کہ حرام رزق نہیں ہوگا، جبکہ ہمارے اصحاب کہتے ہیں بعض اوقات حرام بھی رزق ہوتا ہے۔

اہلسنت کے دو دلائل

اس پر اصحاب کے دو دلائل ہیں:

۱۔ لغت میں رزق کا معنی حصہ اور نصیب ہے جیسے اوپر گزرا تو جو حرام سے نفع حاصل کرلے گا وہ حرام اس کے لئے حصہ اور نصیب بنے گا لہٰذا اس کیلئے اس کا رزق بنا لازمی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

Marfat.com

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا　　اور زمین پہ چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو　　(پ۱۲، ھود:۶)

کبھی انسان طویل عمر چوری کا مال ہی کھاتا ہے تو اگر یہ رزق نہیں تو یوں کہنا لازم ہونا چاہیئے کہ اس نے اس قدر عمر میں رزق کھایا ہی نہیں

معتزلہ کے دلائل

انہوں نے بھی قرآن وسنت سے کچھ دلائل دیئے ہیں۔

قرآنی دلائل

ان کے قرآنی دلائل یہ ہیں

۱۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ　　(پ۱، البقرہ:۳)　　اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرنے والوں کی مدح کی ہے اگر حرام، رزق ہوسکتا ہے تو حرام خرچ کرنے والے بھی مستحق مدح بنیں گے حالانکہ یہ بات بالاتفاق باطل ہے

۲۔ اگر حرام، رزق ہے تو پھر غاصب، غصب کرسکتا ہے کیونکہ ارشاد الٰہی ہے:

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ　　(پ۳، البقرہ:۲۵۴)　　اللہ کی راہ میں ہمارے دیئے میں سے خرچ کرو۔

حالانکہ مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ غاصب اس مال سے خرچ نہیں کرسکتا بلکہ اس کا من وعن لوٹانا لازم ہے تو معلوم ہوا حرام رزق نہیں ہوسکتا

۳۔ ارشاد الٰہی ہے:

قُلْ اَرَاَیْتُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا قُلْ آللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ　　تم فرماؤ، بھلا بتاؤ تو جو اللہ نے تمہارے لئے رزق اتارا اس میں تم نے اپنی طرف سے حرام وحلال ٹھہرالیا تم فرماؤ کیا اللہ نے اس کی تمہیں اجازت دی؟　　(پ۱۱، یونس:۵۹)

تو اس میں واضح کیا ہے جو اللہ کے رزق کو حرام کہے گا وہ اللہ تعالیٰ پر افترا کرنے والا ہے تو ثابت ہوا حرام رزق نہیں ہوتا۔

Marfat.com

سنت سے دلیل

شیخ ابوالحسین نے ''کتاب الغرر'' میں اپنی سند کے ساتھ صفوان بن اُمیہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، عمرو بن قرہ نے آ کر کہا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ نے مجھ پر شقاوت لکھ دی ہے میرا رزق اس دف بجانے میں ہی ہے لہٰذا مجھے اچھے گانوں کی اجازت دیدو جن میں بے حیائی نہ ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں یہ اجازت نہیں دے سکتا نہ یہ عزت ہے اور نہ یہ نعمت، اللہ کے دشمن تو نے جھوٹ بولا، اللہ تعالیٰ نے تیرا رزق بنایا مگر تو نے اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ کی جگہ اسے اپنا لیا جو اس نے حرام فرمایا تھا اگر تو نے آئندہ یہ بات کی تو میں تجھے سخت سزا دوں گا۔

(سنن ابن ماجہ، ۱۸۷)

عقلی دلیل

عقلی طور پر بھی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مکلّف کو حرام سے انتفاع سے منع کیا ہے اور دوسروں کو اس سے نفع اٹھانے سے منع کرنا بھی، اور جو دوسرے کو لینے اور نفع سے منع کرے اسے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے اسے رزق دیا ہے کیا تم نہیں جانتے جب بادشاہ نے سپاہیوں کو لینے سے منع کیا ہو تو یہ نہیں کہا جا سکتا ان السلطان قد رزق جندہ مالاً (کہ سلطان نے لشکر کو مال دیا ہے) ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے انھیں رزق دیا اور وہ اس پر قادر تھے نہ تو انھیں لینے سے منع کیا تھا اور نہ ہی انھیں دوسروں کو منع کرنے کا حکم تھا

جواب: اہلِسنّت نے جواباً کہا بلاشبہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں لیکن یوں تو کہا جاتا ہے، یا خالق المحدثات والعرش والکرسی (اے تمام ممکنات اور عرش و کرسی کے پیدا فرمانے والے) مگر نہیں کہا جاتا، یا خالق الکلاب والخنازیر (اے کتوں وخنزیروں کے پیدا کرنے والے) اسی طرح فرمایا

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ (پ۲۹، الانسان:۶) چشمہ سے اللہ کے بندے پئیں گے

تو یہاں عباد کا لفظ متقین کیلئے بولا اگرچہ کفار بھی عباد ہیں۔

اسی طرح یہاں زیر بحث آیت میں بطور تعظیم حلال کو رزق کہا اگرچہ حرام بھی رزق بن سکتا ہے

حدیث کے حوالے سے جواب یہ ہے کہ یہ تو ہماری دلیل بن رہی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فاخترت ما حرم الله عليك من رزقه تو نے وہ پسند کر لیا جو رزق اللہ تعالیٰ نے تجھ پر حرام کیا تھا۔

تو یہ الفاظ صراحتاً دلیل ہیں کہ حرام بھی رزق بن سکتا ہے۔

Marfat.com

عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ محض لغت کا ہے کہ حرام کا نام رزق ہے یا نہیں اور دلائل عقلیہ کا الفاظ میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ واللہ أعلم

نواں مسئلہ: انفاق اصلاً ہاتھ سے مال خرچ کرنا ہے، جب خریدار زیادہ ہوں تو کہتے ہیں "**نفق المبيع نفاقاً**" جب چوپائے کی روح نکل جائے تو کہتے ہیں **نفقت الدابة**، سوراخ سے نکلنے والی چوہیا کو کہا جاتا ہے "**نافقاء الفارة**" اسی سے نفق (سرنگ) ہے۔

ارشادگرامی ہے

اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقاً فِی الْاَرْضِ (پ الانعام:۳۵) تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کرلو

دسواں مسئلہ: "وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ" میں فوائد

ا۔ مِنْ بعضیہ لایا تاکہ ممنوع اسراف وتبذیر سے لوگوں کو بچایا جائے۔

۲۔ مفعول کو اہمیت کی وجہ سے مقدم کیا گویا فرمایا یہ کچھ مال صدقہ کیلئے خاص کردیتے ہیں۔

۳۔ آیت مذکور کے انفاق میں انفاقِ لازم اور انفاقِ مستحب دونوں داخل ہیں۔

انفاقِ لازم کی اقسام

ا۔ زکوٰۃ۔ آیت الکنز میں فرمایا

وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (پ۱۰، التوبہ:۳۴) اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔

۲۔ اپنے اور اپنے عیال پر خرچ کرنا۔

۳۔ جہاد پر خرچ کرنا۔

انفاق مستحب

یہ بھی انفاق ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اور خرچ کرو اس سے جو ہم نے تمہیں دیا پہلے اس کے کہ تمہیں موت آئے

یہاں بھی صدقہ مراد ہے کیونکہ بعد میں ہے:

فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (پ۲۸، المنافقون:۱۰) کہ میں صدقہ دیتا اور نیکوں میں ہوتا

Marfat.com

یہ تمام انفاقات آیت کے تحت آتے ہیں کیونکہ یہ تمام سبب مدح وتعریف ہیں۔

[۴] وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿۴﴾

(یہ لوگ اس پہ ایمان رکھتے ہوں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور یہی لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں)

آیت کا ربط وتعلق

واضح ہو ارشاد الٰہی "وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ" ہر اس آدمی کو شامل ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا خواہ وہ پہلے حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام پر ایمان رکھتا ہے یا نہیں، لفظ عام کی بعض مخصوص افراد پر دلالت، خاص کی بعض افراد پر دلالت سے ضعیف ہوتی ہے۔ اس لئے کہ عام میں احتمال تخصیص ہوتا ہے جبکہ خاص میں نہیں ہوتا، یہ سورت مدنی ہے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو "ھدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب" فرما کر شرف وعظمت بخشی، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے اہل کتاب حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ کا ذکر کیا، "وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ" کیونکہ خصوصی ذکر میں، ان کی مزید عزت ہے جیسے ارشاد الٰہی ہے

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ　　جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسلوں اور جبرائیل اور میکائیل کا　　(پ۱، البقرہ:۹۸)

پھر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور دیگر کا ذکر عظمت ان جیسے لوگوں کو دین میں آنے کی ترغیب بھی ہے ذکر خاص بعد از عام کا یہی سبب ہے

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ اور مسائل

پہلا مسئلہ: ہمارے اصحاب اور معتزلہ کا اس میں نزاع نہیں کہ جب ایمان با سے متعدی ہو تو مراد تصدیق ہوتی ہے جب ہم کہیں "فلان امن بکذا" تو معنی ہے کہ اس نے فلاں کی تصدیق کی، اس سے یہ مراد نہیں کہ اس نے نماز وروزہ کیا تو یہاں ایمان سے بالاتفاق تصدیق ہی مراد ہے لیکن اس کے ساتھ معرفت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ یہاں ایمان کا ذکر مقام مدح پر ہے اور شک کے ساتھ تصدیق کرنے والا کاذب بھی ہو سکتا ہے تو وہ ذم ومذمت کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

Marfat.com

دوسرا مسئلہ: انزال وحی اور قرآن کے منزل اور نازل شدہ کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آسمان میں اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لے کر نازل ہوئے یہ اسی طرح ہے کہ کہا جاتا ہے'' نزلت رسالة الامير من القصر "(امیر کا پیغام محل سے نازل ہوا) تو نازل نہیں ہوتا البتہ سننے والا پیغام سن کر اوپر سے نیچے لاتا ہے اور امیر کا قول اس کی ذات سے جدا نہیں ہوتا لیکن سامع سن کر اترتا ہے اور وہ اپنے الفاظ میں لوگوں تک پہنچا دیتا ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے کلام الٰہی کیسے سنا؟

جب آدمی ایک سے سن کر دوسری جگہ پہنچا تا ہے تو کہا جاتا ہے'' فلان ينقل الكلام "(اس نے کلام نقل کیا)

سوال: حضرت جبریل علیہ السلام نے کلام الٰہی کیسے سنا حالانکہ اس کا کلام تمھارے ہاں حروف واصوات سے بالاتر ہے؟

جواب: ا۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنا کلام سننے کی قوت سمع پیدا کردی ہو پھر انہیں اس کلام قدیم کی تعبیر کیلئے عبارت والفاظ پر قادر کر دیا ہو۔

۲۔ یہ بھی ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں اس نظم مخصوص کی کتابت تخلیق کردی ہو تو وہاں سے حضرت جبریل علیہ السلام نے یہ املاوتحریر حفظ کرلیا ہو۔

۳۔ یہ بھی ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے اس نظم مخصوص کیلئے جسم مخصوص میں ممتاز اصوات تخلیق کردیئے ہوں تو جبریل علیہ السلام نے وہاں سے سنا اور ان میں یہ علم ضروری وبدیہی تخلیق کردیا کہ یہی عبارت ہے جو کلام قدیم کے معنی کی صحیح تعبیر ہے۔

تیسرا مسئلہ: نازل شدہ کی تفصیل

"وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ" میں جس ایمان کا تذکرہ ہے یہ لازم وفرض ہے کیونکہ آخر میں فرمایا:

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (پ۱، البقرہ:۵) وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔

۱۔ ثابت ہوا جس میں یہ ایمان نہ ہوگا وہ لازماً کامیاب نہ ہوگا، جب اس کا لازم ہونا ثابت ہو گیا تو اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل ہوا اس کی تفصیل جاننا ضروری ہے کیونکہ آدمی کیلئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ چیزوں کی تفصیل جانے بغیر ان پر عمل کر سکے

۲۔ اگر انہیں وہ تفصیلاً نہیں جانے گا تو ان کا اپنانا اور ان کا قیام اس سے محال ہوگا۔

لیکن اس کا تفصیلی علم بطور فرض کفایہ لازم ہوگا اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ احکام کو تفصیلاً جاننا عوام اور ہر آدمی پر لازم نہیں

Marfat.com

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ کی تفسیر

اس سے مراد وہ شریعتیں ہیں جو حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے نازل ہوئیں ان پر اجمالاً ایمان لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اب ان کی اطاعت کا حکم نہیں دے رکھا حتیٰ کہ ہم پر ان کی تفصیل کا جاننا ضروری ہو بلکہ اگر ہم ان کی تفصیل سے آگاہ ہوں تو پھر ان تفاصیل پر ایمان بھی لازم ہوگا۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں

پہلا مسئلہ: الآخرۃ، یہ صفت الدار کی ہے ''الدار الآخرۃ'' (اخروی گھر) اس نام کی وجہ دنیا کے بعد اور پیچھے آنے کی ہے بعض نے کہا دنیا آخرت کے مقابل ادنیٰ و گھٹیا ہے۔

دوسرا مسئلہ، یقین کا مفہوم

شی کا ایسا علم جو شک کے بعد ہو اسی وجہ سے آدمی یہ نہیں کہہ سکتا مجھے اپنے وجود کا یقین ہے، آسمان میرے اوپر ہے، کا یقین ہے کیونکہ ایسے علم سے ازالہ وہم نہیں ہو رہا تو یہ امور حادثہ (نئے) کے علم کیلئے ہے خواہ وہ بدیہی ہوں یا نظری واستدلالی، قائل کہہ سکتا ہے میں اس کلام سے یقیناً یہی مراد لے رہا ہوں اگرچہ اس کی مراد کو اس نے مجبوراً جانا ہو۔ آدمی کہہ سکتا ہے مجھے یقین ہے اللہ واحد ہے اگرچہ اس نے اسے استدلال سے جانا ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسے اشیاء کا یقین ہے

تیسرا مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں آخرت پر یقین رکھنے والوں کی مدح فرمائی ہے، واضح بات ہے کہ صرف وجود آخرت کا یقین کر لینا آدمی کو قابل مدح نہیں بناتا بلکہ وہ اس وقت ہی قابل مدح بنے گا جب وجود آخرت کے یقین کے ساتھ ساتھ حساب و کتاب، سوال و جواب اور اہل ایمان کے جنت اور کفار کے دوزخ جانے کو بھی مانے۔

حضور علیہ السلام سے مروی ہے خوب تعجب و حیرانگی اس پر جو مخلوق ہے پھر اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک کرتا ہے، حیرانگی اس آدمی پر جو ابتدائی تخلیق مانے مگر آخرت کا انکار کرے، تعجب اس پہ جو وہاں حشر ونشر کا انکار کرے حالانکہ لوگوں پر دن رات مرنے جینے (سوتے، بیدار ہوتے) دیکھتا ہے، تعجب اس پہ جو جنت اور اس کی نعمتوں پہ ایمان لایا پھر اس نے صرف دار دنیا کیلئے کوشش کی، تعجب اس متکبر و فخر کرنے والے پر جو جانتا ہے کہ اس کا اول

نطفة مذرة و آخرہ جیفة قذرة — بدبودار نطفہ اور اس کا آخر گندا مردار ہے

Marfat.com

[۵] اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

''وہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر اور وہی مراد پالینے والے ہیں''

آیت مبارکہ میں چند مسائل

پہلا مسئلہ، اس آیت کا ربط

اس آیت مبارکہ کا سابقہ آیت سے تین طرح کا تعلق ہے۔

۱۔ اگر ہم ''اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ'' سے ابتداء کریں تو جب فرمایا ھدًی للمتقین تو یہاں متقین کو مخصوص کیا کہ کتاب ان کے لئے ہدایت ہے تو سائل کہہ سکتا ہے اس کے ساتھ متقین کو کیوں مخصوص کیا؟ تو اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ سے لے کر ''وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ'' تک اس سوال کا جواب ہے گویا فرمایا جو بندہ ایمان، اقامت نماز اور اداء زکوۃ میں فلاح ونجات کیلئے مشغول ہے اس کا اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہونا ضروری ہے۔

۲۔ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ سے ابتدا نہ کریں اسے متقین کے تابع سمجھ لیں اور ابتدا اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ سے کرلیں، گویا سوال ہوا کہ کیا سبب ہے کہ ان صفات والے لوگ ہی ہدایت کیلئے مخصوص ہوئے؟

تو جواب ملا دوسروں کو چھوڑ کر ان صفات والوں کا دنیا میں ہدایت اور آخرت میں کامیابی پانا کوئی بعید بات نہیں۔

۳۔ موصول اول: (اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ) کو متقین کی صفت بنالیا جائے اور دوسرے موصول وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ کو مبتدا کی وجہ سے مرفوع تو اب اولئك اس کی خبر ہے

اب ان لوگوں کو فلاح وہدایت کے ساتھ مخصوص کر کے ان اہل کتاب پہ تعریض وطعن کی ہے جو نبوت رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے اور ان کا گمان یہ تھا کہ وہ ہدایت پر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں انھیں فلاح نصیب ہوگی

دوسرا مسئلہ، عَلٰى هُدًى میں معنیٰ غلبہ

عَلٰى هُدًى ''ہدایت پر'' میں ہدایت پر بلند ہونے میں یہ واضح کرنا ہے کہ یہ لوگ ہدایت پر متمکن اور پکے ہیں، ان کی مثال اس کی ہے جو کسی پر سوار ہو، اس کی نظیر یہ ہے فلان علی حق، فلان علی باطل (فلاں حق پر اور فلاں باطل پر ہے) اس بات پر یہ کلمات صراحت ہیں جعل الغواية مركباً وامتطى الجهل (اس نے گمراہی کو سواری بنالیا اور وہ جہل پر سوار ہوا)

ان کے ہدایت پہ ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ وہ دلیل سے ثابت پر تمسک کرتے ہیں اور دلیل سے تمسک کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ اس پر دوام اختیار کرے اور اسے طعن وشبہ سے محفوظ رکھے۔

Marfat.com

گویا اللہ تعالیٰ نے اولاً نازل کردہ پر ایمان پر ان کی مدح فرمائی اور ثانیاً اس پر اقامت و دوام اور شبہات سے محافظت پر مدح کی اور یہ مکلّف پر لازم ہے اس لئے اگر وہ دین پر سخت عمل پیرا اور ڈرنے اور خوف رکھنے والا ہوگا تو وہ ضرور اپنے علم وعمل کا محاسبہ کرے گا اور ان دونوں میں اپنی حالت کا جائزہ لے گا تو جب اپنے نفس کو خلل و نقصان سے محفوظ رکھے گا تو وہ قابل مدح ہوگا بایں طور کہ وہ ہدایت و بصیرت پر ہے

هُدًى نکرہ لانے کی حکمت

ھدٰی نکرہ لایا گیا تا کہ یہ ہدایت کی قسم مبہم پر دلالت کرے جن کی کنہ (حقیقت) تک نہ جایا سکتا ہے اور نہ اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ محاورہ ہے لو ابصرت فلانا لا بصرت رجلاً (اگر تم فلاں کو دیکھ لیتے تم مرد دیکھتے) حضرت عون بن عبداللہ کہتے ہیں

الھدی من اللہ کثیر ولا یبصرہ الا بصیر ولا یعمل بہ الا یسیر — اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت و رہنمائی کثیر مگر اسے صاحبِ بصیرت ہی دیکھتا ہے، اور اس پر کم ہی عمل کرتے ہیں

کیا تم دیکھتے نہیں آسمانی ستارے ہر کوئی دیکھتا ہے مگر ان سے رہنمائی اہلِ علم ہی پاتے ہیں۔

تیسرا مسئلہ، اُولٰٓئِكَ میں تکرار کی حکمت

اُولٰٓئِكَ، میں تکرار اس تنبیہ کیلئے ہے کہ جس طرح ہدایت کا ان کے ساتھ اختصاص ہے اسی طرح فلاں کے ساتھ بھی ان کا اختصاص ہے، یہ لوگ دوسروں سے انھی دو مخصوص صفات کی بنا پر ممتاز ہیں۔

سوال: یہاں درمیان میں حرف عطف کیوں؟ اور اس میں اور اس آیت میں کیا فرق ہے؟

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ — یہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بدتر اور یہی غافل ہیں

(پ۹، الاعراف:۱۷۹)

جواب: زیر مطالعہ آیت میں یہ الگ الگ خبریں ہیں اس لئے ان کے درمیان عطف ہے بخلاف سوال والی آیت کے، کہ وہاں دونوں خبریں ایک و متفق ہیں کیونکہ ان پر غفلت کی مہر اور چوپایوں کے ساتھ تشبیہ ایک ہی شئی ہے تو دوسرا جملہ پہلے کی تاکید ہے اور عطف سے ان میں جدائی ہو جاتی۔

چوتھا مسئلہ: هُمْ کے فوائد

هُمْ، ضمیر فصل ہے اور اس کے دو فوائد ہیں

Marfat.com

ا۔ یہ بتارہی ہے کہ بعد میں خبر ہے نہ کہ صفت۔

۲۔خبر کا مبتدا میں حصر ہے اگر کہو، الانسان ضاحك (انسان ضاحک ہے) اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انسان ہی ضاحک ہے ہاں اگر کہو، الانسان هو الضاحك، یہ جملہ بتارہا ہے کہ انسان ہی ضاحک ہے۔

پانچواں مسئلہ: اَلْمُفْلِحُوْنَ کا معرفہ ہونا

اَلْمُفْلِحُوْنَ کا معرفہ ہونا بتارہا ہے بلاشبہ متقین وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تمھیں اطلاع ملی ہے کہ وہ آخرت میں فلاح پائیں گے جیسا کہ تمہیں اطلاع پہنچے کہ کسی شہری نے توبہ کرلی تم پوچھو وہ کون ہے بتایا جائے "زید التائب" (زید وہی ہے جس کی توبہ کی خبر ملی تھی)

یا معرفہ ہونا اس پر دال ہے کہ اگر وہ صفت فلاح حاصل ہوئی تو یہی وہ لوگ ہیں جیسے کہ تم ساتھی سے کہو هل عرفت الاسد و ما جبل علیه من فرط الاقدام؟ (تم شیر اور اس کی فطرتی بہادری جانتے ہو) بلاشبہ زید وہی ہے۔

چھٹا مسئلہ: مفلح کا مفہوم

مطلوب پالینے والا مفلح ہوتا ہے گویا اس کے لئے اقسام ظفر کھول دی گئیں اور اس پر اس کا دروازہ بند نہ رہا۔ مفلج، بالجیم کا معنی بھی یہی ہے، اس لفظ کی ترکیب، شق اور فتح پر دال ہے اس لئے کسان کو فلاح، نچلے ہونٹ کا پھٹ جانا، افلح کہلاتا ہے، محاورہ ہے، الحدید بالحدید یفلح (لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے)

الفلاح کی تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا وصف بیان کیا کہ وہ علم و عمل میں اپنی لازمی ذمہ داریوں کو نبھاتے ہیں تو اس کا نتیجہ مطلوب کا پالینا بتایا اور وہ بطور عظمت و تعظیم بلا کمی دائمی نعمتوں کا پانا ہے کیونکہ یہی عبادات کا ثواب مطلوب ہے

ساتواں مسئلہ: ایک طریق سے ان آیات سے وعیدیہ (قائلین یقینی سزا) نے جبکہ دوسرے طریق سے مرجئہ (ہر حال میں معافی کے قائلین) نے استدلال کیا ہے۔

وعیدیہ کا استدلال

ان کا استدلال دو طرح سے ہے:

ا۔ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، حصر کا مقتضی ہے کہ جس کے نماز و زکوٰۃ میں کمی ہے تو لازم ہے کہ وہ فلاح نہ پائے تو اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تارک نماز و زکوٰۃ پہ یقیناً وعید و سزا ہے۔

Marfat.com

۲-کسی حکم کا وصف پر مرتب ہونا بتلاتا ہے کہ یہ وصف حکم کی علت ہے تو لازم ہے فلاح کی علت فعل ایمان، نماز اور زکوٰۃ ہوں تو جس نے ان میں کمی کی اس کے لئے علت فلاح ثابت نہ ہوگی تو جب علت فلاح حاصل نہیں تو فلاح بھی لازماً حاصل نہ ہوگی

مرجئہ کا استدلال

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں مذکور صفات سے متصف لوگوں پر فلاح کا حکم جاری فرمایا ہے لہٰذا ان اشیاء سے متصف لوگوں کا مفلح ہونا ضروری۔ہے اگر چہ انھوں نے زنا، چوری اور شرب خمر کا ارتکاب کیا۔

جب اس گروہ میں عفو ومعافی ثابت ہے تو دوسروں میں بھی ثابت ہوگا کیونکہ فرق کا کوئی بھی قائل نہیں۔

جواب: دونوں کے استدلال متعارض ہیں لہٰذا یہ ساقط ہیں۔

پھر وعید یہ کا جواب یہ ہے کہ ارشاد الٰہی: وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" بتا رہا ہے کہ یہی لوگ فلاح میں کامل ہیں تو لازم ہے صاحب کبیرہ فلاح میں کامل نہ ہو

اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کیونکہ وہ فلاح میں کیسے کامل ہوسکتا ہے جبکہ وہ خلاصی عذاب میں جازم ویقین والا نہیں بلکہ اس کا خائف ہونا ممکن ہے

دوسرے کا جواب یہ ہے سبب واحد کی نفی، نفی مسبب کا تقاضا نہیں کرتی ہمارے نزدیک، اسباب فلاح میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی وعفو بھی شامل ہے۔

تو مرجئہ کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کا وصف تقویٰ ہی حصول ثواب کیلئے کافی ہے کیونکہ اس کے ضمن میں معاصی سے بچنا اور ترک واجبات سے بچنا آجاتا ہے

[۶] اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

(بلاشبہ جو دانستہ کفر میں پکے ہیں ان کے حق میں برابر ہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان نہیں لائیں گے)

اس آیت کے تحت کچھ مسائل نحوی اور کچھ مسائل اُصولی ہیں ہم انہیں انشاءاللہ تفصیلاً بیان کر رہے ہیں۔

اِنَّ میں چند مسائل

پہلا مسئلہ: اِنَّ حرف ہے اور حرف اصلاً عامل نہیں ہوتا چونکہ اس حرف کی فعل کے ساتھ صورۃً اور معناً مشابہت ہے اس مشابہت کا تقاضا ہے کہ یہ عمل کرے

Marfat.com

چند مقدمات

یہاں چند مقدمات کا ذکر ضروری ہے۔

پہلا مقدمہ: بیان مشابہت

یہ مشابہت لفظ و معنی میں حاصل ہے، الفاظ میں یوں کہ یہ تین حروف سے مرکب، آخری مفتوح اور افعال کی طرح اسماء کو لازم، ان پر نون وقایہ آتا ہے اِنَّنِیْ، کَاَنَّنِیْ جیسا کہ وہ فعل پر داخل ہوتا ہے۔ مثلاً اَعْطَانِی، اَکْرَمَنِیْ۔

معنی میں مشابہت یوں کہ یہ اپنے اسم میں حصول معنی کا فائدہ دیتے ہیں اور یہ اس کے خبر کیساتھ موصوف ہونے میں تاکید لاتا ہے جیسے کہو قَامَ زَیْدٌ، تو قام سے اسم میں معنی کا حصول ہو رہا ہے۔

دوسرا مقدمہ: چونکہ ان کی افعال کے ساتھ مشابہت ہے لہٰذا ان کے عمل میں بھی لازماً مشابہ ہونگے اور یہ بر بنا دوران ظاہر ہے

تیسرا مقدمہ: یہ اسم کو نصب اور خبر کو رفع کیوں دیتے ہیں؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عامل بن چکے ہیں تو مبتدا اور خبر دونوں کو رفع یا دونوں کو نصب یا مبتدا کو رفع، خبر کو نصب یا اس کا عکس کریں گے

اول صورت باطل کیونکہ مبتدا و خبر ان کے داخلہ سے پہلے ہی مرفوع تھے اگر اب بھی مرفوع رہیں تو ان کا اثر تو ظاہر نہ ہوا اور اس لئے بھی کہ یہ عمل فعل کرتے ہیں اور فعل دونوں اسماء کو رفع نہیں دیتا تو اشتراک کا کوئی معنی نہیں رہے گا اور فرع اصل سے اقوی نہیں ہوا کرتی

دوسری صورت بھی باطل کہ یہ عمل فعل کے مخالف ہے کیونکہ فعل کسی کو رفع دیئے بغیر کسی کو نصب نہیں دیتا۔

تیسری بھی باطل کیونکہ ایسی صورت میں اصل (فعل) اور فرع (حرف) میں مساوات آجائے گی کیونکہ فعل اولاً فاعل کو رفع پھر مفعول کو نصب دیتا ہے، اگر یہاں حرف کا عمل بھی یہی ہو تو اصل و فرع برابر ہو جائیں گے۔

تو جب تینوں صورتیں باطل تو چوتھی ہی باقی ہے کہ یہ اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیں، یہ گفتگو بتا رہی ہے کہ یہ حروف اصل میں عامل نہیں ہاں ان میں داخل کر لئے گئے ہیں کیونکہ معاملہ فعل میں منصوب کی مرفوع پر تقدیم، اصل سے اعراض ہے تو یہاں سے آشکار ہو رہا ہے کہ ان حروف کا عامل ہونا بطریق اصل نہیں بلکہ بطریق عارض ثابت ہے۔

دوسرا مسئلہ: بصری کہتے ہیں یہ حروف اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتے ہیں، کوفی کہتے ہیں ان کا رفع خبر میں کوئی دخل و اثر نہیں ہوتا بلکہ وہ جس بنا پر پہلے مرفوع ہے اسی بنا پر اب مرفوع ہوتی ہے، بصریوں کی دلیل یہ ہے ان حروف کی فعل کے ساتھ مشابہت کاملہ ہے جس کی تفصیل اوپر گذری ہے اور فعل کی رفع و نصب میں تاثیر ہے تو ان کا بھی اسی طرح ہونا لازم ہے

Marfat.com

اہل کوفہ کی دلیل دوطرح سے ہے۔

۱۔معنیٰ خبریت،خبر مبتدا میں باقی ہے اوراس کی وجہ سے اس کا مرفوع ہونا اولیٰ ہے تو خبریت نے رفع دیا،جب خبریت رافع ٹھہری تواب ان حروف کا رفع دینا محال،اس میں تین مقدمات ہیں۔

۱۔خبریت باقی ہے یہ تو ظاہر ہے کیونکہ خبریت کا معنی،خبر کا مبتدا کی طرف اسناد ہے تو بعد دخول حروف بھی وہ اسناد باقی ہے۔

۲۔خبریت کا تقاضا رفع ہے،اس لئے کہ دخول ان سے رفع کی مقتضی تھی حالانکہ اس وقت عدم حرف مقتضی کا جز نہ تھا کیونکہ عدمِ جز،علت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو دخول حرف کے بعد بھی خبریت ہی مقتضی رفع ہے کیونکہ کامل مقتضی موجود ہو اور مؤثر نہ ہو تو یہ کسی مانع کی وجہ سے ہوگا اور یہ خلاف اصل ہے۔

۳۔خبریت کا تقاضا اولیٰ ہے،اس کی تفصیل دووجہ سے ہے۔

۱۔اس کا خبر ہونا وصف حقیقی اور قائم بذاتہ ہے اور یہ حرف اجنبی اوراس کے مخالف ہے اور مخالف ہونے کے ساتھ خبر کا مجاور و متصل نہیں کیونکہ ان دونوں کے درمیان "اِنّ" آ گیا ہے۔

۲۔خبر کی فعل کے ساتھ حقیقی و معنوی مشابہت ہے اور وہ دونوں کی غیر کی طرف اسناد ہے رہا حرف تو وہ فعل کے ساتھ حقیقی معنوی مشابہت نہیں رکھتا کیونکہ اس میں اسناد نہیں تو خبر کی مشابہت فعل کے ساتھ اقویٰ ہے اس مشابہت سے جو حرف کو فعل کے ساتھ حاصل ہے،جب یہ ثابت ہے تو اب خبریت کا تقاضا رفع اولیٰ ہوگا اس لئے مشابہت فعل حرف سے اولیٰ ہے۔کیونکہ فعل کے ساتھ اس کی مشابہت زیادہ ہے

۴۔جب رفع دینے میں خبریت اقویٰ ہے تو اب اس حرف کا رافع ہونا محال کیونکہ خبریت اس حرف کی نسبت اولیٰ ہے جب بات یوں ہی ہے تو حکم خبریت کا حصول اس حرف کے حصول سے پہلے ہو چکا اب اگر حصول حرف کے بعد،حکم خبریت کو دیں تو یہ تحصیل حاصل ہے جو کہ محال ہے۔

دوسری وجہ: شیخ سیبویہ نے اس سے اتفاق کیا ہے کہ حرف،عمل میں اصل نہیں تو اس کا عمل کرنا خلاف دلیل ہے اور جو خلاف دلیل ہو اسے بقدر ضرورت ہی لیا جاتا ہے اور ضرورت،اسم میں عمل سے ہی پوری ہوگی لہٰذا لازم ہے کہ یہ خبر میں عامل نہ ہو۔

دوسرا مسئلہ: شیخ انباری نے نقل کیا،کندی فلسفی شیخ مبرد کے پاس آئے اور کہا کلام عرب میں کچھ زوائد وحشو ہے مثلاً عرب کہتے ہیں۔عبداللہ قائم پھر کہتے ہیں"ان عبداللہ قائم" پھر"ان عبداللہ لقائم" حالانکہ ان کا معنی ایک ہی ہے۔

شیخ مبرد نے کہا۔ان کے معانی بھی مختلف ہیں کیونکہ الفاظ مختلف ہیں"عبداللہ قائم" یہ اس کے قیام کی خبر ہے،ان عبداللہ قائم،سائل کا جواب ہے،ان عبداللہ لقائم،منکر قیام کے انکار کا جواب ورد ہے

Marfat.com

شیخ عبدالقاہر نے مبرد کے قول (اِنّ سوال سائل میں آتا ہے) کی صحت پر یوں استدلال کیا ہے قسم کے جواب میں لوگ مبتدا اور خبر لاتے ہیں مثلاً واللہ ان زیدا منطلق اس کی تائید قرآن میں یوں ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ (پ۱۶، الکہف:۸۳)

تم سے ذوالقرنین کا پوچھتے ہیں تم فرماؤ میں تمھیں اس کا مذکور پڑھ کر سناتا ہوں۔ بیشک ہم نے اسے زمین میں قابو دیا

اور اسی سورۃ کی ابتدا میں ہے:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ (پ۱۵، الکہف:۱۳)

ہم ان کا ٹھیک ٹھیک حال تمھیں سنائیں وہ جوان تھے کہ اپنے رب پر ایمان لائے

ایک اور مقام پر فرمایا

فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (پ۲۹، الشعراء:۲۱۶)

تو اگر وہ تمہارا حکم نہ مانیں تو فرما دو میں تمھارے کاموں سے بے علاقہ ہوں

سورۃ الانعام میں ہے

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (پ۷، الانعام:۵۶)

کہہ دیجئے مجھے منع کیا گیا ہے اس سے کہ میں انہیں پوجوں جنہیں تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو

سورۃ الحجر میں ہے:

وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ (پ۱۴، الحجر:۸۹)

کہہ دیجئے بلاشبہ میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں

اور دیگر آیات مبارکہ جو سامنے لائی جاسکتی ہیں، جب کفار نے آپ ﷺ سے مجادلہ اور سوالات کئے تو ان کے جواب میں یہ آیات آئیں، اسی طرح ارشاد الٰہی ہے:

فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (پ۱۹، الشعراء:۱۶)

تو فرعون کے پاس جاؤ پھر اس سے کہو ہم دونوں اس کے رسول ہیں جو رب ہے سارے جہان کا

وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (پ۹، الاعراف:۱۰۴)

اور موسیٰ نے کہا اے فرعون میں پروردگار عالم کا رسول ہوں۔

جادوگروں کے قصہ میں فرمایا

Marfat.com

اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ (پ۹، الاعراف:۱۲۵) ہم اپنے رب کی طرف پھرنے والے ہیں۔

ظاہر ہے یہ فرعون کی اس بات کا جواب تھا:

اٰمَنۡتُمۡ لَهٗ قَبۡلَ اَنۡ اٰذَنَ لَكُمۡ (پ۱۶، طٰہٰ:۷۱) کیا تم اس پر ایمان لائے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں

شیخ عبد القاہر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں تحقیق یہی ہے کہ یہ "اِنَّ" تاکید کیلئے آتا ہے جب خبر ایسے معاملہ کی ہو کہ مخاطب اس کے خلاف گمان نہیں کرسکتا تو وہاں "اِنَّ" کی ضرورت نہیں، ضرورت وہاں ہوگی جہاں سامع کی مخالفت کا خیال ہو اس لئے تم دیکھتے ہو کہ یہ وہاں حسن میں اضافہ کردیتا جب خبر ایسا معاملہ ہو جو بعید ہو۔ ابونواس نے کہا:

علیك بالیاس من الناس ان غنی نفسك فی الیاس

''لوگوں سے مایوسی اپنے اوپر لازم کرو کیونکہ تمہارے نفس کا غنا مایوسی میں ہی ہے''

یہ اس کا اچھا موقع وجگہ ہے۔ اس لئے کہ لوگ اپنے کو لوگوں سے مایوسی کیلئے تیار نہیں کر پاتے

باقی اِنَّ کا مع لام منکر کا جواب بننا، ان زیدا لقائم، جید ہے کیونکہ جب گفتگو منکر کے ساتھ ہو تو تاکید کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے جیسے سامع سے انکار کا احتمال ہے، اسی طرح حاضرین سے بھی انکار کا احتمال ہوتا ہے۔

یاد رہے کبھی اِنَّ وہاں بھی لایا جاتا ہے جہاں متکلم موجود کو غیر موجود تصور کرے، مثلاً: انه کان منی الیه احسان فعاملنی بالسوء گویا اپنے نفس پر ملامت ہے کہ تو نے غلط گمان کیا تیرا وہم غلط نکلا، حضرت اُم مریم سے باری تعالیٰ نے اس بارے میں حکایت فرمایا:

قَالَتۡ رَبِّ اِنِّىۡ وَضَعۡتُهَاۤ اُنۡثٰىؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا وَضَعَتۡ بولی اے رب میرے یہ تو میں نے لڑکی جنی اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ وہ جنی (پ۳، آل عمران:۳۶)

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا:

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوۡمِىۡ كَذَّبُوۡنِ (پ۱۹، الشعراء:۱۱۷) عرض کی اے میرے رب میری قوم نے مجھے جھٹلایا۔

اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں

پہلا مسئلہ۔ اہل کلام اور تعریف کفر

اہل کلام پر حد وتعریف کفر دشوار ہوگئی اور تحقیقی قول اس میں یہ ہے کہ جو کچھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ انھوں نے

Marfat.com

یہ کہا اور فرمایا اب اس کی صحت نقل کی معرفت بدیہی ہے یا استدلالی یا خبر واحد ہے، قسم اول وہ چیز جسے حضور ﷺ کا لانا نہایت ہی واضح و بدیہی ہے جو اس کی تصدیق کرے گا وہ مومن اور جو اس کی تصدیق نہیں کرتا تو وہ ان تمام کی تصدیق نہیں کرتا یا بعض کی کرتا ہے اور بعض کی نہیں کرتا تو یہ کافر ہے۔

تو اب کفر اس کی عدم تصدیق ہے جس کے بارے میں نہایت ہی واضح ہو کہ یہ رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں مثلاً جس نے وجود صانع کا انکار کیا یا اس کے عالم، قادر و مختار ہونے کا یا اس کے واحد ہونے کا یا اس کے نقائص و عیوب سے پاک ہونے کا یا حضور ﷺ کی نبوت کا یا صحت قرآن کریم کا یا ان احکام کا انکار کیا جن کا دین محمدی میں ہونا یقینی ہے مثلاً لزوم صلاۃ و زکوۃ، صوم، حج، حرمت سود وغیرہ کا انکار کیا تو یہ کافر ہو گا اس لئے کہ اس نے ایسی چیز کی تصدیق ترک کی جس کا دین محمدی ﷺ ہونا واضح و یقینی تھا۔ (انہیں ہی ضروریات دین کہا جاتا ہے)

لیکن جن چیزوں کا دین سے ہونا استدلال سے جانا جاتا ہے مثلاً اللہ کا عالم بالعلم ہونا یا عالم لذاتہ ہونا، اس کا مرئی یا غیر مرئی ہونا اور وہ اعمال بندوں کا خالق ہے یا نہیں تو یہ آپ ﷺ سے تواتر قطعی سے منقول نہیں کہ ان میں سے ایک قول صحیح ہے اور دوسرا صحیح نہیں بلکہ ان میں کسی ایک قول کی صحت اور دوسرے کا باطل ہونا استدلال و نظر سے ہی معلوم ہوتا ہے تو بالیقین نہ ان کا انکار اور نہ ان کا اقرار، ماہیت ایمان میں داخل ہے لہٰذا یہ موجب کفر نہیں

اور اس پہ دلیل یہ ہے کہ اگر یہ ماہیتِ ایمان کا حصہ ہوتے تو رسول اللہ ﷺ پر لازم ہوتا کہ آپ کسی کو مومن قرار نہ دیں جب تک اس سے یہ پوچھ نہ لیں کہ تم اس مسئلہ میں حق کسے مانتے ہو، اور اگر ایسا ہوتا تو تمام امت میں اس مسئلہ کے بارے میں قول مشہور اور یہ بطور تواتر منقول ہوتا جب یہ منقول نہیں تو یہ بتا رہا ہے رسول اللہ ﷺ نے اس پر ایمان کو موقوف نہیں کیا جب صورت حال یہ ہے تو ان کی معرفت ایمان کا حصہ نہیں ہو گی اور نہ اُن کا انکار موجب کفر ہے، اسی ضابطہ کی بنا پر امت میں سے کسی کو اور ارباب تاویل میں سے کسی کو کافر قرار نہیں دیا اور جو چیز اخبار احاد سے ثابت ہے اس کا معاملہ ظاہر ہے کہ اس پر ایمان و کفر کا موقوف ہونا ممکن ہی نہیں، حقیقت کفر میں ہمارا قول یہی ہے۔

سوال: تم نے جو کچھ ذکر کیا یہ لباس اغیار اور زنار وغیرہ سے باطل ہے کیونکہ یہ پہننا کفر ہے حالانکہ یہ اس ترک تصدیق کے علاوہ ہے جو حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین کے بارے میں ہے۔

جواب: یہ اشیاء حقیقت میں کفر نہیں کیونکہ تصدیق اور عدم تصدیق باطنی معاملہ ہے جس پر مخلوق مطلع نہیں ہو پاتی اور شریعت کا یہ طریقہ ہے کہ ایسی صورتوں میں نفس معنی پر حکم کی بنیاد نہیں رکھتی کیونکہ اس پر اطلاع ہی ممکن نہیں بلکہ اس کی کچھ علامات ظاہر اور

Marfat.com

نشانات بتادیتی ہے اور انھیں متشابہات ظاہرہ کو ہی احکام شرعیہ قرار دیتی ہے لہٰذا الباس اغیار اور شدزنار اسی باب سے ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرے گا وہ ان افعال کا ارتکاب نہیں کرے گا کیونکہ جو یہ پہن رہا ہے وہ بتار ہا ہے کہ اس نے رسول ﷺ کی تصدیق نہیں کی لہٰذا اس پر اس کے احکام جاری ہوں گے نہ یہ کہ یہ فی نفسہ کفر ہیں۔اس سلسلہ میں کلام کا خلاصہ یہی ہے۔

دوسرا مسئلہ: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کی تفسیر

الفاظ ماضی کے ساتھ ان کے کفر کی خبر ہے جس شئی کی خبر لفظ ماضی سے ہو اس کا تقاضا ہے کہ وہ شئی اس خبر سے پہلے ہو، جب یہ سمجھ آ گئی تو سنیئے، معتزلہ تمام اخبار ماضیہ مثلاً:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	(پ۱، البقرہ:۱۰)	بیشک جنہوں نے کفر کیا۔
اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ	(پ۱۴، الحجر:۹)	بیشک ہم نے اتارا یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں
اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ	(پ۳۰، القدر:۱)	بلاشبہ ہم نے اسے شب قدر میں اتارا
اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ	(پ۲۹، نوح:۱)	بیشک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا

سے اس پر استدلال کرتے ہیں کہ کلام اللہ حادث ہے خواہ یہ کلام حروف واصوات ہوں یا کوئی اور شئی، اور اس طریق پر خبر شئی درست ہوگی جب وہ شئی (جس سے خبر دی جارہی ہے) پہلے ہو کیونکہ قدیم سے غیر کا پہلے ہونا محال ہے جب اس خبر کا قدیم ہونا محال ہے تو یہ حادث ہوگی

قائلین قدیم کا جواب

کلام اللہ کو قدیم جاننے والوں نے دوطرح سے جواب دیا ہے

۱۔اللہ تعالیٰ ازل میں جانتا تھا کہ عنقریب"جہاں معرض وجود میں آئے گا، جب اس نے اسے پیدا کر دیا تو علم منقلب ہو گیا جسے پہلے جانتا تھا کہ وہ مستقبل میں ہوگا اب اس کے بارے میں یہ علم ہو گیا کہ وہ ماضی میں پیدا ہو چکا اور اس سے علم الٰہی کا حادث ہونا لازم نہیں آتا، یوں کہنا بھی جائز ہے اللہ تعالیٰ کی خبر ازل میں خبر تھی کہ یہ عنقریب کفر کریں گے، جب ان کا کفر پایا گیا تو اب یہ ان کے کفر سے خبر بن جائے گی تو اس سے خبر الٰہی کا حدوث لازم نہیں آتا۔

۲۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا

Marfat.com

لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ (پ۲۶، الفتح:۲۷) بیشک تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے

جب وہ مسجد حرام میں داخل ہو گئے تو ضروری ہے کہ یہ خبر یوں ہو جائے کہ وہ مسجد حرام میں داخل ہو گئے ہیں تو اب خبر اول میں تبدیلی نہیں ہوئی اور وہ واقعۃً مسجد حرام میں داخل ہو گے جب یہ بات جائز ہے تو ہمارے زیر بحث مسئلہ میں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا

مستدل نے اولاً سوال اول کا جواب یوں دیا کہ شیخ ابو الحسین بصری اور ان کے احباب کے نزدیک تبدیلی معلومات سے علم میں تبدیلی آتی ہے اور یہ کیسے نہ آئے یہ علم کہ عالم موجود نہیں اور عنقریب وجود میں آئے گا اگر وجود عالم کا استحالہ (محال ہونا) باقی رہے تو یہ جہل ہو گا نہ کہ علم، جب صورت حال یہ ہے تو اس علم میں تغیر آئے گا اسی بنا پر معارضہ ساقط ہو جائے گا۔

دوسرے سوال کا جواب یوں کہ اللہ تعالیٰ کی خبر و کلام مخصوص اصوات ہیں تو ارشاد الٰہی 'لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ' کا معنی یہ ہے کہ دخول مسجد کے لئے یہ کلام کیا نہ کہ دخول کے بعد کلام کیا، ہمارے مسئلہ میں اس کی نظیر کچھ یوں کہ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا، اللہ تعالیٰ نے ان سے صدور کفر کے بعد کلام کیا نہ کہ اس سے پہلے البتہ اگر پہلے مانا جائے تو یہ اعتراف ہو گا جب یہ کلام ہوا اس وقت ازل میں کفر نہ تھا اور یہی مقصود ہے۔

قدیم ماننے والوں نے جواباً کہا اگر ہم مان لیں کہ معلوم میں تبدیلی سے علم میں تغیر آتا ہے تو جب ہم یہ کہتے ہیں عالم عنقریب وجود میں آئے گا تو یہ ازل میں حاصل تھا یا نہ تھا۔ اگر ازل میں حاصل نہ تھا تو صراحۃً جہالت و کفر ہے، اور اگر ہم کہتے ہیں کہ یہ حاصل تھا تو اس کا زوال، قدیم کے زوال کا مقتضی ہو گا اور اس سے اثبات حدوث عالم کا باب بند ہو جائے گا۔ واللہ أعلم

تیسرا مسئلہ: اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا، الفاظ جمع مع لام تعریف ہے جو بظاہر استغراق و احاطہ کیلئے ہے، اس میں کوئی نزاع نہیں کہ یہاں ظاہر مراد نہیں اس لئے کہ بہت سے کفار اسلام لے آئے، تو ہم نے یہ اصول جان لیا کہ بعض اوقات، اللہ تعالیٰ کلام عام فرماتا ہے، مگر مراد خاص ہوتی ہے یا تو اس لئے کہ حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں قرینہ ظاہر تھا کہ یہاں عموم سے خصوص مراد ہے تو عدم تلبیس اور ظہور مقصود کی وجہ سے عموم ہی احسن ہے۔

اس کی مثال یوں ہے کہ جب شہر میں انسان کے کچھ مخصوص دشمن ہوں تو وہ جب کہتا ہے لوگوں نے مجھے اذیت دی تو اس سے ہر ایک سمجھ رہا ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ مخصوص لوگ ہی ہیں

یا اس لئے کہ تکلم عام اور ارادہ خاص جائز ہے اگر چہ اس کا بیان متصل نہ بھی ہو لیکن ان کے نزدیک جو وقت خطاب سے تاخیر بیان تخصیص جائز رکھتے ہیں

Marfat.com

جب یہ ثابت ہو گیا تو ظاہر ہوا الفاظ عموم سے قطعی طور پر استغراق پر استدلال ممکن نہیں کیونکہ وہاں تخصیص کا احتمال ہوتا ہے اور حضور ﷺ کی ظاہری حیات میں اس پر واضح قرینہ بھی تھا لہٰذا یہ انداز عموم احسن ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے اگر قرینہ ہو تو ہم اسے جان لیں گے، اور اگر نہیں جان سکتے تو جان لیں گے کہ قرینہ نہیں مگر یہ کلام ضعیف ہے کیونکہ عدم وجدان سے عدم وجود پر استدلال ان ضعیف دلائل میں سے ہے جو مفید ظن ہیں نہ کہ مفید قطعی، اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ معتزلہ کا عمومی وعیدات سے قطعیت وعید پر استدلال نہایت ہی ضعیف ہے۔ واللہ اعلم

بعض معتزلہ نے دفاع میں یوں حیلہ کیا ہے، اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَا یُؤۡمِنُوۡنَ، یہ اس قول "اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُؤۡمِنُوۡنَ کی نقیض کی طرح ہے اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُؤۡمِنُوۡنَ" تب سچا ہے جب ان میں ہر ایک ایمان لائے جب یہ ثابت ہے تو یہ جانب ثبوت میں عموم کا مقتضی ہے لہٰذا لازم ہے کہ وہ جانب نفی میں عموم پر موقوف نہ ہو بلکہ اس کے صدق کیلئے یہی کافی ہے کہ ان میں کسی ایک سے صدور ایمان نہ ہو کیونکہ جب ان تمام سے ایک ایمان نہ لایا تو ثابت ہوا جمع سے ایمان کا صدور نہیں ہوا تو واضح ہوا کہ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَا یُؤۡمِنُوۡنَ" کو اپنے ظاہر پہ رکھنے کے لئے یہی کافی ہے کہ ان میں سے ایک ایمان نہ لائے تو اس وقت یہ ظاہر پر کیوں نہیں ہوگا جب کثیر ایمان نہ لائے۔

جواب: اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا، صیغہ جمع ہے، لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بھی جمع ہے جب جمع، جمع کے مقابل ہو تو فرد کی فرد پر تقسیم ہوتی ہے معنی ہوگا ان میں سے ہر ایک ایمان نہیں لائے تو اب کلام مذکورہ (اعتراض) لوٹ آئے گا۔

چوتھا مسئلہ: یہاں مراد کون ہیں؟

اہل تفسیر کا اختلاف ہے۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سے مراد کون ہیں؟

۱۔ رؤساء یہود۔ مخالفت کرنیوالے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نشاندہی فرمائی کہ جانتے ہوئے حق چھپاتے ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے

۲۔ مراد مشرک ہیں، ابولہب، ابوجہل، ولید بن مغیرہ وغیرہ جنہوں نے دلائل واضحہ کے بعد ضد کی اور معرفت کے بعد انکار کیا، اس کی نظیر یہ ارشاد الٰہی ہے

فَاَعۡرَضَ اَکۡثَرُهُمۡ فَهُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ وَ قَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِیۡۤ اَکِنَّةٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَیۡهِ (حٰمۤ السجدۃ:۴،۵)

تو ان میں سے اکثر نے منہ پھیرا تو وہ سنتے ہی نہیں اور بولے ہمارے دل غلاف میں ہیں اس بات سے جس کی طرف تم ہمیں پھیرتے ہو

Marfat.com

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام قوم کے ایمان کے خواہاں تھے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا (پ۱۵، الکہف:۶) تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے پیچھے اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں غم سے

اور فرمایا:

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (پ۱۱، یونس:۹۹) تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرو گے یہاں تک کہ مسلمان ہو جائیں

پھر اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح کیا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے تاکہ ان سے اس کا طمع ختم کریں اور یہ آپ کی تکلیف کا سبب نہ بنے، مایوسی بھی ایک راحت ہے

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں

پہلا مسئلہ: صاحب کشاف نے کہا سَوَآءٌ بمعنی استوا ہے دیگر مصادر کی طرح یہ بھی صفت بنتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے

تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (پ۳ ال عمران:۶۴) ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے

فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ (پ۲۴، فصلت:۱۰) اور اس میں اس کے بسنے والوں کی روزیاں مقرر کیں یہ سب ملا کر چار دن میں

گویا فرمایا: جن لوگوں نے کفر، ضد، ہٹ دھرمی کی ان پر تمہارا ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے

دوسرا مسئلہ: سواءٌ کے رفع میں دو اقوال

۱۔سواءٌ اِنَّ'' کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور'' ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ، فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، گویا فرمایا جن لوگوں نے عمداً انکار کیا برابر ہے ان پر تمہارا انذار (ڈرانا) اور عدم انذار، جیسا کہ کہا جائے ان زیدا مختصم اخوہ و ابن عمہ

۲۔ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ، مبتدا اور سواء خبر بمعنی برابر ہے، ان پر تمہارا انذار اور عدم انذار اور جملہ اِنَّ کی خبر۔

Marfat.com

دوسری وجہ اولیٰ ہے کیونکہ سواء اسم ہے اسے فعل کا درجہ دینا بغیر ضرورت ترک ظاہر ہے جو جائز نہیں، جب یہ معلوم ہوگیا تو اب جان لیجئے یہ معلوم ہے کہ انذار و عدم انذار کا وصف استوا ہے تو سواء کا خبر ہونا ضروری ہے تو خبر مقدم ٹھہری، اس سے ثابت ہوا کہ مبتدا پر تقدیم خبر جائز ہے اس کی نظیر یہ ارشاد الٰہی ہے

سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ (پ۲۵، الجاثیہ:۲۱) برابر ہے اُن کی زندگی اور موت

شیخ سیبویہ نے قولِ عرب نقل کیا ہے، تمیمی انا ومشنوء من یشنؤك

اہل کوفہ اسے جائز نہیں جانتے ان کے دو استدلال ہیں:

۱-مبتدا ذات اور خبر صفت، ذات کا صفت سے پہلے ہونا حق ہے لہٰذا الفاظ میں اس کا پہلے ہونا توابع اعراب پر قیاس کی وجہ سے لازمی ہے اور علت مشترکہ تبعیت معنوی ہے

۲-خبر کا ضمیر پر مشتمل ہونا ضروری ہے اگر خبر پہلے ہوگی تو اضمار قبل از ذکر لازم ہے اور یہ جائز نہیں کیونکہ خبر وہ لفظ ہے جس کے ساتھ امر معلوم کی طرف اشارہ ہوتا ہے تو علم سے پہلے اس کی طرف اشارہ ممنوع ہوتا ہے تو اضمار قبل الذکر محال ہے۔

اہلِ بصرہ نے جواباً اول کے بارے میں کہا تمہاری دلیل سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ تقدیم مبتدا اولیٰ ہے نہ کہ واجب۔ دوسرے کے بارے میں کہا اضمار قبل الذکر کلام عرب میں واقع ہے۔ فی بیته یؤت الحکم۔

ارشاد الٰہی ہے

فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ (پ۱۶، طہٰ:۶۷) تو اپنے جی میں موسیٰ نے خوف پایا

زہیر نے کہا:

من یلق یومًا علی علاقه هرما یلق السماحة منه والندی خلقاً

تیسرا مسئلہ: اس پر اتفاق ہے کہ فعل سے خبر نہیں دی جاسکتی (یعنی فعل مبتدا نہیں بن سکتا) مثلاً جس نے یہ کہا خرج ضرب تو اس کے کلام میں نظم نہیں، بعض نے اس قول کا ان دلائل سے رد کیا ہے۔

۱-ارشاد الٰہی "ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ" فعل ہے سواء علیهم خبر، اس کی نظیر یہ ارشاد الٰہی ہے:

ثُمَّ بَدَا لَهُم مِّن بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ لَيَسْجُنُنَّهُ حَتَّىٰ حِينٍ (پ۱۲، یوسف:۳۵) پھر سب کچھ نشانیاں دیکھ دکھا کر پچھلی مت انھیں یہی آئی کہ ضرور ایک مدت تک اسے قید خانہ میں ڈالیں

Marfat.com

یہاں بَدَا کا فاعل لیسجننہ ہے

۲۔جس سے خبر دی جارہی ہے ضروری ہے کہ وہ فعل ہو تو فعل مخبر عنہ (جس کی خبر دی جارہی ہے) بن گیا

سوال: جس سے خبر دی جارہی ہے کہ وہ فعل ہے وہ تو کلمہ ہے اور کلمہ اسم ہوتا ہے

جواب: تو جس سے خبر دی جارہی ہے کہ وہ فعل ہے جب وہ فعل فعل نہ ہو بلکہ اسم ہو تو یہ خبر کاذب ہوگی تو تحقیق یہ ہے کہ جس کے فعل ہونے کی خبر دی جارہی ہے وہ اسم ہوگا یا اسم نہ ہوگا اگر پہلی صورت ہے تو خبر کاذب کیونکہ اسم فعل نہیں ہوتا اور اگر وہ فعل ہے تو مخبر عنہ فعل بن گیا

۳۔جب ہم کہتے ہیں فعل سے خبر نہیں دی جاسکتی تو ہم یہ خبر ہی دے رہے ہیں کہ اس سے خبر نہیں دی جاسکتی، اس خبر میں اگر مخبر عنہ اسم ہے تو لازم آئے گا کہ ہم اسم کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ اس سے خبر نہیں دی جاسکتی تو یہ غلط ہے اور اگر وہ فعل ہے تو پھر فعل ہی مخبر عنہ ہے۔

پھر ان لوگوں نے کہا جب ثابت ہو گیا فعل سے خبر دینے میں کوئی ممانعت نہیں تو اب ہمیں ترک ظاہر کی حاجت بھی نہیں۔

جمہور نحاۃ کی رائے

جمہور نحاۃ اس پر متفق ہیں کہ فعل سے خبر نہیں دی جاسکتی اس لئے یہاں مقدر ضروری ہے، سواء علیھم اِنذارك و عدم انذارك

سوال: اگر کوئی کہے حقیقت چھوڑ کر مجاز لینے میں کوئی اضافی فائدہ ضروری ہے خواہ وہ معنوی ہو یا لفظی تو یہاں فائدہ کون سا ہے؟

جواب: ارشاد الٰہی "سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ" کا معنی یہ ہے کہ تمہارا انذار اور عدم انذار اس لئے ان پر برابر ہے کیونکہ ان لوگوں کا کفر پر اصرار، ہٹ دھرمی اور آیات و دلائل سے اعراض اس حالت تک جا پہنچا ہے کہ اب کسی صورت بھی ان سے قبول اسلام کی امید نہیں رہی حالانکہ اس سے پہلے ان کی یہ حالت نہ تھی۔

اگر یہ الفاظ لائے جاتے "سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ انذارك و عدم انذارك" تو یہ معنی و مقصد واضح نہ ہوتا اس سے اب کی حالت تو ان کی واضح ہوتی مگر سابق حالت کا علم نہ آتا جب فرمایا "ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ" تو اس نے بتایا، ان کی یہ حالت اب ہوئی ہے تو اس کے بعد حصول مایوسی اور ان سے امید ختم ہوئی اور ہم واضح کر چکے آیت مبارکہ سے مقصود بھی یہی ہے۔

چوتھا مسئلہ: صاحب کشاف کہتے ہیں ہمزہ اور ام دونوں معنی استفہام سے اسقدر خالی ہیں کہ معنی استفہام ان سے بالکل جدا ہو چکا ہے، سیبویہ کہتے ہیں یہ حروف استفہام پر اسی طرح جاری رہتے ہیں جیسے حرف ندا، اللھم اغفرلنا۔ ایتھا العصابہ

یعنی یہ استفہام نہ ہونے کے باوجود بصورت استفہام ہیں جیسا کہ یہ حرف ندا نہیں مگر بصورت ندا آتا ہے

Marfat.com

پانچواں مسئلہ، أَأَنذَرْتَهُمْ میں قرأتیں

أَأَنذَرْتَهُمْ میں چھ قرأتیں ہیں

۱۔ دو ہمزے درمیان الف
۲۔ درمیان الف نہ ہو
۳۔ ہمزہ اولیٰ قوی اور دوسرا بین بین، درمیان الف
۴۔ درمیان الف نہ ہو۔
۵۔ حرف استفہام محذوف
۶۔ ہمزہ حذف اور اس کی حرکت ماقبل ساکن کو دی جائے جیسا قد افلح

سوال: اگر دوسرا ہمزہ الف بنا دیا جائے؟

جواب: صاحب کشاف کہتے ہیں یہ ایسا لحن ہوگا جو کلام عرب سے خارج کر دے گا۔

چھٹا مسئلہ: اِنذار کا مفہوم

اِنذار، معاصی و نافرمانی پر زجر و توبیخ کے ساتھ عذاب الٰہی سے ڈرانا، انذار کا ذکر کیا نہ کہ بشارت کا، کیونکہ فعل اور ترک فعل میں انذار کی تاثیر، بشارت کی تاثیر سے اقویٰ ہے کیونکہ انسان کی مشغولیت دفاع نقصان میں حصول نفع میں مشغولیت سے زیادہ شدید ہوتی ہے تو یہ مقام مبالغہ کا ہے لہٰذا ذکر انذار ہی اولیٰ ہے۔

لَا يُؤْمِنُونَ میں دو مسائل

یہاں دو مسائل ہیں

پہلا مسئلہ: صاحب کشاف نے کہا یہ جملہ ماقبل کی تاکید ہے یا یہ اِنَّ کی خبر ہے اور ماقبل جملہ معترضہ ہے۔

دوسرا مسئلہ: تکلیف مالا یُطاق پر استدلال

اہلسنّت نے اس آیت اور اس جیسی دیگر آیات سے ''تکلیف مالا یُطاق'' (طاقت سے زیادہ کا حکم) پر استدلال کیا ہے مثلاً ارشاد الٰہی ہے

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰى أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (۳۶ یٰسین:۷)

بیشک ان میں اکثر پر بات ثابت ہو چکی ہے تو وہ ایمان نہ لائیں گے

Marfat.com

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا وَّ جَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا وَّ مَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ كَلَّا اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا (پ ۲۹، المدثر: ۱۱ تا ۱۷)

اسے مجھ چھوڑ جسے میں نے اکیلا پیدا کیا اور اسے وسیع مال دیا اور بیٹے دیئے سامنے حاضر رہتے اور میں نے اس کیلئے طرح طرح کی تیاریاں کیں پھر یہ طمع کرتا ہے کہ میں اور زیادہ دوں ہر گز نہیں وہ تو میری آیتوں سے عناد رکھتا ہے۔ قریب ہے کہ میں اسے آگ کے پہاڑ صعود پر چڑھاؤں

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ (پ ۳۰، اللھب: ۱)

تباہ ہو جائے ابولہب کے دونوں ہاتھ۔

اس استدلال کی تفصیل یہ ہے

پہلا طریقہ

اللہ تعالیٰ ایک معین شخص کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ یہ ایمان کبھی بھی نہیں لائے گا اب اگر اس سے ایمان صادر ہو تو اللہ تعالیٰ کی سچی خبر کا کذب لازم آئے گا اور کذب ہمارے مخالف کے ہاں بھی قبیح ہے، فعلِ قبیح سے یا جہالت لازم آئے گی یا احتاجی اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ سے محال ہیں اور محال تک کا مقتضی بھی محال ہوتا ہے تو ایسے شخص سے صدور ایمان محال لہٰذا اس کا اسے مکلف بنانا، مکلف بالمحال ہی ہے

دوسرا طریقہ

اس کی تفصیل کبھی بصورت علم یوں کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اس کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائے گا تو اب اگر اس سے صدور ایمان ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا علم، جہل سے بدل جائے گا، اور یہ محال ہے اور محال کا مستلزم بھی محال ہوتا ہے

تیسرا طریقہ

ہم تیسرے طریق سے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ وجود ایمان کا، علم بعدم ایمان کے ساتھ پایا جانا محال ہے اس لئے کہ یہ علم تب ہوگا جب معلوم کے مطابق ہو اور علم عدم ایمان تب مطابق ہوگا اگر عدم ایمان حاصل ہو تو اگر ایمان، علم عدم ایمان کے ساتھ پایا گیا تو لازم آئے گا کہ ایمان میں موجود اور معدوم دونوں کا اجتماع ہو جائے اور یہ محال ہے۔ تو ایمان کا حکم، عدم ایمان کے علم کے باوجود ضدین کو جمع بلکہ عدم و وجود کا اجتماع ہے اور یہ تمام محال ہیں تو یہاں حکم محال کا وقوع ہوگا

نقل قدیر

Marfat.com

چوتھا طریقہ

ہم چوتھے طریقہ سے یوں بھی کہہ سکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انھیں ایمان کا مکلف بنایا جن سے وہ ایمان نہ لانے کی خبر دے رہا ہے، اور ایمان کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر خبر کی تصدیق کی جائے تو اس کی اخبار میں یہ بھی ہے کہ وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے تو وہ اس چیز کے مکلف ہوں گے کہ وہ ایمان لائیں اس پر کہ وہ کبھی ایمان نہ لائیں گے اور یہ نفی واثبات کا مکلف پر جمع کرنا ہے

پانچواں طریقہ

ہم پانچویں طریقہ پر یوں کہہ سکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کفار کا یہ عیب بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی خبر کے خلاف فعل کا ارادہ کیا۔

يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ (پ۲۶، الفتح:۱۵)

وہ چاہتے ہیں اللہ کا کلام بدل دیں تم فرماؤ ہرگز تم ہمارے ساتھ نہ آؤ۔ اللہ نے پہلے سے یونہی فرمادیا ہے

اس سے ثابت ہو رہا ہے جس چیز کی خبر اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس کے خلاف کا ارادہ، کلام اللہ کو تبدیل کرنا ہے اور یہ ممنوع ہے تو اب ترکِ ارادہ ایمان بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت ہوگا تو ترک ایمان اور فعل ایمان دونوں پر ذمہ ٹھہرا۔

یہی تفصیلات اس مقام پر ذکر کی جاتیں ہیں اور یہ گفتگو معتزلہ کے اصول کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ سلف وخلف محققین نے معتزلہ کے اصولوں سے دفاع اور ان کے قواعد کو مٹانے کیلئے اسی پر اعتماد کیا۔ معتزلہ نے اسے توڑنے کی بڑی کوششیں وجدوجہد کی مگر وہ مطمئن کرنے والی بات نہ کہہ سکے۔ ہم اللہ کی توفیق ومدد سے ان کی وہ تمام گفتگو ودلائل نقل کر رہے ہیں جو آخری ہیں۔

معتزلہ کا استدلال

معتزلہ کہتے ہیں اس آیت میں دو مقام ہیں:

پہلا مقام: اس میں بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عدمِ ایمان کا علم اور اس کی خبر، ایمان سے مانع نہیں ہوسکتی۔

دوسرا مقام: اس میں تفصیلاً عقلی جواب کی تردید ہے۔

پہلا مقام میں کئی وجوہ ہیں

Marfat.com

۱۔قرآن ایسی آیات مبارکہ سے مالا مال ہے جو بتاتیں ہیں کہ کسی کے ایمان میں رکاوٹ نہیں، ارشادالٰہی ہے:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا اِذۡ جَآءَهُمُ الۡهُدٰی — اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا جب ان کے پاس ہدایت آئی (پ۱۵، الاسراء:۹۴)

یہاں استفہام انکاری ہے اور یہ واضح ہے کہ اگر کسی کو گھر میں قید کرلیا جائے کہ اس کا نکلنا ممکن ہی نہ رہے اور پھر کہے تو میری حوائج کو کیوں پورا نہیں کرتا تو ایسی بات نہایت ہی قبیح ہے اسی طرح ارشادالٰہی ہے:

وَمَاذَا عَلَیۡهِمۡ لَوۡ اٰمَنُوۡا — (پ۵، النساء:۳۹) اوران کا کیا نقصان اگر وہ ایمان لاتے

ابلیس سے فرمایا:

مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ — (پ۸، الاعراف:۱۲) کس نے منع کیا تجھے سجدہ سے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی سے کہا:

مَا مَنَعَكَ اِذۡ رَاَیۡتَهُمۡ ضَلُّوۡۤا — (پ۱۶، طٰہٰ:۹۲) تمہیں کس بات نے روکا تھا جب تم نے انھیں گمراہ ہوتے دیکھا تھا

ارشادالٰہی ہے:

فَمَا لَهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ — (پ۳۰، الانشقاق:۲۰) انہیں کیا ہے یہ ایمان نہیں لائے

فَمَا لَهُمۡ عَنِ التَّذۡكِرَةِ مُعۡرِضِیۡنَ — (پ۲۹، المدثر:۴۹) تو انہیں کیا ہوا نصیحت سے منہ پھیرتے ہیں

عَفَا اللّٰهُ عَنۡكَ لِمَ اَذِنۡتَ لَهُمۡ — (پ۱۰، التوبہ:۴۳) اللہ تجھے معاف فرمائے کیوں تم نے ان کو اجازت دی

لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ — کیوں تم رک گئے جسے اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا (پ۲۸، التحریم:۱)

صاحب بن عباد نے اس بارے میں پوری فصل لکھی جس میں لکھا، اللہ تعالیٰ اسے ایمان کا حکم کیسے دے سکتا ہے حالانکہ اس سے منع بھی کیا ہو؟ وہ کیسے کفر سے منع فرمائے گا جبکہ اس پر شوق دلائے، وہ کیسے ایمان سے پھیر سکتا ہے جبکہ وہ فرماتا ہے اَنّٰی تُصۡرَفُوۡنَ؟ ان کے اندر افک (تہمت) پیدا کر کے فرمائے اَنّٰی تُؤۡفَكُوۡنَ؟ ان میں کفر ایجاد کر کے پھر فرمائے لم تکفرون (تم کفر کیوں کرتے ہو؟) ان میں حق و باطل میں التباس کر کے پھر فرمائے:

لِمَ تَلۡبِسُوۡنَ الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ — (پ۳، آل عمران:۷۱) حق میں باطل کیوں ملاتے ہو

Marfat.com

ان کا راستہ خود روکے اور پھر فرمائے

لِمَ تَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ (پ ۴، آل عمران:۹۹) کیوں اللہ کی راہ سے روکتے ہو

ان کے اور ان کے ایمان کے درمیان حائل ہو جائے پھر فرمائے

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا (پ ۵، النساء:۳۹) اور ان پر کیا نقصان اگر وہ ایمان لاتے

ان سے رشد و ہدایت ختم کر دے اور پھر فرمائے

فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ (پ ۳۰، التکویر:۲۶) پھر کدھر جاتے ہو؟

انہیں دین سے گمراہ کر دیا حتیٰ کہ انھوں نے اعراض کر لیا پھر فرمائے

فَمَالَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ تو انہیں کیا ہوا نصیحت سے منہ پھیرتے ہیں

(پ ۲۹، المدثر:۴۹)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (پ ۶، النساء:۱۶۵) رسول خوشخبری دینے اور ڈر سناتے تاکہ رسل کے بعد اللہ کے ہاں لوگوں کا کوئی عذر نہ رہے

اور فرمایا:

وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰى (پ ۱۶، طٰہٰ:۱۳۴) اور اگر ہم انہیں کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے رسول کے آنے سے پہلے تو ضرور کہتے اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں پر چلتے قبل اس سے کہ ذلیل و رسوا ہوتے

جب واضح کر دیا کہ ان کا عذر سوائے اس کے کوئی نہیں جو کہ اس نے ان سے زائل کر دیا تو اگر اللہ کا ان کے کفر کا علم اور ان کے کفر کی خبر، ان کے ایمان سے مانع ہو تو یہ ان کا اعظم عذر اور عذاب سے دفاع کرنے والی سب سے بڑی وجہ ہوگی جب ایسی بات نہیں تو ہم جان لیں گے یہ مانع نہیں

۳۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں سورۂ حم سجدہ میں فرمایا کہ وہ کہتے ہیں

Marfat.com

قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ (پ۲۴ حٰم السجدہ:۶۹) ہمارے دل غلاف میں ہیں اس بات سے جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہواور ہمارے کانوں میں پردے ہیں

تو اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ قول بطور ان کی مذمت نقل کیا ہے اگر اس کا علم مانع ہوتا تو وہ اس قول میں سچے قرار پاتے تو پھر ان کی مذمت کیوں کی گئی؟

۴۔اللہ تعالیٰ نے یہ ارشادگرامی ان کی مذمت میں نازل کیا:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (پ۱،البقرہ:۶) یقیناًوہ لوگ جو کافر ہیں ان کے لیے برابر ہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں

یہ ان کی کفر پر مذمت، زجر اور ان کے فعل کی قباحت کا بیان ہے اگر ان کا ایمان لانا ممنوع ہوتا اور اس پر قادر نہ ہوتے تو وہ مذمت کے مستحق ہرگز نہ قرار پاتے بلکہ وہ معذور ہوتے جیسا کہ نابینا آدمی دیکھنے سے معذور ہوتا ہے

۵۔قرآن کا مقصد نزول یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے ان پر حجت بنے نہ یہ کہ قرآن کو اللہ ورسول کے خلاف کفار حجت بنائیں، اگر اللہ تعالیٰ کا علم وخبر ان کے ایمان سے مانع ہو تو وہ کہہ سکتے ہیں جب تم ہمارا کفر جانتے ہو اور اس کی خبر دے رہے ہو تو پھر ہمارا ترک کفر محال ہوگا تو ہم سے محال کا مطالبہ اور ہمیں محال کا حکم کیوں دے رہے ہو؟ اور اگر ثابت ہو جائے کہ علم وخبر مانع ہیں تو یہ ایسی چیز ہے کہ اس کا جواب نہ اللہ کی طرف سے اور نہ رسول کی طرف سے ہوسکتا ہے

۶۔ارشادالٰہی ہے

نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ (پ۹،الانفال:۴۰) تو کیا ہی اچھا مولیٰ ہے اور کیا ہی اچھا مددگار۔

اگر مانع کے باوجود ایمان کا حکم دیتا ہے تو وہ کہاں اچھا مولیٰ ہے بلکہ وہ تو برا مولیٰ ہوا اور یہ بات کفر ہے۔تو ان تمام وجوہات سے ثابت ہوا کہ ایمان وطاعت سے کوئی شئی مانع نہیں تو یہ یقین کرنا لازم ہے کہ اللہ کا عدم ایمان سے علم اور اس کے عدم کی خبر دینا ایمان سے ہرگز مانع نہیں

دوسرا مقام: کئی دلائل اس پر دال ہیں کہ عدم ایمان کا علم، وجود ایمان سے مانع نہیں ہوسکتا۔

۱۔اگر اس طرح ہو تو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شئی پر قادر ہی نہ ہو کیونکہ جس کا وقوع وہ جانتا ہے اس کا وقوع لازم اور جس کے عدم وقوع کا علم ہے اس کا وقوع ممتنع ہوگا اور لازم ہے کہ اس پر وہ قادر نہ ہو کیونکہ جب وہ خود بغیر قدرت واجب الوقوع ہے تو

Marfat.com

قدرت حاصل ہو یا نہ وہ واجب الوقوع ہی ہوگا اور جس کی ایسی حالت ہو اس میں قدرت کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور ممتنع ومحال پر ویسے ہی قدرت نہیں ہوتی تو لازم آئے گا اللہ تعالیٰ کسی شئی پر بالکل قادر ہی نہیں اور یہ بات کفر ہے تو ثابت ہوا عدم شئی کا علم اس کے امکانِ وجود کے منافی نہیں۔

۲۔علم کا تعلق معلوم کی ذات سے ہے (یعنی اس کے مطابق ہوگا) اس کا علم ممکن ہے تو ممکن اور اگر اس کا علم لازم واجب ہے تو وہ واجب ہوگا بلاشبہ ایمان وکفر بالذات ممکن الوجود ہیں، اگر علم کی وجہ سے یہ واجب الوجود ہو جائیں تو پھر علم، معلوم میں موثر ہو جائے گا اور ہم نے واضح کر دیا یہ محال ہے۔

۳۔اگر خبر وعلم مانع بنتے ہیں تو پھر بندہ کسی شئی پر قادر نہیں رہتا کیونکہ جس کا وقوع اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اس کا وقوع لازم اور واجب پہ قدرت کہاں؟ اور جس کا عدم، علم میں ہے اس کا وقوع ممتنع اور ممتنع پر قدرت نہیں لہٰذا لازم آئے گا بندہ کسی شئی پر قادر ہی نہ رہے، تو اس کی تمام حرکات وسکنات، حرکات جمادات اور حیوانات کی اضطراری حرکات کی طرح قرار پائیں گی لیکن اس کا فاسد ہونا ہم بداہۃً جانتے ہیں کیونکہ ایک آدمی دوسرے کو اینٹ مارتا ہے جس سے وہ زخمی ہوا تو اب ہم اینٹ مارنے والے کی مذمت کرتے ہیں نہ کہ اینٹ کی اور پھر ہم بداہۃً خود گرنیوالی اینٹ اور کسی انسان کے اختیاراً ماری ہوئی اینٹ میں فرق کرتے ہیں، پھر عقلاء، بداھۃً عقل سے تعریف کرنیوالی کی مدح اور طعن کرنیوالے کے ذم میں فرق پاتے ہیں آپس میں ایک دوسرے سے التماس کرتے ہیں، حکم وعتاب کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ فعل تم نے کیوں کیا یہ فعل تم نے کیوں چھوڑا؟ تو اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ علم وخبر، فعل وترک سے مانع نہیں۔

۴۔اگر عدم کا علم، وجود سے مانع ہوتا تو کافر کیلئے اللہ تعالیٰ کا حکمِ ایمان، اپنے علم کے اعدام (معدوم کرنا) کا حکم ہوگا تو جس طرح اس کی شان کے یہ ہرگز لائق نہیں کہ وہ بندوں کو اپنی ذات اقدس کے اعدام کا حکم دے اسی طرح اس کے یہ شایانِ شان نہیں کہ وہ اپنے عدم کے اعدام کو حکم دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کا اعدام معقول ہی نہیں لہٰذا اس کا حکم بے وقوفی اور بے فائدہ ہی ہے تو اس سے معلوم ہوا عدم کا علم، وجود سے مانع نہیں ہوتا۔

۵۔ایمان اپنی ذات وحقیقت کے اعتبار ممکنات وجائزات میں سے ہے اللہ تعالیٰ کا ممکنات وجائزات کو جاننا لازم ہے کیونکہ اگر وہ انھیں اسی طرح نہیں جانتا تو اس کا علم جہالت ہوگا اور ایسا ہونا محال ہے، جب اللہ تعالیٰ، ایمان کو ان ممکنات وجائزات سے ہی جانتا ہے جن کا وجود وعدم ممتنع نہیں اب اگر وہ علم کی وجہ سے لازم، واجب ہو جائے تو لازم آئے گا شئی واحد کا ممکن ہونا اور ممکن نہ ہونا جمع ہو جائے اور یہ محال ہے۔

Marfat.com

۶۔محال کا حکم دینا بے وقوفی اور عبث ہے، اگر شرع میں، حکم محال ہو سکتا ہے تو یہ تمام انواع سفہ میں ممکن ہو گا تو پھر معجزہ کا اظہار کاذبین کے ہاتھوں اور اباطیل واکاذیب کا انزال بھی ممتنع ومحال نہیں رہے گا اس صورت میں نبوت انبیاء کی صحت اور صحت قرآن پر وثوق واعتماد نہیں رہے گا بلکہ ان تمام کا کذب وسفہ ہونا ممکن ہو گا جب یہ باطل ہے تو ہم پر واضح ہے کہ عدم ایمان کا علم وخبر، ایمان سے مانع نہیں ہو سکتا۔

۷۔اس صورت میں اگر حکم محال کا نزول جائز ہو تو نابینا کیلئے مصحف پر نقطے لگانے اور لولے کو ہوا میں اڑنے کا حکم بھی جائز ہو گا، جس کے ہاتھ و پاؤں پابند ہو پہاڑ سے پھینک دیا جائے اسے یہ کہنا جائز ہو گا کہ تو اوپر کیوں اڑ گیا جب ان چیزوں کو عقل تسلیم نہیں کرتا تو ہم نے جان لیا محال کا حکم جائز نہیں تو ثابت ہوا عدم کا علم، وجود سے مانع نہیں۔

۸۔اگر ایسا حکم جاری ہو سکتا ہے تو پھر انبیاء کی بعثت جمادات کی طرف، اور ان پر انزال کتب اور انزال ملائکہ جائز ہوتا کہ ان کو ضرورت کے مطابق احکام پہنچاتے رہیں اور اس چیز کا تمسخر ہونا اور دین کو کھیل بنانا نہایت ہی مسلم ہے۔

۹۔اگر وجود شئی کا علم، وجوب شی کا مقتضی ہو تو علم، قدرت وارادہ سے مستغنی ہو جائے گا تو لازم ہے اللہ تعالیٰ قادر، صاحبِ ارادہ اور مختار نہ رہے اور یہ فلاسفہ کہتے ہیں جو قول بالموجب کے قائل ہیں۔

۱۰۔ ایسی آیات موجود ہیں جو "تکلیف مالا یُطاق" کی نفی کرتی ہیں، ارشاد الٰہی ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (پ۳،البقرہ:۲۸۶) اور کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (پ۱۷،الحج:۷۸) تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (پ۹،الاعراف:۱۵۷) اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اتارے گا

تو حکمِ محال سے بڑھ کر کونسی مشقت وتنگی ہو سکتی ہے؟

تیسرا مقام: معتزلہ کا تفصیلی جواب

معتزلہ نے دو طریق اختیار کئے ہیں

۱۔شیخ ابوعلی، ابو ہاشم اور قاضی عبدالجبار کا طریق ہے جب ہم کہتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کے معلوم کے مخالف وقوع ہو تو اس کا علم جہالت میں تبدیل ہو جائے گا تو یہ جواباً کہتے ہیں جو کہتا ہے کہ علم جہالت سے بدل جائے گا یہ قول درست نہیں اسی طرح جو

Marfat.com

کہتا ہے کہ نہیں تبدیل ہوگا غلط کہتا۔ ہے ہاں دونوں اقوال سے خاموشی لازم ہے۔

۲۔ یہ طریق شیخ کعبی اور شیخ ابوالحسین بصری کا مختار ہے، علم معلوم کے تابع ہوتا ہے، جب بندے کا ایمان فرض کیا تو ہم نے جانا ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم ایمان حاصل تھا اور اگر واقع میں ایمان کے بدل کفر فرض کیا تو ہم نے جانا ازل میں اللہ تعالیٰ کو ایمان کے بدل کفر کا علم تھا تو یہ ایک علم کو دوسرے علم کے بدلے فرض کرنا ہے نہ کہ علم کا تغیر ہے۔

مذکورہ دونوں جواب جمہور معتزلہ کے پسندیدہ اور معتمد ہیں۔

گمراہیوں کا باعث

یاد رہے یہ مباحث بڑی گمراہیوں کا باعث بنے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ تکالیف و نبوات کے منکرین نے کہا ہم نے اہل جبر کے دلائل کو قاطع وقوی پایا ہے، معتزلہ کے یہ دو جوابات خرافات ہی ہیں، کوئی عاقل ان کی طرف متوجہ ہی نہ ہوگا، معتزلہ کے اس پہ دلائل ہی نہیں ہیں کہ قول جبر کے ساتھ تکالیف کا معاملہ جائز نہیں بلکہ قبیح ہے اور اہل جبر نے اس کا جو جواب دیا وہ انتہائی کمزور ہے، ان دونوں کلاموں کا مجموعہ نفی تکالیف میں قوی کلام قرار پاتا ہے، جب تکالیف کا قول باطل تو نبوات کا قول بھی باطل ٹھہرے گا۔

۲۔ قرآن پر طعن کرنے والوں نے کہا، معتزلہ نے جو آیات کثیرہ سے بتایا کہ ایمان و طاعت سے کوئی مانع نہیں اس میں وہ سچے ہیں اور جو جبریہ نے کہا عدم ایمان کا علم، ایمان سے مانع ہے اس میں یہ سچے ہیں اور ان دونوں کا سچا ہونا بتلاتا ہے قرآن کا نزول عقل کے مخالف اور ضد ہے اور یہ قرآن پر سب سے بڑا طعن اور قوی اعتراض وجرح ہے۔

۳۔ پھر ان میں سے کچھ نے مانا ہے کہ یہ قرآن وہی ہے جو حضور ﷺ لائے، لیکن پھر اس پر طعن کرتے ہیں، روافض میں سے کچھ نے کہا یہ وہ قرآن نہیں جو رسول اللہ ﷺ لائے بلکہ یہ اور ہے اور وہ بدل دیا گیا ہے اور اس پر دلیل یہی ہے کہ یہ ان تناقضات پر مشتمل ہے جو اہلِ جبر و اہلِ قدر کے درمیان بصورت مناظرہ ظاہر ہوتے ہیں۔

۴۔ نظر و استدلال پر طعن کرنے والے مقلدین نے اسی مناظرہ سے استدلال کرتے ہوئے کہا، اگر ہم دلائل عقلیہ سے استدلال جائز رکھیں تو اس مناظرہ کے سبب تکلیف و نبوت پر طعن لازم آئے گا کیونکہ اہل جبر کی گفتگو، اثبات جبر میں انتہائی قوی ہے اور اہل قدر کی گفتگو اس بیان میں انتہائی قوی ہے کہ جب جبر ثابت ہوگا تو تکلیف بالکل باطل ہو جائے گی تو ان دونوں کے مجموعہ سے قرآن، تکلیف اور نبوت پر بہت بڑے اشتباہ نے جنم لیا تو ثابت ہوا عقلیات کی طرف رجوع کفر و گمراہی پیدا کرتا ہے اسی وجہ سے محاورہ ہے جو علم کلام میں کھو گیا وہ زندیق بن گیا۔

Marfat.com

۵۔ ہشام بن حکم نے کہا، اللہ تعالیٰ وقوع اشیاء سے پہلے ان کا علم نہیں رکھتا اور وہ اللہ تعالیٰ پر بدا (پہلے علم نہ ہونا) کا قائل ہے۔

اس نے کہا ارشاد گرامی:

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (پ البقرہ:۶)

تحقیق جو لوگ کافر ہیں ان کیلئے برابر ہے کہ تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے والے نہیں

اسی طرح استدلال ہے جیسے کوئی ظنی دلیل سے ہوتا ہے تو یہاں مذکور کے مخالف بھی ہوسکتا ہے، انہوں نے یہ قول سابقہ اشکالات سے فرار کی بنا پر اختیار کیا ہے۔

دونوں جوابات کی تردید

واضح ہو معتزلہ سے مروی دلائل ایسے کلمات ہیں جن کا تعلق واضح جواب سے نہیں بلکہ وہ محض تشنیعات وطعن ہیں، جن دو جوابات پر ان کا اعتماد ہے وہ بھی نہایت ہی ضعیف ہیں، شیخ ابوعلی، ابوہشام اور قاضی عبدالجبار کا قول ''جو انقلاب علم مانتا'' اور جو انقلاب نہیں مانتا، دونوں غلط ہیں، اگر اس سے ان کی مراد دونوں اقسام کے فساد کا حکم ہے تو یہ فساد نفی واثبات کا حکم ہوگا اور اسے عقل پسند نہیں کرتا اور اگر معنی یہ ہے ان دونوں میں سے ایک حق ہے لیکن ہم نہیں جانتے کہ حق اس انقلاب پر دال ہے یا دال نہیں تو اس کے رد کیلئے وجہ استدلال کی تقریر کافی ہے کہ ہم نے یہ بیان کیا کہ عدم کا علم، عدم کے ساتھ ہی حاصل ہوگا اب اگر عدم کے ساتھ وجود حاصل ہو تو یہ وجود وعدم کا اجتماع ہے تو اس تفصیل سے زیادہ واضح گفتگو اور اس سے کم مقدمات نہیں لائے جاسکتے۔

قول کعبی کا رد

شیخ کعبی کا قول بھی انتہائی کمزور ہے اس لئے کہ اگر چہ ہم نہیں جان سکتے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں وجود ایمان کا عالم تھا یا عدم ایمان کا، لیکن ہم یہ تو جانتے ہیں ان میں سے کسی ایک کا علم ضرور حاصل تھا اور وہی اب ہے، اب اگر دو متضاد میں سے ایک کے علم کے ساتھ دوسری نقیض کا بھی علم ہے تو اجتماع نقیض لازم اور اگر کہا جائے کہ وہ علم باقی نہیں رہا تو یہ تسلیم کرنا ہے کہ علم جہالت سے بدل گیا

دلائل معنوی وعقلی کا ذکر پہلے آچکا اس سلسلہ میں کچھ امور اقناعیہ (خاموش کردینے والے) کا ذکر ضروری ہے اور وہ پانچ ہیں

پانچ اُمور اقناعیہ

۱۔ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں معاذ بن معاذ عنبری سے نقل کیا کہ میں عمرو بن عبید کے پاس تھا، ایک آدمی نے کہا: اے ابوعثمان! اللہ کی قسم آج میں نے کفر سنا، فرمایا، کفر میں جلدی نہ کرو تم نے کیا سنا، میں نے ہاشم کو یہ تلاوت کرتے سنا۔

Marfat.com

تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ (پ۳۰، اللہب:۱) تباہ ہو جائے ابولہب کے دونوں ہاتھ

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ كَلَّا اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ (پ۲۹، المدثر:۱۱تا۲۷)

اسے مجھ پر چھوڑ جسے میں نے اکیلا پیدا کیا۔ اور اسے وسیع مال دیا اور سامنے حاضر رہتے بیٹے دیئے اور میں نے اس اکیلے کی طرح طرح کی تیاریاں کیں پھر یہ طمع کرتا ہے کہ میں اور زیادہ دوں ہرگز نہیں وہ تو میری آیتوں سے عناد رکھتا ہے قریب ہے کہ میں اسے آگ کے پہاڑ صعود پر چڑھا دوں اس نے سوچا اور دل میں کوئی بات ٹھہرائی نظر اٹھا کر دیکھا پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑا پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا پھر بولا یہ تو وہی جادو ہے اگلوں سے سیکھا یہ نہیں مگر آدمی کا کلام کوئی دم جاتا ہے کہ میں اسے دوزخ میں دھنساتا ہوں اور تم نے کیا جانا کہ دوزخ کیا ہے

تک پڑھا اور کہا یہ اُم الکتاب میں نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

حٰمٓ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ وَاِنَّهٗ فِیْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِیٌّ حَكِيْمٌ (پ۲۵، الزخرف۱تا۴)

روشن کتاب کی قسم ہم نے اسے عربی قرآن اُتارا کہ تم سمجھو اور یقیناً وہ اصل کتاب میں ہمارے پاس ضرور بلندی وحکمت والا ہے

یہ کفر ہی تو ہے عمرو بن عبید تھوڑی دیر خاموش رہے اور پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا، اللہ کی قسم اگر بات اسی طرح ہے تو ابو لہب پر ملامت ختم، ولید پر ملامت ختم، اس آدمی نے سن کر کہا۔ اے ابوعثمان، تم یہ کہتے ہو، اللہ کی قسم معاذ نے یہی کہا تو وہ اسلام کیساتھ داخل ہوا اور کفر کے ساتھ خارج ہوا۔

یہ بھی منقول ہے کہ عمرو بن عبید کے پاس آدمی نے آکر تلاوت کی:

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (پ۳۰، البروج:۲۲) بلکہ یہ بزرگی والا قرآن لوح میں محفوظ ہے

اور کہنے لگا مجھے ''تبت'' کے بارے میں بتاؤ کیا یہ لوح محفوظ میں تھا؟ عمرو نے کہا ایسے نہیں تھا، ہاں یوں تھا وہ ہلاک ہو جائے

Marfat.com

جس نے ابولہب والا عمل کیا، آدمی کہنے لگا تو پھر نماز میں ہمیں اسی طرح پڑھنا چاہیے تو اس پر عمرو ناراض ہوئے اور کہا اللہ کا علم شیطان نہیں کہ اور نہ ہی اللہ کا علم نقصان دہ اور نافع ہے تو یہ حکایت بتا رہی ہے کہ عمرو بن عبید کو صحت قرآن میں شک تھا۔

۲۔قاضی عبدالجبار نے طبقات معتزلہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا، ایک آدمی نے آکر ان سے کہا، ابوعبدالرحمٰن، کچھ لوگ زنا، چوری، شراب اور ناحق قتل کر کے کہتے ہیں یہ اللہ کے علم میں تھا تو ہم اس سے چھٹکارا پا نہیں سکتے تو وہ ناراض ہوئے اور پڑھا: سبحان اللہ العظیم۔ یہ اللہ کے علم میں تھا لیکن اس فعل کی اللہ تعالیٰ نے ترغیب نہیں دی، میرے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا اللہ تعالیٰ کا علم تمہارے اندر تم پر آسمان سایہ دار اور نیچے زمین کی طرح ہے جس طرح تم میں آسمان اور زمین سے نکلنے کی طاقت نہیں اسی طرح تم علم الٰہی سے نہیں نکل سکتے اور جس طرح آسمان و زمین تمہیں گناہوں پر نہیں ابھارتے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا علم تمہیں اس پر نہیں ابھارتا۔

اہل جبر و قدر نے بہت سی روایات ذکر کیں ہیں، اس روایت سے غرض یہ واضح کرنا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بات نہیں فرما سکتے کیونکہ اس میں تناقض و فساد ہے، متناقض اس لئے کہ تم علم الٰہی سے نکلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ صراحۃً جبر اور ماقبل صراحۃً قدر ہونے کی وجہ سے متناقض ہے، فاسد اس لئے کہ ہم نے واضح کر دیا عدم ایمان اور وجود ایمان کا علم آپس میں متنافی ہے باوجود عدم ایمان کے علم، ایمان کا حکم، نفی و اثبات کے اجتماع کا حکم و تکلیف ہے رہے آسمان و زمین تو ان کے عمل میں منافات نہیں تو ظاہر ہو گیا ان میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ تشبیہ جاہل یا متجاہل ہی دے سکتا ہے، منصب رسالت اس سے کہیں بلند ہے۔

۳۔دو مشہور احادیث

پہلی حدیث: امام بخاری اور امام مسلم: حضرت اعمش از زید بن وہب از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صادق مصدوق نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کے خلق کو بطن ماں میں چالیس دن نطفہ کی صورت میں پھر اسے علقہ کے طور پر چالیس دن پھر مضغہ کے طور پر چالیس دن رکھتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف فرشتہ بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے اسے چار امور کا حکم دیا جاتا ہے تو وہ اس کا رزق، موت، عمل اور اس کا شقی یا سعید ہونا لکھ دیتا ہے اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم میں کوئی اہل جنت والے عمل کرے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک گز کا فاصلہ ہو تو تقدیر غالب آجائے گی تو اہل دوزخ والے عمل کر کے وہ دوزخ میں داخل ہو جائے گا، اگر تم میں کوئی اہل دوزخ والے عمل کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جائے تو اس پر تقدیر کا فیصلہ غالب آئے تو وہ اہل دوزخ والے عمل کر کے دوزخ میں داخل ہو جائے گا۔

(البخاری، ۳۲۰۸)

Marfat.com

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں عمرو بن عبید سے نقل کیا اگر تم اعمش سے سنتے تو وہ کہتے یہ جھوٹ ہے، اگر تم زید بن وہب سے سنتے تو وہ کہتے میں نے یہ جواب نہیں دیا اگر تم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھتے تو فرماتے میں نے یہ بات نہیں کی اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تردید فرماتے اگر تم اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے وہ فرماتے ہم نے اس پر تم سے میثاق و وعدہ نہیں لیا۔

مناظرہ حضرت آدم و موسیٰ علیہما السلام

دوسری حدیث: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا، تم نے لوگوں کو بدبخت بنایا اور انہیں جنت سے نکلوادیا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور کلام سے نوازا، تم پر تورات نازل کی، کیا تم مجھ پر اللہ کی تقدیر نہیں مانتے؟ کہا مانتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت آدم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ (البخاری:۳۴۰۹)

معتزلہ کے اعتراضات

معتزلہ نے اس روایت پر متعدد اعتراضات کئے ہیں:

۱۔ یہ خبر تقاضا کر رہی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم کے صغیرہ کی وجہ سے ان پر ذم کیا اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جاہل کہنا ہے اور یہ ہرگز جائز نہیں۔

۲۔ اولاد، والد کے ساتھ اس قدر سخت الفاظ سے گفتگو نہیں کرسکتی۔

۳۔ ان کے یہ الفاظ، ''تم نے لوگوں کو شقی بنوایا اور جنت سے نکلوایا'' نہیں ہو سکتے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جانتے ہیں لوگوں کی شقاوت اور ان کا جنت سے نکلنا حضرت آدم علیہ السلام کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں نکالا۔

۴۔ حضرت آدم علیہ السلام کا استدلال حجت نہیں بن سکتا اگر یہ حجت ہے تو پھر فرعون، ہامان اور باقی تمام کفار اسی کو بطور حجت پیش کرسکتے ہیں حالانکہ یہ باطل ہے تو اس کا حجت ہونا فاسد ٹھہرا۔

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کی رائے کو صواب اور درست قرار دیا حالانکہ ہم نے واضح کر دیا کہ یہ صواب نہیں جب یہ حقائق ہیں تو حدیث کو ان امور میں سے کسی ایک پر محمول کیا جائے گا۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ یہود سے نقل کیا نہ تو یہ اللہ تعالیٰ سے ہے اور نہ اپنی طرف سے نقل کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بطور حکایت بیان کیا مگر راوی صحابی نے اگلا حصہ ہی سنا تھا تو گمان کر لیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے بیان کیا نہ کہ یہود سے بطور حکایت

Marfat.com

۲۔ فرمایا: فحج آدم، آدم منصوب ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام پر غالب آگئے اور ان کی دلیل حجت بنی اور حضرت آدم کی بات نہ حجت بنی اور نہ ہی عذر۔

۳۔ مختار و معتمد یہی ہے کہ یہاں مناظرہ معصیت پر ذم میں نہیں اور نہ ہی علم الٰہی کو بطور عذر پیش کیا گیا ہے، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ سبب پوچھا جس کی وجہ سے وہ لغزش کا شکار ہوئے اور اس کی بنا پر جنت سے نکلے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا میرا جنت سے نکلنا اس لغزش کے سبب نہ تھا بلکہ اس سبب سے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بارے میں لکھ دیا تھا کہ جنت سے زمین کی طرف نکالا جائے گا اور مجھے زمین میں خلیفہ بنایا جانا تھا یہی بات تورات میں لکھی گئی تھی تو حضرت آدم علیہ السلام کی دلیل قوی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اس میں مغلوب کی طرح ٹھہرے۔

واضح رہے اس مسئلہ میں کلام طویل ہے اور قرآن اس سے مالا مال ہے اور ہم اس تفسیر میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کامل گفتگو کریں گے، یہاں جو کچھ ذکر ہوا یہی کافی ہے۔

[۷] خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ؗ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۧ﴿۷﴾

(اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر کر دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے)

سابقہ آیت سے تعلق

جب پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے تو اس آیت میں وہ سبب بتایا جس کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لائے اور وہ ہے مہر کا لگ جانا

چند مسائل

پہلا مسئلہ: ختم (مہر لگانا) والکتم (ڈھانپنا) دونوں ہم معنی ہیں، کسی شئی کو پختہ اور باعتماد کرنے کیلئے ڈھانپ کر اسے مہر لگائی جاتی ہے تاکہ مخفی ہو جائے اور اس تک کسی کی رسائی نہ ہو یا اس پر کوئی مطلع نہ ہونے پائے، غشاوۃ، (پردہ) غشاء سے فعالۃ کا وزن ہے یہ وزن کسی شئی پر مشتمل ہونے پر دال ہوتا ہے۔ عصابہ، عمامہ۔

Marfat.com

دوسرا مسئلہ: ختم کے معانی

اس کے معنی میں لوگوں کا اختلاف ہے جو قائل ہیں کہ بندوں کے افعال کا اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے یہ کلام وگفتگوان کے مذہب پر ظاہر وواضح ہے۔

دواقوال

پھران کے دواقوال ہیں:

۱۔ بعض نے کہا کفار کے دلوں میں کفر کی تخلیق، ختم ومہر ہے۔

۲۔ ختم، اس داعیہ کا پیدا کرنا ہے جو قدرت کے ساتھ ملے تو مجموعہ قدرت، وقوع کفر کا موجب بنے۔

تفصیل کچھ یوں ہے کہ کفر پر قادر اس کے ترک پر قادر ہوگا یا نہیں ہوگا، اگر ترک کفر پر قادر نہیں تو کفر پر قدرت موجبِ کفر ہو گی تو کفر پر خلق قدرت، خلق کفر کی مقتضی ہوئی۔

اور اگر ترک کفر پر قادر ہے تو قدرت کی نسبت فعل کفر اور ترک کفر کے ساتھ برابر ہوئی، اب قدرت کا ترک کے عوض، فعل کا ماخذ بننا کسی دوسرے ایسے انضمام پر موقوف ہے جو اس کا مرجع ہو یا موقوف نہیں، اگر موقوف نہیں تو ممکن کا وقوع بلا مرجع لازم، اور اسے جائز قرار دینا ممکن سے موثر پر استدلال فاسد ہونے کا مقتضی ہوگا، جو صانع کی نفی کا تقاضا کرے اور یہ محال ہے۔

اور یا وہ کسی مرجع پر موقوف ہوگا اب وہ مرجع اللہ تعالیٰ کا فعل ہے یا بندے کا فعل یا نہ اللہ کا فعل اور نہ بندے کا، یہ جائز نہیں کہ بندے کا فعل ہو ورنہ تسلسل لازم آئے گا جو باطل ہے یہ بھی جائز نہیں کہ نہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہو اور نہ بندے کا کیونکہ اس سے شئی کی تخلیق بلا مؤثر لازم آئے گی اور اس سے صانع کے وجود کا قول باطل ٹھہرے گا تو ثابت ہوا کہ قدرت عبد کا مقدور معین کرنے کیلئے جائے صدور بننا اس پر موقوف ہے کہ اس کے ساتھ مرجع منقسم ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔

اب سنئے جب وہ مرجع اس قدرت کے ساتھ ملا تو اب قدرت کی تاثیر اس اثر میں لازم ہوگی یا جائز یا محال وممتنع، دوسری و تیسری صورت باطل لہٰذا اول ہی صورت ہوگی، وہ جائز اس لئے نہیں ہوسکتی اگر وہ جائز ہو تو عقلاً یہ درست ہوگا کہ وہ مجموعہ قدرت مع مرجع بعض اوقات اس اثر کے ساتھ ہو اور کبھی اس اثر سے جدا ہو البتہ ہم اس کا وقوع فرض کرلیں گے کیونکہ ہر جائز کے فرض وقوع سے محال لازم نہیں آتا تو اس مجموعہ پر کبھی اثر مرتب ہوگا اور کبھی اس پر اثر مرتب نہ ہوگا۔ ایک وقت کا اختصاص جس پر اثر مرتب ہو رہا ہے یہ کسی دوسرے قرینہ کے انضمام پر موقوف ہے یا موقوف نہیں، اگر موقوف ہے تو موثر یہ تمام مجموعہ ہوا جس میں

Marfat.com

زائد قرینہ بھی شامل ہے نہ کہ فقط مجموعہ، حالانکہ ہم نے اس کے خلاف اس مجموعہ کو ہی مستقل فرض کیا ہوا تھا، اسی طرح دوسرے مجموعہ میں بھی یہی تقسیم جاری ہوگی کہ وہ قید آخر پر موقوف ہے تو تسلسل جو محال ہے اور اگر موقوف نہیں تو اب بھی مجموعہ کا حصول، اثر کیلئے جائے صدور ہوگا اور کسی وقت نہ ہوگا حالانکہ ایک وقت دوسرے سے کسی بھی معاملہ میں ممتاز وجدا نہیں تو اس سے ترجیح ممکن بغیر مرجح لازم آئے گی جو محال ہے تو ثابت ہوا اس مرجح کے حصول کے وقت، اثر کے صدور کا جائز ہونا محال ہے، رہا اس کا ممتنع نہ ہونا یہ ظاہر ہے ورنہ مرجح وجود، عدم کا مرجح بن جائے گا جو محال ہے جب دونوں صورتیں باطل ہوئیں تو ثابت ہو گیا بوقت حصول مرجح وجود، قدرت اور اس مرجح کے مجموعہ سے جو اثر ہوگا وہ واجب الوجود ہی ہوگا، اس کے ثبوت سے قول جبر لازم آجائے گا کیونکہ اس مرجح کے حصول سے پہلے صدور فعل ممتنع تھا اور حصول مرجح کے بعد صدور لازم، جب یہ حقائق تم نے سمجھ لئے تو اب توجہ سے سنیے۔

داعیہ موجب کفر کا دل میں پیدا کرنا، دل پر مہر اور اسے قبول ایمان سے روکنا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ حکم لگایا "لَا یُؤْمِنُوْنَ" (یہ ایمان نہیں لائیں گے) تو اس کے بعد اس کا سبب وموجب بیان فرمایا کیونکہ علت کا علم، معلول کے علم کیلئے مفید ہوتا ہے اور معلول کا علم، علت کے علم کے بغیر کامل نہیں ہوتا۔

یہ ان لوگوں کی گفتگو ہے جو تمام حوادثات کا خالق اللہ تعالیٰ کو ہی جانتے ہیں۔

معتزلہ کی رائے اور دلائل

معتزلہ کہتے ہیں اس آیت مبارکہ کو منع ایمان پر جاری کرنا ہرگز جائز نہیں اور ان کے کچھ دلائل کا تذکرہ آیت اولیٰ کے تحت ہم نے ذکر کئے یہاں کچھ اضافی بات انھوں نے یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کفار کی تکذیب وتردید فرمائی جنھوں نے کہا ہمارے دلوں پر پردے اور بوجھ ہیں جو ہمیں ایمان سے روکتے ہیں۔ مثلاً:

وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (پ۶، النساء:۱۵۵)

اور ان کا کہنا کہ ہمارے دلوں پر پردہ ہے بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر مہر لگادی وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر بہت کم

فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ (پ۲۴، فصلت:۴،۵)

اعراض کریں ان سے اکثر نہیں سنتے اور انہوں نے کہا ہمارے دل پردوں میں ہیں جس طرف ہم کو تم بلاتے ہیں

یہ تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے اس دعوے پر طعن وعیب ہے کہ انھیں ایمان سے روک دیا گیا ہے۔

Marfat.com

لہٰذا انھوں نے کہا ختم وغشا کو دیگر معانی پر محمول کرنا ضروری ہے۔

متعدد معانی کا تذکرہ

توانہوں نے اس میں متعدد وجوہات ذکر کیں ہیں

۱۔ جب ان لوگوں نے اعراض کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے دلائل سے رہنمائی ترک کردی حتیٰ کہ یہ ان کیلئے بطور طبع اور مہر لگنے کی طرح ہوگئے تو ان کا حال ایسے لوگوں کے مشابہ ہوگیا جنہیں کسی شئی سے روک ومنع کردیا گیا ہو اس طرح ان کی آنکھوں کا معاملہ ہے گویا وہ مسدود اور بند ہوگئی ہیں کہ کوئی شئی دیکھتی ہی نہیں، گویا ان کے کانوں پر پردے ہیں کہ نصیحت سنتے ہی نہیں، باقی اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لئے ہے کہ ان کا یہ وصف وحال پختہ اور قوی ہونے میں خلقی شئی کی طرح تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ (پ۶، النساء:۱۵۵) — بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے تو ایمان نہیں لاتے۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (پ۳۰، المطففین:۱۴) — ہرگز نہیں ان کے دلوں پر ان کی کمائیوں نے رنگ چڑھادیا

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ (پ۱۰، التوبہ:۷۷) — تو ان کے پیچھے اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا اس دن تک کہ اس سے ملیں۔

۲۔ صحت اضافت کیلئے ادنیٰ نسبت کافی ہوتی ہے اصلاً مہر لگانیوالا شیطان یا کافر ہی ہے مگر چونکہ قدرت اللہ تعالیٰ نے ہی اسے دی ہے تو ختم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کردی گئی جیسا کہ فعل کی نسبت سبب کی طرف کردی جاتی ہے

۳۔ انھوں نے جب غور وفکر سے اعراض کیا اور نصیحت کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور یہ تمام اللہ تعالیٰ کے نزول دلائل کے موقع پر ہوا تو جو کچھ انھوں نے کہا اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کردی گئی کیونکہ ان سے اس کا صدور دلائل کے وقت ہی ہوا جیسے کہ سورۂ برات میں ارشاد ہے

فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ (پ۱۱، التوبہ:۱۲۵) — بڑھادی ان کی پلیدی پر پلیدی

یعنی اس کی وجہ سے ان کے کفر میں اور اضافہ ہوا۔

Marfat.com

۴۔ وہ کفر میں یہاں تک چلے گئے کہ اب تحصیل ایمان میں فقط جبر وقہر ہی ہوسکتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید نہیں کی تا کہ تکلیف کا بطلان لازم نہ آئے تو ترک جبر وقہر کو لفظ ختم سے تعبیر کرتے ہوئے اشارہ کیا کہ وہ درجہ کفر میں یہاں تک پہنچ چکے تھے کہ اب جبر کے علاوہ وہ اس سے واپس نہیں آسکتے اور یہ ان کے گمراہی کے آخری گڑھے میں گر جانے کا بیان ہے۔

۵۔ کفار بطور ضد وہٹ دھرمی جو کچھ کہتے یہ اس کا بیان ہے۔

قُلُوبُنَا فِيٓ أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدۡعُونَآ إِلَيۡهِ وَفِيٓ ءَاذَانِنَا وَقۡرٞ وَمِنۢ بَيۡنِنَا وَبَيۡنِكَ حِجَابٞ (پ ۲۴، فصلت:۵)

ہمارے دل غلاف میں ہیں جس بات کی طرف تم بلاتے ہو اور ہمارے کان بہرے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان روک ہے

حکایت تحکم وسینہ زوری کی نظیر یوں بھی ہے:

لَمۡ يَكُنِ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ مِنۡ أَهۡلِ ٱلۡكِتَٰبِ وَٱلۡمُشۡرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأۡتِيَهُمُ ٱلۡبَيِّنَةُ (پ ۳۰، البینۃ:۱)

کتابی کافر اور مشرک اپنے دین کو چھوڑنے والے نہیں تھے جب تک ان کے پاس روشن دلیل نہ آئے

۶۔ کفار کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہر کا معنی ان کے خلاف اس کی شہادت ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے اور ان کے دل نصیحت کو محفوظ اور حق قبول نہیں کریں گے اور ان کے کان حق سننے کی طرف متوجہ نہ ہوں گے جیسے آدمی ساتھی سے کہتا ہے: ارید ان تختم علی ما یقوله فلان۔ (یعنی تو اس کی تصدیق کر کے کہو یہ حق ہے) تو اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں خبر دی ہے کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے اور اس آیت میں بتایا کہ میں اس کا اعلان وشہادت دے رہا ہوں۔

۷۔ بعض نے کہا یہ آیت مخصوص کفار کے بارے میں ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا میں بطور عذاب مہر لگا دی جیسے بہت سے کفار پر دنیا میں عذاب آئے، ارشاد الٰہی ہے:

وَلَقَدۡ عَلِمۡتُمُ ٱلَّذِينَ ٱعۡتَدَوۡاْ مِنكُمۡ فِي ٱلسَّبۡتِ فَقُلۡنَا لَهُمۡ كُونُواْ قِرَدَةً خَٰسِـِٔينَ (پ ۱، البقرہ:۶۵)

اور بیشک ضرور تمہیں معلوم ہے کہ تم میں وہ جنہوں نے ہفتہ کو سرکشی کی تو ہم نے ان سے فرمایا ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے

یہ بھی فرمایا

فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيۡهِمۡ أَرۡبَعِينَ سَنَةٗ يَتِيهُونَ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَلَا تَأۡسَ عَلَى ٱلۡقَوۡمِ ٱلۡفَٰسِقِينَ (پ ۶، المائدہ:۲۶)

وہ زمین ان پر چالیس برس تک حرام ہے بھٹکے پھریں زمین میں تو تم ان بے حکموں پر افسوس نہ کھاؤ

اور اسی طرح کے دیگر عذاب جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی اصلاح وعبرت کے لئے دنیا میں ہی بھیج دیئے تو اسی طرح ان پر مہر وختم

Marfat.com

لگانے کا بھی معاملہ ہے البتہ اس کی وجہ سے وہ یہاں تک پہنچ گئے کہ بات سمجھتے ہی نہیں تو ان سے تکلیف اسی طرح ساقط ہوگی جیسے مسخ شدہ لوگوں سے ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے تکلیف ساقط فرمادیتا ہے جن کی عقل پوری نہیں ہوتی مثلاً قریب البلوغ، اور ہم اس کے ہرگز منکر نہیں کہ اللہ تعالیٰ قلوب کفار میں ایسا مانع پیدا فرمادے جو فہم وعبرت سے رکاوٹ بن جائے جبکہ وہ ان کے لئے یہی اصلح وبہتر جانتا ہو جیسا کہ ان کے عقول ختم اور ان کی آنکھیں اندھی فرمادیتا ہے لیکن اس حال میں وہ مکلف نہیں ہوں گے

۸۔ یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر اور آنکھوں پر پردہ ڈال دے لیکن وہ ان کے اور ایمان کے درمیان حائل نہ ہو بلکہ یہ بلادت کی طرح انسان کے دل میں، تنکا کی طرح آنکھوں میں اور کانوں میں آواز کی طرح ہو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ یوں اس لئے کیا تاکہ ان کے سینے تنگ اور کرب وغم سے بھرپور ہو کر ان کے لئے سزا اور ایمان سے مانع ہوں جیسا کہ اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا تو وہ پھرتے ہی رہے۔

پھر یہ فعل بعض کفار کے ساتھ ہے اور یہ حضور ﷺ کے لئے بطور نشان ودلیل ہے جیسا کہ بصورت رجز قوم فرعون پر عذاب نازل ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مدد ومعافی مانگی اور یہ تمام اس سے مقید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بندوں کیلئے بہتر واصلح جانتا ہے

۹۔ ممکن ہے یہ مہر وختم ان پر آخرت میں ہو جیسا کہ ان کے بارے میں اطلاع دی کہ یہ وہاں اندھے ہوں گے، فرمایا:

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى وُجُوهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا	(پ۱۵، الاسراء:۹۷)	اور ہم انہیں قیامت کے دن منہ کے بل اٹھائیں گے اندھے اور گونگے اور بہرے

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا	(پ۱۶، طٰہٰ:۱۰۲)	اور ہم اس دن مجرمین کو نیلی آنکھوں کے ساتھ اُٹھائیں گے

یہ بھی فرمایا

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ	(پ۲۳، یٰسین:۶۵)	آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگادیں گے
لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ	(پ۱۷، الانبیاء:۱۰۰)	وہ اس میں رینگیں گے اور وہ اس میں کچھ نہیں سنیں گے

۱۰۔ اسے امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ نے نقل کیا: شیخ ابو علی جبائی، اور قاضی عبد الجبار کا مختار بھی یہی ہے اس سے مراد ایسی علامت ونشان ہے جو قلب کفار اور ان کی سماعت پر لگایا تاکہ ملائکہ محسوس کرلیں یہ کفار ہیں اور یہ ہمیشہ ایمان نہیں لائیں گے

Marfat.com

کوئی بعید نہیں کہ اہل ایمان کے دل میں ایسی علامت ہو جن کے ذریعے فرشتے جانتے ہوں کہ اللہ کے ہاں یہ مومن ہیں۔

جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ (پ۲۸، المجادلہ: ۲۲) یہ وہ لوگ ہیں جن کیلئے اللہ نے ایمان ان کے دلوں میں ثبت کر دیا تو پھر ملائکہ ان سے محبت کرتے ہوئے ان کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں جبکہ علامتِ قلوب کفار سے اللہ کے ہاں ملعون ہونا جان کر ان سے نفرت اور ان پر لعنت کرتے ہیں۔

اس علامت کا فائدہ

اس علامت کا فائدہ یا تو ملائکہ کیلئے ہے کہ جب وہ اس کے ذریعے ان کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کافر و ملعون ہونا جان لیتے ہیں تو ان سے کفر کی وجہ سے نفرت کرتے ہیں یا مکلفین کو فائدہ ہے جب انھیں علم ہوگا کہ ایمان لانے کی وجہ سے ان سے تمام اہل آسمان محبت کریں گے تو انہیں ایمان لانے کا شوق ہوگا اور اگر کفر کیا تو ملائکہ اسے جان کر ان سے نفرت اور ان پر لعنت کریں گے تو یہ کفر پر زجر و توبیخ بن جائے گا۔

مُہر: ایمان سے مانع نہیں

انہوں نے کہا کہ یہ مہر کا یوں لگنا، ایمان لانے میں رکاوٹ نہیں بنتا کیونکہ ہر خط پر مہر لگانے کے بعد بھی اسے کھول کر پڑھ سکتے ہیں دوسرا یہ کہ مہر ایسے ہی ہے جیسے کافر کی پیشانی پر کافر لکھ دیا جائے تو یہ ایمان لانے میں رکاوٹ نہیں ہوتا تو ایسے ہی معاملہ یہاں ہے تو اس کافر کے لئے اس علامت کا زائل کرنا یوں ممکن ہے کہ وہ ایمان لے آئے اور کفر ترک کر دے۔

قلب و سمع کی تخصیص کیوں؟

یہاں قلب و سمع کو مخصوص کرنے کی وجہ اہل تفسیر نے یہ بیان کی ہے کہ دلائل سمعیہ (شرعیہ نقلیہ) کا فہم و علم سمع سے اور دلائل عقلیہ کا استفادہ قلب سے ہوتا ہے اس لئے انھی کا تذکرہ کیا۔

سوال: غشاوۃ فی البصر (آنکھوں پر پردہ) کا معنی بھی علامت کر لینا چاہیئے تھا؟

جواب: ہم ایسا نہیں کر سکتے، قلب و سمع کی مہر سے علامت و نشان ہم نے مراد لیا تو وہاں لغت کا یہ تقاضا ہے اور کوئی رکاوٹ بھی نہیں تو وہاں یہ معنی لے لیا مگر غشاوۃ کی حقیقت، وہ پردہ ہے جو دیکھنے سے مانع ہو اور حالت کفار اس کے مخالف تھی لہذا اسے مجاز پر ہی محمول کیا جائے گا اور وہ ان کے حال کو ایسے لوگوں کے ساتھ تشبیہ دینا ہے جو آنکھوں سے ہدایت کا نفع حاصل کرتے ہیں۔ اس مقام پر تمام اقوال کا مجموعہ یہی ہے۔

Marfat.com

تیسرا مسئلہ: لفظ ختم کے قریب المعنی الفاظ

قرآن کریم میں لفظ ختم کے معناً قریب یہ الفاظ بھی وارد ہیں، طبع، کنان، رین علی القلب، وقر فی الاذان، غشاوۃ فی البصر، البتہ آیات میں مختلف انداز میں ان کا ورود ونزول ہے۔

پہلی قسم: ان آیات میں ان اشیاء کے حصول پر دلالت ہے، ارشاد مبارک ہے:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	(پ۳۰، المطففین:۱۴)	ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ ہے
وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا	(پ۹، الانعام:۲۵)	اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے چڑھا دیے کہ وہ اسے سمجھیں اور ان کے کان بہرے ہیں
وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	(پ۱۰، التوبہ:۸۷)	اور مہر لگادی ان کے دلوں پر
بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ	(پ۵، النساء:۱۵۵)	بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب مہر لگادی
فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ	(پ۲۴، فصلت:۴)	ان سے اکثر روگردانی کرتے ہیں اور نہیں سنتے
لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا	(پ۲۳، یٰسین:۷۰)	تاکہ اسے ڈرائے جو زندہ ہیں
اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ	(پ۲۰، النمل:۸۰)	بیشک تمہارے سنائے نہیں سنتے مردے اور نہ تمہارے سنائے بہرے پکار سنیں
اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ	(پ۱۴، النحل:۲۱)	مردے ہیں زندہ نہیں
فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ	(پ۱، البقرہ:۱۰۷)	ان کے دلوں میں بیماری ہے

دوسری قسم: ان میں اس پر دلالت ہے کہ یہ ایمان سے ہرگز مانع ورکاوٹ نہیں۔ ارشاد فرمایا:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا	(پ۱۵، الاسراء:۹۴)	اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا
فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ	(پ۱۵، الکہف:۲۹)	جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے
لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا	(پ۳، البقرہ:۲۸۶)	اور کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر

Marfat.com

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی

(پ۱۷،الحج:۷۸)

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ (پ۱،البقرہ:۲۸) بھلا تم کیونکر خدا کے منکر ہوگئے

لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ (پ۳،ال عمران:۷۱) حق میں باطل کیوں ملاتے ہو

قرآن ان دونوں اقسام سے خوب مالا مال ہے، ہر طائفہ نے ان سے استدلال کیا ہے تو فریقین کی طرف سے ہونے کی وجہ سے دلائل سمعیہ مقامِ تعارض پر ہیں، رہے دلائل عقلیہ تو ان کی طرف سے اشارہ گزر چکا ہے۔

الغرض یہ مسئلہ مسائل اسلامیہ میں اعظم، اس کے شعبہ جات اکثر اور اس میں شغف اشد ہے۔

امام ابوالقاسم انصاری کا قول

امام ابوالقاسم انصاری سے اس مسئلہ کے حوالے سے تکفیرِ معتزلہ کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا:

لا لانهم نزهوه ہرگز کافر نہیں کیونکہ ان کا مقصود اللہ تعالیٰ کا ان سے پاک ومنزہ قرار دینا ہے

پھر اہل سنت کے بارے میں یہی سوال ہوا تو فرمایا

لا لانهم عظموه ہرگز کافر نہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی خاطر ایسا کہتے ہیں

معنی یہ ہے کہ دونوں فریق کا مقصد ومطلوب، اللہ تعالیٰ کا جلال وکبریائی کا اثبات ہے البتہ اہلِ سنت کی نظر عظمت پر ہوئی تو انھوں نے کہا موجد وخالق ایسا ہی ہونا چاہیے کیونکہ اس کے سوا کوئی موجد نہیں، معتزلہ کی نگاہ حکمت پہ گئی تو انھوں نے کہہ دیا یہ قبائح بارگاہِ جلال کے شایانِ شان نہیں۔

ایک اور راز

ہماری رائے میں یہاں یہ راز بھی ہوسکتا ہے کہ اثباتِ الٰہ قول بالجبر کی طرف مجبور کرتا ہے اس لئے کہ اگر فاعل ہونا، داعیہ پر موقوف نہ ہو تو ممکن کا وقوع بلا مرجح لازم آئے گا اور یہ صانع کی نفی ہے اور اگر داعیہ پر موقوف ہے تو جبر لازم، اور اثبات رسول قول بالقدر کی طرف مجبور کرتا ہے۔

بلکہ یہاں اور ایک راز ہے جو ان تمام سے بلند ہے اور وہ یہ ہے اگر ہم فطرت سلیمہ اور عقل اول کی طرف رجوع کریں تو ہم

Marfat.com

دیکھتے ہیں جس کا وجود وعدم مساوی ہے تو ان میں سے کس ایک کو مرجح کی وجہ سے ہی ترجیح ہوگی اور یہ جبر کا مقتضی ہے پھر ہم حرکات اختیاریہ اور حرکات اضطراریہ میں نہایت واضح فرق پاتے ہیں، اس طرح مدح کے حسن، قبح کے ذم اور امر ونہی میں یقینی طور پر فرق پاتے ہیں تو اس کا تقاضا معتزلہ کا قول ہے۔

گویا یہ مسئلہ باعتبار علوم ضروریہ وعلوم نظریہ باعتبار اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت کے پیش نظر اس کی تعظیم، باعتبار اس کی توحید وتنزیہ اور باعتبار دلائل سمعیہ محل تعارض میں آ گیا ہے تو ان ماخذ، جن کی ہم نے تفصیل بیان کی اور ان اسرار، جن کے حقائق سے ہم نے پردہ اٹھایا، کی وجہ سے مسئلہ نہایت ہی مشکل، غامض اور عظیم بن گیا ہے، لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں وہ ہمیں حق کی توفیق دے اور ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین یارب العالمین

چوتھا مسئلہ: صاحب کشاف کہتے ہیں اگر چہ لفظاً دونوں احتمال ہیں کہ اسماع (ان کا سننا) حکم مہر اور پردہ کے تحت داخل ہو مگر حکم مہر کے تحت ہونا اولیٰ ہے کیونکہ دوسرے مقام پر ارشاد الٰہی ہے:

وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً (پ۲۵، الجاثیہ:۲۳) اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈالا

پھر آیت زیر تفسیر میں قراء کا وقف ''قُلُوْبِهِمْ'' پر نہیں بلکہ ''سَمْعِهِمْ'' پر ہے یعنی وقف یہ بتا رہا ہے کہ یہ حکم ختم ومہر کے تحت ہے۔

پانچواں مسئلہ: حرف جار کا فائدہ

''وَعَلٰى سَمْعِهِمْ'' میں دوبارہ حرف جار ''عَلٰى'' میں فائدہ یہ ہے اس کے دوبارہ اسماع پر لانے سے دونوں مقامات پہ شدت ختم ومہر پر خوب دلالت ہے۔

چھٹا مسئلہ: قلوب اور ابصار جمع جبکہ سمع واحد کیوں؟

یہاں قلوب، ابصار جمع جبکہ سمع کو واحد لایا گیا ہے اس میں متعدد حکمتیں ہیں۔

۱۔ سمع وحد اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک کی سمع واحد ہے جیسا کہ محاورہ ہے ''اتانی برأس الكبشين'' (وہ میرے پاس دو مینڈیوں کے سر لایا) یعنی ان میں سے ہر ایک کا سر لایا جیسے یہاں لفظ بطن واحد ہے ''كلوا في بعض بطنكم و تعيشوا'' (کچھ حصہ پیٹ میں کھاؤ تا کہ زندہ رہ سکو) لیکن یہ اس وقت کرتے ہیں جب التباس کا خوف نہ ہو اور اگر التباس کا خوف ہو مثلاً فرشهم و ثوبهم (ان کے بستر اور کپڑے) سے مقصود جمع ہو تو پھر اسے ترک کر دیتے ہیں۔

۲۔ سمع اصلاً مصدر ہے اور مصادر کی جمع نہیں آتی رجلان صوم رجال صوم ہی کہا جاتا ہے تو یہاں اصل کی ہی رعایت کی گئی

Marfat.com

ہے اس پر اُذن کی جمع بھی دال ہے ارشاد مبارک ہے۔

وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ (پ۲۴،فصلت:۵) اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے

۳۔ یہاں مضاف محذوف ہے اور وہ جمع ہے وعلیٰ حواس سمعھم

۴۔ شیخ سیبویہ کا کہنا ہے لفظ سمع واحد لایا جبکہ اس سے پہلے اور بعد کے الفاظ جمع ہیں تو یہ بات بتا رہی ہے کہ اس سے بھی جمع مراد ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (پ۳،البقرہ:۲۵۷) وہ انہیں نور سے اندھیروں کی طرف نکالتا ہے

عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ (پ۲۹،المعارج:۳۷) دائیں طرف سے اور بائیں طرف سے

رائی نے شعر کہا:

بھا جیف الحیدی فاما عظامھا فبیض و اما جلد ھا فصلیب

تو یہاں جلد سے جمع،جلود مراد ہے۔

شیخ ابن ابی عبلہ کی قرأت بصورت جمع ہے۔و علیٰ اسماعھم۔

ساتواں مسئلہ: سمع کا بصر سے افضل ہونا

کچھ لوگ کہتے ہیں سمع،بصر سے افضل ہے۔

۱۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے تذکرے میں سمع کو بصر سے مقدم فرمایا ہے اور تقدیم فضیلت پر دال ہوتی ہے

۲۔ سمع شرطِ نبوت ہے بصر شرط نہیں، یہی وجہ ہے اللہ تعالیٰ نے کسی بہرے کو رسول نہیں بنایا البتہ انبیاء میں سے بعض نابینائی میں مبتلا کیے گئے۔

۳۔ سمع کے ذریعے عقل بعض نتائج حاصل کرتی ہے تو گویا سمع معارف عقل کے کمال کا ذریعہ ہے حالانکہ بصر صرف محسوسات کا ہی ذریعہ ہے۔

۴۔ سمع کا تصرف جہات ستہ (چھ) میں ہے جبکہ بصر کا یہ تصرف نہیں۔

۵۔ جب سمع باطل تو نطق بھی باطل جبکہ بطلان بصر سے نطق کا بطلان نہیں ہوتا۔

بعض نے بصر کو سمع پر فضیلت دیتے ہوئے کہا

Marfat.com

۱۔ قوتِ باصرہ کا آلہ اشرف وافضل ہے۔

۲۔ قوتِ باصرہ کا متعلق نور جبکہ قوتِ سامع کا متعلق ہوا ہے

آٹھواں مسئلہ: محل علم، قلب

ارشادِ مبارک "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ" بتا رہا ہے محل علم قلب ہے، ہم نے اس پر تفصیلی گفتگو سورۃ الشعراء میں اس ارشادِ الٰہی: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ (پ۱۹، الشعراء:۱۹۳) اسے روح الامین لے کر اُترے تمہارے دل پر کے تحت کی ہے۔

نواں مسئلہ، بصیرت نور قلب

صاحب کشاف کہتے ہیں، البصر، آنکھ کا نور، اس سے دیکھنے والا دیکھتا اور ادراک کرتا ہے جیسا کہ بصیرت نور قلب ہے جس کی وجہ سے غور وفکر کیا جاتا ہے گویا یہ دونوں لطیف جوہر ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے دیکھنے اور غور کرنے کے دو آلات پیدا فرمائے ہیں

ہم یہاں یہ بات واضح کر دیتے ہیں کہ دیگر معتزلہ ان کی اس گفتگو کو پسند نہیں کرتے، ابصار میں تحقیقی گفتگو کچھ غامض مباحث کی مقتضی ہے جو اس مقام کے مناسب نہیں ہے۔

دسواں مسئلہ، غِشَاوَۃ کی قرأتیں

غشاوۃ میں نصب وکسر، ضم ورفع، فتح ونصب، غشوۃ، کسر ورفع، فتح، رفع، نصب، اسے عین کے ساتھ عشاوۃ اور رفع پڑھا گیا ہے غشاوۃ، پردہ، اس سے غاشیہ ہے جب عقل زائل ہو جائے تو، غشی علیه، کہا جاتا ہے، جماع کو غشیان کہتے ہیں۔

گیارہواں مسئلہ: عذاب کا مفہوم

لفظ عذاب وزن اور معنی میں نکال، (عبرت دلانا) کی طرح ہے جب کسی شے سے روکا جائے تو اعذب عن الشئی یانکل عنه کہا جاتا ہے، اس سے عذب (میٹھا پانی) کیونکہ یہ پیاس کو روک بلکہ اس کا قلع قمع کر دیتا ہے بخلاف نمک وہ پیاس میں اضافہ کرتا ہے، عذب کو عرب نقاخ بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ پیاس کو توڑ ڈالتا ہے اسے فرات بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ قلبی اضطراب دور کرتا ہے

پھر اس میں وسعت معنوی آگئی تو ہر تکلیف دہ شے پر عذاب کا اطلاق ہونے لگا اگر چہ وہ نکال وعبرت نہ ہو یعنی اگر چہ وہ ایسی سزا نہ بھی ہو جس کی وجہ سے زیادتی کرنے والا دوبارہ کرنے سے باز نہ آئے۔

Marfat.com

عظیم وکبیر میں فرق

عظیم وکبیر میں یہ فرق ہے عظیم، حقیر کی اور کبیر، صغیر کی نقیض ومقابل ہے تو عظیم، کبیر سے اُوپر جبکہ حقیر، صغیر سے کم ہے دونوں کا استعمال جثہ اور حادثات میں ہوتا ہے، مثلاً بڑے جثہ یا خطرناک کو رجل عظیم وکبیر کہا جاتا ہے۔

نکرہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی آنکھوں پر ایسے پردے ہیں جنہیں لوگ نہیں جانتے اور وہ آیات اللہ سے اندھے پن کا پردہ ہے اور ان کے لئے بڑے دردناک آلام میں سے عظیم قسم ہے جس کی کیفیت وحقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

بارہواں مسئلہ: عذاب دینا حسن ہے

اس پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کفار کو عذاب دینا حسن و درست ہے بعض نے کہا عذاب دینا حسن نہیں تو انہوں نے ''وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ'' کی تفسیر یہ کی ہے کہ یہ عذاب کے مستحق تھے لیکن اللہ کے کرم کی وجہ سے اس پر معافی لازم ہے۔

فریقین کے دلائل

ہم یہاں دونوں فریق کے دلائل ذکر کیے دیتے ہیں:

۱۔ جو عذاب دینے کو جائز نہیں سمجھتے انہوں نے ان اُمور سے استدلال کیا ہے:

۱۔ عذاب دینا یہ جہت نفع سے خالی ہے لہذا اس کا قبیح قرار پانا لازم ہے کیونکہ یہ بلاشبہ ضرر ہے یا اس لیے کہ یہ ہر نفع سے خالی ہے کیونکہ اس کی منفعت اللہ تعالیٰ کے لئے یا کسی اور کے لئے ہے، اول صورت باطل کیونکہ اللہ تعالیٰ نفع وضرر سے پاک و بالاتر ہے بخلاف بندوں کے یہاں جب کوئی غلام کوتاہی کرتا ہے تو انسان اسے سزا دیتا ہے تو اس تادیب سے وہ لذت پاتا ہے کیونکہ دل میں جذبہ انتقام ہوتا ہے اور اسلئے بھی کہ جب اسے سزا ہوگی تو وہ ضرررساں چیز سے رک جائے گا۔

دوسری صورت بھی باطل کیونکہ یہ نفع جس پر عذاب ہے اسے ہوگا یا اس کے غیر کو، جس پر عذاب ہے اسے نفع محال ہے کیونکہ یہاں اضرار (نقصان دینا) ہے جو انتفاع کا عین نہیں ہوتا اور غیر کیلئے بھی محال ہے کیونکہ رفع ضرر، ایصال نفع سے اولیٰ وراجح ہوتا ہے تو ایک شخص کو اس لئے ضرر پہچانا کہ دوسرے کو نفع ہو یہ راجح پر مرجوح کو ترجیح دینا ہے جو باطل ہے۔

اور یہ بھی واضح ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو نفع عطا کرنا چاہے تو وہ دوسرے کو ضرر کے واسطہ کے بغیر بھی عطا کرنے پر قادر ہے لہذا اس اضرار کو واسطہ بنانے کا کوئی فائدہ نہ ہوا تو ثابت ہوا عذاب دینا سراپا ضرر ہے جو ہر جہت نفع سے خالی ہے اور یہ بداہت و تقاضا عقل میں نہایت ہی قبیح ہے بلکہ عقول میں یہ اس قبح سے بھی زیادہ قبیح ہے جو ضرررساں نہیں اسی طرح اس جہل سے جو ضرررساں نہیں بلکہ اس قبیح کذب سے بھی جو ضرررساں ہے اور اس جہل سے بھی جو نقصان دہ ہے اس لئے کہ کذب نقصان دہ، ضرر کا

Marfat.com

وسیلہ ہے تو جو ضرر کا وسیلہ بنے اس کی قباحت سراپا ضرر سے کم ہوگی تو جب اس کا قبح ثابت تو اس کا صدور اللہ تعالیٰ سے محال ہوگا اس لئے کہ وہ حکیم ہے اور حکیم سے فعل قبیح صادر ہی نہیں ہوتا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اس کا عالم ہے کہ کافر ایمان نہیں لاتے جیسا کہ فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ — بیشک وہ جن کی قسمت میں کفر ہے انہیں برابر ہے چاہے تم ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے والے نہیں (پ۱، البقرۃ:۶)

جب یہ ثابت ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوگا کہ اگر اب کافر کو مکلف ٹھہرایا تو اس سے نافرمانی کا صدور و اظہار ہوگا اور اگر یہی عصیان، عذاب کا سبب ہے تو یہی مکلف بنانا ہی اپنے بعد عذاب کا مستحق بنانا ہوگا یہ تمام علت ہوگا یا جز علت۔

یہ مکلف ٹھہرانا ایسا امر ہے کہ اس کے حصول کے بعد لازماً عذاب کا حصول ہوگا اور جو چیز اپنے بعد نفع سے خالی ضرر لائے وہ قبیح ہوتی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ یہ تکلیف قبیح ہی ہو اور قبیح کا صدور ذات حکیم سے نہیں ہوتا تو اب دو امور میں سے ایک باقی ہوگا یہ تکلیف باقی ہی نہیں یا پائی گئی ہے مگر اپنے بعد عذاب نہیں رکھتی جو بھی صورت لیں مقصود حاصل ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ مخلوق، انتفاع کیلئے کی ہے یا اضرار کیلئے یا نہ انتفاع کیلئے اور نہ اضرار کیلئے، اگر ان کی تخلیق انتفاع کیلئے ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ انہیں ایسی تکلیف وذمہ داری نہ سونپے جو انہیں اس کے مقصود کی ضد تک پہنچا دے اور پھر اسے اس کا علم بھی ہو جب وہ ان کے عصیان پر اقدام کا علم رکھتا ہے اور اس کے بعد انہیں مکلف بناتا ہے تو اب تکلیف ایسا فعل ہے جو عتاب تک پہنچاتا ہے جب ان کے نفع کا ارادہ رکھتا ہے تو لازم ہے کہ وہ انہیں مکلف نہ بنائے اور جب مکلف بنایا ہے تو واضح ہے کہ عصیان، استحقاق عذاب کا سبب ہرگز نہیں۔

اور یہ کہنا جائز نہیں کہ ان کی تخلیق نہ تو انتفاع کیلئے ہے اور نہ اضرار کیلئے کیونکہ پھر انہیں حالت عدم میں رکھنا ہی کافی تھا اور پھر اس صورت میں ان کی تخلیق عبث ہوگی۔

یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ ان کی تخلیق اضرار کیلئے ہیں کیونکہ ایسا خالق رحیم وکریم ہرگز نہیں ہوسکتا حالانکہ خالق کے رحیم وکریم ہونے پر عقول اور شرائع تمام کا اتفاق ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے۔

نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ — کیا ہی اچھا مولیٰ اور کیا ہی اچھا مددگار ہے

تو یہ تمام دلیل ہیں کہ عذاب نہیں ہوگا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ ان دواعی وتقاضوں کا خالق ہے جو معاصی کے موجب ومقتضی بنتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان معاصی کی طرف جبر کرنے

Marfat.com

والا ہوگا' دواعی کا وہی خالق ہے' کیونکہ پہلے بیان کر آئے ہیں صدور فعل ایسی قدرت سے ہے جس کے ساتھ ایک ایسا داعیہ متصل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور ہم یہ بھی واضح کر چکے کہ یہ جبر کا موجب وسبب ہے اور کسی مجبور کو عذاب دینا عقول کے نزدیک قبیح ہے۔

اس کی تقریر انہوں نے یوں بھی کی ہے۔

جب اوامر ونواہی شرعیہ دو اشخاص کی طرف آتے ہیں، ان میں سے ایک انہیں قبول اور دوسرا ان کی مخالفت کرتا ہے تو اب ایک کو ثواب اور دوسرے کو عذاب دیا جائے گا اگر یہ سوال اٹھایا جائے کہ ایک نے قبول اور دوسرے نے مخالفت کیوں کی؟ جواباً کہا جائے گا قبول کرنے والے نے ثواب پسند کیا اور عذاب سے بچتے ہوئے اطاعت کر لی، دوسرے نے ثواب پسند نہ کیا اور نہ عذاب سے بچنے کی کوشش کی تو اس نے نافرمانی کر دی یا قبول کرنے والے نے نصیحت سنی اور خوب سمجھا تو اطاعت کر لی اور دوسرا نہ متوجہ ہوا اور نہ سمجھا تو مخالفت کر دی۔

اب سوال ہوگا یہ کیسے متوجہ ہو گیا اور بات سمجھ گیا اور دوسرا نہ متوجہ ہوا اور نہ سمجھ پایا؟

ہم جواباً کہیں گے یہ عقلمند، ذہین اور فطین تھا اور دوسرا اکھڑ، جاہل وغبی تھا۔

سوال ہوگا ایک کو ذہانت وفطانت کیوں ملی جبکہ دوسرے کو نہ ملی بلاشبہ یہ فطانت وبلادت احوال طبیعہ میں سے ہیں کیونکہ کوئی بھی انسان غباوت وخرق کو نہ پسند کرتا ہے اور نہ ہی خود انہیں اپناتا ہے، جب تمام تعلیلات کی انتہا ان امور پر ہوگی جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہم میں بطور اضطرار پیدا فرمایا ہے تو ہم جان لیں گے کہ یہ تمام امور، اللہ تعالیٰ کی قضا وتقدیر سے ہی ہیں تو اب ان دو اشخاص اطاعت ومخالفت کرنے والوں میں، کسی حال میں مساوات ممکن نہیں نہ عقل وجہل میں، نہ فطانت وذہانت میں، نہ حزم وخرق میں اور نہ معلم وباعث اور زاجر ہونے میں۔

یہ کہنا بھی ممکن نہیں اگر یہ دونوں ان تمام میں مساوی ہوتے تو طاعت ومعصیت میں بھی مساوی ہوتے کیونکہ اب اشخاص کی طاعت ومعصیت کا سبب ایسے امور ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق وتقدیر سے ہی وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

تو اب کہا جا سکتا ہے یہ کہاں کا عدل، رحمت اور کرم ہے کہ عاصی وہ ہی تخلیق کرے جس کی اس پر اللہ نے تخلیق کی تھی مثلاً فظاظت، جسارت، غباوت، وقساوت، طیش وخرق اور پھر اس پر اسے عذاب ہو تو اس کی تخلیق مطیع کی طرح عقل مند، باشعور، عارف وعالم کی طور پر کیوں نہیں کی گئی، کیا یہ عدل ہے کہ اس کا دل سخت، اس کا غضب قوی، اس کا دماغ شعلہ زن، اس کا غصہ کثیر پھر اسے دوسروں کی طرح کوئی ادب، معلم عالم اور واعظ مبلغ نہیں ملا بلکہ اس کے اخلاق وافعال پر ان کی اضداد مسلط ہیں جن سے اس نے سیکھا پھر اس پہ وہی مواخذہ جو کسی عقل مند، سمجھدار، عاقل عالم، ٹھنڈے دماغ، معتدل مزاج قلبی اور لطیف روح رکھنے والے کی

فضل قدیر

Marfat.com

ہی طرح ہو جسے شفیق مربی اور معلم کامل ملا ہو؟ تو یہ کسی طرح بھی عدل، رحمت اور کرم نہیں ہوگا تو ان وجوہ سے ثابت ہو گیا کہ عتاب کا قول، عقلی فیصلوں کے مخالف ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خود اپنے لئے ہی نفع کا مکلف بنایا ہے، اس کا ارشاد ہے:

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا — اور اگر تم بھلائی کرو گے اپنا بھلا کرو گے اور اگر تم نے برائی کی تو وہ بھی تمہارے لیے ہوگی (پ ۱۵،الاسراء:۷)

جب ہم نافرمانی کرتے ہیں تو ہم اپنے ہی منافع فوت کرتے ہیں تو کیا عقل اسے پسند کرے گی کہ حکیم ذات اس پر انسان کی گرفت کرے اور اسے کہے میں تجھے عذاب شدید دوں گا اس لئے کہ تو نے اپنے بعض منافع کو فوت کیا ہے کیونکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حصول نفع، دفع ضرر کی نسبت مرجوح ہے، ہاں یہ تسلیم ہے کہ میں نے اپنی ذات پر ان دونوں مطلوب میں سے ادنیٰ مطلوب فوت و ترک کیا تو کیا اس کی وجہ سے تم سب سے بڑے نفع کو فوت کر رہے ہوں، کیا کسی سردار کے شایاں ہیں کہ غلام کو پکڑے اور کہے تو اس پر قادر تھا کہ دینار حاصل کرے اور اس سے فائدہ اٹھائے اور اس میں میرا کوئی فائدہ اور غرض ہرگز نہ تھی چونکہ تو نے نہ وہ دینار حاصل کیا اور نہ تو نے نفع اٹھایا لہٰذا میں تیرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا تو ایسے شخص کے بے وقوف ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں تو ایسا فعل احکم الحاکمین کے شایاں کیسے ہو سکتا ہے؟

عذاب دائمی کیوں؟

پھر یہ لوگ کہتے ہیں ہم عذاب تسلیم کرتے ہیں مگر دائمی عذاب کا قول کیسے؟ یہ اس لئے کہ سب سے سخت دل، سب سے سخت طبیعت کا مالک اور ہر خیر سے دور بندہ، جب کسی اپنے تکلیف پہنچانے والے کو سزا دیتا ہے تو ایک دن یا ایک ماہ یا ایک سال دیتا ہے پھر وہ سیر ہو جاتا ہے اور تھک جاتا ہے اگر وہ اسے دائمی سزا دے تو ہر ایک اسے ملامت کرتا ہے اور کہتا ہے ہم مانتے ہیں اس نے تجھے نقصان بہت دیا لیکن یہ عذاب کب تک؟ تو یا اسے قتل کر کے آرام پائے یا اسے چھوڑ دے جب ایسی بات کسی انسان سے ہے جو انتقام سے لذت پاتا ہے تو اس ذات سے دوام کیسے ہو سکتا ہے جو تمام سے غنی و مستغنی ہے؟

۶۔ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو کسی سے زیادتی سے منع کیا ہے:

فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا — تو وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے ضرور اس کی مدد ہونی ہے

(پ ۱۵،الاسراء:۳۳)

Marfat.com

اور فرمایا

وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا (پ ۲۵، الشوریٰ:۴۰) اور برائی کی سزا اس کی مثل برائی ہے

پھر یہ تسلیم کہ بندہ نے ساری عمر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی لیکن اس کی عمر ابدی تو نہیں تو ابدی عذاب ظلم ہوگا؟

۷۔ اگر بندہ ساری عمر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے پھر توبہ کر کے فوت ہوا تو اللہ تعالیٰ اسے معافی دیتا ہے اس کی دعا سنتے ہوئے تو بہ قبول فرماتا ہے، کیا خیال ہے وہ آخرت میں کریم نہیں رہے گا یا ان سزا یافتہ کی عقول ختم ہو جائیں گی وہ اپنے گناہوں سے کیوں توبہ نہیں کریں گے؟ جب وہ توبہ کرلیں گے اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کیوں قبول نہیں فرمائیں گے؟ اور وہ ان کی کیوں پکار نہیں سنیں گے؟ انہیں وہ کیوں ناامید فرمائیں گے؟ کیا وجہ دنیا میں رحمت و کرم اس قدر کہ فرمایا

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (پ ۲۴، غافر:۶۰) مجھے بلاؤ میں تمہاری دعا قبول کروں گا

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ (پ ۲۰، النمل:۶۲) کون مجبور کی دعا سنتا ہے جب وہ اسے بلاتا ہے

اور آخرت میں اس طرح ہو جائے گا کہ وہ اس کی طرف نہایت ہی شدید تضرع کریں اور وہ یہ فرمائے گا:

اِخْسَئُوْا فِیْھَا وَلَا تُکَلِّمُوْنِ (پ ۱۸، المومنون:۱۰۸) چلے جاؤ اور مجھ سے کلام نہ کرو

یہ ایسے دلائل ہیں جو عدمِ عذاب پر قطعاً دال ہیں۔

قرآن پر ایمان رکھنے والے

پھر ان میں سے قرآن پر ایمان لانے والوں نے قرآن میں وارد انواع عذاب کے بارے میں متعدد دلائل سے عذر پیش کیا ہے

۱۔ دلائل لفظیہ سے استدلال مفید یقین نہیں ہاں دلائل عقلیہ، مفید یقین ہوتے ہیں اور مظنون، مقطوع کے مقابل نہیں ہوسکتا، ہمارا قول، دلائل لفظیہ مفید یقین نہیں، اس لئے کہ دلائل لفظیہ جن اصولوں پر مبنی ہیں وہ تمام ظنی ہیں، ظنی پر مبنی ظنی ہی ہوتا ہے

ہمارا قول کہ یہ اصول ظنیہ پر مبنی ہے اس لئے کہ یہ نقل لغات اور نقل نحو و صرف پر مبنی ہیں، اور ان کے رواۃ کا حد تواتر تک پہنچنا معلوم نہیں تو ان کی روایت ظنی ہوگی، پھر یہ تمام عدم اشتراک، عدم مجاز، عدم تخصیص، عدم اضمار، عدم تقدیر و تاخیر پر مشتمل ہیں اور یہ تمام امور ظنی ہیں پھر یہ عدم معارض عقلی پر مبنی ہیں کیونکہ معارض عقلی کی صورت میں ان دونوں کا بیک وقت صدق و کذب

Marfat.com

ممکن نہیں، اور نقل کو عقل پر ترجیح دینا ممکن نہیں کیونکہ اصل نقل، عقل ہی ہے، عقل پر طعن، عقل و نقل دونوں پر طعن ہوگا لیکن عدم معارض عقلی ظنی ہے تو جب یہ موجود نہ ہوگا تو ہم وہاں ان ظواہر کے خلاف دلائل عقلیہ کیسے پائیں گے تو ثابت ہو گیا دلائل نقلیہ کی دلالت ظنی ہوتی ہے باقی ظنی، قطعی کے مقابل نہیں آسکتا اس میں شک کی گنجائش ہی نہیں۔

۲۔ وعید پر عفو اور درگزر، لوگوں کے ہاں مستحسن اور اعلیٰ ہوتا ہے، شاعر نے کہا:

وانی اذا او عدته او وعدته　　　لمخلف إیعادی و منجز موعدی

''میں جب وعید سزا یا وعدہ کرتا ہوں تو اپنے وعید کے خلاف اور اپنا وعدہ پورا کرتا ہوں''

اہم ضابطہ

بلکہ ثبوت وعید پر اصرار گویا برا سمجھا جاتا ہے جب صورت حال یہ ہے تو لازم ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے صحیح نہ ہو۔

اور اس کی بنیاد ایک ایسی بات ہے کہ اہلِسنّت عمل سے پہلے نسخ فعل جائز مانتے ہیں۔

تفصیل ان کے ضابطہ کی یہ ہے کہ حکم کبھی ایسی حکمت کیلئے جاری کیا جاتا ہے جو نفس مامور بہ (فعل) سے ہی پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی وہ حکمت نفس امر سے ہی سامنے آجاتی ہے مثلاً مالک اپنے غلام سے بعض اوقات کہتا ہے فلاں کام کل کرنا اگرچہ وہ فی الحال جانتا ہے کہ وہ اسے کل اس سے منع کر دے گا تو اس حکم سے اس کا مقصود یہ ہے کہ عبد اپنے مالک کی فرماں برداری کا اظہار اور اپنے کو اس کی اطاعت کے لئے تیار کر لے یوں ہی جب اللہ تعالیٰ بندے کے بارے میں جانتا ہے کہ یہ کل فوت ہو جائے گا تو اہلِسنّت کے ہاں یہ درست ہے کہ وہ بندے سے فرمائے صل غداً ان عشت (اگر تو زندہ رہا تو کل نماز پڑھنا) اس حکم سے مقصود فعل کا حصول نہیں کیونکہ یہ محال ہے بلکہ ایسی حکمت تھی جو فقط نفس حکم سے سامنے آجاتی ہے اور وہ حصول فرماں برداری و اطاعت اور ترک سرکشی ہے

جب یہ ثابت ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ خبر کا معاملہ ایسے کیوں نہیں ہو سکتا؟ کبھی خبر دینے سے منشا مخبر عنہ (جس سے خبر دی جارہی ہے) ہو اور یہ وعدہ کی صورت میں ہوگا اور کبھی منشاء حکمت نفس خبر ہو نہ کہ مخبر عنہ جیسا کہ وعید کی صورت میں ہے کیونکہ بطور وعید خبر دینا، معاصی پر زجر اور طاعت پر اقدام کے لئے مفید ہے تو جب یہ مقصود ہو گیا تو ممکن ہے مخبر عنہ حاصل ہی نہ ہو جیسا کہ وعید میں ہے تو اب انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا وعدہ بالثواب، حق لازم ہے لیکن اس کا عقاب لازم نہیں کیونکہ اس سے مقصود محض مکلفین کی اصلاح اور ساتھ ان کیلئے رحمت کا معاملہ بھی ہے جیسے والد، اپنی اولاد کو قتل، زہر، انقطاع اور ضرب کی دھمکی دیتا ہے تو اگر اولاد اس کا حکم مان لے تو نفع پاتی ہے اور نہ مانے تو والد کی شفقت پدری، اس کے قتل و عقوبت سے مانع بن جاتی ہے۔

Marfat.com

خلاف وعید کذب نہیں

سوال: ان تمام صورتوں میں یہ کذب ہوگا جو قبیح ہے؟

جواب: ہم نہیں مانتے کہ ہر کذب قبیح ہے بلکہ کذب ضار ونقصان دہ، قبیح ہوتا ہے البتہ کذب نافع ہر گز قبیح نہیں ہوتا، اگر ہم تسلیم کرلیں کہ ہر کذب قبیح ہوتا ہے تو ہم خلف وعید کو کذب مانتے ہی نہیں، کیا تمام عموماتِ قرآن میں تخصیص نہیں ہوتی حالانکہ اسے کوئی کذب کا نام نہیں دیتا۔ کیا تمام متشابہاتِ قرآنی کے ظواہر میں عدول نہیں ہوتا اسے کذب کسی نے کہا؟ تو اس طرح کا معاملہ وعید میں بھی ہے

آیاتِ وعید مشروط ہیں

۳- کیا عاصیوں کے حق میں آیات وعید، عدم توبہ کے ساتھ مشروط نہیں اگر چہ شرائط صریح نص کی صورت میں مذکور نہیں یا ہم کہتے ہیں کہ ان کا معنی یہ ہے کہ عاصی ان انواع عذاب کا مستحق ہوجاتا ہے تو وقوع والی اخبار کو ہم استحقاقِ وقوع پر محمول کریں گے اس مذہب پر تمام گفتگو کا خلاصہ یہی ہے۔

وقوع عذاب ماننے والے کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے وہ وقوع وثبوت عذاب ہی ہے لہذا اس کا انکار تکذیب رسول ﷺ ہے، رہے شبہات جن سے تم نے نفی عتاب پر استدلال کیا یہ تمام حسن وقبح عقلی پر مبنی ہیں اور اسے ہم تسلیم نہیں کرتے (ہم تو حسن وقبح شرعی ہی جانتے ہیں) واللہ أعلم

[۸] وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾

(اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت پر ایمان لائے اور وہ ایمان والے نہیں)

منافقین کا بیان

تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہاں سے منافقین کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ نے ان تین لوگوں کے بارے میں ذکر کیا ہے، اہل ایمان، کفار، منافقین، ابتدا اہل ایمان سے کی جو مخلص اور باطن وضمائر صحیح ودرست رکھتے ہیں پھر کھلے کفار جو انکار وعناد پر قائم ہے، پھر ان لوگوں کا ذکر آیا جو زباں سے کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں مگر ان کا باطن اس کے مخالف ہے، یہاں چند مسائل ہیں

Marfat.com

پہلا مسئلہ: نفاق کی حقیقت

نفاق کی حقیقت سے آگاہی کے لئے ایک تقسیم کا جاننا نہایت ضروری ہے۔

احوالِ قلبی

احوال قلبی چار ہیں:

۱۔ ایسا اعتقادِ مطابق جو دلیل سے حاصل ہو اور یہی علم ہے۔

۲۔ اعتقاد مطابق جو دلیل سے مستفاد نہ ہو یہ اعتقاد مقلد ہے۔

۳۔ اعتقاد غیر مطابق، یہ جہالت ہے۔

۴۔ دل ان تمام سے خالی ہو۔

احوالِ لسانی

احوال لسان تین ہیں۔۱۔اقرار ۲۔انکار ۳۔سکوت

ان کی ضرب سے بارہ اقسام حاصل ہوں گی۔

پہلی قسم: عرفان قلبی حاصل

اب اس کے ساتھ اقرار باللسان یا انکار یا سکوت حاصل ہوگا قسم اول، عرفان قلبی کے حصول کے ساتھ اقرار لسان بھی ہے تو اب یہ اقرار اگر مرضی واختیار سے ہے تو ایسا بندہ بالاتفاق سچا مومن ہے۔

اور اگر یہ اقرار اضطراری ہے مثلاً دل سے جانتا ہے لیکن محسوس کرتا ہے کہ اگر مجھے خوف نہ ہو تو میں اقرار نہ کروں بلکہ انکار کروں تو ایسے شخص کو منافق قرار دینا ضروری کیونکہ یہ دلی طور پر منکر، تکذیب کرنے والا اور زبان سے اقرار وتصدیق کرنے والا ہے تو اسے منافق قرار دینا لازم ہے کیونکہ یہ دلی طور پر منکر او روجوب اقرار کی تکذیب کرنے والا ہے۔

دوسری قسم: عرفان قلبی کے ساتھ انکار لسانی حاصل

یہ انکار اگر اضطراری ہے تو ایسا بندہ مسلمان ہے، ارشاد الٰہی ہے:

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ　　مگر جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہو

(پ۱۴، النحل:۱۰۶)

Marfat.com

اور اگر یہ انکار اختیاری ہے تو بندہ کافر معاند ہے۔

تیسری قسم: عرفان قلبی حاصل مگر زباں اقرار وانکار سے خالی ہے

تو اب یہ سکوت اضطراری ہے یا اختیاری، اگر اضطراری ہے مثلاً زبانی ذکر پر خوف ہے تو یہ بندہ سچا مسلمان ہوگا یا دلائل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا علم حاصل لیکن نظر کی تکمیل ہوتے ہی اچانک موت آگئی تو یہ بھی قطعی مومن ہوگا کیونکہ اس نے اپنی ذمہ داری پوری کردی لیکن انکار واقرار کا وقت نہ پایا تو یہ معذور ٹھہرے گا اور اگر یہ سکوت اختیاری ہے مثلاً دلائل سے معرفت الٰہی حاصل ہو چکی لیکن زباں سے اقرار نہیں کر رہا تو یہ صورت محلِ بحث ہے۔

شیخ غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا میلان اس طرف ہے کہ یہ مومن ہے، حضور علیہ السلام کا فرمان ہے:

یخرج من النار من کان فی قلبه مثقال ذرة من الایمان وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہوا تو جس کا دل نور ایمان سے معمور ہے تو اسے دوزخ سے کیسے نہ نکالا جائے گا؟

دوسری قسم: قلب میں اعتقاد تقلیدی حاصل ہو

اب اس کے ساتھ اقرار یا انکار یا سکوت ہوگا، پہلی صورت کہ اعتقاد تقلیدی کے ساتھ اقرار ہے اب اگر وہ اختیاری ہے تو یہی وہ مشہور مسئلہ ہے کہ کیا مقلد مومن ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اگر اضطراری ہے تو یہ صورت اولیٰ پر ہی متفرع ہوگا اگر ہم صورت اولیٰ میں اسے کافر کہتے ہیں تو یہاں کلام ہی نہیں اور اگر ہم اس میں مؤمن قرار دیں تو یہاں اسے منافق قرار دینا ضروری ہوگا کیونکہ اس صورت میں اگر دل عارف ہو تو یہ شخص منافق ہوگا گویا بوقت تقلید اس کا منافق ہونا اولیٰ ہوگا۔

دوسری صورت جب اعتقاد وتقلید کے ساتھ انکار لسانی ہو تو یہ انکار اگر اختیاری ہے تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں اور اگر اضطراری ہے اور ہم مقلد کو مومن جانتے ہوں تو اس صورت میں ایسے آدمی کو مومن کہنا لازم ہوگا۔

تیسری صورت، اعتقاد تقلیدی مع سکوت خواہ وہ سکوت اضطراری ہو یا کہ اختیاری تو اس کا حکم قسم ثالث کی نوع اول والا ہے جبکہ ہم ایمان مقلد مانیں

تیسری قسم: انکار قلبی کے ساتھ اقرار لسانی یا انکار یا سکوت ہوگا

پہلی قسم: انکار قلبی کے ساتھ اقرار لسانی ہو تو اب یہ اقرار اضطراری ہے تو منافق اور اگر اختیاری مثلاً کسی شبہ کی بنا پر عالم کو قدیم جانتا ہے لیکن اختیاراً زبان سے کہتا ہے کہ عالم حادث ہے تو یہ بعید نہیں کیونکہ جب یہ جائز ہے دل سے عارف ہو لیکن زباں سے

عمل قدیر

Marfat.com

منکر ہو تو یہ کفر عنادی وضدی ہے تو یہ جائز کیوں نہیں کہ آدمی قلباً جاہل ہو لیکن وہ زبان سے اقرار کرے؟ یہ قسم بھی نفاق ہے۔

دوسری قسم: انکار قلبی اور انکار لسانی ہو تو یہ کافر ہوگا نہ کہ منافق، کیونکہ اس نے باطن کے مخالف کچھ ظاہر نہیں کیا۔

تیسری قسم: انکار قلبی مع سکوت لسانی بھی کافر نہ کہ منافق کیونکہ اس نے کسی شے کا اظہار ہی نہیں کیا۔

چوتھی قسم: تمام اعتقادات سے خالی قلب کے ساتھ اقرار یا انکار یا سکوت ہے۔

پہلی قسم: اگر اقرار لسانی ہے تو وہ اختیاری ہوگا یا اضطراری، اگر اختیاری ہے اگر بندہ مہلت نظر میں ہے تو کفر لازم نہیں ہوگا لیکن اس کا فعل جائز نہیں کیونکہ اس نے ایسی خبر دی جانتا ہی نہیں کیا اس میں وہ سچا ہے یا نہیں اور اگر وہ مہلت نظر میں نہیں تو یہ محل نظر ہے، اگر اضطراری تو یہ کافر نہ ہوگا کیونکہ جب اس کا توقف مہلت نظر میں ہے اور وہ اپنے پر ترک اقرار کا خوف رکھتا ہے تو اس کا عمل قبیح نہ ہوگا۔

دوسری قسم: قلب خالی مع انکار لسانی کا حکم قسم عاشر کے حکم کے برعکس ہے۔

تیسری قسم: قلب خالی مع لسان خالی، اب اگر یہ مہلت نظر میں ہے تو یہی لازم ہے اور اگر مہلت نظر سے خارج ہے تو اس کی تکفیر لازم اور اسے ہرگز منافق قرار نہیں دیا جائے گا۔

اس مسئلہ میں ممکنہ صورتیں یہی ہیں اس سے واضح ہو رہا ہے کہ نفاق یہ ہے جس کا ظاہر اس کے باطن کے مطابق نہ ہو خواہ باطن ظاہر سے متضاد ہو یا باطن اس سے خالی ہو جو ظاہر ہو رہا ہے تو اب اشکار ہو گیا ارشاد الٰہی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ — کچھ لوگ کہتے ہیں کے ایمان لائے اللہ اور آخرت پر

(پ۱، البقرۃ:۶)

میں مراد منافقین ہیں۔ واللہ اعلم۔

دوسرا مسئلہ: کفر اصلی بدتر یا کفر منافق؟

اس میں اختلاف ہے کہ کافر اصلی کا کفر بدتر و قبیح ہے یا کفر منافق؟ کچھ کہتے ہیں کافر اصلی کا کفر بدتر ہے کیونکہ یہ جاہل قلبی اور کاذب لسانی ہے لیکن منافق جاہل قلبی اور صادق لسانی ہے۔

دیگر کہتے ہیں منافق بھی کاذب لسانی ہے کیونکہ اس سے اپنے اعتقاد کی خبر دے رہا ہے حالانکہ اس کا اعتقاد ایسا نہیں، اس

Marfat.com

لئے ارشاد الٰہی ہے

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (پ۲۶، الحجرات:۱۴) اور دیہاتیوں نے کہا ہم ایمان لے آئے فرمادیجئے تم ابھی تک ایمان نہیں لائے بلکہ کہو ہم اسلام لائے اور ایمان ابھی تک ان کے دلوں میں نہیں داخل ہوا

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ (پ۲۸، المنافقون:۱) اور اللہ گواہ ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں

منافق کی مزید برائیاں

پھر منافق میں مزید برائیاں یہ بھی ہیں:

۱۔ یہ تلبیس کا ارادہ کرتا ہے جبکہ کافر اصلی ایسا ارادہ نہیں رکھتا۔

۲۔ کافر طبع رجال اور منافق طبع ہیجڑے پر ہے۔

۳۔ کافر اپنے لئے جھوٹ پسند نہیں کرتا جبکہ اس سے انکار کرتا ہے اور صدق کو پسند کرتا ہے حالانکہ منافق جھوٹ پسند کرتا ہے۔

۴۔ منافق اپنے کفر کے ساتھ استہزا کو بھی ملاتا ہے جبکہ کافر اصلی ایسا نہیں کرتا۔

منافق کے کفر غلیظ کی وجہ سے فرمایا

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ اور منافقین دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہیں

(پ۵، النساء:۱۴۵)

۵۔ حضرت مجاہد کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ابتدأ چار آیات میں اہل ایمان کا ذکر کیا، اس کے بعد دوسرے نمبر پر دو آیات میں کفار کا پھر تیسرے نمبر پر منافقین کا تیرا آیات میں ذکر کیا ہے یہ آگاہ کر رہا ہے کہ منافق جرم میں اعظم ہے۔

لیکن یہ بات بعید ہے کیونکہ کسی کی خبر کا لمبا ہونا اس کے جرم کو اعظم بنانے کا موجب وسبب نہیں ہوتا اگر وہ اعظم ہے تو اس کے وجوہات اس کے علاوہ ہوں گے اور وہ ان کا کفر کے ساتھ کئی معاصی کو ملانا ہے مثلاً مخادعت دھوکہ، استہزا و تمسخر، طلب فساد وغیرہ اس کا جواب یوں ممکن ہے کہ ان کی خبر کا کثیر ہونا دلالت کرتا ہے کہ ان کے رفع شر کا اہتمام رفع شر کفار کے اہتمام سے اشد ہے اور یہی بات ان کے کفار سے جرم میں اعظم ہونے کی دلیل ہے۔

Marfat.com

تیسرا مسئلہ: دو اُمور پر دلالت

آیت دو امور پر دال ہے

ا۔ یہ بتارہی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں رکھتا لیکن اس کا اقرار کرتا ہے تو وہ مومن نہیں کیونکہ فرمایا:

وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ — یہ مومن نہیں

حالانکہ کرامیہ کہتے ہیں یہ مومن ہوگا۔

۲۔ یہ اس قول کے اعلان پر دال ہے کہ تمام مکلفین عارف باللہ ہیں اور جو عارف باللہ نہیں وہ مکلف ہی نہیں ہوگا، اول باطل کیونکہ اگر منافقین عارف تھے اور وہ اقرار بھی کرتے تھے تو اب لازم ہے کہ ان کا اقرار ایمان ہو کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھے اور اس کا اقرار بھی کرے وہ یقیناً مومن ہے۔

دوسرا باطل کیونکہ غیر عارف اگر معذور ہے تو اللہ تعالیٰ عدمِ عرفان پر مذمت نہ فرماتا تو بعض مکلفین کا یہ قول باطل ٹھہرا کہ جو ان اشیاء کو نہیں جانتا وہ معذور ہوگا۔

چوتھا مسئلہ: لفظ انسان کا اشتقاق

لفظ انسان کے اشتقاق میں مختلف وجوہات ہیں:

ا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انسان نام کی وجہ یہ ہے کہ اس سے عہد لیا گیا لیکن اس پر نسیان آ گیا کسی شاعر نے کہا "سميت انسانا لانك ناسى" (تیرا نام انسان اس لیے ہے کہ تو بھولنے والا ہے)

شیخ ابوالفتح البستی نے کہا

يا اكثر الناس احساناً الى الناس	واكثر الناس افضالاً على الناس
نسيت عهدك والنسيان مغتفر	فاغفر فاول ناس اول الناس

۲۔ انسان، اپنے ہم مثل سے مانوس ہوتا ہے۔

۳۔ انسان، ظاہر ہونے کی وجہ سے کہا جاتا ہے جیسے یونسوْن کا معنی یبصرون (وہ دیکھتے ہیں) ارشاد الٰہی ہے:

اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا (پ۲۰، القصص:۲۹) — طور کی طرف سے آگ سی دکھائی دی

جیسے مخفی ہونے کی وجہ سے "جن" کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

واضح رہے ہر لفظ کے لئے دوسرے سے مشتق ہونا لازم نہیں ورنہ تسلسل لازم آجائے گا اس بنا پر انسان کو کسی دوسرے سے مشتق ماننا ضروری نہیں۔

پانچواں مسئلہ: منافقین اہلِ کتاب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ یہ آیات منافقین اہل کتاب کے بارے میں ہیں ان میں عبداللہ بن ابی، معتب بن قشیر اور جد بن قیس شامل تھے یہ جب اہلِ ایمان سے ملتے تو ایمان وتصدیق کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہم نے اپنی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعت وصفات دیکھی ہیں حالانکہ وہ خلوت میں ایسا نہ کہتے۔

چھٹا مسئلہ: لفظ مَنْ کا استعمال

لفظ مَن میں تثنیہ، جمع اور واحد کی صلاحیت ہے واحد، ارشادِ الٰہی ہے:

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ اِلَيْكَ (پ ۷، الانعام: ۲۵) اور ان میں وہ جو تیری طرف کان لگاتا ہے

جمع میں استعمال فرمایا:

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ (پ ۱۱، یونس: ۴۲) اور ان میں وہ جو تیری طرف کان لگاتے ہیں

وجہ یہ ہے کہ یہ لفظاً واحد مگر معنی جمع ہے تو واحد کے وقت لفظ کا اور جمع کے وقت معنی کا اعتبار ہوتا ہے تو زیرِ تفسیر آیت میں دونوں اُمور حاصل ہیں کیونکہ ارشادِ الٰہی 'یقول' لفظ واحد اور 'امنا' لفظ جمع ہے۔

چند سوالات

پہلا سوال: منافقین، اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے تھے لیکن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر تھے تو پھر ان کے دعویٰ ایمان باللہ اور یوم آخر کی کیوں تکذیب کی گئی ہے؟

جواب: اگر ہم اس سے منافقین مشرکین مراد لیں تو پھر کوئی اشکال نہیں کیونکہ انکی اکثریت اللہ تعالیٰ سے جاہل اور یوم بعث و آخرت کی منکر تھی

اگر مراد منافقین اہل کتاب ہیں اور وہ یہود ہیں تو اب تکذیب اسلئے کی کہ ان کا اللہ پر ایمان، ایمان نہیں کیونکہ وہ اس کا جسم مانتے ہوئے کہتے ہیں "عزیر ابن اللہ" (عزیر اللہ کے بیٹے ہیں) اسی طرح ان کا آخرت پر ایمان نہیں

تو وہ جب کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے تو اس میں کئی گنا ان کا خبث تھا کیونکہ دل میں غلط طریقہ سے ایمان رکھتے اور زباں سے اہل اسلام کو وہم ڈالتے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر تمہاری طرح ہی ایمان رکھتے ہیں، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب فرمائی

Marfat.com

دوسرا سوال: 'وماھم بمؤمنین' اور 'امنا باللہ' میں مطابقت کیسے ہوگی کیونکہ اول شان فعل کا ذکر ہے نہ کہ فاعل کا اور ثانی شان فاعل کا ذکر ہے نہ کہ فعل کا؟

جواب: کسی آدمی نے کہا: فلان ناظر فی المسألة الفلانیة۔ (فلاں نے فلاں مسئلہ میں مناظرہ کیا)

اب اگر تم کہو اس نے اس جگہ میں مناظرہ نہیں کیا تو اس کی یہ تکذیب ہے اگر تم یہ کہو وہ تو مناظرہ کر ہی نہیں سکتا تو اس کی تکذیب میں خوب مبالغہ ہے یعنی اس کا تعلق اس جنس سے ہی نہیں لہذا اس کے بارے میں ایسا خیال کیسے کیا جا سکتا ہے یہاں بھی یہی معاملہ ہے جب انہوں نے کہا ہم اللہ پر ایمان لائے تو اب اگر اللہ تعالیٰ فرماتا: ما امنوا۔ وہ ایمان نہیں لائے تو ان کی تکذیب تھی لیکن جب فرمایا: "وماھم بمؤمنین" تو ان کی تکذیب میں خوب مبالغہ ہے، اس کی نظیر یہ ارشاد الٰہی ہے:

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنْهَا — وہ نکلنے کا ارادہ کریں گے آگ سے اور وہ اس سے نہیں نکل سکیں گے

تو یہ 'وما یخرجون منھا' سے زیادہ بلند و برتر ہے۔

یوم آخرت سے مراد

تیسرا سوال: یہاں یوم آخر سے کیا مراد ہے؟

جواب: ممکن ہے وہ وقت مراد ہے جس کی حد نہیں اور وہ ابدی و دائمی ہے جس کی حد ختم ہی نہیں ہوگی اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد قیامت کے محدود وقت کا بیان ہو یہاں تک کہ اہل جنت، جنت میں اور اہل نار، نار میں داخل ہو جائیں گے کیونکہ یہ اوقات محدودہ کا آخری وقت ہوگا، اس کے بعد وقت کی کوئی حد نہیں۔

[۹-۱۰] يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾

(یہ فریب دینا چاہتے ہیں اللہ اور اہلِ ایمان کو مگر حقیقت میں فریب نہیں دیتے مگر اپنے کو اور انہیں شعور نہیں، ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھائی اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے بدلہ ان کے جھوٹ کا)

Marfat.com

منافقین کی چار برائیاں

اللہ تعالیٰ نے یہاں منافقین کے چار برائیاں اور قبائح بیان کئے ہیں:

(i) فرمایا: يُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا (وہ فریب دینا چاہتے ہیں اللہ اور اہلِ ایمان کو) تو ان چار چیزوں کا علم ضروری ہے۔

اولاً معنی مخادعت، ثانیاً مخادعۃ اللہ، ثالثاً وہ اللہ کو کیسے دھوکہ دیتے، رابعاً وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ سے کیا مراد ہے؟

پہلا مسئلہ، مخادعت کا معنی

مخادعت (دھوکہ دینا) مذموم ہے تو مذموم کا دوسروں سے ممتاز ہونا ضروری ہے تاکہ اسے کوئی بجا نہ لائے۔

اصلاً اس لفظ میں مخفی ہونے کا معنی ہے خزانہ کو مخدع، گردن کی مخفی جگہ اور رگوں کو اخدعان، جب گوہ بل میں گھس جائے اور بہت ہی کم ظاہر ہو تو کہتے ہیں خدع الضب خدعاً، طریق خیدع و خدع کہا جاتا ہے جب وہ مقصد کے مخالف اور نہ معلوم ہو، اسی سے مخدع ہے۔

خدع کی تعریف

صحیح اور درست کا اظہار کرنا لیکن باطن میں دوسرے کو نقصان اور اس سے چھٹکارے کا تصور ہو یہ عمل کفر میں بمنزل نفاق اور افعال حسنہ میں بمنزل ریا ہے اور یہ تمام دینی تقاضوں کے خلاف ہے کیونکہ دین، استقامت وراستی کو فرض اور دھوکہ و برائی سے اعراض لازم کرتا ہے جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں خالصیت لازم کرتا ہے، اس وجہ سے ریاکار کو مدلس کہتے ہیں جب وہ خلاف مراد ظاہر کر رہا ہو، اس سے ہی تدلیس کی اصطلاح ہے کہ راوی ایسے آدمی سے سماع کا وہم پیدا کرتا ہے جس سے اس کا سماع نہیں اور اگر وہ ایسا اعلانیہ کرے تو اسے مدلس نہیں کہا جائے گا۔

دوسرا مسئلہ: وہ اللہ کو دھوکہ کیسے دیتے؟

سوال: اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا دو طرح سے محال ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے رازوں اور بھیدوں سے آگاہ ہے لہٰذا اسے دھوکہ دیا ہی نہیں جا سکتا کیونکہ وہ فعل کر کے اگر ظاہر کریں کہ ان کا باطن خلاف ظاہر تھا تو یہ دھوکہ نہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ سے بواطن مخفی ہی نہیں تو اسے دھوکہ دینا کیسے درست ہو سکتا ہے؟

۲۔ منافقین کا یہ اعتقاد نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رسول مبعوث کیا ہے تو ان کا نفاق میں اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا مقصود ہی نہ تھا تو ثابت ہوا کہ ان الفاظِ آیت کو ظاہر پر رکھنا ممکن نہیں اور اس کی تاویل ضروری ہے۔

Marfat.com

وجوہ تاویل

ا ‌ر ‌ا ئی ‌ ‌طرح سے تاویل کی گئی ہے۔

۱۔ حسب سنت، اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر کر کے بطور تعظیم وعزت، مراد رسول ﷺ کو لیا ہے، جیسے ان ارشادات میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ — وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ سے بیعت کرتے ہیں

(پ ۲۶، الفتح: ۱۰)

اس کے برعکس میں فرمایا:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ — اور جان لو کہ جو کچھ غنیمت لو تو اس میں پانچواں حصہ اللہ کا ہے

(پ ۱۰، الانفال: ۴۱)

یہاں حصہ رسول کو اپنی طرف منسوب کر دیا، تو جب منافقین نے رسول ﷺ کو دھوکہ دیا تو گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ہی دھوکہ دیا

۲۔ بظاہر صورت حال اس طرح تھی کہ وہ ایمان ظاہر کرتے، اور تھے کافر، تو یہاں دھوکہ دینے والے کی طرح صورت تھی اور اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ صورۃً معاملہ یہ تھا کہ ان پہ احکامِ مسلمین جاری کیے حالانکہ اس کے ہاں یہ کفار تھے تو صورۃً اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ تھا کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان پر احکامِ اسلام ہی جاری کریں۔

تیسرا مسئلہ: دھوکہ دہی کی غرض

اس دھوکہ دہی کی غرض وفائدہ کا بیان چند طرح سے ہے۔

۱۔ وہ یہ گمان کرتے کہ حضور ﷺ اور اہلِ ایمان، دیگر اہلِ ایمان کی طرح ان کی بھی تعظیم واکرام کریں اس لیے ایمان کا اظہار کرتے اگرچہ باطن اپنا چھپاتے تو دھوکہ سے مقصود حصول احترام تھا۔

۲۔ ان کا مقصود حضور ﷺ کے اور اہلِ ایمان کے راز حاصل کر کے کفار تک پہنچانا ہوتا۔

۳۔ انہوں نے اس ذریعہ سے اپنے اوپر احکامِ کفار مثلاً قتل کے اجراء کو روکا کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے، مجھے لوگوں سے قتال کا حکم ہے یہاں تک کہ وہ "لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" پڑھیں۔

۴۔ وہ اموال غنیمت کے حصول کا طمع رکھتے تھے۔

سوال: اللہ تعالیٰ قادر ہے ان کے مکروفریب سے حضور ﷺ کو بذریعہ وحی آگاہ کر دے تو ان کا پردہ چاک کر کے کیوں نہ انہیں رسوا کر دیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ ابلیس اور اس کی ذریت کے ختم کرنے پر قادر ہے لیکن اس نے انہیں باقی اور طاقت دے رکھی ہے یا تو اس لیے کہ وہ جو چاہے کرے اور جو مرضی فیصلہ کرے یا اس میں ایسی حکمت ہے کہ اس پر وہ خود ہی مطلع ہے۔

Marfat.com

چوتھا مسئلہ: امام نافع، ابن کثیر اور ابو عمرو و ما یخادعون اور باقی نے ما یخدعون پڑھا ہے۔ اولین کی دلیل مطابقت لفظی ہے تاکہ لفظ اول کے مطابق ہو جائے۔ دوسروں کی دلیل یہ کہ مخادعت، دو کی طرف سے ہوتی ہے لہٰذا انسان واحد اپنے کو دھوکہ نہیں دیتا

وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ کی تفسیر

اس کی تفسیر دو طرح بیان کی گئی ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ انہیں بدلہ کے طور پر سزا دے گا اور یہ حقیقت میں اپنے کو ہی دھوکہ دینے والے ہیں۔ یہ حضرت حسن بصری نے مفہوم بیان کیا ہے۔

۲۔ اکثر مفسرین نے کہا، اس دھوکہ کا وبال انہی پر ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو دھوکہ کے ضرر سے بچا کر اس کا وبال انہی پر مسلط کر دے گا، جیسے ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ (پ ۵، النساء: ۱۴۲)
بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دینا چاہتے ہیں۔ اور وہ انہیں غافل کر کے مارے گا

اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ (پ ۱، البقرۃ: ۱۴، ۱۵)
ہم تو یوں ہی ہنسی کرتے ہیں اللہ ان سے استہزاء فرماتا ہے

اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ (پ ۱، البقرۃ: ۱۳)
تو کہیں کیا ہم احمقوں کی طرح ایمان لے آئیں سنو احمق یہی ہیں

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا (پ ۱۴، النحل: ۵۰)
اور انہوں نے اپنا سا مکر کیا اور ہم نے اپنی خفیہ تدبیر فرمائی

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا (پ ۳۰، الطارق: ۱۵، ۱۶)
بیشک کافر اپنا سا داؤ چلتے ہیں اور میں نے بھی تدبیر کی

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (پ ۶، المائدہ: ۳۳)
یہ جزا ہے ان کی جو جنگ کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (پ ۲۲، الاحزاب: ۵۷)
جو لوگ اذیت دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو

Marfat.com

باقی مباحث آیت

اس کے بعد آیت سے متعلقہ یہ مباحث ہیں:

۱۔ وما یخادعون از اخدع اور یخدعون یا پرز بر بمعنی یختدعون پڑھا، اور یخدعون و یخادعون کو مجہول بھی پڑھا گیا ہے۔

۲۔ نفس، کسی کی ذات وحقیقت، یہ صرف اجسام کے ساتھ ہی مختص نہیں، ارشادِ الٰہی ہے:

تَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِیۡ وَلَاۤ اَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِكَ — تو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے نفس میں ہے (پ۷، المائدہ:۱۱۶)

تو ان کی مخادعت سے مراد ان کی ذوات ہیں یعنی اس کا ضرر ان تک ہی محدود رہے گا دوسروں کی طرف تجاوز نہیں کرے گا۔

۳۔شعور، حواس کے ذریعے شی کا علم، حواس، مشاعر انسان کہلاتے ہیں، معنی یہ ہے کہ اس کا ضرر انہیں محسوس کی طرح لاحق ہے مگر غفلت میں گر جانے کی وجہ سے انہیں ہوش ہی نہیں گویا محسوس ہی نہیں ہوتا۔

فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ کی تفسیر

مرض ایسی صفت ہے جو جائے صفت سے صادر ہونے والے افعال میں وقوع ضرر کی موجب ہوتی ہے، دل پر اثر خاص اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی طاعت وعبودیت ہے۔ جب دل میں ایسی صفات ہوں گی جو ان اثار کے مانع بنیں گی تو یہ صفات امراض قلب کہلائیں گی

سوال: اضافہ، مزید علیہ (جس پر اضافہ ہوا) کی جنس سے ہوتا ہے یہاں اگر مرض سے مراد کفر وجہل ہے تو فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا بھی کفر وجہل پہ ہی محمول ہوگا تو لازم آئے گا اللہ تعالیٰ فاعل کفر وجہل ہو

معتزلہ کہتے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد فعل کفر وجہل نہیں اور دلائل یہ ہیں:

۱۔کفار، قرآن پر طعن کے انتہائی حریص تھے، اگر معنی یہ ہوتا تو وہ رسول اللہ ﷺ سے کہتے جب اللہ تعالیٰ نے خود ہمارے اندر کفر داخل کر دیا ہے تو تم ہمیں ایمان لانے کا کیوں کہتے ہو؟

۲۔اگر اللہ تعالیٰ، فاعل کفر ہو تو معجزہ کا اظہار ید کاذب پہ ممکن ہوگا تو اب قرآن ہی حجت نہ رہا تو اب اس کے معانی وتفسیر میں مشغولیت چہ معنی دارد؟

۳۔اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں کفر پر ان کی مذمت کی ہے تو ایسی شی پر ان کی مذمت کیسے ہوگی جب ان کے اندر اسے خود پیدا کیا ہے؟

Marfat.com

۴۔ ارشاد "وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ" ہے اگر ان کے اندر کفر، ان کے رنگ اور جسمانیت کی طرح پیدا کیا ہے تو پھر ان کا یہ کیسے گناہ ہے کہ ان پہ انہیں عذاب دیا جائے؟

۵۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ فرمایا 'بِمَا کَانُوْا یَکْذِبُوْنَ' یہ بھی فرمایا کہ زمین میں فساد کرتے ہیں۔ یہ بھی فرمایا یہی بے وقوف ہیں، یہ بھی فرمایا جب اپنے ساتھیوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

آیت کی تاویل

جب یہ چیزیں ثابت ہیں تو اب اس آیت کی یہ تاویلات و معانی کرنے چاہئیں۔

۱۔ مرض بمعنی غم، محاورہ ہے، مرض قلبی من امر کذا (فلاں معاملہ کی وجہ سے میرا دل غمگین ہے) معنی یہ ہے کہ منافقین کے دل دن بدن حضور ﷺ کی کامیابی وغلبہ دیکھ کر پریشان ہو گئے اور یہ ان کی ریاست کے زوال میں مؤثر تھا جیسا کہ روایات میں ہے حضور ﷺ حمار پر سوار عبداللہ بن ابی کے پاس سے گزرے۔ کہنے لگا: اپنے حمار کو دور لے جا، اس کی بدبو نے ہمیں تنگ کر دیا ہے۔ ایک انصاری نے عرض کیا: یارسول اللہ اسے معذور سمجھیں ہم اس کے غلبہ سے پہلے ریاست حاصل کریں گے۔ جب ان پر اس کا غم شدید ہوا تو فرمایا: فزادھم اللّٰہ مرضا یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی تعظیم شان اور غلبہ کے ذریعے ان کے غم میں مزید اضافہ کر دیا

۲۔ ان کا مرض کفر، اضافہ تکالیف کی وجہ سے زیادہ ہوتا گیا جیسا کہ سورۂ توبہ میں ہے:

فَزَادَتْھُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِھِمْ — انہیں اور پلیدی پر پلیدی بڑھائی (پ۱۱، التوبہ:۱۲۵)

حالانکہ سورت کا یہ عمل و ثمر نہیں۔

چونکہ سورت کے نزول پر اس کی مخالفت کی وجہ سے ان کی ناپاکی میں اضافہ ہوتا تو اس لیے یہ فرمایا، جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے حوالہ سے ہے۔

اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَھَارًا فَلَمْ یَزِدْھُمْ دُعَآءِیْٓ اِلَّا فِرَارًا — میں نے اپنی قوم کو رات دن بلایا، میرے بلانے نے ان کے فرار میں ہی اضافہ کیا (پ۲۹، النوح:۶)

حالانکہ دعوت و پیغام ایسا فعل نہیں لیکن ان کے فرار کی وجہ سے اضافہ ہوا، اسی طرح فرمایا

وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّیْ وَلَا تَفْتِنِّیْ — اور ان میں کوئی تم سے یوں عرض کرتا ہے کہ مجھے رخصت دیجئے اور فتنہ میں نہ ڈالیے (پ۱۰، التوبہ:۴۹)

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر اسے اجازت نہ دیتے تو فتنہ میں نہ پڑتا۔

وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا (پ۶، المائدۃ:۶۴)

اور اے محبوب! یہ جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اترا اس سے ان میں بہتوں کو شرارت اور کفر میں ترقی ہوگی

اور فرمایا:

فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا (پ۲۲، فاطر:۴۲)

پھر جب ان کے پاس ڈر سنانے والا تشریف لایا تو اس نے انہیں نہ بڑھایا مگر نفرت کرنا

جب تم کسی کو نصیحت کرو اور وہ نہ سنے اور فساد میں بڑھتا چلا جائے تو تم کہتے ہو میری نصیحت نے اس کے شر میں ہی اضافہ کیا، میرے وعظ نے اس کے فساد میں اضافہ ہی کیا ہے۔

اسی طرح یہاں منافقین کا معاملہ ہے وہ کافر تھے جب انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دینی احکام کی طرف بلایا تو انہوں نے ان شرائع واحکام کا انکار کیا، اس سبب سے ان کے کفر میں اضافہ ہوا تو اب ان کے اضافہ کفر کی نسبت یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہونی چاہیے تھی

۳۔ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا سے مراد اضافۂ الطاف سے ممانعت ورکاوٹ ہے تو اس سبب سے وہ منع ان کیلئے ذلیل کن ہوا۔

قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ (پ۲۸، المنافقون:۴) اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں

۴۔ عرب فتورِ آنکھ کو مرض کہتے ہیں۔ مثلاً جارية مريضة الطرف، جریر نے کہا

ان العيون التي في طرفها مرض قتلننا ثم لم يحيين قتلانا

یہاں مرض، فتورنیت ہے اس لیے کہ ابتداً ان کے دل محاربت و برائی کیلئے قوی تھے پھر ان کی شوکت ٹوٹ گئی تو خوف و کمزوری کی وجہ سے انہوں نے نفاق شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا'' یعنی اللہ نے ان کی کمزوری، بزدلی ور ضعف میں اضافہ کر دیا۔ اس بات کی تقویت اللہ تعالیٰ نے یوں کی ہے:

وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُم بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ (پ۲۸، الحشر:۲)

اور اس نے ان کے دلوں میں رعب ڈالا کہ وہ اپنے گھر ویران کرتے ہیں اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں

۵۔ مرض کا معنی تکلیف قلب ہے اس لیے کہ جب انسان حسد، نفاق اور مشاہدہ مکروہ میں دائمی مبتلا ہو جاتا ہے تو اس سبب سے مزاج قلبی بدل کر تکلیف والم میں ہو جاتا ہے۔ اب مرض کا اس معنی پر حمل حقیقت ہی ہے اور یہ باقی دیگر وجوہات ومعانی سے اولیٰ ہے

Marfat.com

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ کی تفسیر

صاحب کشاف کہتے ہیں: الم، الیم جیسے وجع وجیع (اسے درد ہوا اور درد والا ہے) عذاب کی صفت الیم اس محاورہ کے مطابق ہے۔تحیة بینهم ضرب وجیع (ان کے درمیان تحفہ دینا ایک قسم کی تکلیف ہے) اس طریق پر محاورہ جد جدہ حقیقت میں الم، مولم کیلئے ہے جیسا کہ جد، جاد کیلئے ہے۔

بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ کی تفسیر

یہاں چند مباحث ہیں

۱۔ کذب، شی کے بارے میں خلاف، واقع خبر دینا ہے، شیخ جاحظ اسے کذب نہیں مانتے جب تک خبر دینے والا یہ نہ جانتا ہو کہ مخبر عنہ (جس کی خبر دی جارہی ہے)، خبر کے مخالف ہے، یہ آیت مبارکہ ان کے خلاف دلیل ہے۔

۲۔ ارشادِ الٰہی: وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ میں تصریح ہے کہ ان کا کذب، عذاب الیم کی علت ہے، اس کا تقاضا ہے کہ ہر کذب حرام ہے، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جو" ثلث کذبات" (تین کذب) کے الفاظ روایات میں آئے ہیں وہاں مراد تعریض ہے چونکہ بظاہر صورت کذب کی تھی لہٰذا اس کا نام کذب رکھ دیا گیا ہے۔

۳۔ آیت میں دو قرأتیں ہیں۔

اول، یکذبون، ان کے کذب سے مراد ان کا یہ قول ہے: اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (ہم اللہ اور آخرت پر ایمان لائے)

ثانی، یکذبون، اس کذب سے جو صدق کی نقیض ہے اور اس کذب سے جس میں مبالغہ فی الکذب ہو جیسا کہ صدق میں مبالغہ کیلئے صدق کہا جاتا ہے۔

[۱۱-۱۲] وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ قَالُوْۤا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

(اور جب ان سے کہا گیا زمین میں فساد نہ کرو تو کہنے لگے ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں خبردار وہی فسادی ہیں لیکن وہ شعور نہیں رکھتے)

Marfat.com

قباحتوں کی دوسری نوع

یہ قبائح منافقین کی دوسری نوع کا بیان ہے اس کی تفصیل میں متعدد وجوہات ہیں:

۱۔ لَا تُفْسِدُوْا کا قائل کون ہے؟

۲۔ فساد فی الارض سے کیا مراد ہے؟

۳۔ اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ کہنے والے کون ہیں؟

۴۔ اصلاح سے کیا مراد ہے؟

پہلا مسئلہ: تُفْسِدُوْا کا قائل کون؟

لَا تُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ۔ (زمین میں فساد نہ کرو) بعض نے کہا اس کا قائل اللہ تعالیٰ ہے، بعض نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بعض کے ہاں کچھ اہلِ ایمان ہیں۔

ان تمام کا احتمال موجود ہے لیکن یہ جائز نہیں کہ قائل ایسا شخص ہو جو دین و نصیحت کیلئے مخصوص ہی نہ ہو۔ اگرچہ اقرب یہی ہے کہ قائل وہ ہی ہو جن کی ان سے ملاقات ہوتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک خبر نفاق پہنچتی مگر وہ قطعی نہ ہوتی تو آپ انہیں نصیحت کرتے تو وہ جواباً کہتے ہیں ہم پکے مومن اور صلاح میں دوسرے اہل ایمان کی طرح ہی ہیں یا کچھ ایسے لوگ جنہیں وہ فساد کا کہتے تو وہ ان کی بات قبول نہ کرتے اور اُلٹا وعظ کرتے ہوئے کہتے "لَا تُفْسِدُوْا"

سوال: کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بارے میں خبر نہ دیتے تھے؟

جواب: ہاں آپ کو خبر دیتے مگر جب ان پر عتاب ہوتا تو ندامت کرتے ہوئے اظہارِ اسلام کرتے، ناقلین کو قسمیں اٹھا کر جھوٹا قرار دیتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں بتایا:

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ (پ۱۰، التوبۃ:۷۴) اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہ کہا اور بیشک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ (پ۱۱، التوبۃ:۹۶) تمہارے آگے قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ

Marfat.com

چوتھا مسئلہ: امام نافع، ابن کثیر اور ابو عمرو وما یخادعون اور باقی نے ما یخدعون پڑھا ہے۔ اولین کی دلیل مطابقت لفظی ہے تا کہ لفظ اول کے مطابق ہو جائے۔ دوسروں کی دلیل یہ کہ مخادعت، دو کی طرف سے ہوتی ہے لہٰذا انسان واحد اپنے کو دھوکہ نہیں دیتا

وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ کی تفسیر

اس کی تفسیر دو طرح بیان کی گئی ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ انہیں بدلہ کے طور پر سزا دے گا اور یہ حقیقت میں اپنے کو ہی دھوکہ دینے والے ہیں۔ یہ حضرت حسن بصری نے مفہوم بیان کیا ہے۔

۲۔ اکثر مفسرین نے کہا، اس دھوکہ کا وبال انہی پر ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو دھوکہ کے ضرر سے بچا کر اس کا وبال انہی پر مسلط کر دے گا، جیسے ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ (پ ۵، النساء: ۱۴۲)
بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دینا چاہتے ہیں۔ اور وہ انہیں غافل کر کے مارے گا

اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ اللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ (پ ۱، البقرۃ: ۱۴، ۱۵)
ہم تو یوں ہی ہنسی کرتے ہیں اللہ ان سے استہزا فرماتا ہے

اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ (پ ۱، البقرۃ: ۱۳)
تو کہیں کیا ہم احمقوں کی طرح ایمان لے آئیں سنو احمق یہی ہیں

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا (پ ۱۹، النمل: ۵۰)
اور انہوں نے اپنا سا مکر کیا اور ہم نے اپنی خفیہ تدبیر فرمائی

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا (پ ۳۰، الطارق: ۱۵، ۱۶)
بیشک کافر اپنا سا داؤ چلتے ہیں اور میں نے بھی تدبیر کی

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (پ ۶، المائدہ: ۳۳)
یہ جزا ہے ان کی جو جنگ کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (پ ۲۲، الاحزاب: ۵۷)
جو لوگ اذیت دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو

Marfat.com

۲۔ جب ہم "لَا تُفْسِدُوْا" کی تفسیر منافقین کی کفار کے ساتھ خاطر و مدارات سے کریں تو پھر ان کا قول (ہم اصلاح کرنے والے ہیں) مطلب ہوگا ہماری یہ مدارات، کفار اور مسلمانوں کے درمیان اصلاح کی کوشش ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ حکایت فرمایا

اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا — ہمارا مقصود تو بھلائی اور میل ہی تھا

(پ ۵ ، النساء:۶۲)

تو اب 'اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ' کا معنی ہوگا ہم اُمور نفسیہ میں اصلاح کرتے ہیں۔

علماء کا استدلال

اہل علم نے اس آیت سے استدلال کیا کہ جو ایمان ظاہر کرے اس پہ احکام مومنین ہی جاری کریں گے اور اس کے مخالف پر طعن نہیں کیا جائے گا اور زندیق کی توبہ قبول ہے۔ واللہ أعلم

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ کی تفسیر

تو یہ تین وجہ سے مفسد ٹھہرے۔

۱۔ یہ مفسد ہیں کیونکہ کفر، زمین میں فساد ہے۔

۲۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفران و ناشکری ہے۔

۳۔ ہر ایک کا اپنی خواہش کے مطابق چلنا۔

کیونکہ جب وہ نہ وجود الٰہ مانے گا نہ ثواب کا امیدوار نہ عتاب کا تو وہ لوگوں کو پریشان ہی کرے گا۔

اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ نفاق سراپا فساد ہے، اس لیے فرمایا

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ — کیا تم چاہتے ہو کہ سربراہ بن کر زمین میں فساد پھیلاؤ

(پ ۲۶ ، محمد:۲۲)

جیسا کہ پہلے تفصیل گزری ہے۔

Marfat.com

[۱۳] وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ﴿١٣﴾

(اور جب ان سے کہا گیا ایمان لاؤ جس طرح لوگ ایمان لائے تو کہنے لگے ہم بے وقوفوں کی طرح ایمان لائیں یقیناً وہی بے وقوف ہیں لیکن وہ جانتے نہیں)

قبائح کی تیسری نوع

یہ قبائح منافقین کی تیسری نوع کا بیان ہے اس لیے کہ جب سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین میں فساد سے منع فرمایا تو اس آیت میں انہیں ایمان کا حکم دیا کیونکہ حالتِ انسانی کا کمال ان دو امور کے مجموعہ سے ہوتا ہے۔

۱۔　غیر مناسب فعل کا ترک۔ تو فرمایا: آمِنُوا (ایمان لاؤ)

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ ایسا ایمان جو اخلاص سے متصل اور نفاق سے دور ہو۔

سوال: آیت بتا رہی ہے کہ محض زبانی اقرار ہی ایمان ہے اگر یہ ایمان نہ ہوتا تو ذات ایمان، اخلاص کے بغیر حاصل ہی نہ ہوتی۔ تو "آمِنُوا" کے الفاظ حصولِ مطلوب میں کافی تھے اس کے بعد 'كَمَا آمَنَ النَّاسُ' کا ذکر لغو بے فائدہ ہے۔

جواب: ایمان حقیقی، اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی ہے جس میں اخلاص ہو البتہ ظاہر میں اقرارِ ظاہر کے علاوہ کوئی صورت نہیں۔ لہٰذا اس کی تائید کیلئے ان الفاظ 'كَمَا آمَنَ النَّاسُ' کی ضرورت تھی۔

دوسرا مسئلہ: الناس کا الف لام

الناس کے الف لام میں دو وجوہات ہیں:

۱۔　یہ عہد کا ہے یعنی جیسے رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہ ایمان لائے اور وہ معین لوگ ہیں یا حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی کیونکہ یہ انہی کے ابناء جنس ہیں۔

۲۔　یہ جنسی ہے، یہاں بھی دو صورتیں ہیں

Marfat.com

پہلی صورت: اوس وخزرج، اکثر مسلمان ان سے تھے، تھوڑے ان میں منافق تھے تو عموم کا اطلاق اکثر پر ہوتا ہے۔

دوسری صورت: اہلِ ایمان ہی حقیقۃً انسان ہیں کیونکہ یہ ہی انسانیت کو اس کا حق دیتے ہیں اس لیے کہ باقی حیوانات پر فضیلت انسان کی وجہ رہنمائی عقل اور فکر ھادی ہے۔

تیسرا مسئلہ: اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ کا قائل رسول اللہ یا اہلِ ایمان ہیں

پھر کچھ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہتے ہم اس طرح ایمان لائیں جیسے بنوفلاں بے وقوف ایمان لایا، رسول اللہ ﷺ اسے نہ جانتے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ (یہی بے وقوف ہیں)

چوتھا مسئلہ: السفه، ہلکاپن، ہوا کسی شی کو حرکت دے تو کہتے سفهت الريح الشيء، ذوالرمہ نے کہا

جرين كما اهتزت رياح تسفهت ... أعاليها مر الرياح الرواسم

ابوحاتم طائی نے کہا:

سفيه الرمح جاهله اذا ما ... بدا فضل السفيه على الحليم

بدزباں کو سفیہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ کم عقل ہوتا ہے اور اس کی بات کا وزن نہیں ہوتا، ارشادِ الٰہی ہے:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا — اور بے عقلوں کو ان کے مال نہ دو جو تمہارے پاس ہیں جن کو اللہ نے تمہاری سرپرستی میں کیا ہے (پ۴، النساء:۵)

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے

شَارِبُ الْخَمْرِ سَفِيْهٌ — شرابی آدمی بے عقل ہوتا ہے

کیونکہ اس کا عقل کم ہے۔

منافقین، مسلمانوں کو سفیہ اس لیے کہتے کہ منافقین اہل ثروت وحکومت تھے اور مسلمان اکثر فقراء۔

منافقین کے ہاں دینِ محمدی ﷺ باطل تھا اور باطل کو کم عقل ہی قبول کرتا ہے۔

ان اسباب کی وجہ سے مسلمانوں کو کم عقل قرار دیتے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان وجوہات پر یہ لقب انہیں کو دیا اور اس کا قول ہی حق ہے۔

۱۔ جو دلیل سے اعراض کرے اور دلیل ماننے والے کو سفیہ و بے وقوف کہے وہ خود سفیہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

۲۔ جس نے اپنی آخرت دنیا کے بدلے بیچ دی وہی سفیہ و پاگل ہے۔

۳۔ جس نے حضرت محمد ﷺ سے دشمنی کی اس نے اللہ کی دشمنی کی اور ایسا شخص بے وقوف ہے۔

پانچواں مسئلہ: یَعْلَمُوْنَ اور یَشْعُرُوْنَ میں فرق

آخر آیت میں فرمایا: "لَا یَعْلَمُوْنَ" اس سے پہلے فرمایا: "لَا یَشْعُرُوْنَ" اس کی دو وجوہات ہیں:

۱۔ اس سے آگاہی کہ مسلمان حق پہ اور وہ باطل پہ ہیں۔ امر عقلی نظری ہے، جبکہ نفاق اور اس کے ذریعے بغاوت جو زمین میں فساد کا ذریعہ ہے، بدیہی وضروری اور محسوس کی طرح ہے۔

۲۔ ذکر سفہ آیا تو یہ جہالت ہے تو اس کے ساتھ ذکر علم نہایت ہی مناسب ہے۔ واللہ اعلم

[۱۴-۱۵] وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾

(اور جب وہ اہلِ ایمان سے ملتے تو کہتے ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ الگ ہوتے تو کہتے ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو استہزا کرتے ہیں اللہ ان سے استہزا کرتا اور ان کو ان کی سرکشی میں ڈھیل دیتا ہے تا کہ وہ بھٹکیں)

قبائح کی چوتھی نوع

یہ قبائح منافقین کی چوتھی نوع کا بیان ہے، جب کوئی قریب ہو کر استقبال کرے تو کہا جاتا ہے۔ لقیتہ ولا قیتہ، امام ابوحنیفہ نے "اذ الاقوا" پڑھا، قالوا اٰمنا، مراد یہ ہے کہ ہم اخلاص قلبی سے ایمان لائے اس پہ دلیل دو وجہ سے ہے۔

۱۔ زبانی اقرار تو ان کا معلوم ہی تھا، اس کے بیان کی ضرورت ہی نہیں مشکوک، اخلاص قلبی تھا لہٰذا ان کی یہی مراد ہونا لازم ہے۔

۲۔ اہل ایمان سے کہنا "اٰمنا" (ہم ایمان لائے) اس سے وہی مراد لینا لازم ہے جو اس کی نقیض و مقابل ہو جس کا وہ اپنے شیاطین سے ذکر کرتے، ان سے وہ تکذیب قلبی کا اظہار کرتے تو لہٰذا یہاں لازم ہے کہ وہ اہل ایمان سے جو کہتے ہیں اس سے مراد تصدیق قلبی ہی ہو

Marfat.com

وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ کی تفسیر

صاحب کشاف کہتے ہیں جب تم کسی کے ساتھ جدا ملوتو کہا جاتا ہے خلوت بفلان والیه ممکن ہے خلا بمعنی مضٰی، (گزر گیا) ہو قرون خالیه (گزرے ادوار) یاخلوت به سے ہے جس کا معنی تمسخر کرنا ہے یا خلا فلان بعرض فلان سے ہے۔ (یعنی وہ فلاں کی عزت سے کھیلا)

معنی آیت یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے سامنے اہلِ ایمان سے تمسخر کرتے اور ان کے ساتھ اسے بیان کرتے جیسا کہ تم کہتے ہو۔ احمد الیك فلانا واذمه الیك۔

شیاطین، وہ لوگ جو تمرد و سرکشی میں ان کے مثل تھے۔

إِنَّا مَعَكُمْ کی تفسیر

- یہاں دو سوالات ہیں

پہلا سوال: اسکے قائل تمام منافقین ہیں یا بعض؟

جواب: اس میں اختلاف ہے اس لیے کہ جنہوں نے شیاطین کا معنی کبار منافقین کیا وہ یہ کہتے ہیں یہاں مراد چھوٹے منافقین ہیں، وہ ہی جب اہلِ ایمان سے ملتے تو کہتے امنّا اور جب اپنے اکابر سے ملتے تو کہتے انا معکم تا کہ انہیں اپنے مخالف نہ سمجھیں

جنہوں نے شیاطین سے مراد کفار لیے ہیں۔ وہ کہتے ہیں یہ تمام منافقین کا وطیرہ ہو سکتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں شیاطین سے مراد ان کے اکابر ہیں خواہ وہ کفار ہیں یا اکابر منافقین، کیونکہ یہی زمین میں فساد پر قادر تھے، رہے اصاغر تو وہ اس پر قادر نہ تھے

دوسرا سوال: اہلِ ایمان سے جملہ فعلیہ میں گفتگو اور شیاطین کے ساتھ جملہ اسمیہ کے ساتھ جس میں اِنَّ برائے تاکید ہے؟

جواب: جس کے ساتھ وہ اہل ایمان سے کلام کرتے اس کا اقوی کلام ہونا مناسب نہیں کیونکہ ایمان لانے کا دعوی کرتے تھے نہ یہ دعوی کہ اس سے ہمیں درجہ کامل مل گیا ہے اس لیے کہ ان کے نفوس مبالغہ پر معاون نہ تھے کیونکہ نفاق اور کراہت سے صادر ہونے والے قول میں مبالغہ کم ہی حاصل ہوتا ہے۔

یا اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ ایمان میں کمال کا دعوی کرنا مسلمانوں میں مروج ہی نہیں باقی اپنوں سے کلام میں تو وہ اپنا اعتقاد بتاتے اور جانتے کہ سننے والے قبول کر رہے ہیں لہٰذا اس میں تاکید ضروری تھی۔

Marfat.com

اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَهۡزِءُوۡنَ کی تفسیر

یہاں دو سوالات ہیں

پہلا سوال: استہزا سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہ اصلاً الخفة من الهزء سے ہے۔ (دشمن جلد باز) وهزأ يهزأ (اپنی جگہ مرنے والا) ناقته تهزأ (سواری جلدی چلی)

استہزا کی تعریف یہ ہے کہ ایسی موافقت کا اظہار کہ باطن میں بطریق مذاق وتمسخر برائی موجود ہو تو اب اس کا معنی ہوگا ہم ان کے دین میں موافقت کا اظہار کرتے ہیں تا کہ ہم ان کے عذاب وشر سے بچ جائیں اور ان کے اہم اسرار سے آگاہی پائیں اور ان سے صدقات وغنائم ہڑپ کرتے رہیں۔

دوسرا سوال: اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَهۡزِءُوۡنَ کا ''اِنَّا مَعَكُمۡ'' کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

جواب: یہ اس کی تاکید ہے کیونکہ ''اِنَّا مَعَكُمۡ'' کفر پر ثبات کا اظہار اور ''اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَهۡزِءُوۡنَ'' اسلام کی تردید ہے۔ نقیضِ شی کا رد اس شی کے اثبات کی تاکید ہوتی ہے۔

یا اس سے بدل ہے کیونکہ جو اسلام کو حقیر کہے گا وہ کفر کو عظیم مانے گا۔

یا یہ نیا جملہ ہے جب انہوں نے ''اِنَّا مَعَكُمۡ'' کہا تو انہوں نے اعتراض اٹھایا۔ اگر یہ درست ہے تو تم اہلِ اسلام سے موافقت کیوں رکھتے ہو تو جواباً کہا: اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَهۡزِءُوۡنَ (ہم تو مذاق کرتے ہیں)

جوابی تذکرہ اشیاء

اللہ تعالیٰ نے جب ان کی کچھ اشیاء کا ذکر کیا تو اب جواباً کچھ کا تذکرہ کیا جارہا ہے، فرمایا:

اَللّٰهُ يَسۡتَهۡزِئُ بِهِمۡ (پ۱، البقرۃ:۱۵) اور اللہ ان سے استہزاء کرتا ہے

یہاں چند سوالات ہیں

پہلا سوال: اللہ تعالیٰ کا یہ وصف کہ وہ استہزاء فرماتا ہے، درست نہیں کیونکہ یہ ثابت ہے کہ استہزاء تلبیس سے الگ نہیں ہوسکتا اور یہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

اس لیے بھی کہ استہزاء جہل سے جدا نہیں ہوسکتا، ارشاد ہے

Marfat.com

قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (پ۱،البقرۃ:۶۷)
بولے کہ آپ ہمیں مسخرہ بناتے ہیں، فرمایا خدا کی پناہ کہ میں جاہلوں سے ہوں

اور جہل اللہ تعالیٰ پہ محال ہے۔

معنی استھزا کی پانچ تاویلات

جواب: مفسرین نے پانچ تاویلات ومعانی بیان کیے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے استہزاء پر جوانہیں سزا دینی ہے اسی کا نام استہزاء رکھ دیا کیونکہ کسی شی کی جزا کو شی کا نام دیا جاتا ہے، ارشاد فرمایا:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (پ۲۵،الشوریٰ:۴۰)
اور برائی کا بدلہ اسی کے مثل برائی ہے۔

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (پ۲،البقرۃ:۱۹۴)
اور جو تم پر زیادتی کرے اس پر اس کی مثل ہی زیادتی کرو جتنی تم پر کی

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ (پ۵،النساء:۱۴۲)
وہ اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں جبکہ وہ ان کو اس کی سزا دیتا ہے

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ (پ۳،آل عمران:۵۴)
اور انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے خفیہ تدبیر کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے

اللهم ان فلاناً هجاني وهو يعلم أني لست بشاعر فاهجه اللهم والعنه عدد ما هجاني (مسند الفردوس:۲۰۷۱)
اے اللہ فلاں نے میری ہجو کی ہے اور وہ جانتا ہے کہ میں شاعر نہیں ہوں تو اس کی مذمت فرما۔ اے اللہ! جس قدر اس نے میری ہجو کی ہے تو اس کے برابر اس پہ لعنت فرما۔

یعنی اس کی ہجو کی سزا عطا فرما۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فرمان ہے

تکلفوا من الاعمال ما تطیقون فان اللہ لا یمل حتی تملوا (البخاری:۴۳)
طاقت کے مطابق عمل کیا کرو، اللہ تعالیٰ نہیں ملال فرماتا یہاں تک کہ تم تھک جاتے ہو

۲۔ ان کا مومنین کے ساتھ استہزا ان کی طرف لوٹ آئے گا اور اہل ایمان کو کوئی نقصان نہیں ہوگا تو گویا اللہ تعالیٰ نے ان سے استہزا کیا ہے نہ کہ حقیقۃً

۳۔ آثار استہزا میں توہین اور حقارت ہے تو ذکر استہزا سے مراد حصول توہین ہے یعنی سبب سے مراد مسبب ہے

Marfat.com

۴۔ اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ استہزا یہ ہے کہ ان پر دنیا میں ایسے احکام جاری ہوں کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے مخالف احکام ہوں جیسا کہ انہوں نے حضور ﷺ اور اہلِ ایمان پر کچھ اور ظاہر کیا حالانکہ ان کے باطن میں اس کے مخالف تھا

تاویل ضعیف

لیکن یہ تاویل ضعیف ہے جب اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیاوی احکام ظاہر فرمائے تو ساتھ ہی دار آخرت کے معاملات، ٹھکانہ بد اور عقاب عظیم پر بھی واضح دلائل عطا فرمائے تو اب دنیا کے احکام کی مخالفت نہ رہی۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں ان کے ساتھ مذاق کرنے والے کی طرح کا معاملہ کیا ہے دنیا میں یوں کہ:

ان اللہ تعالٰی اطلع الرسول علی اسرارھم مع أنھم کانوا یبالغون فی اخفائھا عنہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ان کے رازوں سے آگاہ کر دیا حالانکہ وہ انہیں بہت ہی چھپاتے۔

اور آخرت میں یوں کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، جب اہل ایمان جنت اور کافر دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ جنت کا ایک ایسا دروازہ کھولے گا جو دوزخ کی اس طرف ہے جو منافقین کا مسکن ہوگا جب منافقین دروازہ کھلا دیکھیں گے تو وہ دوزخ سے نکلنے اور جنت میں جانے کیلئے نکل پڑیں گے اہل جنت انہیں دیکھ رہے ہوں گے جیسے ہی وہ دروازہ جنت تک پہنچیں گے تو دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ یہی اس ارشاد گرامی کا معنی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَضْحَكُوْنَ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ یَتَغَامَزُوْنَ وَاِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِیْنَ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْۤا اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ وَمَاۤ اُرْسِلُوْا عَلَیْهِمْ حٰفِظِیْنَ فَالْیَوْمَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ یَضْحَكُوْنَ
(پ۳۰، المطففین: ۲۹-۳۴)

بیشک مجرم لوگ ایمان والوں سے ہنسا کرتے تھے اور جب وہ ان پر گزرتے تو یہ آپس میں ان پر آنکھوں سے اشارے کرتے اور جب اپنے گھر پلٹتے تو خوشیاں کرتے پلٹتے اور جب مسلمانوں کو دیکھتے کہتے بیشک یہ لوگ بہکے ہوئے ہیں اور یہ کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہ بھیجے گئے تو آج ایمان والے کافروں سے ہنستے ہیں

اور یہ ان کے ساتھ استہزا ہی ہے۔

دوسرا سوال: 'اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ' نیا کلام بغیر عطف کیوں؟

جواب: انتہائی عظمت و فخامت کیلئے کیا۔ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ایسا عظیم استہزاء کرے گا کہ ان کا استہزا

Marfat.com

اس کے مقابل کالعدم ٹھہرے گا، اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے اہلِ ایمان سے استہزا کا بدلہ لینے کا مالک ہے، اہل ایمان کو ضرورت ہی نہیں کہ ان سے استہزا کی صورت میں معاوضہ و مقابلہ کریں۔

تیسرا سوال: کیوں نہ اِنَّ اللہ مستھزئ بھم، فرمادیا تا کہ 'اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُوْنَ' کے مطابق جاتا۔

پہلا جواب: یستھزئ میں باربار، وقتاً فوقتاً حدوث وایجاد استہزاء پر دلالت ہے اور یہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا و عبرت تھی، فرمایا:

اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّھُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَیْنِ (پ ۱۱، التوبۃ:۱۲۶) کیا انہیں نہیں سوجھتا کہ ہر سال ایک یا دو بار آزمائے جاتے ہیں

اکثر اوقات ان کے رازوں کو آشکار کر کے انہیں رسوا کیا جاتا اور وہ ڈرے رہتے کہیں کوئی اور سورت نہ نازل ہو جائے۔

جیسے فرمایا

یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَیْھِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُھُمْ بِمَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ قُلِ اسْتَھْزِءُوْا اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ (پ ۱۰، التوبۃ:۶۴) منافق ڈرتے ہیں کہ ان پہ کوئی سورۃ ایسی اُترے جو ان کے دلوں کی چھپی بتادے تم فرماؤ ہنسے جاؤ اللہ کو ضرور ظاہر کرنا ہے جس کا تمہیں ڈر ہے

وَیَمُدُّھُمْ فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ کی تفسیر

صاحب کشاف کہتے ہیں، جب لشکر میں اضافہ اور اس کے ساتھ طاقت و کثرت والا لاحق ہو جائے تو 'مد الجیش' کہا جاتا ہے، اسی طرح سیاہی میں خوب صلاحیت آجائے تو مد الدواۃ کہتے ہیں۔ جب چراغ اور کو زیت زمین و کھاد سے درست کر دیا جائے تو کہا جاتا ہے: مددت السراج والارض، جب شیطان وسوسہ ڈالے تو 'مدہ الشیطان فی الغی' کہتے ہیں۔ مد اور امد دونوں ایک ہی ہیں۔

بعض نے کہا مد، کا استعمال شر اور امد، کا خیر میں ہوتا ہے، ارشاد الٰہی ہے

اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ (پ ۱۸، المؤمنون:۵۵) کیا یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ جو ہم ان کی مدد کر رہے ہیں مال اور بیٹوں سے

بعض کا خیال ہے کہ یہ مد بمعنی عمر، املا اور مہلت دینا ہے۔ لیکن یہ دو وجہ سے غلط ہے

Marfat.com

۱۔ امام ابن کثیر اور ابن محیصن کی قرأت "وَنُمِدُّهُمْ" ہے اور امام نافع کی قرأت، وَإِخْوَانُهُمْ يُمِدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ، واضح کر رہی ہے کہ یہ مدد سے ہے نہ کہ مد سے۔

۲۔ جو مہلت کے معنی میں ہیں وہ بھی مد لہ، سے ہے جیسے املی لہ (اس نے اسے ڈھیل دی)

معتزلہ کا مؤقف

معتزلہ کہتے ہیں اس آیت مبارکہ کو ان دلائل کی بنا پر ظاہر پہ محمول کرنا ممکن نہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِخْوَانُهُمْ يُمِدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ (پ ۹، الاعراف:۲۰۲) اور ان کے بھائی ان کو سرکشی میں ڈھیل دیتے ہیں۔

یہاں گمراہی کو ان کے ہم مثل کی طرف منسوب کیا گیا۔ تو اسی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے ہو سکتی ہے؟

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اس سرکشی پر ان کی مذمت کی ہے اگر یہ فعل اللہ تعالیٰ کا ہی ہو تو اس پہ ان کی مذمت کیوں؟

۳۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے تو نبوت و قرآن باطل ہیں اس کی تفسیر کا مطالعہ عبث و بے فائدہ ہوگا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے "فِي طُغْيَانِهِمْ" میں سرکشی کی نسبت انہی کی طرف سے ہے اگر یہ اللہ کی طرف ہے تو ان کی طرف نسبت کرنا مناسب نہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف نسبت واضح طور پر اس لیے کر دی ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کا خالق نہیں۔ جب شیاطین کی طرف اس کی نسبت ہوتی ہے تو مطلقاً ذکر ہوتا ہے نہ کہ مقید۔

وَإِخْوَانُهُمْ يُمِدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ - (پ ۹، الاعراف:۲۰۲) اور ان کے بھائی ان کو سرکشی میں ڈھیل دیتے ہیں

جب معاملہ یونہی ہے تو اب اس کی تاویل میں یہ اقوال ہیں

وجوہ تاویل آیت

پہلی وجہ: یہ شیخ کعبی اور ابو مسلم بن یحییٰ اصفہانی کی تاویل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو الطاف عطا کیے اور منافقوں کے کفر اور اس پر اصرار کی وجہ سے ان کے دلوں میں تاریکی میں اضافہ اور مسلمانوں کے دلوں میں نور کا اضافہ کر دیا اور اسی اضافہ کو مدد قرار دیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی کیونکہ ان کے اس فعل کا سبب وہی ہے۔

دوسری وجہ: اسے منع قہر و مجبوری پر محمول کر لیا جائے جیسا کہ محاورہ ہے سفیہ کو جب منع نہ کیا جائے تو وہ مامور ہوتا ہے۔

Marfat.com

تیسری وجہ: فعل شیطان کی، نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے کیونکہ یہ اسی کی دی ہوئی قدرت، تمکن اور بندوں کے اغوا کی اجازت سے ہے

چوتھی وجہ: شیخ جبائی کہتے ہیں "یَمُدُّھُمْ" کا معنی ان کی عمر لمبی کر دی اس کے باوجود وہ اپنی سرکشی میں اندھے رہے۔

لیکن یہ دو وجہ سے ضعیف ہے:

۱۔ ہم نے پیچھے واضح کہا لغت میں "یَمُدُّھُمْ" کی تفسیر طویل عمر نہیں۔

۲۔ ہم یہ معنی تسلیم کر لیتے ہیں لیکن اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عمر اس غرض کیلئے بڑھائی کہ اپنی سرکشی میں اندھے رہیں تو اس پر اعتراض ہو جائے گا

قاضی عبدالجبار نے اس کا جواب یہ دیا کہ طویل عمر سے اللہ تعالیٰ کی غرض سرکشی کی طرف لے جانا نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مہربانی فرماتے ہوئے باقی رکھا تا کہ وہ اطاعت بجالائیں مگر وہ انکار کرتے ہوئے بہک گئے۔

اس سلسلہ میں 'خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ' کے تحت تفصیلی گفتگو گزر چکی ہے اس کے اعادہ میں کوئی فائدہ نہیں۔

طغیان کا معنی

طغیان، کفر میں غلو اور سرکشی میں حد سے گزر جانا ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ (پ۲۹، الحاقہ:۱۱) بیشک جب پانی نے سر اٹھایا تھا

یعنی اندازہ سے زائد۔

اِذْھَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی (پ۱۶، طہٰ:۲۴) فرعون کے پاس جا اس نے سر اٹھایا ہے

یعنی زیادتی کرتے ہوئے حد سے گزر گیا۔

حضرت زید بن علی نے "طِغیانھم" کی طا پر زیر پڑھی ہے اس میں دو لغات ہیں۔ لُقیاں، لِقیان۔

عمہ عمیٰ کی مثل ہے۔ البتہ عمی، بصر و رائی میں عام ہے۔ لیکن عمہ فقط رائے میں ہے اور وہ تردد و تحیر کا نام ہے کہ علم نہیں کہاں جانا ہے

Marfat.com

[۱۶] اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾

(یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی تو کچھ فائدہ نہ دے گی ان کو ان کی تجارت اور وہ ہدایت پانے والے نہیں)

گمراہی خریدنے کا مفہوم

واضح رہے گمراہی کو ہدایت کے بدلے خریدنے کا معنی یہ ہے کہ گمراہی کو پسند کرلیا اور ہدایت کے بدلے گمراہی لے لی۔

سوال: انہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے کیسے خریدا جبکہ وہ ہدایت پہ تھے ہی نہیں؟

جواب: ہدایت پہ قادر تھے گویا ان کے قبضہ میں تھی جب اسے ترک کر کے ضلالت کی طرف چلے گئے تو گویا انہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی لے لی۔

ضلالت، ظلم، اعتدال سے دوری، ہدایت کا گم کر دینا، دین میں صواب سے دور ہونا، کیلئے مستعمل ہے۔

فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ۔ انہوں نے اپنی تجارت میں نفع نہ پایا۔

یہاں دو سوالات ہیں

پہلا سوال: خسارہ کی نسبت تجارت کی طرف کی حالانکہ خسارہ اصحابِ تجارت کو ہوا؟

جواب: یہ اسناد مجازی ہے کہ فعل کی نسبت ایسی شی کی طرف کردی جائے جو اس کے ساتھ اسی طرح متلبس و متصل ہو کہ وہ اس کی حقیقت ہی ہو جیسے تجارت مشتری و خریدار سے متلبس و متصل ہے۔

دوسرا سوال: مان لیا گمراہی کو ہدایت کے بدلے خریدنا مجازاً معنی استبدال ہے لیکن ذکر نفع اور تجارت کا کیا معنی؟ جبکہ حقیقت میں بیع ہے ہی نہیں؟

جواب: یہ بات مجازی معنی کو تقویت و حسن دے رہی ہے، شاعر نے کہا:

ولما رأيت النسر عز ابن دأية وعشش في وكريه جاش له صدری

اسی طرح یہاں جب شرا کا ذکر آیا پھر اس کے ساتھ ان کے خسارے کی تمثیل اور اس کی حقیقت کی تصویر سامنے لانے کیلئے شرا سے متعلقہ اجزا کا ذکر کیا

Marfat.com

وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ کی تفسیر

معنی یہ ہے کہ تاجروں کے تصرفات میں مطلوب دو اُمور ہوتے ہیں۔۱۔سرمایہ کی سلامتی ۲۔نفع

ان منافقین نے دونوں ضائع کر دیے کیونکہ ان کا سرمایہ عقل تھی جو کسی مانع سے خالی تھی جب انہوں نے گمراہ کن عقائد اختیار کر لیے تو یہ اختیار کردہ فاسد عقائد، صحیح عقائد کے حصول وطلب میں مانع اور رکاوٹ بن گئے۔

حضرت قتادہ کہتے ہیں: یہ لوگ ہدایت سے گمراہی، طاعت سے معصیت، جماعت سے فرقہ، امن سے خوف اور سنت سے بدعت کی طرف منتقل ہو گئے۔واللہ اعلم

[۱۷] مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ﴿۱۷﴾

(ان کی مثل ایسی ہے کہ جس نے آگ روشن کی تو جب اس کا آس پاس سب جگمگا اٹھا اللہ ان کا نور لے گیا اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ ان کو کچھ نہیں سوجھتا)

دو اشیاء پر گفتگو

اس آیت کے الفاظ کی تفسیر سے پہلے دو اشیاء پر گفتگو ضروری ہے۔

۱۔ ضرب المثل سے مقصود دلوں میں اثر پیدا کرنا ہوتا ہے۔جو خود اس شی سے نہیں ہوتا اس لیے کہ مثل سے غرض خفی کی جلی سے غائب کی شاہد سے تشبیہ ہوتی ہے۔جو اس کی ماہیت پر واقفیت میں پختگی اور حس کو عقل کے مطابق کر دیتی ہے۔اور اس میں نہایت ہی وضاحت ہے کیا تم نہیں دیکھتے جب ایمان پر ترغیب بغیر ضرب المثل ہو تو اس کا دل پہ اس قدر پختہ اثر نہیں ہوتا جیسا کہ اس کا اثر اس وقت ہوتا ہے جب ایمان کی مثال نور سے دی جائے اسی طرح جب تم محض ذکر کفر سے ڈراؤ تو عقلوں میں اس کی قباحت اسی طرح پختہ نہیں ہوگی جیسا کہ ظلمت سے مثال کے ذریعے ہوتی ہے، جب تم نے کسی معاملہ کی کمزوری بیان کرنی ہو اور اس کی مثال عنکبوت کے جالا سے دو تو یہ اس خبر سے یقیناً زیادہ پُر اثر ہوگی جو محض کمزوری کے ذکر پر مشتمل ہو، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کتاب مبین اور دیگر کتب میں اکثر امثال بیان فرمائی ہیں

ارشادِ الٰہی ہے

Marfat.com

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ اور یہ مثالیں لوگوں کیلئے ہم بیان کرتے ہیں

(پ ۲۸، الحشر: ۲۱، پ ۲۰، العنکبوت: ۴۳)

انجیل کی سورتوں میں سے ایک سورت کا نام ’سورۃ الامثال‘ ہے۔

آیت مبارکہ اور مسائل

پہلا مسئلہ: مثال کے لیے شرط

المثل، عربوں کے کلام میں بمعنی مثل ہے اور یہ نظیر کہلاتی ہے۔ مَثَل، مِثل، مثیل جیسے شَبَہ، شِبہ، شبیہ، پھر ایسے قول کو کہا جاتا ہے جو مشہور ہو اور اس کے ساتھ مثال دی جاتی ہو اور اس کی شرط یہ ہے کہ اس قول میں کسی طرح کی غربت واجنبیت نہ ہو۔

دوسرا مسئلہ، دو مثالیں

اللہ تعالیٰ نے احوال منافقین کی حقیقت بیان کی تو اس کے بعد کشف و بیان میں اضافہ کیلئے دو مثالیں دی ہیں:

۱۔ ان میں سے ایک اس مذکورہ آیت میں ہے۔

چند اشکالات

یہاں چند اشکال ہیں

۱۔ ان کی مثال ایسے لوگوں سے دینے کی وجہ کیا ہے جو نور والے تھے پھر ان سے نور چھین لیا گیا حالانکہ ان کے پاس تو نور تھا ہی نہیں؟

۲۔ جس نے آگ روشن کی اور وہ تھوڑی روشن رہی تو جلانے والے نے اس سے اور اس کی روشنی سے نفع پایا پھر محروم کر دیا گیا لیکن منافقین نے ایمان سے کوئی نفع نہیں پایا تو پھر یہ مثال کیوں؟

۳۔ آگ روشن کرنے والے نے اپنے لیے روشنی حاصل کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا نور لے لیا اور اسے ظلمات میں چھوڑ دیا منافق نے کبھی اپنے لیے خیر طلب ہی نہیں کی اسے جو مایوسی اور حیرت ملی وہ اس کی ذات کی طرف سے تھی پھر وجہ تشبیہ کیا ہے؟

جواب: وجوہات کیفیت تشبیہ

اہل علم نے کیفیت تشبیہ کی متعدد وجوہات بیان کی ہیں۔

۱۔ امام سدی کہتے ہیں، جب حضور علیہ السلام مدینہ طیبہ تشریف لائے تو کچھ منافقین اسلام میں داخل ہوئے مگر پھر منافق ہو گئے تو اب تشبیہ واضح و صحیح ہے۔ کیونکہ پہلے انہیں ایمان کا نور حاصل ہوا پھر دوبارہ نفاق سے اس نور کو باطل کر کے گمراہی عظیمہ میں

Marfat.com

گر گئے کیونکہ گمراہی دین سے بڑھ کر کوئی گمراہی نہیں کیونکہ راستہ میں ظلمت کی وجہ سے بھٹکنا دنیا میں قلیل ہے لیکن دین سے بھٹک جانا آخرت میں آبدالاباد تک خسارہ پانا ہے۔

۲۔ جو امام سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اگر یہ درست نہ ہو بلکہ یہ لوگ ابتدا سے لے کر دائمی منافق تھے تو اب دوسری تاویل ہے جس کا ذکر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا۔

وہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کا اظہار کیا تو اس سے ان کے خون محفوظ، ان کے اموال غنیمت بننے سے اور ان کی اولاد گرفتاری سے محفوظ ہوگئی اور یہ غنائم جہاد اور دیگر احکام مسلمین پانے میں کامیاب رہے اور اسی کو انوار ایمان میں سے ایک نور شمار کیا گیا۔ چونکہ یہ ان کے عذاب دائمی کے مقابل قلیل ہے تو انہیں اس آگ جلانے والے سے تشبیہ دی جس نے اس کی روشنی سے قلیل نفع پایا پھر اس سے چھین لی گئی اور وہ دائمی گمراہی اور حسرت ظلمت میں چلا گیا جو نور کے بعد آئی گویا ان کا دنیا کا نفع پانا اس نور کی مانند اور آخر میں ان کا عظیم ضرر، ظلمت کے مشابہ ہے۔

۳۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں منافق کی وجہ تشبیہ نور نہیں بلکہ وجہ تشبیہ آگ جلانے والے سے یہ ہے کہ جب نور زائل ہوگیا تو وہ متحیر ہوگیا، اس کا تحیر جو نور میں تھا اور اس سے زائل ہوگیا وہ زیادہ شدید ہوگا اس کے تحیر سے جو راستہ پر ہمیشہ ظلمت میں چل رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آگ جلانے والے میں نور کا ذکر کردیا تاکہ اسے ظلمت شدیدہ کہا جاسکے یہ نہیں کہ وجہ تشبیہ نور و ظلمت کا مجموعہ ہے

۴۔ جو ان کا اظہار اسلام تھا وہ وہم پیدا کرتا ہے کہ یہ باب نور سے ہے جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے، اور نور کا جانا یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کفر و نفاق کا ذکر و اظہار کرتے۔

جس نے یہ تاویل کی، اس نے کہا کہ اس مثال کا عطف ﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ﴾ پہ ہے تو نار (نور) ان کے قول "اٰمَنَّا" (ہم ایمان لائے) کی مثال ہے اور اس کا چلا جانا کفار کے ساتھ یہ کہنا ہے اِنَّا مَعَكُمْ (ہم تمہارے ساتھ ہیں)

سوال: منافق جو کلمہ ایمان ظاہر کر رہا ہے اس کی مثال نور کیوں حالانکہ اقرار کے وقت دل میں مخفی اس کے مخالف ہے؟

جواب: اگر اس قول کے ساتھ وہ اعتقاد و عمل بھی ملا لے تو اسے نور کامل حاصل لیکن جب اس نے ایسا نہ کیا تو اس کا نور تام نہ ہوا۔ باقی محض ان کے قول کو نور کہہ دیا کیونکہ فی نفسہ یہ قول حق ہے۔

۵۔ ممکن ہے آگ روشن کرنے سے مراد منافق کا، اظہار کلمہ ایمان ہو اور اسے نور کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے اس کا ظاہر مسلمانوں میں مزین اور اس سبب سے ان کے درمیان ممدوح و محترم بنا۔ پھر اللہ تعالیٰ بایں طور ان کا نور لے گیا کہ اس نے

Marfat.com

اپنے نبی ﷺ اور اہلِ ایمان کو حقیقت معاملہ سے آگاہ کر کے ان کا پردہ چاک کر دیا تو پھر ان کیلئے اسم ایمان کی جگہ اسم نفاق ظاہر ہو گیا اب وہ ظلمات میں چلے گئے کہ کچھ نظر نہ آئے کیونکہ اس سے پہلے جو نور تھا اللہ تعالیٰ نے اس کا معاملہ آشکار کر دیا تو وہ ختم ہو گیا

۶۔ جب ان منافقین کے بارے میں بیان ہوا کہ انہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے خریدا، اس کی یہ تمثیل ذکر کی جس ہدایت کو انہوں نے بیچا اسے اس آگ کے ساتھ تشبیہ دی جو جلانے والے کے اردگرد روشن ہوئی اور خریدی گمراہی کو اور ان کے دلوں پر مہر لگانے کی اللہ تعالیٰ نے ان سے نور لے جانے اور انہیں ظلمات میں چھوڑ دینے سے تشبیہ دی ہے۔

۷۔ ممکن ہے یہاں روشن کرنے والا ایسی آگ روشن کرنے والا ہو جسے اللہ تعالیٰ پسند ہی نہیں کرتا اور یہاں غرض اس فتنہ کی آگ سے تشبیہ ہو جس کے اٹھانے کا منافقین ارادہ رکھتے تھے کیونکہ جو فتنہ وہ برپا کر رہے تھے اس کی مدت و بقا بہت ہی قلیل تھی کیا تم نے یہ ارشاد نہیں سنا

كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ

جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھا دیتا ہے

(پ ۶، المائدۃ: ۶۴)

۸۔ حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں، یہ یہود کے بارے میں نازل ہوئی، وہ حضور ﷺ کی آمد کے منتظر اور مشرکینِ عرب کے خلاف آپ کے وسیلہ سے فتح مانگتے تھے لیکن جب آپ ﷺ کی تشریف آوری ہوئی تو آپ کے ساتھ کفر کیا تو ان کی حضور ﷺ کیلئے انتظار آگ جلانے کی طرح ہے، اور آپ کے ظہور کے بعد، انکار و کفر اس نور کا زوال ہے۔

تیسرا مسئلہ: ایمان و کفر اور نور و ظلمت

ایمان کی تشبیہ نور اور کفر کی ظلمت کے ساتھ، کتاب اللہ میں کثیر ہے، وجہ یہ ہے کہ نور، حجت، طریق منفعت اور ازالہ گمراہی کیلئے بڑا ہادی ہے اور دین کے معاملہ میں یہی حال ایمان کا ہے تو جو معاملہ دین میں ازالہ حیرت اور حصول منفعت کا بڑا ذریعہ ہے اسے اس کے ساتھ تشبیہ دی جو معاملہ دنیا میں بڑا ہے۔

اس طرح کی بات کفر کی ظلمت کے ساتھ تشبیہ میں ہے کہ صحیح اور ضروری راستہ سے گمراہ ہو جانے والے پر ظلمت سے بڑھ کر کوئی اسباب حرمان و تحیر نہیں ہوتے اور ادھر معاملہ دین میں، کفر سے بڑھ کر اعظم کوئی نہیں تو اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے کے ساتھ تشبیہ دی، اس آیت کے مقصود کلی میں یہی گفتگو ہوئی ہے۔

Marfat.com

کچھ سوالات وجوابات

یہاں تفصیل کیلئے کچھ سوالات و جوابات ہیں۔

پہلا سوال: ارشادِ الٰہی مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا کا تقاضا ہے کہ ان کی مثال، آگ روشن کرنے والے کی طرح ومشابہ ہے تو منافقین کی مثال اور آگ روشن کرنے والوں کی مثال کے درمیان وجہ شبہ کیا ہے؟ جس کی بنا پر ایک کو دوسرے کے ساتھ تشبیہ دی گئی؟

جواب: یہاں مثال سے مجازاً مراد قصہ یا صفت ہے جبکہ اس کی شان اور اس میں غرابت ہو گویا فرمایا ان کا قصہ آگ روشن کرنے والوں کے قصہ کی طرح ہے، جیسے فرمایا:

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ (پ۱۳، الرعد:۳۵) واقعہ اس جنت کا کہ ڈر والوں کیلئے جس کا وعدہ ہے

یعنی ہم نے جو واقعات تمہیں بیان کیے ان میں جنت کا قصہ بہت عجیب ہے

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (پ۱۴، النحل ۶۰) اور اللہ کی شان سب سے بلند

یعنی وہ وصف جس میں عظمت وجلالت ہے

مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ (پ۲۶، الفتح:۲۹) ان کی صفت توریت میں ہے۔

یعنی ان کا وصف وشان پر تعجب ہے۔

جب مثل میں معنی غرابت ہوتا ہے تو کہتے ہیں فلان مثله في الخير والشر (فلاں خیر وشر میں عجیب ہے) تو اس سے شان عجیب کیلئے صفت (مثیل) کا اشتقاق ہوا۔

دوسرا سوال: جماعت کو واحد کے ساتھ تشبیہ کیوں؟

جواب: اس کا متعدد طرح سے جواب ہے۔

۱۔ لغت میں الذی، الذین کی جگہ استعمال ہو سکتا ہے، جیسے فرمایا:

وَخُضْتُمْ كَالَّذِي خَاضُوْا (پ۱۰، التوبۃ:۶۹) اور تم بیہودگی میں پڑے جیسے وہ پڑے تھے

یہ اس لیے جائز ہے کہ الذی، ہر مجمل معرفہ کی صفت بنتا ہے اور یہ کلام میں کثرت کے ساتھ ہے، اس لیے بھی کہ یہ صلہ کے ساتھ طویل ہو جاتا ہے لہٰذا تخفیف اس کے مناسب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں حذف تعلیل جاری کرتے ہوئے اس کی یا کو حذف کر دیتے ہیں پھر اسم فاعل اور اسم مفعول پر فقط الف لام (بمعنی الذی) پر اکتفا کر لیتے ہیں۔

Marfat.com

۲۔ مراد آگ روشن کرنے والوں کی جنس ہے یا جماعت یا گروہ آگ روشن کرنے والی۔

۳۔ یہ قول اقویٰ ہے، منافقین اور ان کی ذوات کی ذاتِ مستوقد (آگ جلانے والا) سے مشابہت نہیں حتیٰ کہ جماعت کی واحد سے تشبیہ لازم آئے، ان کے قصہ کی قصہ مستوقد سے تشبیہ ہے، جیسے ارشادِ الٰہی ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ (پ ۲۸، الجمعۃ:۵) ان کی مثال جن پر تورات رکھی گئی تھی پھر انہوں نے اس کی حکم برداری نہ کی گدھے کی مثال تھے

يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ (پ ۲۶، محمد:۲۰) دیکھتے ہیں آپ کی طرف ان کا دیکھنا جس پر مردنی چھائی ہو

۴۔ معنی یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی مثال یہ ہے مثلاً، ارشادِ الٰہی ہے:

يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا (پ ۲۴، غافر:۶۷) تمہیں نکالتا ہے بچہ

یعنی اس نے تم میں سے ہر ایک کو نکالا۔

تیسرا سوال: وقود، نار، نور اور ظلمت سے کیا مراد ہے؟

جواب: وقودِ نار، آگ اور اس کے شعلوں کا بلند ہونا، نار، لطیف جوہر جو گرم اور جلاتا ہے یہ نار ینور بمعنی نفر ہے کیونکہ اس میں حرکت واضطراب ہے، نور اسی سے مشتق اور یہ اس کی روشنی ہے، المنار، علامت، منارہ، جس پہ اذان دی جائے۔ یا جس پر چراغ رکھا جائے، اس سے نورۃ ہے جو بدن کو پاک کر دیتا ہے، زیادہ روشن کو اضاءۃ اس کے مصداق کا بیان یہ ارشادِ الٰہی ہے:

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا (پ ۱۱، یونس ۵) وہی ہے جس نے سورج کو جگمگاتا بنایا اور چاند چمکتا

اضاء، لازم ومتعدی ہوتا ہے اضاء القمر الظلمۃ اور اضاء القمر بمعنی قمر کو روشن کر دیا، شاعر نے کہا:

اضاءت لهم أجساهم و وجوههم
دجى الليل حتى نظم الجزع ثاقبه

شی کا ماحول، اس کا ارد گرد اور متصل، دار حولہ، حول، سال، کیونکہ اس میں تغیر آتا ہے حال عن العهد (اس نے وعدہ بدل دیا) حال لونہ (اس کا رنگ بدل گیا) حوالہ، ایک شخص سے حق دوسرے کی طرف پھیر دینا محاولہ، طلب فعل اس کے بعد کہ وہ اس کا طالب نہ تھا، حول، عین کا بدل جانا، حول، انقلاب، ارشادِ الٰہی ہے:

لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا (پ ۱۶، الکھف:۱۰۸) ان سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے

Marfat.com

ظلمۃ، اس سے نور کا عدم، جس کی شان میں منور ہونا ہو، اصل لغت میں مراد نقصان ہوتا ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

آتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا (پ۱۵، الکہف:۳۳) پھل لائے اور اس میں کچھ کمی نہ دی

یعنی اس میں کوئی کمی نہ آئی، محاورہ ہے "من اشبہ اباہ فما ظلم" (حق مشابہت میں کمی نہیں آئی)

ظلم، برف کیونکہ اس میں کمی جلدی واقع ہوتی ہے، الظلم، ماء السن، شبنم، تری اور اس کی سفیدی کیونکہ اس کی برف کے ساتھ تشبیہ ہے۔

چوتھا سوال: اضاءت متعدی ہے یا نہیں؟

جواب: دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں۔ کہا جاتا ہے "اضاءت النار بنفسہا اضائت غیرہ" اسی طرح "اظلم الشئی بنفسہ واظلم غیرہ" (یعنی اس نے اسے تاریک کر دیا) یہاں اقرب، متعدی ہونا ہے، ممکن ہے غیر متعدی ہو اور ماحول کی طرف منسوب اور معنی کی بنا پر مونث ہو کیونکہ مستوقد کا ماحول، مقامات اور اشیاء ہوتیں ہیں، اسی کی تائید قرأت شیخ ابن ابی عبلہ "ضاء" سے بھی ہو رہی ہے

پانچواں سوال: جب فَلَمَّآ اَضَآءَتْ فرمایا تو اب کیوں نہ یہ فرمایا: ذَهَبَ اللّٰهُ بِضَوْئِهِمْ (اللہ تعالیٰ ان کی ضو لے گیا) جبکہ فرمایا: ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ (اللہ ان کا نور لے گیا)

جواب: نور کا ذکر زیادہ موثر و بلیغ ہے کیونکہ ضوء میں زیادتی اور اضافہ پر دلالت ہوتی ہے اگر کہا جاتا۔ ذهب اللّٰه بضوئهم (اللہ ان کی ضو لے گیا) تو وہم ہوتا شاید کمال و اضافہ ختم ہوا، لیکن نور باقی رہا حالانکہ غرض ان سے بالکل نور کا ازالہ و نفی ہے کیا تم دیکھتے نہیں اس کے بعد فرمایا

وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ (پ۱ البقرۃ:۱۷) اور ان کو چھوڑ دیا تاریکیوں میں کہ انہیں کچھ نہیں سوجھتا

اور ظلمت، عدمِ نور ہے پھر ظلمات جمع اور نکرہ ذکر ہوئے پھر یہ کلمات لائے "لَا يُبْصِرُوْنَ" جو واضح کر رہے ہیں کہ اب ظلمت خالص ہی رہ گئی

چھٹا سوال: اب کیوں فرمایا: ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ۔ کیوں نہ فرمایا: اَذْهَبَ اللّٰهُ نُوْرَهُمْ؟

جواب: "اذہب" اور "ذہب بہ" میں فرق ہے اذہب کا معنی اس نے زائل اور چلتا کر دیا، ذہب بہ کا معنی زائل کر کے ساتھ لے جانا ہے۔ مثلاً "ذہب السلطان بمالہ" (یعنی مال سلطان ساتھ لے گیا) ارشادِ الٰہی ہے:

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ (پ۱۲، یوسف:۱۵) پھر جب اسے بھائی ساتھ لے گئے

اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ (پ۱۸، المومنون:۹۱) یوں ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق لے جاتا

معنی یہ ہے کہ اللہ نے ان کا نور لے کر اپنے پاس روک لیا اور اس کی شان عالی یہ ہے:

Marfat.com

وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ (پ۲۲، فاطر:۲) اور جو کچھ روک لے تو اس کی روک کے بعد اس کا کوئی چھوڑنے والا نہیں

تو ذھب بہ، اذھاب سے زیادہ موثر اور بلیغ ہے۔ شیخ یمانی نے 'اَذْهَبَ اللّٰهُ نُوْرَهُمْ' پڑھا ہے۔

ساتواں سوال: 'وَتَرَكَهُمْ' کا معنی کیا ہے؟

جواب: لفظ ترک کا تعلق جب واحد سے ہو تو اس کا معنی طرح (پھینک دینا) ہے جب تعلق دو سے ہو تو اس کا معنی، چیز بدلنا ہے تو یہ افعال قلوب کی طرح ہے، اسی سے ہے۔ 'وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ' اس کا اصل 'هُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ' ہے پھر اس پر ترک داخل ہوا تو اس نے دونوں اجزاء کو نصب دی۔

آٹھواں سوال: 'لَا يُبْصِرُوْنَ' کا ایک مفعول کیوں حذف کر دیا گیا ہے؟

جواب: وہ از قبیل متروک ہے اس کا خیال ہی نہیں آتا اور نہ وہ محذوف معنوی ہے گویا یہاں فعل متعدی ہی نہیں۔

[۱۸] صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾

(بہرے، گونگے، اندھے تو پھر وہ لوٹنے والے نہیں)

وہ بمنزل اندھے گونگے ہیں

جب ہمیں معلوم ہے کہ وہ سنتے، بولتے اور دیکھتے تھے تو اب ان الفاظ کا حقیقی معنی یہاں مراد نہیں ہو سکتا تو اب باقی یہ رہا کہ ان کے حال کہ وہ شدید عناد، قرآن کے سننے سے اعراض اور رسول اللہ کی طرف سے ظاہر ہونے والے دلائل و آیات میں اس شخص سے تشبیہ ہے جو حقیقۃً نہیں سنتا، جب سنتا نہیں تو وہ قبول کیسے کرے گا اس لیے انہیں بمنزل گونگے قرار دیا جب دلائل سے نفع نہیں اور راہ ہدایت نہیں دیکھتے تو بمنزل اعمٰی و نابینا قرار پائے۔

فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ کی تفاسیر

پہلی تفسیر: یہ سابقہ بیان کردہ شی سے رجوع نہیں کریں گے یعنی ان کا نفاق پہ قائم رہنا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے یہ احوال بیان کیے تو یہ اعلان ہے کہ یہ اپنے نفاق پر ہمیشہ رہیں گے۔

Marfat.com

دوسری تفسیر: یہ ہدایت فروخت کرنے اور گمراہی خریدنے کے بعد ہدایت کی طرف نہیں لوٹیں گے۔

تیسری تفسیر: مراد ان کا متحیرین کی طرح ہونا ہے جو ایک جگہ ہی پھیرتے رہتے ہیں، نہیں جانتے کہ آگے جانا چاہیے یا پیچھے تو اب وہ ابتدائی جگہ کی طرف کیسے لوٹیں گے؟

[۱۹-۲۰] اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۗ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۗ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾

(یا جیسے آسمان سے اُترا پانی کہ اس میں تاریکیاں ہیں اور گرج اور چمک اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس رہے ہیں کڑک کے سبب موت کے ڈر سے اور اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے، بجلی یوں معلوم ہوتی ہے کہ ان کی نگاہیں اُچک لے جائے گی جب کچھ چمک ہوئی اس میں چلنے لگے اور جب اندھیرا ہوا کھڑے رہ گئے اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے کان اور آنکھیں لے جاتا یقیناً اللہ سب کچھ کر سکتا ہے)

منافقین کی دوسری مثال

یہ منافقین کی دوسری مثال ہے اس میں متعدد طرح سے کیفیت مشابہت بھی ہے۔

۱۔ جب بادل آتے ہیں تو ان میں ظلمات، کڑک اور بجلی ہوتی ہے۔ بادلوں کی ظلمت کے ساتھ ظلمات میں ظلمت لیل اور ظلمت مطر و بارش بھی جمع ہو جاتی ہیں، نزول کڑک کے وقت، خوف موت کی وجہ سے وہ کانوں میں انگلیاں دیتے ہیں، قریب ہے کہ برق ان کی آنکھیں اُچک لے، جب روشنی ہوتی ہے تو اس میں چلتے ہیں اور جب وہ ختم ہو جاتی ہے تو عظیم تاریکی میں متحیر ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں کیونکہ جسے ان تین ظلمات میں برق پہنچی اور پھر وہ ختم ہو گئی تو اب اس کی حیرت شدید

Marfat.com

ہو جائے گی اور اس کی آنکھوں میں تاریکی عظیم۔ اس پر اس دوسرے سے اضافہ ہوا تھا جو ظلمت میں ہی تھا، تو حیرت و دین میں جہالت میں منافقین کی ان لوگوں سے تشبیہ دی ہے کیونکہ یہ نہ راستہ دیکھتے ہیں اور نہ ہدایت پاتے ہیں۔

۲۔ بارش اگرچہ نافع ہوتی ہے مگر جب وہ ایسی صورت میں ان نقصان دہ احوال کے ساتھ ہو تو اس سے نفع زائل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اظہارِ ایمان منافق کیلئے نافع ہے جبکہ وہ باطن کے موافق ہو، جب اس میں اخلاص ختم اور دل میں نفاق ہے تو دین کا سراسر نقصان ہے۔

۳۔ جس پہ یہ اُمور، صواعق و کڑک کے ساتھ نازل ہوں تو وہ اس سے چھٹکارا پانے کیلئے کانوں میں انگلیاں ڈالتا ہے لیکن یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ارادہ ہلاک و موت سے نجات نہیں دے سکتا چونکہ عادات میں یہ مسلم ہے تو اللہ تعالیٰ نے حال منافقین کو ان کے خیال کے مطابق تشبیہ دی کہ ان کا مومنین کے سامنے اظہار ایمان، ان کیلئے نافع ہے حالانکہ حقیقت میں معاملہ یوں نہیں ہے جیسا کہ مذکور ہے۔

۴۔ منافقین کی موت وقتل کی وجہ سے جہاد سے فرار کی عادت تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کی ان سے تشبیہ دی جن پر یہ اُمور نازل ہوئے اور انہوں نے اس سے نجات پانے کیلئے کانوں میں انگلیاں دیں۔

۵۔ جن لوگوں نے کانوں میں انگلیاں رکھیں اگرچہ وہ اس وقت موت وہلاک سے بچ گئے مگر ان کیلئے آگے موت وہلاکت ہے، جس سے کوئی نجات وخلاصی نہ ہوگی اسی طرح حال منافقین کا ہے، جس میں یہ داخل ہیں اور عذاب نار سے نجات نہیں پاسکیں گے۔

۶۔ جس کا حال یہ ہو وہ حیرت میں انتہا پر ہوگا کیونکہ یہ تمام ظلمات کا اجتماع اور تمام اقسام خوف کا حصول ہے تو منافقین کو باب دین میں انتہائی حیرت اور دنیا میں نہایت خوف ہے کیونکہ منافق ہر وقت خیال کرتا ہے اگر میرے باطن سے آگاہی ہوگئی تو قتل کر دیا جاؤں گا تو نفاق کے ہوتے ہوئے اس کے دل سے خوف اور ڈر کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔

۷۔ صَیّب سے مراد ایمان وقرآن ہے۔ ظلمات، گرج اور برق یہ منافقین پہ شاق اشیاء ہیں۔ یہی وہ تکالیف شاقہ ہیں مثلاً نماز، صوم، ترک ریاست، آباء وامہات کے ساتھ جہاد، ترک دین قدیم اور سرور عالم ﷺ کی فرمانبرداری، حالانکہ وہ آپ کی اطاعت سے شدید انکار کرتے ہیں۔

تو جیسے انسان برسنے والی بارش سے ان مذکورہ اُمور کی وجہ سے خوب احتراز کرتا ہے حالانکہ یہ بہت نافع ہوتی ہے اسی طرح منافقین ایمان اور قرآن سے ان امور شاقہ کی وجہ سے احتراز کرتے ہیں۔ "كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ" سے مراد یہ ہے کہ جب انہیں منافع حاصل ہوئے مثلاً ان کے اموال وجان کی حفاظت اور غنائم کا حصول تو دین میں شوق کا اظہار کرتے "وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا" جب وہ یہ منافع نہ پاتے تو اب وہ ایمان کو ناپسند اور اس کا شوق نہ رکھتے، یہ وجوہ تشبیہ ظاہر ہیں۔

Marfat.com

سوالات وجوابات

یہاں کچھ سوالات وجوابات ہیں۔

پہلا سوال: ان دونوں مثالوں میں ابلغ واکمل کون سی ہے؟

جواب: دوسری تمثیل، کیونکہ یہ کثرت حیرت اور سختیوں کی شدت پر خوب دال ہے، اسی وجہ سے تم نے دیکھا اس میں اھون (آسان) سے اغلظ (زیادہ سخت) میں وہ شامل ہوئے ہیں۔

حرف شک سے عطف کیوں؟

دوسرا سوال: دونوں تمثیلات میں حرف شک کے ساتھ عطف کیوں؟

جواب: متعدد طرح سے ہے۔

۱۔ ''او'' اصل میں دو یا زیادہ اشیاء کا شک میں مساوی ہونے پہ دال ہوتا ہے پھر اس میں وسعت لائی گئی ہے لہٰذا یہ بطور مجاز غیر شک میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ''جالس الحسن او ابن سیرین'' (تم امام حسن بصری یا امام محمد بن سیرین کی صحبت میں بیٹھو) یعنی اچھی صحبت کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں، اس سے ارشادِ الٰہی ہے:

وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا (پ۲۹، الانسان:۲۴) اور ان میں سے کسی گناہ گار یا ناشکرے کی بات نہ سنو

یعنی اثم او کفور دونوں لزومِ عصیان میں برابر ہیں۔ اسی طرح ارشادِ الٰہی ''اَوْ کَصَیِّبٍ'' ہے معنی یہ ہے کہ کیفیت منافقین ان دو قصوں کی کیفیت کے مشابہ ہے۔ ان میں سے جو بھی مثال دو، درست ہے، اگر دونوں سے دو تب بھی، درست ہے۔

منافقین دو طرح کے ہیں

۲۔ اَو، کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس لیے کیا کہ منافق دو طرح کے ہیں، بعض کو اصحابِ نار اور بعض کو اصحاب مطر (بارش) کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اس کی مثال یہ ارشاد ہے:

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ (پ۱، البقرۃ:۱۳۵) اور کتابی بولے یہودی یا نصرانی ہو جاؤ

وَكَم مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا فَجَاءَهَا بَأْسُنَا بَيَاتًا أَوْ هُمْ قَائِلُونَ (پ۸، الاعراف:۴) اور کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کیں اور ان پر ہمارا عذاب رات میں آیا یا جب وہ دوپہر کو سوئے تھے

Marfat.com

اَوْ بمعنی بَلْ

۳۔ او بمعنی بل۔ بلکہ ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ — اور ہم نے اسے لاکھ بلکہ زیادہ آدمیوں کی طرف بھیجا

(پ ۲۳، الصافات: ۱۴۷)

او بمعنی واو

۴۔ اَو بمعنی واوَ ہے گویا فرمایا وَ کَصَیِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ، اس کی نظیر یہ ارشادِ الٰہی ہے:

اَنْ تَاْکُلُوْا مِنْ بُیُوْتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ آبَائِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اُمَّهٰتِکُمْ — کہ کھاؤ اپنی اولاد کے گھر یا اپنے باپ کے گھر یا اپنی ماں کے گھر

(پ ۱۸، النور: ۶۱)

شاعر نے کہا:

وقد زعمت لیلی بانی فاجر — لنفسی تقاها أو علیها فجورها

یہی تمام صورتیں اس ارشادِ عالی میں بھی موجود ہیں:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِیَ کَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً — پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے تو وہ پتھروں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت

(پ ۱، البقرۃ: ۷۴)

علماء بیان کے دو اقوال

تیسرا سوال: صیّب، ظلمات، رعد، برق اور صواعق کے ساتھ کسے تشبیہ دی گئی ہے؟

جواب: یہاں علماء بیان کے دو اقوال ہیں:

پہلا قول: یہ تشبیہ مفرق (مفرد کی مفرد کے ساتھ) ہے، معنی یہ کہ یہ مثال ان اُمور سے مرکب ہے اور ممثل بھی ان امور سے مرکب ہوگا ممثل کی ہر چیز مثل کے جز کے مشابہ ہوگی تو یہاں دین اسلام کو صیب (بارش) کے مشابہ قرار دیا کیونکہ قلوب، دین اسلام سے اسی طرح حیات پاتے ہیں جیسے بارش سے زمین۔ اس دین میں شبہات کفار کو ظلمات اور اس میں وعد اور وعید کو رعد و برق کے ساتھ اور اہلِ اسلام کی طرف سے کفار کو پہنچنے والی آزمائش کو صواعق کے مشابہ کہا۔

Marfat.com

معنی یہ ہوا یا ان کی مثال بارش والوں کی طرح ہے اور مراد یہ ہے کہ ان لوگوں کی طرح ہیں جنہیں آسمان اس حالت پر کر دیتا ہے

دوسرا قول: یہ تشبیہ مرکب ہے جس میں ایک جملہ کو دوسرے جملہ کے ساتھ کسی امر میں مشابہت دی جاتی ہے۔ اگر چہ ہر ایک جملہ کے احاد کی دوسرے کے احاد سے مشابہت نہ ہو، یہاں مقصود دنیا و دین میں منافقین کی حیرت کی تشبیہ ان لوگوں کی حیرت کے ساتھ ہے جن کی آگ روشن ہونے کے بعد بجھ چکی اور ان کی حیرت کے ساتھ جنہیں آسمان نے رعد و برق کے ساتھ تاریک رات میں پکڑ لیا۔

سوال: تشبیہ مفرق میں یوں ہو سکتا ہے کہ مضاف حذف کر دیا جائے جیسے او کمثل ذوی صیب تو کیا تشبیہ مرکب میں ایسا کہا جا سکتا ہے؟

جواب: اگر ارشادِ الٰہی: یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ میں اگر یہ تقاضا نہ ہو کہ اس کی طرف ضمیر لوٹے تو اس میں مقدر ماننے کی ضرورت ہی نہیں

چوتھا سوال: صیّب کیا ہے؟

جواب: اُترنے والی بارش۔ تو صاب یصوب اترنے کو کہا جاتا ہے۔ سر جھکانے کو 'صوب راسه' کہا جاتا ہے، بعض نے صاب بمعنی قصد لیا ہے۔ صیب سے مطر جود (نفع والی بارش) ہی مراد ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے:

اللهم اجعله صيباً هنيئاً (سنن ابن ماجہ: ۳۸۹۰) اے اللہ اسے جود و نفع والی بارش بنا

سحاب کو بھی صیب کہہ دیا جاتا ہے۔ شاخ نے کہا: وأسحم دان صادق الوعد صيب

نکرہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں بارش کی شدید ہلاک کرنے والی قسم مراد ہے جسے کہ تمثیل اول میں نار نکرہ تھی۔ او کصائب بھی قرأت ہے، لیکن "صیب ابلغ" ہے، اور اسی سے مراد یہ سایہ فگن آسمان ہے۔

پانچواں سوال: "مِنَ السَّمَآءِ" کا کیا فائدہ حالانکہ بارش آسمان کی طرف سے ہی ہوتی ہے؟

جواب: دو طرح پر ہے:

۱۔ اگر کہا جاتا: او کصيب فيه ظلمات (یا بارش جس میں ظلمات ہیں) تو اس میں احتمال تھا کہ ممکن ہے بارش آسمان کی بعض جوانب سے ہوئی ہے جبکہ بعض سے نہیں ہوئی جب 'من السماء' کہا تو یہ واضح کر رہا ہے تمام آفاق سے بارش ہوئی جیسا کہ لفظ صیّب میں ترکیب و تنکیر سے کئی مبالغے ہیں جو اسی عموم کی تائید کر رہے ہیں۔

Marfat.com

۲۔ کچھ لوگ کہتے ہیں، بارش ان بخارات سے ہوتی ہے جوکرہ ہوا کی طرف بلند ہوتے ہیں اور وہاں شدت ہوا کی وجہ سے وہ جم جاتے ہیں جو وہاں سے بارش کی صورت میں اترتے ہیں تو یہی بارش ہے۔

اس مذہب کارد

لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں اس مذہب کارد کرتے ہوئے واضح کہا کہ بارش آسمان سے نازل ہوتی ہے جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا (پ ۱۹، الفرقان:۴۸) اور ہم نے آسمان سے پاک پانی نازل کیا

وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ (پ ۱۸، النور:۴۳) اوراتارتا ہے آسمان سے اس میں جو برف کے پہاڑ ہیں ان میں سے کچھ اولے

چھٹا سوال: رعد و برق سے کیا مراد ہے؟

جواب: رعد، آواز جو بادلوں سے سنی جاتی ہے، اجرام سحاب آپس میں ٹکراتے اور چلتے ہیں جب انہیں ہوائیں چلاتی ہیں تو ان میں ارتعاش آنے کی وجہ سے آواز پیدا ہوتی ہے، بادلوں سے نکلنے والی چمک برق کہلاتی ہے جب چمک پیدا ہو تو کہا جاتا ہے: برق الشئ

ساتواں سوال: صَیِّب، بارش اور بادل دونوں میں جو بھی مراد ہو تو اس کی ظلمات کیا ہیں؟

جواب: ظلماتِ سحاب یہ ہیں کہ جب بادل ہر طرف سے برستے ہیں تو ان کا برسنا اور ان کا آپس میں متصل ہونا، گھٹا باندھ کر آنا ظلمت ہے اور پھر ان کے ساتھ رات کی تاریکی بھی شامل ہے، ظلمت مطر (بارش) اس کا تکاثف و گہرا ہونا اور مسلسل برسنا ہے اس کی ایک ظلمت بادلوں کا سایہ کرنا اور رات کی تاریکی ہے۔

آٹھواں سوال: بارش، رعد و برق کا محل کیسے ہوگئی اس کا محل تو سحاب ہیں؟

جواب: مطر اور سحاب کے درمیان تعلق و اتصال شدید ہے، لہٰذا ان کے احکام ایک دوسرے پہ جاری کیے جاسکتے ہیں۔

نواں سوال: ظلمات کی طرح رعود و بروق (جمع) کیوں نہ کہا؟

جواب: اجتماع ظلمات کے وقت ظلمات کی مختلف انواع ہوتی ہیں، لہٰذا اسے جمع لایا گیا مگر رعد و برق کی نوع واحد ہی ہوتی ہے لہٰذا سحابِ واحد میں انواع رعد و برق ممکن نہیں لہٰذا انہیں جمع ذکر نہیں کیا جاسکتا۔

دسواں سوال: یہ تمام نکرہ کیوں ہیں؟

جواب: مراد ان کی انواع ہیں گویا یوں کہا جارہا ہے "ظلمات داجیة" (اندھیر برپا کرنے والی تاریکیاں) "رعد قاصف"

Marfat.com

(گرجدار آواز) "برق خاطف" (اچک لینے والی چمک)۔

گیارھواں سوال: یَجْعَلُوْنَ کی ضمیر کس طرف لوٹ رہی ہے؟

جواب: اصحاب صیب کی طرف ہے اگر چہ لفظاً مذکور نہیں مگر معناً موجود ہیں، یَجْعَلُوْنَ محل اعراب میں نہیں کیونکہ یہ جملہ نیا ہے، اس لیے کہ جب رعد و برق کا ذکر ہوا جو شدت وھول پر دال ہیں تو گویا سوال ہوا ایسی کڑک کے وقت ان کا حال کیا ہوگا؟ تو بتایا گیا یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْ آذَانِهِمْ۔ (وہ اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں) پوچھا چمک کے وقت کیا حال ہوگا؟ تو بتایا:

یَکَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ (پ۱،البقرۃ:۲۰) قریب ہے کہ ان کی آنکھیں اُچک لے

بارھواں سوال: جب انگلیوں کے سر کانوں میں ٹھونسے جاتے ہیں تو کیوں نہ یہ فرمایا کہ وہ انگلیوں کے پورے داخل کرتے ہیں؟

جواب: اگر چہ ذکر انگلی کا ہے مگر مراد اس کا کچھ حصہ ہی ہے، جیسے اس ارشادِ الٰہی میں ہے:

فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا (پ۶،المائدۃ ۳۸) تو ان کا ہاتھ کاٹو

یہاں بھی ہاتھوں کا بعض اور حصہ ہی مراد ہے۔

تیرھواں سوال: صاعقہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: گرج دار آواز جس سے شعلہ نار نکلتا ہے تو یہ لطیف نار قوی جس پہ پڑتی ہے اسے ختم کر دیتی ہے البتہ قوی ہونے کے ساتھ جلدی بجھ جاتی ہے۔

احاطہ سے کیا مراد ہے؟

چودھواں سوال: اللہ کا کفار کے احاطہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہ بطور مجاز ہے، معنی یہ ہے کہ وہ اس سے باہر نہیں جیسے محاط محیط سے باہر حقیقۃً نہیں ہوسکتا۔

احاطہ میں تین اقوال

اس میں تین اقوال ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کا عالم ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا (پ۲۸،الطلاق:۱۲) اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے

Marfat.com

۲۔ ان پہ قادر و کنٹرول فرمانے والا ہے:

وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ (پ۳۰، البروج:۲۰) اور اللہ ان کے پیچھے سے انہیں گھیرے ہوئے ہے

۳۔ انہیں ہلاک فرمائے گا، ارشادِ الٰہی ہے:

اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ (پ۱۳، یوسف:۶۶) مگر یہ کہ تم گھر جاؤ

پندرہواں سوال: خطف سے مراد کیا ہے؟

جواب: جلدی سے اُچک لینا۔ حضرت مجاہد کی قرأت طا کے کسرہ سے ہے "یخطِف" لیکن فتح افصح ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے "مختطف" پڑھا، امام حسن بصری "یخطّف" یا خا پر زبر، اصل "یختطف" ہی ہے، دونوں پہ کسرہ بھی آیا ہے۔ حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہما نے خطف سے "یخطف" پڑھا حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے "یتخطف" کو اسی ارشاد الٰہی سے لیا۔

وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (پ۲۱، العنکبوت:۶۷) اور ان کے آس پاس والے لوگ اُچک لیے گئے

كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ کی تفسیر

یہ تیسرا جملہ ہے گویا یہ اس سوال کہ، وہ ظہور برق وخفا کی دونوں حالتوں میں کیا کرتے، کا جواب دیا جا رہا ہے۔ مقصود منافقین پر شدت امور کی، اصحاب صیب کی شدت کے ساتھ تشبیہ دینا ہے اور وہ کس قدر تحیر میں اور اس سے جہل میں ہیں کہ کیسے بجالائیں اور کیسے چھوڑیں، جب وہ برق میں تھوڑا سا وقفہ پاتے ہیں حالانکہ ساتھ آنکھیں اچک جانے کا خوف بھی ہے تو وہ اس وقفہ کو ہی فرصت سمجھتے ہوئے کچھ قدم چلتے ہیں پھر جب وہ روشنی ختم ہو جاتی ہے تو اس حرکت پر کھڑے اور پابند ہو جاتے ہیں تو اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ رعد کی گرج میں اس قدر اضافہ کرے کہ وہ انہیں بہرے کر دے اور چمک میں اتنا اضافہ کر دے کہ وہ انہیں اندھا کر دے۔

اضاء متعدی ہے کہ جب ان کیلئے راستہ روشن کرتا ہے تو اس پر چلتے ہیں تو مفعول محذوف ہے یا غیر متعدی ہے یعنی جب ان کیلئے روشنی ہوتی ہے تو وہ راستہ نور میں چلتے ہیں، اس کی تائید شیخ ابن ابی عبلۃ کی قرأت "کلما ضاء" بھی کرتی ہے

لفظ كُلَّمَا اور اِذَا کی حکمت

سوال: اَضَآءَ کے ساتھ كُلَّمَا اور اَظْلَمَ کے ساتھ اِذَا کیوں؟

جواب: وہ امکان مشی وچلنے پر حریص تھے جیسے ہی وہ فرصت پاتے اٹھ کھڑے ہوتے لیکن توقف وقیام میں ایسا نہ تھا۔ اظلم کا غیر

Marfat.com

متعدی ہونا اقرب ہے اور یہی ظاہر ہے، قاموا کا معنی کھڑے ہونا اور اپنی جگہ ثابت رہنا، اسی سے، قامت السوق، پانی جم جائے تو قام الماء، شاء کا مفعول محذوف ہے کیونکہ جواب اس پر دال ہے، معنی یہ ہوگا اگر اللہ تعالیٰ ان کے سمع و ابصار کو لے جانا چاہے تو وہ لے جائے

مشہور سوال: لو، کا استعمال

یہاں ایک مشہور سوال ہے لو شی کی نفی، دوسرے کی نفی کی وجہ کیلئے آتا ہے، بعض نے اُس کا انکار کر کے کہا یہ صرف ربط کیلئے آتا ہے اس پر اس آیت و حدیث سے استدلال کیا، ارشادِ الٰہی ہے:

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا وَّهُمْ مُّعْرِضُونَ (پ ۹، الانفال: ۲۳)
اور اگر اللہ ان میں کچھ بھلائی جانتا تو انہیں سنا دیتا اور اگر دیتا جب بھی انجام کار منہ پھیر کر پلٹ جاتے

اگر یہ کلمہ دوسرے کے انتفاء کی وجہ سے شی کی نفی کرتا تو یہاں تناقض لازم ہو جائے گا کیونکہ ارشادِ الٰہی:

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرٌ لَّأَسْمَعَهُمْ
اور اگر اللہ ان میں بھلائی جانتا تو انہیں سنا دیا

کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ان میں خیر نہیں جانتا اور نہ وہ سناتا ہے۔

وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا وَّهُمْ مُّعْرِضُونَ
اگر سنا دیتا جب بھی منہ پھیر کر پلٹ جاتے

یہ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سنایا اور وہ نہ پھرے لیکن عدم تولی (نہ پھرنا) خیر ہے تو لازم آئے گا کہ ان کے اندر اللہ تعالیٰ خیر بھی جانے اور خیر نہ بھی جانے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

نعم الرجل صهيب لو لم يخف الله لم يعصه
صہیب خوب ہیں اگر اللہ کا خوف نہ بھی ہوتا وہ گناہ نہ کرتے

تو اب ان کے قول پہ لازم آئے گا انہیں خوف الٰہی بھی ہے اور نافرمانی بھی کی اور یہی تضاد ہے تو اس سے واضح ہو رہا ہے کہ کلمہ لو معنی ربط کا فائدہ دیتا ہے۔ واللہ أعلم

إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں

پہلا مسئلہ: کیا معدوم، شی ہوتا ہے؟

بعض نے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا معدوم بھی شی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شی پر قدرت کا اثبات کیا اور موجود پر قدرت نہیں ہوتی ورنہ ایجاد موجود کا استحالہ لازم آتا ہے تو جس پر قدرت ہوئی وہ معدوم ہے لہٰذا معدوم بھی شی ٹھہری۔

ض قدیر

Marfat.com

جواب: اگر یہ کلام درست ہو تو لازم آئے گا جس پر اللہ تعالیٰ قادر نہیں وہ شی نہیں تو موجود پر جب اللہ تعالیٰ قادر نہیں تو لازم آئے گا موجود شی ہی نہ ہو۔

دوسرا مسئلہ: اللہ تعالیٰ پر شی کا اطلاق

شیخ جہم نے اس آیت سے یہ استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ شی نہیں کیونکہ یہ بتا رہی ہے کہ ہر شی مقدورِ الٰہی ہے حالانکہ اللہ مقدور نہیں ہے تو لازم آئے گا کہ وہ شی نہیں

انہوں نے یوں بھی استدلال کیا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ (پ ۲۵، الشوریٰ:۱۱) اس جیسا کوئی نہیں

اگر اللہ تعالیٰ شی ہوتا تو وہ اپنی مثل ہوتا تو یہ ارشاد 'لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ' جھوٹ قرار پائے گا، لہٰذا ضروری ہے کہ وہ شی ہی نہ ہوتا کہ اس آیت سے تناقض نہ ہو

یاد رہے یہ اختلاف اسم میں ہے کیونکہ موجود و معدوم کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔

ہمارے اصحاب کے دلائل

ہمارے اصحاب نے دو وجہ سے استدلال کیا ہے۔

۱۔ ارشادِ الٰہی ہے

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ (پ ۷، الانعام:۱۹) تم فرماؤ سب سے بڑی گواہی کس شی کی ہے تم فرماؤ اللہ گواہ ہے

۲۔ ارشادِ الٰہی ہے:

كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (پ ۲۰، القصص:۸۸) سوائے اس کی ذات کے ہر شی ہلاک ہونے والی ہے

مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ میں داخل ہی ہوتا ہے لہٰذا لازم ہے کہ اس (اللہ) پر شی کا اطلاق ہو۔

تیسرا مسئلہ: بندہ کا مقدور، اللہ کا مقدور

ہمارے اصحاب نے اس آیت سے استدلال کیا کہ بندہ کا مقدور، اللہ تعالیٰ کا مقدور ہے شیخ ابو علی اور ابو ہاشم نے اس سے اختلاف کیا، وجہ استدلال یوں ہے کہ بندہ کا مقدور شی ہے اور یہ آیت بتا رہی ہے کہ ہر شی اللہ تعالیٰ کی مقدور ہے تو لازماً بندہ کا مقدور، اللہ تعالیٰ کا مقدور ہوگا۔

Marfat.com

چوتھا مسئلہ: حادث، اللہ کا مقدور

اس آیت سے ہمارے اصحاب نے استدلال کیا کہ حادث، حالت حدوث میں اللہ تعالیٰ کا مقدور ہوتا ہے، معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے، ان کا کہنا ہے فعل سے پہلے استطاعت محال تو شی حدوث سے پہلے پہلے مقدور ہوگی بعد میں نہیں۔ ہمارے اصحاب کا استدلال یہ ہے کہ حادث حال وجود میں شی ہے اور ہر شی مقدور ہے، اس دلیل کا تقاضا ہے کہ باقی کا مقدور ہونا، اس کا ترک عمل ہے تو معمول بہ میں نزاع رہا کیونکہ حال بقا، مقدور ہے اس معنی کی بنا پر کہ اللہ تعالیٰ اس کے اعدام پر قادر ہے، رہا حال حدوث تو محال ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اعدام پر قادر ہو کیونکہ اول زمان وجود میں اس کا اعدام محال ہے تو قدرت صرف اس کے ایجاد پر ہوگی۔

پانچواں مسئلہ: تخصیصِ عام جائز ہے اور یہ دلیل عقلی کی بنا پر ہی جائز ہے، تو 'وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر' کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی ذات پر بھی قادر ہو تو پھر اس میں دلیل عقل نے تخصیص کی۔

سوال: جب لفظِ کل، کل کیلئے موضوع ہے یہاں واضح ہے کہ یہ کل پر صادق نہیں تو یہ کذب ہوا اور قرآن پر طعن کا سبب بھی ٹھہرے گا

جواب: لفظِ کل جس طرح مجموع وتمام میں مستعمل ہے اس طرح مجازاً اکثر کیلئے بھی آتا ہے چونکہ لغت میں مجازاً مشہور ہے تو اب اس میں لفظ کا استعمال کذب نہ ہوگا۔ واللہ أعلم

Marfat.com

توحید، نبوت اور آخرت پر دلائل اور تفصیلی گفتگو

Marfat.com

توحید پہ دلائل

[۲۱-۲۲] یَا اَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ
بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

(اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم متقی بن جاؤ اس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی نازل فرمایا اور اس سے تمہارے کھانے کے لئے پھل نکالے تو اللہ تعالیٰ کیلئے جان بوجھ کر برابر نہ ٹھہراؤ)

ان آیات میں چند مسائل ہیں

پہلا مسئلہ: التفات کے چند فوائد

اللہ تعالیٰ نے تین فرقوں، مومنین، کفار اور منافقین کے احکام پہلے بیان کیے اب انہیں خطاب ہے، یہ باب التفات ہے، جس کا ذکر، اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ، کے تحت آچکا ہے التفات میں چند فوائد ہیں۔

پہلا فائدہ: مزید شوق کا سبب

اس میں سامعین کو اور تحریک وشوق دلانا ہے جیسے تم اپنے ساتھی سے تیسرے کے بارے میں بتاؤ فلاں کا یہ یہ کارنامہ ہے پھر تم اس تیسرے سے مخاطب ہو کر کہو تمہارا فرض ہے کہ اپنے امور میں صحیح راستہ اختیار کرو تو غیبت سے حضور کی طرف انتقال تیسرے کیلئے مزید تحریک کا سبب بنے گا۔

دوسرا فائدہ: مکالمہ کا شرف

گویا اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے میں نے اپنے اور تمہارے درمیان اولاً رسول کو واسطہ بنایا اب میں تمہارے اکرام وقربت میں اضافہ کرتے ہوئے بلاواسطہ تم سے مخاطب ہوں تاکہ تمہیں دلائل پر تنبیہ وآگاہی کے ساتھ میرے ساتھ مکالمہ ومخاطبہ کا بھی شرف مل جائے

Marfat.com

تیسرا فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ بندہ جب عبودیتِ رب میں مشغول ہوتا ہے تو وہ دائما ترقی کرتا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں ہے کہ اسے غیبت سے حضور کی طرف منتقل کردیا جاتا ہے۔

چوتھا فائدہ: سابقہ آیات، ان کے احوال کی حکایت تھیں اوران آیات میں امروتکلیف ہے تو ان میں کلفت ومشقت ہے لہذا اس کلفت کے مقابل راحت ضروری ہے اور وہ راحت یہ ہے کہ تمام کا بادشاہ درمیان سے پردہ واسطہ اٹھا کر مخاطبہ کا شرف عطا کرے جیسے جب بندے کو تکلیف شاقہ ہوتی ہے تو اگر اسے مولیٰ سے بالمشافہ عرض کرنے کا موقعہ ملے تو وہ عرض کرے گا میں تجھ سے یہی چاہتا ہوں کیونکہ ایسے خطاب کی وجہ سے وہ شاق چیزیں لذیذ بن جاتیں ہیں۔

دوسرا مسئلہ: مکی ومدنی سورتوں کی علامت

حضرت علقمہ اور حسن بصری سے ہے جہاں قرآن میں یَا اَیُّهَا النَّاسُ، سے خطاب ہے وہ مکی اور جہاں یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا، سے ہے وہ مدنی ہے۔

قاضی عبدالجبار کہتے ہیں۔ انہوں نے جو کہا اگر اس پر دلیل نقلی ہے تو مسلّم اور اگر اس کا سبب مدینہ میں کثرت مومنین بنسبتِ مکہ ہے تو یہ ضعیف قول ہے اس لیے کہ جائز ہے مومنین کو کبھی ایک صفت سے اور کبھی اسم جنس سے مخاطب کیا جائے، کبھی غیر مومن کو عبادت کا حکم دیا جائے جیسے مومن کو عبادت پہ دوام اور اس میں اضافہ کا حکم دیا جاتا ہے تو خطاب تمام کیلئے ممکن ہے۔

تیسرا مسئلہ: الفاظ، اغلب طور پہ جن امور پر دال ہوتے ہیں وہ الفاظ ہوتے ہیں یا غیر الفاظ، الفاظ یہ ہیں مثلاً اسم، فعل، حرف، یہ تینوں الفاظ ہر ایک ایسی شی پر دال ہے کہ وہ فی نفسہ لفظ مخصوص ہے، غیر الفاظ جیسے حجر، سما، ارض، لفظ ندا کو کسی اور شی پر دلیل نہیں بنایا جاسکتا بلکہ ایسا لفظ ہے جو برائے تنبیہ ہوتا ہے۔

یَا زَیْدُ اور اُنَادِیْ زَیْدًا میں فرق

جنہوں نے "یَا زَیْدُ" کی تفسیر "اُنادی زیداً یا اخاطبُ زیداً" (میں نے زید کو مخاطب کیا) کی ہے یہ ان دلائل سے غلط ہے

۱۔ "اُنادی زیداً" یہ خبر ہے اس میں صدق وکذب کا احتمال ہے لیکن "یا زید" میں ان دونوں کا احتمال نہیں۔

۲۔ یا زید کا تقاضا ہے کہ یہ فی الحال زید منادیٰ ہے حالانکہ "اُنادی زیداً" میں یہ تقاضا نہیں۔

۳۔ یا زید کا تقاضا یہ ہے کہ زید اسی خطاب سے مخاطب ہے لیکن "اُنادی زیداً" میں یہ تقاضا نہیں کیونکہ یہ منع نہیں کہ اس سے دوسرے انسان کو بتائے کہ میں زید کو آواز دے رہا ہوں۔

Marfat.com

۴۔ انادی زیداً، ندا سے خبر ہے اور ندا کی خبر، ندا کا غیر ہے ندا ہے یا زید تو اب "انادی زیداً" یا زید، کا غیر ہے۔

تو ان دلائل سے اس قول کا فساد آشکار ہو گیا۔

ایک اہم نکتہ: حالت ندا و تضرع میں مناسبت

یہاں ہم ایک اہم نکتہ ذکر کرنا چاہ رہے ہیں سب سے مرتبہ میں اقوی، اسم، اور سب سے کمزور حرف، ہے بعض کا خیال ہے کہ اسم، حرف سے محبت نہیں کرتا، اسی طرح موجودات میں سب سے بڑا، حق تعالیٰ، اور ضعیف ترین، بشر ہے۔

وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (پ۵، النساء:۲۸) اور آدمی کمزور بنایا گیا

ملائکہ نے کہا: ان دونوں کے درمیان مناسبت کیا ہے؟

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا (پ۱، البقرۃ:۳۰) تو ایسے کو بنائے گا جو زمین میں فساد کرے گا

تو بتایا گیا کہ کبھی اسم، حرف کے ساتھ بصورت حالتِ ندا محبت کرتا ہے تو اسی طرح بشر، حالِ ندا و تضرع میں خدمتِ رب کی صلاحیت رکھتا ہے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا (پ۸، الاعراف:۲۳) اے رب ہمارے ہم نے اپنا آپ برا کیا

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (پ۲۴، غافر:۶۰) اور کہا تمہارے پروردگار نے مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا

چوتھا مسئلہ: یا ندا بعید ہے

یا حرف ہے اس کی وضع اصلاً ندا بعید کیلئے ہے، اگرچہ اس کا استعمال ندا قریب کیلئے بھی ہوتا ہے لیکن اس کے سبب کا اہم ہونا ضروری ہے، ندا قریب کیلئے "آی" اور "ھمزہ" ہے، پھر اسکا استعمال ان لوگوں کیلئے ہوتا ہے جو بھول اور غفلت کا شکار ہو جائیں اگرچہ قریب ہوں لیکن انہیں بمنزل بعید سمجھا جاتا ہے۔

سوال: دعا کرنے والا یا اللہ، یا رب کیوں کہتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کی شہ رگ سے بھی قریب ہے؟

جواب: یہ اپنے آپ کو قربِ الٰہی اور منازل مقربین کے مقام سے بطور تواضع اور اپنے نقائص کا اعتراف کرتے ہوئے اس سے دور سمجھتا ہے تا کہ دعا قبول ہو جائے کیونکہ اس کا ارشاد ہے:

انا عند المنکسرۃ قلوبھم من اجلی (الحلیۃ لابی نعیم،۲:۳۶۴) میں ان کے پاس ہوتا ہوں جن کے دل میری خاطر ٹوٹتے ہیں

نقل قدیر

Marfat.com

یا اس لیے کہ دعا کرنے والے کیلئے سب سے اہم معاملہ قبولیت دعا ہی ہوتا ہے۔

پانچواں مسئلہ: ایّ یہ الف لام اور ندا کے درمیان آتا ہے جیسے ذو اور الذی، اسماء اجناس اور معارف کو جملوں کے وصف کیلئے آتے ہیں، ای اسم مبہم ہوتا ہے لہٰذا یہ اپنے ابہام کے ازالہ کا محتاج ہوتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس کے بعد اسم جنس یا اس کا قائم مقام ہوتا کہ ندا کا مقصد حاصل ہو، حرف ندا، ایّ میں یا اس کے تابع اسم میں عمل کرے گا مثلاً یازید الظریف البتہ ای استقلال زید کی طرح مستقل نہیں تو یہ صفت وموصوف سے جدا نہ ہوگا۔

حرف تنبیہ کے دو فوائد

رہا کلمہ تنبیہ جو صفت وموصوف کے درمیان لایا جاتا ہے، اس کے دو فوائد ہیں۔

۱۔ حرف ندا کے معنی میں تاکید۔

۲۔ ایسی جگہ اسکا وقوع جو مستحق اضافت ہے۔

کتاب اللہ میں، ندا اس طریق پر کثرت سے ہے کیونکہ ان تاکیدات ومبالغات سے یہ مستقل قرار پاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ندا فرماتے ہیں یہ بصورت اوامر ونواہی، وعد ووعید، سابقہ لوگوں کے بڑے واقعات ہیں اور یہی چیزیں ہیں جنہیں غفلت سے نکل کر اور بیدار ہو کر سننا لازم ہے حالانکہ وہ غافل ہوتے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ انہیں ابلغ اور پختہ طریق سے ندا دی جائے۔

چھٹا مسئلہ: ارشادِ الٰہی "یَا اَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ" کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو عبادت کا حکم دیا ہے اگر اس خطاب سے کچھ کو خارج رکھا جائے تو یہ عموم میں تخصیص ہوگی۔

چند مباحث

یہاں چند مباحث ہیں

پہلی بحث: جمع معرف باللام میں عموم کا فائدہ

جمع معرف باللام، مفید عموم ہوتی ہے، اس میں امام اشعری، قاضی ابوبکر اور ابو ہاشم کا اختلاف ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اس کی تاکید مفید عموم، لفظ سے درست ہوتی ہے، مثلاً ارشادِ الٰہی ہے:

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ (پ۱۴، الحجر:۱۵) تو جتنے فرشتے تھے سب کے سب سجدے میں گرے

Marfat.com

اگر یہ اصلاً عموم کیلئے نہ ہوتا تو کُلُّھُمْ اس کی تاکید نہ بنتا بلکہ وہ بیان ہوتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہر ایک کا "اَلنَّاس" سے استثناء درست ہے، اور استثناء اس سے نکالتا ہے اگر یہ نہ ہوتا تو وہ داخل ہی رہتا تو لفظ "اَلنَّاس" کا مفید عموم ہونا لازم ہے اور اس کی تفصیل اصول فقہ میں دیکھیے۔

دوسری بحث: معدوم سے خطاب

جب ثابت ہوا ارشادِ الٰہی "یَا اَیُّھَا النَّاسُ" اس دور میں موجود تمام لوگوں کو شامل ہے کیا بعد کے لوگوں کو بھی شامل ہے یا نہیں؟ اقرب یہی ہے کہ انہیں شامل نہیں کیونکہ یا ایھا الناس خطاب مشافہۃ ہے اور ایسا خطاب معدوم کے ساتھ جائز نہیں ہوتا پھر جو بعد ہوں گے وہ اس وقت موجود نہ ہوں گے، اور جو موجود نہیں وہ انسان نہیں اور جو انسان نہیں وہ "یَا اَیُّھَا النَّاسُ" میں کیسے داخل ہوں گے؟

سوال: اس سے لازم آ رہا ہے کہ کوئی خطاب بھی بعد میں آنے والوں کیلئے نہ ہو اور یہ بات قطعی طور پر باطل ہے؟

جواب: اگر اس پر کوئی الگ دلیل نہ ہوتی تو معاملہ اسی طرح تھا لیکن ہم تو تواتر سے دین محمدی میں سے جانتے ہیں کہ یہ خطابات تا قیامت آنے والے لوگوں کو شامل ہیں لہٰذا اس مستقل دلیل کی بنا پر ہم انہیں عام مانتے ہیں۔

تیسری بحث: تمام عبادات کا حکم

سوال: ارشاد "یَا اَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ" یہ تمام کو عبادت کا حکم ہے کیا اس میں تمام کیلئے تمام عبادات کا حکم ہے؟

جواب: حق یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے اس لیے کہ "اُعْبُدُوْا" کا معنی ہے کہ اس ماہیت عبادت کو وجود میں لاؤ، جب تم اس کا ایک فرد بھی وجود میں لے آؤ گے تو تم ماہیت میں داخل ہو گئے کیونکہ ماہیت کا ایک فرد بھی ماہیت پر مشتمل ہوتا ہے اس لیے کہ یہ عبادت، ایسی عبادت سے عبارت ہے جس کے ساتھ اس عبادت کی قید ہے تو جب مرکب پایا گیا تو اس کی دونوں قیود بھی ہوں گی تو افراد عبادت میں سے ایک فرد بجالانے والا عبادت ہی کرنے والا ہے تو جس نے عبادت کی اس نے "اُعْبُدُوْا" کا کامل تقاضا پورا کر دیا جب معاملہ اسی طرح ہے تو پھر ایسی صورت میں اس سے ذمہ داری کا ختم ہونا بھی ضروری ہے۔

اگر ہم اسے عموم پہ دال مانیں تو ہم کہیں گے حکم عبادت کیلئے اس کا عبادت ہونا ضروری ہے کیونکہ حکم کا کسی وصف پر مرتب ہونا وصف کے علت ہونے پر دال ہوتا ہے خصوصاً جبکہ وصف مناسب حکم ہو تو یہاں عبادت کا عبادت ہونا مناسب حکم ہے اس لیے کہ عبادت، اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اس کیلئے اظہار خضوع کا نام ہے اور یہ تمام عقول میں جائز و مناسب ہیں جب ثابت ہو گیا اس کا عبادت ہونا اس کے حکم کی علت ہے تو لازم ہے کہ ہر عبادت کا حکم ہو کیونکہ جب علت ہوگی تو حصول حکم ہر صورت لازم ہوگا

Marfat.com

چوتھی بحث: کفار اور حکم عبادت

سوال: یَا اَیُّھَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا۔ یہ حکم کفار کو شامل نہیں کیونکہ انہیں ایمان کا مامور ٹھہرانا ممکن نہیں جب یہ محال ہے تو انہیں عبادت کا حکم بھی محال ہوگا۔ ان کا ایمان کے سلسلہ میں مامور ہونا یوں ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اگر غیر عارف باللہ تعالیٰ کی حالت میں ہے تو اب محال ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے عارف باللہ بنیں کیونکہ صفت کا علم اور ذات سے جہالت محال ہوتی ہے تو اگر حکم اس حالت میں ہے تو حکم ایسی حالت کو شامل ہے جو محال ہے کہ اس کے اس امر سے مامور ہونے کی معرفت ہو اور یہ تکلیف مالا یُطاق ہے اور اگر حکم حالت معرفت باللہ تعالیٰ کی حالت میں ہے تو یہ محال ہے کیونکہ یہ تحصیل حاصل اور یہ ممکن نہیں۔

تو ثابت ہوا کافر تحصیل معرفت پر مامور نہیں تو جب یہ محال ہے تو اسے حکم عبادت بھی محال ہے کیونکہ انہیں یا تو معرفت سے پہلے عبادت کا حکم ہے تو محال کیونکہ بغیر معرفت کسی کی عبادت ممتنع ہوتی ہے یا حکم عبادت، معرفت کے بعد ہے تو اب حکم عبادت، امر معرفت پر موقوف ہوگا تو جب امر معرفت ممتنع ہے تو امر عبادت بھی ممتنع ہوگا۔

اسی خطاب کا اہلِ ایمان کو بھی شامل ہونا محال ہوگا کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں پھر انہیں عبادت کا حکم تحصیل حاصل ہوگا جو محال ہے۔

جواب: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حکم عبادت، حصولِ معرفت کے ساتھ مشروط ہے جیسے حکم زکوٰۃ، ملک نصاب کے ساتھ مشروط ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں معرفت بدیہی و ضروری چیز ہے (یعنی وہ ہر ایک کو حاصل ہے)

لیکن جو یہ قول نہیں کرتے وہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں معارف ضروری و بدیہی نہیں، امر عبادت حاصل اور عبادت بغیر معرفت ممکن نہیں اور کسی شی کا حکم اس شی کے ساتھ اسے بھی بجالانے کا حکم ہوتا ہے جو اس کے ضروریات میں سے ہو مثلاً طہارت، پانی کے ساتھ ہی ہوتی ہے تو اب پانی کا حاضر کرنا لازم ہے، دہریہ کی تصدیق رسول، تقدیم معرفت الٰہی کے بغیر درست نہیں ہوگی لہٰذا اس پر معرفت لازم۔ بے وضو آدمی کی نماز، تقدیم طہارت کے بغیر درست نہیں تو طہارت لازم، کسی کی امانت، سعی کے بغیر واپس نہیں ہوسکتی تو سعی لازم۔

یہاں بھی کفار کو عبادت کا حکم درست ہے مگر اسے بجالانے کیلئے اولاً ایمان ضروری پھر عبادت لازم، باقی تحصیل معرفت کا حکم محال ہے اس پر ہم نے اصول میں خوب گفتگو کی ہے اور یہاں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ

یہ کلام اگرچہ اس میں تام ہے کہ وہ چیز جس میں علم اس پر موقوف ہے کہ اللہ تعالیٰ، علم کے بعد ہی اس کا حکم دے گا کیونکہ یہ دیگر صفات میں جاری نہیں ہوسکتی تو اس کے ساتھ حکم کا ورود کیوں جائز نہیں؟

Marfat.com

اگر ہم یہ تسلیم کرلیں تو یہ کیوں نہیں کہا جاسکتا کہ یہ حکم اہل ایمان کو شامل ہے، یہ کہنا کہ یہ حکم تحصیل حاصل ہونے کی وجہ سے محال ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں اگر یہ بات متعذر ہے تو ہم حکم کو عبادت پہ دوام یا اس میں اضافہ پر محمول کرلیں گے اور واضح ہے کہ عبادت میں اضافہ بھی عبادت ہی ہوتا ہے تو اعبدوا کی تفسیر عبادت میں اضافہ، درست ہے۔

پانچویں بحث: منکرین تکلیف کے دلائل

کچھ لوگ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکالیف وذمہ داریوں کا حکم آ ہی نہیں سکتا، ان کے دلائل یہ ہیں:

۱۔ حکم تکلیفی بندے کی طرف کس حالت میں متوجہ ہوگا جب اس کے دواعی فعل یا ترک برابر ہوں گے یا ایک کو دوسرے پر ترجیح ہوگی اگر پہلی صورت لیں تو یہ محال کیونکہ حال برابری میں حصول ترجیح محال کیونکہ برابری اور ترجیح میں تضاد ہے تو ان کا اجتماع محال ہوگا تو دواعی کے بوقت برابری کسی فعل کی تکلیف، تکلیف مالا یطاق ہوتی ہے۔

اگر دوسری صورت لیں تو راجح کا وقوع یقینی ہوگا کیونکہ مرجوح جب راجح کے مساوی ہوگا تو اس کا وقوع ممتنع ہوتا ہے ورنہ ممکن کا وقوع بغیر مرجح لازم آئے گا۔ جب وہ حالت برابری میں ممتنع الوقوع ہے تو حالت مرجوحیت میں بطریق اولیٰ ممتنع ہوگا تو جب مرجوح کا وقوع ممتنع ہے تو راجح کا لازماً وقوع ہوگا۔ کیونکہ اس سے نقیضین سے خروج ہوسکتا ہے جب یہ ثابت ہے تو اگر تکلیف راجح کیلئے ہے تو اب لازم الوقوع کے ایجاد کی تکلیف وذمہ داری لازم آئے گی اور اگر تکلیف وقوع مرجوح کی ہے تو یہ ممتنع الوقوع کی تکلیف ہوگی تو دونوں صورتوں میں تکلیف مالا یطاق لازم آرہی ہے۔

۲۔ جس کے بارے میں حکم تکلیفی وارد ہے، اس کے وقوع کا اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا یا اسکے عدم وقوع کا یا دونوں کا علم نہ تھا، اگر اول صورت ہے تو لازم الوقوع کا عدم ممتنع، تو اس کے حکم کا فائدہ ہی کوئی نہیں، اگر اس کا عدم وقوع علم میں تھا تو اب اس کا وقوع ممتنع اور عدم لازم ہوگا تو اس کا حکم دینا ممتنع کو واقع کرنے کا حکم ہوگا اور اگر وہ نہ ان کا وقوع جانتا ہے اور نہ عدم وقوع، تو یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جہالت کا قول ہے جو محال ہے اور اس لیے بھی کہ اگر معاملہ یوں ہی ہو تو پھر مطیع وعاصی میں امتیاز نہیں رہے گا تو اب طاعت میں کوئی فائدہ ہی نہ ہوگا۔

۳۔ حکم تکالیف کا ورود فائدہ کیلئے ہوگا یا فائدہ کیلئے نہ ہوگا، اگر فائدہ کیلئے ہے تو وہ عابد کو ہوگا یا معبود کو۔

معبود کیلئے ہونا محال ہے کیونکہ وہ بالذات کامل ہے اور کامل لذاتہ، غیر کی وجہ سے کامل نہیں ہوتا، اس لیے بھی کہ ہم بداہۃً جانتے ہیں کہ الٰہ دہر وزمانہ سے بلند ہے اس کا بندے کے رکوع وسجود سے نفع حاصل کرنا محال ہے۔

یا فائدہ عابد کیلئے ہوگا، یہ بھی محال ہے کیونکہ تمام فوائد، حصول لذت اور دفع آلام میں منحصر ہیں اور اللہ تعالیٰ بندے کیلئے بغیر

Marfat.com

کسی واسطہ مشقات وتکالیف کے ان کے مہیا کرنے پر قادر ہے تو ان تکالیف کو واسطہ بنانا عبث ہے اور عبث کام کی حکیم ذات کی طرف نسبت کرنا ہی جائز نہیں۔

۴۔ عبد اپنے افعال کا موجد نہیں کیونکہ یہ ان کی تفاصیل نہیں جانتا اور جوشی کی تفصیلات سے آگاہ نہ ہو وہ اس کا موجد نہیں ہوسکتا جب عبد خود اپنے افعال کا موجد نہیں اب اگر اسے ایسے فعل کا حکم ہے جس کی تخلیق ہو چکی تو اب یہ تحصیل حاصل ہوگی اور اگر ایسے فعل کا حکم ہے جو تخلیق نہیں ہوا تو محال کا حکم ہوگا جو باطل ہے

۵۔ تکلیف سے مقصود، تطہیر قلوب ہے اس پر آیات قرآنی شاہد ہیں اگر ہم کسی انسان کے بارے میں فرض کریں کہ اس کا دل دائمی طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس طرح مشغول و مستغرق ہے کہ اگر وہ ان افعال ظاہرہ میں مشغول ہو تو اس کی معرفت الٰہی کے استغراق میں عارض ورکاوٹ ہوں گے لہٰذا اس سے تکالیف ظاہرہ کا سقوط ضروری ولازم ہوگا کیونکہ فقہاء امت اور اہلِ قیاس کہتے ہیں کہ جب تکالیف سے مقصود وحکمت حاصل ہو جائے تو احکام معقولہ کی اتباع لازم ہوتی ہے نہ کہ احکامِ ظاہرہ کی

جواب: پہلے تین شبہات کا دو طرح جواب ہے

۱۔ اس شبہ والوں نے دلائل سے یہ ثابت کیا کہ عدمِ تکلیف کا اعتقاد لازم ہے یہ خود ایسی تکلیف ہے جو تکلیف کی نفی کر رہی ہے تو یہ تضاد وتناقض ہے

۲۔ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ہر عطا احسن ہے خواہ وہ بصورت تکلیف مالا یُطاق (طاقت سے بڑھ کر) ہے یا اس کے علاوہ ہے کیونکہ وہ خالق و مالک ہے اور مالک کے فعل پر اعتراض کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

چھٹی بحث: اہل تفسیر کہتے ہیں یہاں حکمِ عبادت اگرچہ عام ہے جو تمام لوگوں کو شامل ہے لیکن جو حکم ہی نہیں پاتے وہ اس سے مخصوص ہوں گے مثلاً بچہ، دیوانہ، غافل اور ناسی، اسی طرح جو قادر نہ ہو، ارشادِ الٰہی ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (پ۳، البقرۃ:۲۸۶) کسی جان پر بوجھ نہ رکھا جائے گا مگر اس کے مقدور بھر

بعض نے کہا: غلام بھی مخصوص ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے موالی کی طاعت لازم کی ہے تو ان کی خدمت میں مشغولیت عبادت رب سے رکاوٹ ہوگی، طاعت مولیٰ کے لزوم پر دال امر، وجوب عبادت کے امر سے خاص ہے اور خاص، عام سے مقدم ہوتا ہے، اس کی تفصیل اصول فقہ میں ملاحظہ کریں۔

Marfat.com

چوتھا مسئلہ: بندہ کا حق لازم نہیں

قاضی عبدالجبار کہتے ہیں آیت مبارکہ بتا رہی ہے کہ عبادت کا سبب یہی ہے کہ اس نے ہمیں پیدا کیا اور ہم پر انعام فرمایا، ہمارے اصحاب نے اسی آیت سے اس پر استدلال کیا کہ بندہ اپنے فعل پر ثواب کا حق دار نہیں بنتا کیونکہ جب اس کا ہمیں پیدا کرنا اور انعام فرمانا، لزوم عبادت کا سبب ہے تو اب ہمارا اس کی عبادت میں مشغول رہنا اپنے ذمہ لازم کی ادائیگی ہے اور انسان جب اپنی ذمہ داری پوری کرتا ہے تو وہ اس پر کسی شی کا استحقاق نہیں رکھتا تو لازماً بندہ اپنی عبادت پہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب کا حق دار نہیں ہوتا

رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عبادتِ رب کا حکم دیا تو اس کے ساتھ ہی وجودِ صانع پہ دلیل ذکر کی اور وہ ان مکلفین اور ان سے پہلے لوگوں کی تخلیق ہے، یہ بتا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حصول، نظر و استدلال سے ہی ہوتا ہے۔

حشویہ نے اس طریق پر طعن کرتے ہوئے کہا، علم کلام میں مشغولیت بدعت ہے، ہمارے مذہب کے اثبات میں دلائل نقلیہ و عقلیہ ہیں۔

تین مقامات

یہاں تین مقامات ہیں

علم کلام کی فضیلت

پہلا مقام: اس علم کی فضیلت چند طرح سے ہے۔

۱۔ علم کا شرف، معلوم کے شرف کی بنا پر ہوتا ہے جیسے جیسے معلوم اعلیٰ ہوگا اور اس کا علم بھی اس قدر اعلیٰ قرار پائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، تمام صفات سے اشرف ہیں تو لازم ہے اس سے متعلق علم بھی سب سے اعلیٰ ہو۔

۲۔ علم، دینی ہوتا ہے یا غیر دینی، بلاشبہ علم دین، دوسرے علوم سے اشرف ہے، علم دینی، علم اصول ہے یا اس کے علاوہ، جو اس کے علاوہ ہے اس کی صحت علم اصول پر موقوف ہوگی کیونکہ، مفسر، کلام اللہ تعالیٰ کے معانی سے بحث کرتا ہے اور یہ صانع، مختار و متکلم کے وجود کی فرع ہے، محدث، کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث کرتا ہے یہ ثبوت نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرع ہے، مجتہد، احکام

Marfat.com

اللہ کی بحث کرتا ہے اور یہ ثبوت توحید ونبوت کی فرع ہے لہٰذا ثابت ہوا یہ تمام علوم، علم الاصول کے محتاج ہیں ظاہر ہے علم الاصول ان سے مستغنی ہے لہٰذا علم الاصول کا اشرف ہونا ضروری ہے۔

۳۔ بعض اوقات شی کا شرف اس کی ضد کی خساست اور کمینہ پن سے ظاہر ہوتا ہے تو جیسے جیسے اس کی ضد خسیس ہوگی وہ اشرف ہوگا، علم الاصول کی ضد، کفر وبدعت ہے اور یہ دونوں اشیاء میں اخس اور نہایت ہی پست ہیں لہٰذا لازم ہے کہ علم الاصول اشرفِ اشیاء ہو

۴۔ شی کا شرف بعض اوقات موضوع کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی اس کی طرف شدت حاجت کی بنا پر، اور کبھی اس کے دلائل کی قوت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ علم الاصول ان تینوں پر مشتمل ہے اس لیے کہ علم ہیئت، علم طب سے افضل ہے کیونکہ علم ہیت کا موضوع، علم طب کے موضوع سے افضل ہے اگرچہ طب اس سے افضل ہے کیونکہ طب کی طرف شدت حاجت، ہیت سے زیادہ ہے، علم حساب ان دونوں سے افضل ہے کیونکہ علم حساب کے براہین قوی ہیں۔

علم الاصول اس میں مطلوب، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال کی معرفت ہے اور معدومات وموجودات کے اقسام معلومات کی معرفت ہے، بلاشبہ یہ بات اشرف الامور ہے۔

رہی علم الاصول کی ضرورت تو وہ شدید ہے کیونکہ اس کی ضرورت دین میں ہوگی یا دُنیا میں، دین میں تو شدید ہے کیونکہ جو مذکورہ اشیاء کی معرفت پالے گا وہ ثواب عظیم اور ملائکہ کے ساتھ لاحق ہوجائے گا اور جو ان سے جاہل رہا وہ مستحق عذاب اور شیاطین کے ساتھ شامل۔

دنیا میں حاجت یوں ہے کہ کائنات کے مصالح، صانع بعث ونشر اور قیامت پر ایمان سے، منظم وباضابطہ بنتے ہیں، اگر ان چیزوں پر ایمان نہ ہو تو جہاں میں قتل اور فتنے برپا ہوجائیں۔

قوت براہین، تو اس علم کے براہین مقدمات یقینیہ اور تراکیب یقینیہ پر مشتمل ہوتے ہیں اور یہ قوت کا آخری درجہ ہے تو ثابت ہوا یہ علم تمام جہات سے شرف وفضل پر مشتمل ہے لہٰذا یہ لازماً تمام علوم سے اشرف ہوگا۔

۵۔ اس علم کو نسخ وتغیر عارض نہیں ہوسکتا اور نہ یہ مختلف اُمم اور علاقوں کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے بخلاف دیگر علوم، تو اس کا اشرف ہونا ضروری ہے۔

۶۔ اس علم کے مطالب وبراہین پر مشتمل آیات، ان آیات سے اشرف ہیں جن میں مطالب فقہیہ کا بیان ہے اس لئے کہ سورۂ اخلاص

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (پ۳۰، الاخلاص:۱) اے محبوب کہہ دیجئے وہ اللہ ایک ہے

Marfat.com

اور سورۃ البقرہ کی آخری آیات

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ (پ۳، البقرۃ:۲۸۵) رسول ایمان لائے جو اُتارا گیا

اور آیت الکرسی کی فضیلت میں جو کچھ وارد ہے، وہ

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِیْضِ (پ۲، البقرۃ:۲۲۲) وہ آپ سے حیض کے بارے پوچھتے ہیں

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اے ایمان والو جب تم قرض کا معاملہ کرو

(پ۳، البقرۃ:۲۸۲)

کے بارے میں وارد نہیں ہے۔

۷۔ احکام شرعیہ میں وارد آیات چھ صد سے کم ہیں باقی تمام بیان توحید و نبوت اور اقسامِ مشرکین اور بُت پرستوں کے رد میں ہیں اور قصص میں وارد آیات سے مقصود، اللہ تعالیٰ کی حکمت وقدرت کی معرفت ہے، جیسے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ تحقیق ان کے قصص میں تمہارے لیے عبرت ہے اے عقل والو (پ۱۳، یوسف:۱۱۱)

یہ واضح کر رہا ہے کہ یہ علم افضل ہے۔

وجودِ صانع وخالق پہ دلائل

وجود صانع وخالق پر دلائل سے قرآن خوب مالا مال ہے۔

۱۔ یہ دلائل خمسہ جن کا ذکر یہاں آیات میں ہے،

۱۔۔تخلیق مکلفین، ۲۔۔ان سے پہلوں کی تخلیق، ۳۔۔آسمان کی تخلیق،

۴۔۔زمین کی تخلیق، ۵۔۔ زمین کی طرف آسمان سے نازل پانی سے پھلوں کی تخلیق

قرآن مجید میں، آسمانوں اور زمین کے جن عجائبات کا ذکر ہے اس سے مقصود بھی معرفت صانع ہی ہے۔

صفاتِ الٰہی پہ دلائل

صفت علم باری تعالیٰ، ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰی عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ تحقیق اللہ پر زمین وآسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں

Marfat.com

پھر اس کے بعد متصل فرمایا

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ وہی رحموں میں تمہاری صورت بناتا ہے جیسے چاہتا ہے

(پ ۳، آل عمران: ۶،۵)

یہ بعینہ متکلمین کی دلیل ہے کیونکہ یہ احکام، افعال اوران کے اتقان ونظم سے علم صانع پر استدلال کرتے ہیں یہاں صانع سبحانہ نے ارحام میں تصویر صورتوں کو اپنے عالم اشیاء ہونے پہ دلیل بنایا ہے، اور فرمایا:

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ کیا وہ نہ جانے جس نے پیدا کیا اور وہ ہر باریکی جانتا خبردار ہے

(پ ۲۹، الملک: ۱۴)

یہ بعینہ یہی دلیل ہے، فرمایا

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ (پ ۷، الانعام: ۵۹) اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی انہیں وہی جانتا ہے

یہ اس کا اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام معلومات کا عالم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مغیبات کے بارے میں جو جو خبر دی ہے اس کے مطابق ہی اشیاء کا وقوع ہوا ہے اگر وہ غیوب کا عالم نہ ہوتا تو اشیاء کا وقوع اس طرح نہ ہوتا۔

صفت قدرت، اللہ تعالیٰ کا مختلف پھلوں اور مختلف حیوانات کا پیدا کرنا ہے حالانکہ طبائع اربعہ میں یہ تمام برابر ہیں یہ واضح کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر ومختار ہے نہ کہ اس کی ذات پہ کچھ لازم ہے۔

صفت تنزیہہ پہ یہ دال ہے کہ وہ جسم نہیں اور نہ ہی کسی محل کا محتاج ہے، ارشادِ الٰہی ہے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (پ ۳۰، الاخلاص: ۱) اعلان کردو وہ اللہ ایک ہی ہے

کیونکہ مرکب اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور محتاج حادث، احد ذات کیلئے ضروری ہے کہ وہ جسم نہ ہو، جب جسم نہیں تو وہ محل کا محتاج بھی نہیں

صفت توحید پر یہ ارشاداتِ الٰہیہ دال ہیں

لَوْ كَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (پ ۱۷، الانبیاء: ۲۲) اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو ضرور وہ تباہ ہوجاتے

اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا (پ ۱۵، الاسراء: ۴۲) جب تو وہ عرش کے مالک کی طرف کوئی راہ ڈھونڈ نکالتے

Marfat.com

وَلَعَلَا بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ (پ۱۸، المؤمنون:۹۱) اور ضرور ایک دوسرے پر اپنی تعلّی چاہتا

ثبوت نبوت پر، یہ ارشادِ الٰہی دلیل ہے

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ (پ۱، البقرۃ:۲۳) اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے (اس خاص) بندے پر اُتارا تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ

ثبوتِ آخرت و معاد، پہ یہ ارشادِ الٰہی شاہد ہے

قُلۡ يُحۡيِيۡهَا الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ (پ۲۳، یٰسین:۷۹) کہہ دیجئے وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی مرتبہ پیدا فرمایا۔

اگر تم علم کلام کا مطالعہ کرو تو تم اس میں انہی دلائل کی تفصیل، انہی کا دفاع اور ان پہ وارد رشدہ اعتراض وشبہات کا جواب پاؤ گے، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ علم کلام کی مذمت ان دلائل پر مشتمل ہونے کی وجہ سے کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ذکر کیے یا وہ ان دلائل پر اعتراض وشبہات کے دفاع پر مشتمل ہے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی عاقل ایسی بات نہ کہہ سکتا ہے اور نہ اسے پسند کر سکتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے دلائل کی حکایت ملائکہ اور اکثر انبیاء علیہم السلام سے کی ہے، ملائکہ نے کہا تھا:

اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا (پ۱، البقرۃ:۳۰) کیا ایسے کو (نائب) کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا

گویا ان کی مراد یہ تھی کہ ایسی شی کا پیدا کرنا قبیح ہے اور قبیح عمل، ذات حکیم کے مناسب نہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کا جواب دیا

اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ (پ۱، البقرۃ:۳۰) میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

مراد یہ کہ جب میں تمام معلومات کا عالم ہوں تو ان کی تخلیق وتکوین میں جو حکمت میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے، بلاشبہ یہ مناظرہ ہی تھا، رہا اللہ تعالیٰ کا ابلیس کے ساتھ مناظرہ تو وہ بڑا ہی واضح ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام میں پہلے سیدنا آدم علیہ السلام ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی فضیلت یوں ظاہر کی کہ ملائکہ پہ ان کا علم آشکار کیا تو یہ استدلال ہی ہے، سیدنا نوح علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کفار کے حوالہ سے یہ قول نقل کیا۔

يٰنُوۡحُ قَدۡ جَادَلۡتَنَا فَاَكۡثَرۡتَ جِدَالَنَا (پ۱۲، ہود:۳۲) اے نوح تم ہم سے جھگڑے اور بہت ہی جھگڑے

واضح ہے یہ مجادلہ، تفاصیل احکام شرعیہ میں نہیں بلکہ توحید ونبوت میں ہی تھا تو اس علم میں نصرت حق کیلئے مجادلہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اس بارے میں احاطہ طویل ہے، ان کے یہ مقامات ہیں۔

Marfat.com

پہلا مقام: ان کی اپنی ذات کے ساتھ بحث

ارشادِ الٰہی ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ (پ ۷، الانعام: ۷۶)

پھر جب ان پر رات کا اندھیرا آیا ایک تارا دیکھا بولے اسے میرا رب ٹھہراتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا بولے مجھے خوش نہیں آتے ڈوبنے والے

یہی متکلمین کا طریقہ ہے کہ وہ بھی حدوث و تغیر سے استدلال کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے اس پہ ان کی مدح فرمائی۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ (پ ۷، الانعام: ۸۳)

اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر عطا فرمائی

دوسرا مقام: اپنے باپ کے ساتھ بحث

ارشادِ الٰہی ہے

يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا (پ ۱۶، مریم: ۴۲)

اے میرے باپ کیوں ایسے کو پوجتا ہے جو نہ سنے نہ دیکھے اور نہ کچھ تیرے کام آئے

تیسرا مقام: قوم کے ساتھ بحث

کہیں قولاً اور کہیں فعلاً، قولاً کے بارے میں ہے

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (پ ۱۷، الانبیاء: ۵۲)

یہ مورتیاں کیا ہیں جن کے آگے تم آسن مارے ہو

فعلاً کے بارے میں ہے

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ (پ ۱۷، الانبیاء: ۵۸)

تو ان سب کو چورا کر دیا مگر ایک کو جو ان سب کا بڑا تھا کہ شاید وہ اس سے کچھ پوچھیں

Marfat.com

چوتھا مقام: اپنے وقت کے بادشاہ سے مناظرہ

ارشادِ مبارک ہے

رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ (پ۳،البقرۃ:۲۵۸) میرا رب جو زندہ کرتا اور موت دیتا ہے اس نے کہا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور موت بھی دیتا ہوں

جو فطرت سلیمہ رکھتا ہے وہ جان لے گا کہ یہ تمام علم کلام انہی دلائل کی تفصیل اور ان پر وارد سوالات و معارضات کا دفاع ہیں۔

یہ ان کی تمام بحث مبدا (اللہ تعالیٰ) کے بارے میں ہے۔

آخرت و معاد میں ان کی بحث

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا

رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ (پ۳،البقرۃ:۲۶۰) اے میرے رب مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے فرمایا کیا تجھے یقین نہیں عرض کیا کیوں نہیں بلکہ چاہتا ہوں میرے دل کو قرار آ جائے تو کہا چار پرندے پکڑو

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا توحید و نبوت میں فرعون کے ساتھ مناظرہ ملاحظہ کرو، توحید کے بارے میں ان کے اکثر دلائل بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہی ہیں، اللہ تعالیٰ نے سورۂ طٰہٰ میں حکایت فرمائی:

قَالَ فَمَنْ رَّبُّکُمَا یٰمُوْسٰی قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (پ۱۶،طٰہٰ:۴۹،۵۰) بولا کہ تم دونوں کا خدا کون ہے اے موسیٰ! کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شی کو اس کے لائق صورت دی اور پھر ہدایت دی

یہی دلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوں بیان کی:

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ (پ۱۹،الشعراء:۷۸) وہ جس نے مجھے پیدا کیا تو وہ مجھے راہ دے گا

اسی سورۃ الشعراء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے

رَبُّکُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ (پ۱۹،الشعراء:۲۶) رب تمہارا اور تمہارے اگلے باپ داداؤں کا

یہ وہی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ (پ۳،البقرۃ:۲۵۸) میرا رب وہ ہے جو زندگی اور موت دیتا ہے

Marfat.com

جب فرعون نے اس پر اکتفانہ کیا اور دیگر کا مطالبہ کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (پ۱۹، الشعراء:۲۸) رب ہے مشرق اور مغرب کا

یہ وہی دلیل ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دی:

فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ (پ۳، البقرۃ:۲۵۸) تحقیق میرا رب سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو ذرا اسے مغرب سے نکال

یہ تمام گفتگو اس پر شاہد ہے کہ ان دلائل کا بیان حضرات معصومین علیہم السلام کا طریقہ ہے کہ وہ عقول سے استفادہ کے ساتھ ساتھ اسلاف سے منقول دلائل سے استدلال کیا کرتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبوت پر معجزہ سے استدلال کیا۔

اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ (پ۱۹، الشعراء:۳۰) کیا اگرچہ میں تیرے پاس کوئی روشن چیز لاؤں

اور یہی وہ استدلال ہے کہ معجزہ صدق پر دال ہوتا ہے۔

تمام باطل فرقوں کا رد

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا توحید و نبوت اور معاد پر دلائل بیان فرمانا اس قدر ظاہر ہے کہ محتاج بیان ہی نہیں، قرآن ان سے خوب معمور ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹکراؤ کفار کے تمام فرقوں سے ہوا۔

۱۔ دہریہ کا رد

جو کہتے ہیں:

وَمَا یُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ (پ۲۵، الجاثیۃ:۲۴) اور ہمیں نہیں ہلاک کیا مگر زمانے نے

تو اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام دلائل باطل قرار دیئے۔

۲۔ قادر مختار کے منکرین

تو اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو انواعِ نباتات اور اصنافِ حیوانات پیدا فرما کر ان کا رد کر دیا حالانکہ یہ تمام طبائع اور تاثیر افلاک میں برابر ہیں تو یہ عمل دلیل ہے کہ قادر موجود ہے۔

Marfat.com

۳۔شریک باری ماننے والوں کارد

یہ شریک علوی یا سفلی ہوگا، شریک علوی مثلاً کواکب، عالم میں موثر ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس دلیل کو خلیل علیہ السلام کے ذریعے باطل کیا

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ — جب اس پر رات چھائی

شریک سفلی، نصاریٰ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ اور بت پرست، بتوں کو الٰہ مانتے، تو اللہ تعالیٰ نے ان تمام کے دلائل کی تردید کی:

۴۔نبوت پر طعن کرنے والے دوگروہ

نبوت پر طعن، کرنے والے دوگروہ ہیں۔

۱۔ اصل نبوت میں طعن کرتے، اللہ تعالیٰ نے ان سے بیان کیا:

اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا — کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا؟ (پ۱۵، الاسراء:۹۴)

۲۔ نبوت مانتے مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر طعن کرتے، مثلاً یہود و نصاریٰ۔ قرآن ان کی تردید سے مالا مال ہے۔ پھر ان کے طعن مختلف صورتوں پر تھے، کبھی قرآن پر طعن، تو اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً — بیشک اللہ اس سے حیا نہیں فرماتا کہ مثال سمجھانے کیلئے کسی چیز کا ذکر فرمائے مچھر ہو یا اس سے بڑھ کر۔ (پ۱، البقرۃ:۲۶)

کبھی معجزات کی طلب کی صورت میں طعن:

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا — اور بولے کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ تم ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ بہادو (پ۱۵، الاسراء:۹۰)

کبھی کہتے قرآن تدریجاً کیوں نازل ہو رہا ہے، بیک وقت کیوں نہیں نازل ہو جاتا گویا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت تھی، تو اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا:

كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ — بات اس طرح ہے تاکہ ہم آپ کے دل کو تقویت دیں۔ (پ۱۹، الفرقان:۳۲)

Marfat.com

۵-حشر و نشر میں اختلاف کرنے والے

اللہ تعالیٰ نے اس پر حجت اور منکرین کے ابطال میں انواع کثیرہ سے دلائل دیئے ہیں۔

۶-مکلف ہونے پر اعتراض

اس میں کوئی فائدہ نہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا   اگر تم بھلائی کرو اپنا بھلا کرو گے اور اگر برا کرو گے تو اپنا

(پ ۱۵، الاسراء:۷)

کبھی کہا جبر ہی حق ہے اور یہ تکلیف کے منافی ہے اس کا جواب یوں دیا:

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ (پ ۱۷، الانبیاء:۲۳)   اس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور ان سب سے سوال ہوگا

ہم نے اس مقام پر مختصر اشارات کیے ہیں کیونکہ ان کی تفصیل اسی کتاب میں مذکور ہے جب یہ ثابت ہے کہ یہ حضرات انبیاء ورسل علیہم السلام کا طریقہ و معمول ہے تو واضح ہو گیا ان پر طعن کرنے والا کافر ہوگا یا جاہل

دوسرا مقام: اس علم کے لزوم حصول پر دلائل

علم کلام کا حصول لازم ہے اس پر دلائل نقلیہ و عقلیہ ہیں۔

دلائلِ عقلیہ

بعض کی تقلید دیگر کی تقلید سے اولیٰ نہیں تو اب تمام کی تقلید جائز ہوگی تو تقلید کفار لازم آئے گی۔

یا بعض کی تقلید لازم اور بعض کی لازم نہ ہوگی تو لازم آئے گا آدمی بعض کی تقلید کا مکلف ہو اور بعض کا نہ ہو لیکن اس پر یہ اشکار نہ ہوگا کہ وہ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کی کیوں تقلید کر رہا ہے؟

یا تقلید اصلاً ہی نہ ہوگی اور یہی مطلوب ہے۔ جب تقلید باطل ٹھہری تو اب طریق نظر و فکر ہی باقی ہے۔

دلائل نقلیہ: اس پر یہ آیات و اخبار بھی دلائل ہیں:

۱- ارشادِ الٰہی ہے:

Marfat.com

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (پ ۱۴، النحل: ۱۲۵) اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہے

بلاشبہ یہاں حکمت سے برہان وحجت ہی مراد ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت کا، حکم دلیل و برہان کے ساتھ مزین کرنے کا حکم ہے۔ الفاظ ارشاد 'وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ' سے فروع شرع میں مجادلہ مراد نہیں کیونکہ جو نبوت محمدی ﷺ کا منکر ہے اس کے ساتھ فروعات شرع میں گفتگو اور غور و خوض کا کیا فائدہ؟ اور جو نبوت کا قائل ہوگا وہ فروعات میں مخالف ہی نہ ہوگا۔ لہٰذا معلوم ہوا اس جدال کی ضرورت توحید و نبوت میں ہے تو گویا اس میں جدال کا حکم پھر آپ ﷺ کی اتباع کا حکم ہے۔

فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (پ ۳، آل عمران: ۳۱) میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ بیشک تمہیں رسول اللہ (ﷺ) کی پیروی بہتر ہے

(پ ۲۱، الاحزاب: ۲۱)

لہٰذا وہاں ہمیں جدال کا ہی حکم ہے۔

۲۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ اور کچھ لوگ وہ ہیں کہ اللہ کے بارے بے جانے بوجھے جھگڑتے ہیں (پ ۱۷، الحج: ۳، ۸) (پ ۲۱، لقمان: ۲۰)

اس میں بغیر علم، جدال کی مذمت ہے جو تقاضا کر رہا ہے کہ علمی جدال مذموم نہیں بلکہ ممدوح ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام سے حکایت فرمائی:

يَا نُوْحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا (پ ۱۲، ہود: ۳۲) بولے اے نوح تم ہم سے جھگڑے اور بہت ہی جھگڑے

۳۔ اللہ تعالیٰ نے نظر و فکر کا حکم دیا ہے

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ (پ ۵، النساء: ۸۲) تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ (پ ۳۰، الغاشیۃ: ۱۷) تو کیا اونٹ کو نہیں دیکھتے کیسا بنایا گیا

سَنُرِيْهِمْ اٰيَاتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ اور عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق و انفس میں دکھائیں گے

(پ ۲۴، فصلت: ۵۳)

Marfat.com

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا (پ۱۳، الرعد:۴۱)
کیا انہیں نہیں سوجھتا کہ ہم ہر طرف سے ان کی آبادی گھٹاتے آرہے ہیں

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (پ۱۱، یونس:۱۰۱)
فرمادیجئے دیکھو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے

اَوَ لَمْ يَنْظُرُوْا فِىْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
کیا وہ زمین وآسمان کی بادشاہی میں نہیں دیکھتے

۴۔ اللہ تعالیٰ نے تفکر کی مدح کی فرمائی ہے، ارشادِ مقدس ہے:

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ (پ۲۳، الزمر:۲۱)
بیشک اس میں عقلمندوں کیلئے دھیان کی بات ہے

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ (پ۳، آل عمران:۱۳)
بیشک اس میں عقلمندوں کیلئے ضرور دیکھ کر سیکھنا ہے

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى (پ۱۶، طٰہٰ:۵۴،۱۲۸)
بیشک اس میں عقلمندوں کیلئے نشانیاں ہیں

پھر اعراض کرنے والوں کی یوں مذمت کی۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ (پ۱۳، یوسف:۱۰۵)
اور کتنی نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین میں کہ اکثر لوگ ان پر گذرتے ہیں اور ان سے بے خبر رہتے ہیں

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا (پ۹، الاعراف:۱۷۹)
اور وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں

۵۔ اللہ تعالیٰ نے تقلید کی مذمت فرمائی، کفار سے یوں حکایت کی، کہتے ہیں:

اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا عَلٰى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰى اٰثَارِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (پ۲۵، الزخرف:۲۳)
ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان کی لکیر کے پیچھے ہیں

بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاءَنَا (پ۲۱، لقمان:۲۱)
بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا

بَلْ وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ (پ۱۹، الشعراء:۷۴)
ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسے ہی کرتے پایا

اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَا اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا (پ۱۹، الفرقان:۴۲)
قریب تھا کہ یہ ہمیں ہمارے خداؤں سے بہکادیں اگر ہم ان پر صبر نہ کرتے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد سے حکایت یوں کی:

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِىْ مَلِيًّا (پ۱۶، مریم:۴۶)
بیشک اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھراؤ کروں گا اور مجھ سے زمانہ دراز تک بے علاقہ ہو جا

Marfat.com

یہ تمام آیات لزومِ نظر وفکر، استدلال وتفکر پر اور مذمتِ تقلید پر شاہد ہیں تو جو نظر واستدلال کا داعی ہوگا وہ قرآن اور طریق انبیاء علیہم السلام پر ہوگا اور جو تقلید کی دعوت دے گا وہ قرآن کے مخالف، طریق کفار پر ہوگا۔

احادیثِ مبارکہ اور نظر وفکر

اس پر کثیر احادیث بھی شاہد ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ امام زہری، حضرت سعید بن مسیب سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں بنو فزارہ کے ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: میری بیوی نے کالے رنگ کا بچہ جنا ہے۔ فرمایا: کیا تمہارے پاس اونٹ ہے؟ عرض کیا: ہاں۔ اس کا رنگ کیا ہے؟ عرض کیا: سرخ۔ فرمایا: کیا ان میں اور رنگ کا ہے؟ عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: وہ کیسے ہوگیا؟ یہ کہنے لگا ممکن ہے اس میں خاندانی اثر ہو۔ فرمایا: یہاں بھی تو ایسا ہوسکتا ہے۔ (البخاری، ۵۳۰۵)

واضح رہے یہی قیاس والزام سے استدلال ہے۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ابنِ آدم نے میری تکذیب کی اور میری تکذیب نہیں کرنی چاہیے تھی، ابن آدم نے مجھے برا کہا اور اسے مجھے برا نہیں کہنا چاہیے تھا، میری تکذیب یہ ہے کہ اس نے کہا: وہ مجھے دوبارہ نہیں لوٹا سکتا جیسا کہ اس نے مجھے ابتداً پیدا کیا، حالانکہ مجھ پر پہلے پیدا کرنا دوبارہ لوٹانے سے زیادہ آسان نہیں؟ اس نے مجھے برا یوں کہا کہ وہ کہتا ہے اللہ کی اولاد ہے حالانکہ میں اللہ یکتا ہوں۔ صمد ہوں نہ میں نے کسی کو جنا نہ مجھے کسی نے جنا اور نہ کوئی میری مثل ہے۔ (البخاری: ۴۹۷۴)

غور کیجئے پہلے مقام میں اللہ تعالیٰ نے ابتداً کی قدرت سے دوبارہ لوٹانے کی قدرت پر کس طرح استدلال کیا ہے اور دوسرے مقام میں احدیت سے جسمانیت، والد اور مولود ہونے کی نفی پر استدلال کیا ہے۔

۳۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ

جو اللہ سے ملاقات پسند کرتا ہے اللہ اس سے ملاقات پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے ملاقات ناپسند کرے اللہ اس سے ملاقات ناپسند کرتا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر کوئی موت کو ناپسند کرتا ہے تو یہ اللہ کی ملاقات سے ہی ناپسندیدگی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ مومن اللہ سے ملاقات پسند کرتا ہے تو اللہ اس کی ملاقات اور کافر، اللہ سے ملاقات ناپسند کرتا ہے تو اللہ اس سے ملاقات پسند نہیں فرماتا۔ (البخاری: ۶۵۰۷)

Marfat.com

تو یہ تمام شواہد بتا رہے ہیں کہ دلائل میں نظر وفکر کا حکم ہے۔

مخالف کے مقامات

یاد رہے مخالفین کے بھی مقامات ہیں:

۱۔ نظر، مفید علم نہیں۔

۲۔ مفید علم نظر، مقدور نہیں۔

۳۔ اس پر اقدام جائز نہیں۔

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی تعلیم نہیں۔

5 یہ عمل بدعت ہے۔

پہلا مقام: نظر مفید علم نہیں

مخالفین نے اس پر یہ دلائل دیے ہیں:

۱۔ ہمارے غور وفکر کے بعد ایک اعتقاد ہمیں حاصل ہوتا ہے تو یہ اعتقاد، علم ہے اب یہ یا تو ضروری ہے یا نظری۔

اول باطل کیونکہ انسان جب اپنے اعتقاد پر تامل کرتا ہے کہ یہ اعتقاد علم ہے مثلاً اس کے اعتقاد میں ہے کہ واحد، دو کا نصف ہے، سورج روشن ہے، آگ جلاتی ہے تو اب اول، دوسرے سے اضعف ہے جو واضح کر رہا ہے کہ ضعف اول، کو عارض ہو رہا ہے، ثانی صورت بھی باطل کیونکہ فکر ثانی میں، کلام اول کی طرح ہے تو تسلسل ہوگا جو محال ہے۔

۲۔ جب اہلِ علم کو دیکھتے ہیں وہ مطالعہ ولغت سے ایک فکر کا اعتقاد کرتے ہیں اور اس کے علم ہونے کا جزم کر لیتے ہیں پھر اس پر یا دوسروں پر اشکار ہوتا ہے کہ یہ تو جہل تھا تو وہ اس سے رجوع کرتے ہیں۔ جب صورت اول میں یہ مشاہدہ ہے تو ممکن ہے دوسرا حاصل شدہ اعتقاد بھی علم نہ ہو لہٰذا بطریق نظر وفکر حاصل کردہ عقائد کی صحت کا جزم ویقین ممکن نہ ہوگا۔

۳۔ اگر مطلوب کا شعور ہے تو اس کی طلب محال کیونکہ تحصیلِ حاصل محال ہے اور اگر اس کا شعور نہیں اور ذہن اس سے غافل ہے اور غافل شدہ شی کی طرف ذہن کا متوجہ ہونا محال ہے۔

۴۔ یہ علم کہ نظر مفید علم ہے ضروری ہے یا نظری، اگر ضروری ہے تو تمام عقلاء کا اس میں اشتراک لازم حالانکہ ایسا نہیں اور اگر نظری ہے تو لازم آئے گا شی کی جنس شی کا افراد میں سے ایک فرد سے اثبات ہو اور یہ محال ہے کیونکہ جب ماہیت میں نزاع ہے تو اس فرد میں بھی نزاع ہوگا تو اثبات الشئی بنفسہٖ لازم آئے گا اور یہ محال ہے اس لیے کہ جب وہ اثبات کیلئے وسیلہ ہے تو

Marfat.com

اس کا پہلے معلوم ہونا ضروری ہے اور اس لحاظ سے کہ وہ مطلوب ہے تو لازم ہے پہلے وہ معلوم نہ ہو تو اب نفی واثبات کا اجتماع لازم جو محال ہے۔

۵۔ مقدمہ واحد، نتیجہ نہیں دیتا بلکہ دو مقدموں کا مجموعہ نتیجہ دیتا ہے لیکن دونوں کا دفعۃً ذہن میں حاضر ہونا محال ہے کیونکہ ہمارا تجزیہ ہے جب ہم ایک کی طرف نفس کو متوجہ کرتے ہیں تو اس وقت کسی اور معلوم کی طرف توجہ کرنا محال ہے۔

نظر الٰہیات میں مفید نہیں

بعض نے یہ تو مانا کہ نظر، مفید علم ہے لیکن انہوں نے کہ: الٰہیات میں یہ مفید نہیں اور اس پہ دو وجہ سے استدلال کیا۔

پہلی وجہ: حقیقت الٰہ متصور نہیں جب حقیقت متصور نہیں تو اب اس کی تصدیق محال ہوگی نہ تو اس کی ذات کی اور نہ کسی صفت کے ثبوت کی تصدیق ہوگی۔

بیان اول یوں ہے کہ بشر کو یہ معلوم ہے کہ واجب الوجود کی ذات محل وجہت سے منزہ اور وہ علم وقدرت کے ساتھ متصف ہے، وجوب وتنزیہ، قید سلبی ہے تو حقیقت یہ نفس سلب نہیں تو اب اس سلب کا علم اس کی حقیقت کا علم نہ ہوگا، رہا علم وقدرت سے موصوف ہونا تو اس سے مراد ذات کا ان صفات کی طرف منسوب کرنا ہے اور یہ انتساب بھی ذات نہیں تو اس انتساب کا علم بھی اس کی ذات کا علم نہ ہوا۔

بیان ثانی یوں ہے کہ تصدیق، تصور پر موقوف ہے جب تصور مفقود تو تصدیق بھی ممتنع ہوگی۔

سوال: کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کی ذات اقدس اگرچہ حقیقتِ مخصوصہ کے اعتبار سے متصور نہیں لیکن لوازم کے اعتبار سے متصور ہے۔ یعنی ہم جانتے ہیں کہ وہ شی جسے وجوب، تنزیہ ودوام لازم ہے تو اس متصور پہ حکم جاری ہو جائے گا۔

جواب: کیونکہ ہم کہتے ہیں یہ امور معلومہ، نفسِ ذات ہیں یہ محال ہے یا ذات سے خارج امور ہیں، جب ذات نہیں جانتے تو ممکن نہیں کہ ہم یہ جان لیں کہ وہ ان صفات سے متصف ہے، اب اگر وہ تصور جو ان صفات کے انتساب کیلئے شرط ہے تو یہ بھی دیگر صفات کے اعتبار سے ہوگا۔ تو اس میں کلام ہوگی تو تسلسل لازم جو محال ہے۔

دوسری وجہ: ہمارے ہاں اشیاء میں سب سے ظاہر ہماری اپنی ذات اور حقیقت ہے جس کی طرف ہم انا کے ساتھ اشارہ کرتے ہیں۔ لوگ اس کی ماہیت میں حیران وسرگردان ہیں۔ بعض نے کہا مراد یہ جسم ہے، بعض نے مزاج، بعض نے اجزا داخلہ، بعض نے کہا نہ داخل نہ خارج ہے، جب سب سے ظاہر شی کا حال یہ ہے تو اس شی کا حال کیا ہوگا جو مناسبت کے اعتبار سے ہمارے اور ہمارے احوال سے تمام اشیاء سے بعید ہے۔

Marfat.com

دوسرا مقام: نظر مفید علم مگر ہم قادر نہیں

اس پر ان کے دو دلائل ہیں

پہلی دلیل: تصورات کا حصول، غیر مقدور ہے تو تصدیقات بدیہیہ غیر مقدور ہوں گی تو تمام تصدیقات غیر مقدور ٹھہریں۔

تصورات غیر مقدور ہیں۔ کیونکہ ان کے حصول کا طالب اگر انہیں جانتا ہے تو ان کا حصول محال کیونکہ تحصیل حاصل محال ہے اور اگر ان سے غافل ہے تو ان کا طالب نہیں بن سکتا کیونکہ شی سے غافل اس کا طالب نہیں ہو سکتا۔

سوال: ممکن ہے وہ من وجہ معلوم ہوں اور من وجہ مجہول؟

جواب: جو وجہ معلوم ہوگی وہ اس وجہ کے غیر ہوگی جو معلوم نہیں ورنہ صدق و کذب کا شی واحد پر صدق ہوگا جو محال ہے تو اب ہم کہتے ہیں وجہ معلوم کا حصول، تحصیل حاصل ہونے کی وجہ سے محال اور غیر معلوم وجہ کا حصول مغفول (غفلت شدہ) ہونے کی وجہ سے ہوگا کیونکہ وہ مطلوب ہی نہ ہوگا۔

ہمارا قول، تصورات جب غیر کسبی ہیں تو اب تصدیقات بدیہیہ کا کسبی ہونا محال ہوگا کیونکہ قضیہ بدیہیہ میں موضوع و محمول ذہن میں آنے سے لازم ہوگا کہ محض ان دونوں کے حصول سے ذہن کو ایک کی نسبت دوسرے سے نفی و اثبات کا جزم ہو یا لازم نہ ہوگا، اگر لازم نہیں تو قضیہ بدیہیہ نہ ہوگا بلکہ مشکوکہ ہوگا اور اگر لازم ہے تو ان دونوں تصورات کے حصول پر تصدیق لازم الحصول ہوگی اور ان کے عدمِ حصول پر ممتنع الحصول ہوگی۔ اور جو نفی و اثبات میں واجب الدور ہو حالانکہ وہ نفیاً و اثباتاً مقدور نہ ہو تو لازم ہے وہ بھی اسی طرح ہو تو ثابت ہوا تصدیقات بدیہیہ غیر کسبی ہیں۔

ہم نے جو کہا تصدیقات جب کسبی نہیں تو تصدیقات میں سے کوئی شی بھی کسبی نہ ہوگی کیونکہ جو تصدیق بدیہی نہیں ضروری ہے کہ وہ نظری ہو تو اب دو صورتیں ہیں کہ ان تصدیقات بدیہیہ کے حضور کے وقت وہ واجب الزوم ہوگی یا واجب نہ ہوگی، اگر وہ واجب الزوم نہیں تو ان مقدمات کے صدق سے مطلوب کا صدق لازم نہیں تو یہ استدلال یقینی نہیں بلکہ ظنی یا اعتقاد تقلیدی ہوگا، اور اگر واجب اللزوم ہے تو وہ نظریات ان قضایا ضروریہ کے ساتھ نفیاً اثباتاً واجب الدور ہوں گے تو اب لازم ہے کہ ان نظریات میں سے کوئی بھی بالکل عبد کے مقدور میں نہ ہو۔

دوسری دلیل: انسان کسی شی کو وجود دینے پر تب قادر ہو سکتا ہے کہ اس کیلئے مطلوب کو غیر مطلوب سے ممتاز کرنا ممکن ہو، علم، جہل سے یوں ممتاز ہوتا ہے کہ وہ معلوم کے مطابق ہوتا ہے اور جہل مطابق نہیں ہوتا اور یہ اس وقت معلوم ہوگا جب معلوم کے بارے میں صحیح علم ہو تو اب کسی شی کے ایجاد کا علم اس وقت ممکن ہوگا جب آدمی اس شی کا عالم ہوگا لیکن یہ محال کیونکہ تحصیل حاصل محال ہے لہذا لازم ہے کہ بندہ ایجادِ علم اور ایجادِ طلب علم پر قادر نہ ہو۔

Marfat.com

تیسری دلیل: موجب نظر کون؟

موجب نظر، ضرورت عقل ہے یا نظر یا سمع؟ اول باطل ہے کیونکہ ضروری میں عقل شرط نہیں ہے، وجوب فکر ونظر کا معاملہ ایسا نہیں بلکہ کثیر عقلاء اسے بُرا جانتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ اپنے صاحب کو جہل تک پہنچا دیتی ہے لہٰذا اس سے احتراز ضروری ہے ثانی بھی باطل اس لیے کہ جب اس کے وجوب کا علم ہوا تو وہ نظری ہوگا تو اب قبل از نظر، وجوب نظر کا علم ممکن نہ ہوگا۔ تیسری صورت بھی باطل اس لیے کہ قبل از نظر، معرفت وجوب نظر پر متمکن نہ ہوگا اور بعد از نظر اس کا ایجاب ہی ممکن نہیں کیونکہ اس میں کوئی فائدہ ہی نہیں، جب یہ تمام صورتیں باطل ہیں تو وجوب کی نفی ثابت ہوگی۔

تیسرا مقام: نظر مفید علم مگر

نظر مفید علم اور مقدور مکلف ہے مگر اللہ تعالیٰ کا اس کے بارے میں حکم دینا قبیح ہے، اس کا بیان ان دلائل سے ہے:

پہلی دلیل: نظر، اکثر امور میں صاحب نظر کو جہل تک لے جاتی ہے تو جو اس کی طرف اقدام کرتا ہے وہ اکثر جہالت تک جاتا ہے جس کا معاملہ یوں ہو وہ قبیح ہوتا ہے لہٰذا لازم ہے کہ فکر قبیح ہو اور اللہ تعالیٰ کسی قبیح کا حکم نہیں دیتا۔

دوسری دلیل: ہم میں ہر کوئی ناقص، ضعیف الخاطر اور شبہات کثیرہ متعارضہ کا محل ہے لہٰذا حق و باطل میں امتیاز کیلئے ہم عقل پہ اعتماد کیسے کرلیں؟ جب ہم اصحاب مذاہب کو دیکھتے ہیں ان میں ہر ایک مدعی ہوتا ہے کہ حق ہمارے اور باطل مخالف کے ساتھ ہے۔ اگر وہ تعصب وہٹ دھرمی سے بالاتر ہو کر انصاف سے بھی کام لیں تو دلائل متعارض پاتے ہیں تو یہ واضح کر رہا ہے کہ ان حقائق کا ادراک عقل کر ہی نہیں سکتی۔

تیسری دلیل: مدارِ دین اگر حقائقِ دلائل میں نظر پر ہو تو لازم آئے گا کوئی انسان ایمان پر ایک گھڑی بھی پختہ نہ رہے اس لیے کہ صاحب نظر کے دل میں مقدمات دلیل دین کے کسی بھی مقدمہ پر سوال پیدا ہوسکتا ہے تو اس میں سوال پیدا ہوتے ہی وہ مقدمہ اس کے ہاں مشکوک ہوگیا، جب دلیل کے ایک مقدمہ میں شک ہوگیا تو نتیجہ ظنی ہوگا کیونکہ مظنون، مفید یقین نہیں لہٰذا لازماً انسان ہر ساعت، دین سے خارج ہوگا کیونکہ اس کے دل میں سوالات ومباحث ضرور پیدا ہوں گے۔

چوتھی دلیل: زدِعام ہے جس نے کیمیاء کے ذریعے مال طلب کیا وہ مفلس ہوگیا اور جس نے کلام کے ذریعے دین طلب کیا وہ زندیق ہوا تو اس سے واضح ہو رہا ہے کہ علمِ نظر کا دروازہ کھولنا جائز نہیں۔

Marfat.com

چوتھا مقام: نظر بالذات بد نہیں

نظر بذاتہ قبیح نہیں لیکن واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اس کا حکم ہمیں نہیں دیا، اس پر دلیل یہ ہے کہ مطالب کے دلائل کا علم ضروری تعلیم و تعلم سے مستغنی ہوگا یا نہ ہوگا بلکہ حصول کیلئے تامل، تدبر اور استفادہ کا محتاج ہوگا اول صورت باطل ورنہ تمام لوگوں کے لیے ان کا حصول لازم ہوگا اور یہ مکابرہ اور سینہ زوری ہے۔

اور اس لئے بھی کہ ہمارا تجربہ ہے۔

سب سے ذکی شخص کیلئے اس علم کا حصول سالہا، اساتذہ اور کتب کے بغیر ممکن نہیں۔ اگر دوسری صورت ہے تو لازم ہوگا یہ علم کسی انسان کو ممارست شدیدہ اور مباحث کثیرہ کے بغیر حاصل ہی نہ ہو۔

تو اگر دین کا مدار اس پر ہے تو لازم ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کسی انسان کے صحتِ اسلام کیلئے پہلے ان مسائل کے بارے پوچھیں اور اسے ان دلائل سے کامل طور پر آگاہ کریں، اگر رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا ہوتا تو مشہور ہوتا۔ جب یہ مشہور نہیں بلکہ بتواتر مشہور و منقول یہ ہے کہ آپ ﷺ اس شخص کے مسلمان ہونے کا اعلان فرماتے جو بالبداہت جانتا کہ اس کے دل میں ایسی کوئی شی نہیں، تو معلوم ہوگیا یہ چیز صحت دین کیلئے معتبر ہی نہیں۔

سوال: معرفت اصول دلائل، اکثر عقلاء کو حاصل ہوتی ہے محتاج محققین کیلئے ہوتی ہے تاکہ شبہات کا ازالہ کیا جائے ہاں یہ چیز صحتِ اصلِ دین میں معتبر نہیں۔

جواب: یہ بات ضعیف ہے کیونکہ دلیل زیادتی نقصان کو ہرگز قبول نہیں کرتی، اس لیے کہ دلیل جب دس مقدمات پر مبنی ہو اگر آدمی کو ان تمام مقدمات کی صحت کا جزم ہو تو وہ دلیل کی ایسی معرفت رکھے گا کہ اس سے زائد نہیں ہوسکتی کیونکہ اس سے جو زائد ہے وہ اس دلیل کے تحقق و ثبوت میں اگر معتبر ہے تو ہمارا قول باطل ہوگا کہ دلیل فقط دس مقدمات پر مشتمل ہے اور اگر وہ معتبر نہیں تو اس کا علم دلیل سے زائد نہ ہوا بلکہ وہ علم منفصل ہوگا تو ثابت ہوا کہ دلیل زیادتی کو قبول نہیں کرتی۔

اسی طرح وہ نقصان بھی قبول نہیں کرتی اس لیے کہ ان میں سے اگر نو مقدمات یقینی اور دسواں ظنی ہے تو مطلوب کا یقینی ہونا محال ہوگا کیونکہ ظنی پر مبنی بطریق اولیٰ ظنی ہوگا تو واضح ہوا کہ دلیل نہ زیادتی قبول کرتی ہے اور نہ نقصان۔

اس کے بطلان سے سوال بھی باطل ہوگیا اس کی مثال یہ ہے جب انسان بارش، کڑک اور چمک دیکھتا ہے جبکہ ہوا صاف ہو تو وہ کہتا ہے سبحان اللہ۔

کچھ نے کہا سبحان اللہ اس پر دال ہے کہ اس قائل نے اللہ تعالیٰ کو دلیل سے جانا۔ لیکن یہ باطل ہے اس لیے کہ وہ عارف

Marfat.com

باللہ تب ہوگا جب اسے اس دلیل سے جانے کہ اس حادث کیلئے موثر ضروری ہے پھر دلیل کے ساتھ جانے کہ اس میں مؤثر، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔

اور یہ دوسرا مقدمہ تب درست ہے جب دلیل کے ساتھ یہ جانے کہ یہ تخلیق وحدوث کی نسبت فلک، نجوم، طبع اور علت موجبہ کی طرف محال ہے اور اگر اس کا بطلان دلیل سے نہیں جانتا تو یہ اس دوسرے مقدمہ کا بغیر دلیل قائل ہوگا تو اب یہ مقدمہ تقلیدی ہوگا اور اس پر مبنی بھی تقلید ہوگا نہ کہ یقین لہٰذا تمہارے قول کا فاسد ہونا ثابت ہو گیا۔

پانچواں مقام: علمِ کلام پڑھنا بدعت

علم کلام کا حصول بدعت ہے اس پر قرآن، احادیث، اجماع اور اقوال اسلاف وحکماء موجود ہیں۔

قرآن میں ارشادِ الٰہی ہے

مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ (پ۲۵، الزخرف:۵۸) انہوں نے یہ نہ کہی مگر ناحق جھگڑے کو، بلکہ وہ جھگڑالو لوگ ہیں

اس میں جدال کی مذمت ہے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ (پ۷، الانعام:۶۸) اور (اے سننے والے) جب تو انہیں دیکھے جو ہماری آیات میں پڑتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لے جب تک اور بات میں پڑیں

یعنی جب آیات الٰہیہ میں خوض وجدال کریں تو ان سے اعراض کرلو۔

حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا

تَفَكَّرُوْا فِي الْخَلْقِ وَلَا تَفَكَّرُوْا فِي الْخَالِقِ مخلوق میں غور کرو مگر خالق میں غور وفکر مت کرو۔

آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے:

عَلَيْكُمْ بِدِيْنِ الْعَجَائِزِ بوڑھی خواتین کا دین قبول ولازم رکھو۔

یہ بھی فرمایا:

اِذَا ذُكِرَ الْقَدَرُ فَاَمْسِكُوْا جب تقدیر کا تذکرہ آئے تو خاموشی اختیار کرو۔

(المعجم الکبیر للطبرانی:۱۴۲۷)

Marfat.com

دلیل اجماع یوں ہے کہ صحابہ نے کبھی بھی کلامی گفتگو نہیں کی لہٰذا یہ علم بدعت اور حرام ہے باقی صحابہ کا اس میں گفتگو نہ کرنا ظاہر ہے کیونکہ ان میں سے کسی کے بارے میں منقول نہیں کہ انہوں نے ان اشیاء پر استدلال کی کوشش کی ہو بلکہ وہ اس میں مشغول ہونے سے شدید انکار کرتے جب یہ ثابت ہے تو اس کا بدعت ہونا ثابت لہٰذا یہ حرام ہے۔

آثار صحابہ و تابعین

۱۔ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بدعات سے بچو۔ پوچھا: اے ابو عبداللہ! بدعات کیا ہیں؟ فرمایا: اہلِ بدعت، اللہ تعالیٰ کے اسماء، صفات اور کلام میں گفتگو کرتے ہیں اور اس میں خاموشی اختیار نہیں کرتے جس پر صحابہ اور تابعین نے خاموشی اختیار کی۔

۲۔ حضرت سفیان بن عیینہ سے علم کلام کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا: سنت کی اتباع کرو اور بدعت سے بچو۔

۳۔ حضرت امام شافعی نے فرمایا: شرک کے علاوہ بندے کا ہر گناہ میں مبتلا ہونا اس سے بہتر ہے کہ وہ علم کلام پڑھے۔ فرمایا: اگر کسی آدمی نے دوسرے کو علمی کتب دینے کی وصیت کی اگر ان میں کتب کلام ہیں تو وہ داخل نہ ہوں گی۔

اگر کسی نے علماء کیلئے وصیت کی کہ انہیں یہ انعام دو تو علم کلام والا عالم اس میں شامل نہ ہوگا۔ واللہ أعلم

نظر و استدلال کے مخالفین کے دلائل یہی ہیں۔

ان دلائل کا رد

جواب: یہ شبہ کہ نظر مفید علم نہیں فاسد ہے کیونکہ جو شبہ ذکر ہوا وہ بدیہی نہیں بلکہ نظری ہے تو انہوں نے نظر کی بعض انواع واقسام کے ذریعے اس کے کل کی نفی ہے اور اس میں تناقض ہے۔

یہ شبہ کہ نظر غیر مقدور ہے، فاسد ہے کیونکہ وہ اس شبہ سے استدلال پر قادر و مختار ہوئے لہٰذا ان کا کہنا باطل کہ نظر اختیاری نہیں

یہ شبہ کہ نظر پہ اعتماد قبیح ہے یہاں بھی تناقض ہے کیونکہ لازم آئے گا کہ ان کا یہ شبہ وارد کرنا قبیح ہو۔ یہ شبہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم نہیں دیا، باطل کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام نظر و استدلال کا طریق ہی لے کر آئے ہیں۔

ارشادِ گرامی

مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا (پ۲۵، الزخرف:۵۸) انہوں نے یہ نہ کہی مگر ناحق جھگڑنے کو

اس سے مراد باطل کیلئے بحث ہے اور یہ مراد لینا ضروری ہے تا کہ اس فرمان اور ارشاد الٰہی

Marfat.com

وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ (پ۱۴، النحل:۱۲۵) اوران سے بہتر طریقہ سے بحث کرو

میں موافقت ہو جائے۔

وَاِذَا رَاَیۡتَ الَّذِیۡنَ یَخُوۡضُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ (پ۷، الانعام:۶۸) اور جب تو انہیں دیکھے جو ہماری آیات میں پڑتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لے

اس کا جواب یہ ہے کہ خوض، نظر نہیں بلکہ ثی میں خوض سے مراد ہٹ دھرمی ہے۔

حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی مخلوق میں غور کرو مگر خالق میں نہ کرو، تو مخلوق میں غور اس لیے تھا کہ خالق کی معرفت نصیب ہو اور یہی مطلوب ہے۔

ارشادِ عالی، بوڑھی خواتین کا دین اختیار کرو۔ اس سے مراد بھی یہی ہے کہ تمام اُمور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو اور تمام اُمور میں اس پر اعتماد کرو۔

آپ کے فرمان ''تقدیر پر خاموشی اختیار کرو'' سے استدلال ضعیف ہے کیونکہ جزئی کی نفی، کلی کی نفی کیلئے مفید نہیں۔

اجماع، اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ صحابہ نے متکلمین کے الفاظ نہیں بولے تو تسلیم لیکن اس سے علم کلام پر طعن نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ انہوں نے الفاظ فقہاء استعمال نہیں کیے۔ تو اس سے فقہ کا رد نہیں ہوتا، اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو دلیل سے نہیں جانا تو تمہارا یہ قول نہایت ہی غلط ہے۔

رہا اسلاف کا علم کلام کے خلاف تشدد تو اس میں اہل بدعت پر انکار و تردید ہے۔

مسئلہ وصیت سے یوں معارضہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر کسی نے ہر اس کیلئے وصیت کی جو اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، افعال، انبیاء و رسل کا عارف ہے تو اس میں فقیہہ شامل نہ ہو گا کیونکہ وصایا کا مدار عرف پر ہوتا ہے اسی پر مسئلہ کا اتمام ہو رہا ہے۔ واللہ أعلم

دوسرا مسئلہ: عبادت کی حقیقت کیا ہے اس کی تفصیل ''ایاك نعبد'' کے تحت آ چکی ہے۔

خلق کا مفہوم

خلق کا معنی، شیخ ازہری صاحب تہذیب نے ابن الانباری سے نقل کیا، تقدیر و تسویہ، اس پہ انہوں نے آیت، شعر اور لغت سے استشہاد کیا۔

آیت مبارکہ ہے

Marfat.com

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ (پ ۱۸، المؤمنون:۱۴) تو بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے والا ہے

خالقین بمعنی مقدرین، دوسرے مقام پہ ہے۔

وَتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا (پ ۲۰، العنکبوت:۱۷) اور تم نرا جھوٹ گھڑتے ہو

یعنی تم نے کذب کو تخلیق کیا۔

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ (پ ۷، المائدۃ:۱۱۰) اور جب تو مٹی سے بناتا

زہیر نے کہا

ولأنت تفری ما خلقت وبعض القوم يخلق ثم لا يفری

کسی دوسرے نے کہا

ولا يئط بأيدی الخالقين ولا أيدی الخوالق الا جيد الأدم

لغۃً یوں تائید ہے جب جوتا برابر کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں خلق النعل، جن باتوں کی تصدیق نہیں کی جاتی انہیں عرب احادیث الخلق، کہتے ہیں، اس سے ارشادِ الٰہی ہے:

اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ (پ ۱۹، الشعراء:۱۳۷) یہ نہیں مگر وہی اگلوں کی ریت

مقدرِ خیر کو خلاق، خلیق بمعنی لائق گویا خیر اس سے صادر ہوا، نازک اور صاف پتھر کو "خلقاء" کیونکہ ملامت و نرمی استواء اور خشونت اختلاف ہے۔ کپڑا جب پرانا ہو جائے تو نرم اور کریذیں سیدھی ہو جاتی ہے تو اسے 'الخلق الثوب' کہتے ہیں تو ثابت ہوا کہ خلق، تقدیر اور استوا کا نام ہے۔

قاضی عبدالجبار نے کہا خلق فعل بمعنی تقدیر ہونا، لغت اس کا تقاضا نہیں کرتی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ہی شان ہے بلکہ کتاب اللہ میں اس کے خلاف تصریح ہے۔

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ (پ ۱۸، المؤمنون:۱۴) تو بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے:

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـئَةِ الطَّيْرِ (پ ۷، المائدۃ:۱۱۰) اور جب تو مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا

Marfat.com

لیکن اللہ تعالیٰ جب کوئی فعل کرے گا تو وہ اس کے انجام اور کیفیت مصلحت سے آگاہ ہوگا تو اس کا فعل یقیناً ایسا ہی ہوگا لہٰذا اس اسم کا اس کے ساتھ اختصاص ہے۔

ان کے استاذ ابو عبداللہ بصری نے کہا، اسم خالق کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر محال ہے کیونکہ تقدیر و تسویہ فکر، نظر اور حساب کا نام ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔

جمہور اہلِ سُنّت و جماعت کا موقف ہے کہ خلق سے مراد ایجاد و انشاء ہے اس پر ان کا استدلال اہل اسلام کے اس قول سے ہے

لَا خَالِقَ اِلَّا اللّٰهُ — اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنیوالا نہیں

اگر خلق بمعنی تقدیر ہو تو یہ قول ہرگز درست نہیں ہوسکتا۔

تیسرا مسئلہ: وجودِ باری تعالیٰ پر دلائل

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اور یہ اس کے وجود کی معرفت پر موقوف ہے، مگر اس کے وجود کا علم بدیہی نہیں بلکہ نظری ہے۔ لہٰذا اس کے وجود پر دلائل کا ذکر ضروری ہے۔

ہم نے کتب عقلیہ میں واضح کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا طریق اثبات یا امکاں ہے یا حدوث یا ان دونوں کا مجموعہ پھر یہ تمام جواہر ہوں گے یا اعراض، تو وجود باری تعالیٰ پر دال مجموعہ طرق چھ ہی ہیں۔

۱۔ ذوات کے ممکن ہونے سے استدلال

اس کی طرف یوں اشارہ ہے۔

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (پ ۲۶، محمد: ۳۸) — اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو

• سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے یوں حکایت فرمائی:

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ (پ ۱۹، الشعراء: ۷۷) — بیشک وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے پروردگارِ عالم کے

یہ بھی فرمایا:

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى (پ ۲۸، النجم: ۴۲) — اور یہ کہ بیشک تمہارے رب ہی کی طرف انتہا ہے۔

یہ بھی ارشادِ الٰہی ہے:

فَفِرُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ (پ ۲۷، الذاریات: ۵۰) — تو اللہ کی طرف بھاگو

Marfat.com

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (پ ۱۳، الرعد:۲۸) سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے

۲۔صفات کے ممکن ہونے سے استدلال

اس کی طرف یوں اشارہ ہے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (پ ۱۴، النحل:۳) اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً (پ ۱، البقرہ:۲۲) وہ ذات جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا

اس کی مزید تفصیل آرہی ہے۔

۳۔اجسام کے حادث ہونے سے استدلال

اس کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول میں اشارہ ہے۔

لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ (پ ۷، الانعام:۷۶) میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا

۴۔حدوث اعراض سے استدلال

یہ طریق افہام خلق کے زیادہ قریب ہے اور یہ دو اُمور ہیں۔ا۔دلائل انفسی۔ ۲۔دلائل آفاقی

کُتب الٰہیہ اکثر طور پر انہی دو ابواب پر مشتمل ہے، یہاں اللہ تعالیٰ نے انہی دو اُمور کو جمع فرمایا ہے۔

ا۔دلائلِ انفسی

ہر آدمی بداہۃً جانتا ہے کہ وہ پہلے موجود نہ تھا اب موجود ہوا ہے اور جو بھی عدم کے بعد موجود ہو تو اس کیلئے موجد کا ہونا ضروری ہے اور وہ موجد خود آدمی نہیں ہوسکتا، نہ والدین اور نہ باقی لوگ۔ کیونکہ مخلوق کا ایسی تخلیق وترتیب سے عاجز ہونا بداہۃً معلوم ہے لہٰذا ایسے موجد کا ہونا ضروری ہے جو ان موجودات کے مخالف ہو حتیٰ کہ اس سے ان اشخاص کی ایجاد درست ہو۔

سوال: البتہ یہ سوال کوئی اٹھا سکتا ہے کہ ممکن ہے طبائع موسم، افلاک اور نجوم مؤثر ہوں؟

جواب: یہ سوال چونکہ ممکن تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کے بعد ان کے موجود و حادث ہونے کا ذکر کیا، فرمایا

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً (پ ۱، البقرہ:۲۲) اس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا

Marfat.com

۲۔دلائلِ آفاقی

دلائلِ افاق سے یہی مراد ہے کہ اس میں احوال عالم کے تغیرات مثلاً رعد، ریاح، سحاب اور اختلاف موسم اس میں شامل ہیں۔حاصل یہ ہے کہ اجسامِ فلکیہ اور اجسامِ عنصریہ، جسم ہونے میں مشترک ہیں تو بعض کا بعض صفات کے ساتھ اختصاص مثلاً تصاویر، اشکال ومحلات، یہ جسمیت یا دیگران کے لوازم کی وجہ سے نہیں وگرنہ ان صفات میں تمام کا اشتراک لازم۔لہٰذا یہ کسی امر منفصل کی وجہ سے ہے۔اب اگر وہ امر جسم ہے پھر یہ بحث لوٹ آئے گی۔ان اجسام کے درمیان یہ مؤثر ہونے کیلئے کیوں مختص ہے؟اور اگر وہ امر جسم نہیں تو وہ موجب ومجبور ہوگا یا مختار، اول باطل ورنہ بعض اجسام کا بعض صفات اختصاص اس کے برعکس سے اولیٰ نہ ہوگا۔لہٰذا اس کا قادر ہونا ضروری ہے تو اس دلیل سے ثابت ہوگیا کہ تمام اجسام ایک ایسے مؤثر وقادر کی طرف محتاج ہیں جو نہ جسم ہے اور نہ جسمانی۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ وجود صانع پہ حدوث اعراض سے استدلال، ثبوت امکان اعراض وصفات، کے بعد ہی کافی ہوسکتا ہے۔جب یہ معلوم ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے انواعِ ادلہ میں سے یہ دلیل اپنی کتاب کے ابتدا میں دو وجوہ کی بنا پہ بیان کی۔

پہلی وجہ: یہ طریق چونکہ اذہان وافہام مخلوق کے زیادہ قریب اور عقول سے زیادہ متصل ہے، قرآن میں جو دلائل مذکور ہیں لازم ہے کہ وہ دقت (مشکل) سے بہت دور اور افہام کے زیادہ قریب ہوں تاکہ ان سے ہر خاص وعام نفع حاصل کرسکے لہٰذا ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے ابتداء کتاب میں ذکر فرماتے۔

دوسری وجہ: دلائلِ قرآنیہ سے غرض ومقصد مجادلہ وجھگڑا نہیں بلکہ ان سے غرض، قلوب میں عقائد صحیحہ کا حصول ہے اور یہ نوع دلائل اس باب میں باقی طرق سے اقویٰ ہے کیونکہ اس نوع دلائل سے جیسے یہ معلوم وفائدہ ہے کہ خالق کا وجود ہے اسی طرح یہ ہم پر خالق کی نعمتوں پر بھی دال ہے اس لیے کہ ہمارا وجود وحیات عظیم انعام ہے، اور نعمتوں کا تذکرہ محبت کے لزوم، ترکِ تنازع اور حصولِ اطاعت کا سبب ہے اسی سبب باقی انواع سے اس نوع دلائل کا ذکر اولیٰ ہے۔

Marfat.com

وجود باری تعالیٰ کے بارے میں
اسلاف کے اعلیٰ دلائل وطُرق

Marfat.com

وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں اسلاف کے بہت ہی خوبصورت اور اعلیٰ طرق و دلائل ہیں۔

ا۔امام جعفر رضی اللہ عنہ کی دلیل

منقول ہے کسی زندیق نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے پاس وجودِ صانع کا انکار کیا، تو فرمایا، تم نے کبھی سمندر کا سفر کیا ہے؟ کہنے لگا ہاں۔ فرمایا کیا تو کبھی اس کے طوفان میں گرا؟ کہنے لگا ہاں۔ ایک دن ایسی مہلک ہوا چلی کہ اس نے کشتیاں توڑ دیں اور ملاحوں کو غرق کر دیا، میں کشتی کے تختہ کے ساتھ لٹک گیا پھر وہ بھی میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا تو میں تلاطمِ امواج میں چلا گیا انہوں نے مجھے ساحل سمندر پر پھینک دیا۔ فرمایا پہلے تیرا اعتماد کشتی و ملاح پر تھا، اس کے بعد تختہ پہ کہ وہ تجھے نجات دے گا، جب یہ تمام اشیاء غرق ہو گئیں تو کیا اس کے بعد تو نے اپنے کو ہلاکت کے سپرد کر دیا یا سلامتی کا امید وار رہا؟ کہنے لگا: میں سلامتی کا امید وار تھا۔ فرمایا:

مِمَّنْ كُنْتَ تَرْجُوْهَا؟ — تو نے کس سے اُمید وابستہ کی؟

تو جواب میں خاموش ہو گیا، آپ نے فرمایا:

اِنَّ الصَّانِعَ هُوَ الَّذِيْ كُنْتَ تَرْجُوْهُ فِيْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ وَهُوَ الَّذِيْ اَنْجَاكَ مِنَ الْغَرَقِ — صانع وہی ذات ہے جس سے اس وقت تو نے اُمید باندھی تھی اور اسی نے غرق ہونے سے تجھے بچا لیا۔

تو اس پر

لَاَسْلَمَ الرَّجُلُ عَلٰى يَدِهٖ — آپ کے ہاتھ پر وہ شخص مسلمان ہو گیا۔

۲۔ کتاب دیانات العرب میں ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمران بن حصین سے پوچھا: تمہارے کتنے خدا ہیں؟ کہنے لگے، دس۔ پوچھا جب تم پر غم، مصیبت اور کوئی بڑی مشکل آ پڑے تو ان میں سے مدد کون کرتا ہے؟ عرض کیا، اللہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَالَكَ مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ — تمہارا کوئی الٰہ نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

۳۔امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دہریہ (منکرین خدا) پر تلوار تھے اس لیے دہریہ ان کے قتل کے ہمیشہ درپے رہتے، ایک دن آپ مسجد میں بیٹھے تھے تو مسلح جماعت ان پر حملہ آور ہونے لگی تا کہ انہیں شہید کر دیا جائے، آپ نے فرمایا: مجھے ایک مسئلہ کا جواب دو اس کے بعد تم جو چاہو کرو۔ کہنے لگے: پوچھو۔ فرمایا: تم اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہو جو کہے میں نے کشتی دیکھی جس

Marfat.com

پر لوگ سوار تھے۔ بوجھ سے مالا مال اور وہ سمندر کی موجوں میں ہے اور ہوائیں بھی مخالف چل رہی تھیں۔ لیکن وہ صحیح راستہ پر چل رہی ہے حالانکہ اسے چلانے والا نہ ملاح ہے اور نہ ہی کوئی محافظ ہے۔ کیا عقل اسے ممکن مانتا ہے؟ کہنے لگے اسے عقل ہرگز قبول نہیں کرتا۔ فرمایا: یا سبحان اللہ۔

إِذَا لَمْ يَجُزْ فِي الْعَقْلِ سَفِينَةٌ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ مُسْتَوِيَةً مِنْ غَيْرِ مُتَعَاهِدٍ وَلَا مُجْرِي فَكَيْفَ يَجُوزُ قِيَامُ هٰذِهِ الدُّنْيَا عَلَى اخْتِلَافِ أَحْوَالِهَا وَتَغَيُّرِ أَعْمَالِهَا وَسِعَةِ أَطْرَافِهَا وَتَبَايُنِ أَكْنَافِهَا مِنْ غَيْرِ صَانِعٍ وَ حَافِظٍ؟

جب عقل ایسی کشتی نہیں مانتا کہ وہ سمندر میں بغیر محافظ وملاح کے چلتی ہو تو وہ اس ساری دنیا کا قیام باوجودیکہ اس کے احوال میں اختلاف، اس کے اعمال میں تغیر، اس کی اطراف میں وسعت اور اس کے کناروں میں تخالف ہے عقل بغیر کسی صانع اور محافظ کے کیسے مان لے گی؟

اس پر تمام رونے لگ گئے اور کہا تم سچ کہتے ہو، اپنی تلواریں نیام میں کر کے توبہ کر لی۔

۴۔امام شافعی رضی اللہ عنہ کی دلیل

امام شافعی رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا وُجودِ صانع پر کیا دلیل ہے؟ فرمایا: شہتوت کا پتہ۔

طَعْمُهَا وَلَوْنُهَا وَرِيْحُهَا وَطَبْعُهَا وَاحِدٌ عِنْدَكُمْ؟

کیا مانتے ہو اس کا ذائقہ، رنگ، خوشبو اور طبع ایک ہی ہے؟

کہنے لگا: ہاں۔ فرمایا:

تأكلها دودة القز فيخرج منها الابريسم والنحل فيخرج منها العسل والشاة فيخرج منها البعر، ويأكلها الظباء فينعقد في نوافجها المسك فمن الذي جعل هذه الأشياء كذلك مع أن الطبع واحد؟

اسے ریشمی کیڑا کھائے تو ریشم بنائے، شہد کی مکھی کھائے تو شہد، بکری کھائے تو مینگنی، ہرن کھائے تو اس کی ناف میں کستوری پیدا ہو، یہ اشیاء بنانے والا کون ہے؟ حالانکہ طبع واحد ہے

انہوں نے اس دلیل کی خوب تعریف کی اور ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے، ان کی تعداد سترہ تھی۔

۵۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک بار یہی سوال ہوا تو فرمایا: والد بیٹا چاہتا ہے مگر بیٹی ہو جاتی ہے یا بیٹی چاہتا ہے تو اس کے برعکس بھی ہوتا ہے جو صانع پر ہی دلیل ہے۔

Marfat.com

۶۔امام احمد رضی اللہ عنہ کی دلیل

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے ایسے محفوظ قلعہ سے استدلال کیا جو ہر طرف سے بند اور اس میں کوئی سراخ نہ ہو اس کا ظاہر پگھلی چاندی اور اس کا باطن خالص سونے کی طرح ہو لیکن اس کی دیوار پھٹے تو وہاں سے حیوان، سننے، دیکھنے والا سامنے آجائے تو فاعل کا ہونا ضروری ہے، یہاں قلعہ سے انڈہ اور حیوان سے بچہ مراد ہے۔

۷۔امام مالک رضی اللہ عنہ کی دلیل

ہارون الرشید نے امام مالک رضی اللہ عنہ سے وجود باری تعالیٰ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اختلافِ اصوات، مترنم نغمات، تفاوت لغات ولسان سے استدلال کیا۔

۸۔ ابونواس سے کسی نے یہی پوچھا تو اس نے کہا:

تأمل فی نسبات الأرض وانظر	إلی آثار ما صنع الملیك
عیون من لجین شاخصات	وأزهار كماء الذهب السبیك
علی قضب الزبر جد شاهدات	بأن الله لیس له شریك

۹۔ ایک اعرابی سے صانع کے وجود پر دلیل پوچھی گئی تو کہنے لگا:

البعرة تدل علی البعیر وروث علی الحمیر، وآثار الأقدام علی المسیر، فسماء ذات أبراج، وأرض ذات فجاج وبحار ذات أمواج

مینگنی، اونٹ پر، لید، گدھے پر، قدموں کے نشان چلنے والے پر دال ہوتے ہیں، تو برجوں والا آسمان، گہرے راستوں والی زمین اور موجوں والے سمندر

کیا یہ تمام حلیم، علیم وقدیر صانع پر دلیل نہیں؟

۱۰۔ ایک طبیب سے کسی نے پوچھا تم نے اپنے رب کو کیسے پہچانا؟ کہنے لگے:

باهلیلج مجفف أطلق، ولعاب ملین أمسك

سخت نزلہ بہتا ہے اور نرم تھوک روکا رہتا ہے

۱۱۔ کسی دوسرے نے کہا:

عرفته بنحلة بأحد طرفیها تعسل، والأخر تلسع! والعسل مقلوب اللسع

میں نے اسے شہد کی مکھی سے پہچانا کہ اس کی ایک طرف میں شہد جبکہ دوسری میں زہر جو شہد کے برعکس ہے

Marfat.com

۱۲۔ وجود باری تعالیٰ کا علم بدیہی ہے۔یعنی دلیل کا محتاج ہی نہیں، ارشادِ الٰہی ہے:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ (پ۲۵، الزخرف:۸۷) اگر ان کفار سے پوچھو کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے اللہ نے

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ (پ۲۴، غافر:۸۴) پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو بولے ہم ایک اللہ پر ایمان لائے اور جو اس کے شریک کرتے ہیں اس کے منکر ہوئے

چوتھا مسئلہ: قاضی عبدالجبار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں "اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ" (اس نے تمہیں پیدا کیا) کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مستحق عبادت خالقیت کی وجہ سے ہی ہے جب اس نے بندوں پر عبادت لازم کی تو اس کی وجہ واضح کی کہ کس وجہ سے عبادت لازم ہے؟

سوال: وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ۔ (اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا) اس میں کیا فائدہ ہے؟ اللہ تعالیٰ کا انہیں تخلیق کرنا ان پر عبادت کے لزوم کا تقاضا تو نہیں کرتا؟

جواب: دو وجہ سے ہے۔

۱۔ اگرچہ بات یوں ہی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے آگاہ کیا ہے کہ جیسے تمہیں اس نے پیدا کیا اسی طرح تم سے پہلے لوگوں کو بھی اسی نے پیدا کیا کیونکہ طریق علم واحد ہے۔

۲۔ پہلے لوگ اِن کے اصول کی طرح ہیں تو اصول کی تخلیق، فروع اور شاخوں پر بھی انعام کی طرح ہوتا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے ان پر عظیم انعام کا تذکرہ فرمایا ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ گمان نہ کرو کہ میں تم پر حالتِ وجود میں ہی انعام کر رہا ہوں بلکہ تمہارے وجود سے ہزار ہا سال پہلے سے تم پر انعام کر رہا ہوں کیونکہ میں تمہارے اصول و آباء کا بھی خالق ہوں۔

پانچواں مسئلہ: لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ کی تفسیر

یہاں دو مباحث ہیں

۱۔ بحث اول لعلّ، اُمید و خوف کیلئے آتا ہے۔ مثلاً لعل زید یکرمنی (شاید زید میرا احترام کرے) ارشادِ الٰہی ہے:

لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (پ۱۶، طٰہٰ:۴۴) شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے

لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ (پ۲۵، الشوریٰ:۱۷) شاید قیامت قریب ہی ہو

Marfat.com

پھر فرمایا

یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهَا وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ﴿پ۲۵، الشوریٰ:۱۸﴾ جو اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کی جلدی مچا رہے ہیں اور جنہیں اس پر ایمان ہے وہ ڈر رہے ہیں

اُمید وخوف، انجام سے جہالت کی وجہ سے ہوتے ہیں اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے بارے میں محال ہے۔

معنی لعلّ میں تاویل

لہٰذا "لَعَلَّ" کے معنی میں یہ تاویلات ہوسکتی ہیں:

پہلی تاویل: "لعل" کا معنی (امید) بندوں کی نسبت ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت۔ تو ارشادِ الٰہی "لَعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰى" کا مفہوم یہ ہوگا کہ اے موسیٰ وہارون علیہما السلام فرعون کے ایمان کی اُمید رکھو باقی انجام سے اللہ تعالیٰ ہی آگاہ ہے۔

دوسری تاویل: ملوک اور بڑوں کی عادت یہ ہے کہ وہ لوگوں سے وعدہ میں "لَعَلَّ"، عسیٰ وغیرہ پر ہی اکتفا کر کے انہیں نبھاتے ہیں یا کامیابی کا اشارہ یا مسکرادینا یا بنظر شفقت دیکھنا بھی اس میں شامل ہوتا ہے۔

تو جب لوگ ان میں سے کسی پر مطلع ہوجاتے ہیں تو طالب کو مطلوب پانے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا تو کلام اللہ میں لفظِ "لَعَلَّ" بھی اسی طریق پر آیا ہے۔

تیسری تاویل: "لَعَلَّ" بمعنی کَیْ (تاکہ) ہے۔ صاحب کشاف کہتے ہیں لعل، بمعنی 'کی' نہیں ہوتا مگر لعل، کسی کو طمع دلانے کیلئے آتا ہے کریم ورحیم ذات جب کسی کو امید وطمع دلائے تو یہ اس کا امید دلانا قائم مقام حتمی وعدہ کے ہوتا ہے اسی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ کلام اللہ میں "لَعَلَّ" بمعنی کَیْ ہے۔

چوتھی تاویل: اللہ تعالیٰ نے مکلفین کے ساتھ وہی کیا کہ اگر کوئی غیر کرتا تو حصول مقصود کی امید لازمی ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جب خیر وشر پر قدرت دی، انہیں رہنمائی کیلئے عقول دے کر ان کے عذر ختم کردیے تو جو بھی دوسرے کے ساتھ ایسا کرے گا وہ اس سے حصول مقصود کا امیدوار ہوگا تو لفظ "لَعَلَّ" سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہی کیا ہے اگر کوئی دوسرا کرتا تو یہ امید کے حصول میں لازم ہوتا۔

پانچویں تاویل: شیخ قفال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: "لَعَلَّ" تکرارشی سے ماخوذ ہے مثلاً قول عرب "علّلاً بعد نھل" تو اس میں لام تاکید، لام لقد کی طرح ہے، تو لعل کا اصل عل ہے۔ مثلاً علك أن تفعل كذا یہ لعلك کے معنی میں ہے تو جب اس کی حقیقت تکرار وتاکید ہے تو یہ قول لتفعل كذا لعلك تظفر بحاجتك معناً کا معنی یہ ہے تم یہ کرو کیونکہ تمہارا فعل بجالانا تمہاری طلب میں تاکید وقوت پیدا کرے گا

Marfat.com

دوسری بحث: عبادت وتقویٰ کا تعلق

سوال: جب عبادت تقویٰ ہے تو اب "اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" کا معنیٰ یہ بنا۔ "اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ۔ لَعَلَّكُمْ تَعْبُدُوْنَ" (اپنے رب کی عبادت کرو تاکہ تم عبادت گزار بنو) یا مفہوم یہ ہو جائے گا اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تقویٰ والے بن جاؤ، تو یہ تکرار ہے۔

جواب: دو طرح سے ہے:

۱۔ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ عبادت، نفس تقویٰ ہی ہے بلکہ عبادت ایسا فعل ہے جس سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ اتقاء، نقصان دہ اشیاء سے احتراز و بچنا ہے اور عبادت، حکم شدہ فعل کا بجالانا ہے تو نفس فعل، بعینہ نقصان دہ سے احتراز نہیں بلکہ احتراز کا موجب وسبب ہے تو گویا فرمایا: تم اپنے رب کی عبادت کرو تاکہ تم اس سے اس کے عذاب سے بچ جاؤ۔ جب نفس فعل کو اتقاء کہا جاتا ہے تو یہ مجاز ہے کیونکہ اتقاء، ذریعہ حصول اتقاء کا غیر ہوگا لیکن چونکہ ان دونوں میں اتصال ہے اس وجہ سے ایک کا اطلاق دوسرے پہ ہو جاتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے مکلفین کو پیدا فرمایا تاکہ تقویٰ اختیار کرتے ہوئے اطاعت کریں جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ — اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف عبادت کیلئے ہی پیدا کیا ہے (پ۲۷، الذاریات:۵۶)

تو گویا اللہ تعالیٰ نے عبادتِ رب کا حکم دیا جس نے انہیں اس غرض (عبادت) کیلئے پیدا کیا ہے، یہ تاویل اصولِ معتزلہ کے زیادہ مناسب ہے۔

چھٹا مسئلہ: شیخ ابوعمرو "خلقکم" کو ادغام۔ شیخ ابو سمیفع "خلق من قبلکم" اور امام زید بن علی نے "والذین من قبلکم" پڑھا ہے، صاحب کشاف کہتے ہیں۔ یہاں موصول ثانی "والذین" کو اول وصلہ کے درمیان بطور تاکید داخل کیا گیا ہے۔ جیسے جریر نے اس شعر میں کہا:

یا تیم تیم عدی لا أبا لکموا

یہاں دوسرا تیم اول اور اس کی طرف منسوب کے درمیان ہے

Marfat.com

[۲۲] اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

(وہ ذات جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور چھت کو آسمان بنایا اور آسمان سے پانی اُتارا اس کے ذریعے تمہارے کھانے کو کچھ پھل پیدا کیے تو تم جان بوجھ کر اس کے شریک نہ ٹھہراؤ)

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: اَلَّذِیْ، یہ اپنے صلہ سے مل کر محلِ نصب میں ہے بطور وصف ''اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ'' یا بطور مدح وتعظیم یا یہ بطور مبتدا مرفوع ہے اور اس میں نصب بطور مدح ہوگا۔

دوسرا مسئلہ: کلمہ ''اَلَّذِیْ'' کی وضع اس مفرد کیلئے ہے جس کا صلہ، جملہ معلومہ ہوتا ہے۔ مثلاً ''ذهب الرجل الذی ابوه منطلق'' تو ''ابوه منطلق'' جملہ معلومہ ہے۔ جب ہم اس جملہ معلوم سے اس آدمی کا تعارف چاہتے ہیں تو اس پر ''اَلَّذِیْ'' داخل کرتے ہیں۔ اہلِ لغت کے قول ''اَلَّذِیْ'' اس وصف کیلئے آتا ہے جس کا تعارف جملہ ہو، کا یہی معنی ہے، جب یہ ثابت ہے تو ''اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً'' کا تقاضا یہ ہے کہ لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ اللہ نے زمین، فراش اور آسمان چھت بنایا گیا ہے۔ اس ارشادِ الٰہی کا یہی مفہوم ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ — اگر تو ان سے پوچھے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا کون ہے تو وہ ضرور کہیں گے اللہ

(پ۲۱ لقمان:۲۵، الزمر:۳۸)

تیسرا مسئلہ: پانچ انواع دلائل کا تذکرہ

یہاں اللہ تعالیٰ نے پانچ انواع دلائل کا تذکرہ کیا ہے۔ دو انفسی اور تین آفاقی۔

پہلے کا ذکر خَلَقَکُمْ (تمہیں پیدا کیا) دوسرے کا تمہارے آباء وامہات کو پیدا کیا۔ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ۔ تیسرے زمین فراش، چوتھے آسمان چھت پانچویں آسمانوں وزمین کے مجموعہ سے حاصل اُمور، جس کا ذکر یوں ہے: ''وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ''

Marfat.com

ترتیب کے اسباب

اس ترتیب کے یہ اسباب ہیں۔

انسان کے سب سے قریب، اس کی ذات ہے انسان کا دوسرے کے احوال سے اپنے احوال سے آگاہ ہونا زیادہ اظہر ہے، جب استدلال سے غرض افادہ علم ہے تو جو دلالت میں اظہر ہوگا وہ افادہ میں زیادہ قوی ہوگا اور اس کا ذکر بھی پہلے ہوگا تو اس وجہ سے انسان کا اپنا ذکر پہلے لایا پھر دوسرا مرتبہ اس کے آباؤ واحباب اور تیسرے مرتبہ پر زمین کا ذکر آیا کیونکہ زمین، آسمان سے انسان کے زیادہ قریب ہے اور انسان، آسمان سے احوالِ زمین سے زیادہ آگاہ ہے۔آسمان سے بارش اور اس کی وجہ سے ثمرات سے پہلے آسمان کا ذکر آیا کیونکہ یہ آسمان وزمین کی اولاد کی طرح ہیں اور اثر، موثر کے بعد ہوتا ہے۔اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر آسمان وزمین کے بعد کیا۔

۲۔ مکلفین کو زندہ اور قادر پیدا کرنا تمام نعمتوں کی اصل ہے باقی زمین، آسمان اور پانی سے نفع، حصولِ خلق، حیات، قدرت و خواہش کے بعد ہی ہوگا لہٰذا اصل کا ذکر فرع سے پہلے ہونا ضروری تھا۔

۳۔ زمین وآسمان میں وجود صانع پر جو دلائل ہیں وہ انسان میں حاصل ہیں بلکہ انسان میں ایسے دلائل ہیں جو ان دونوں میں نہیں ہیں کیونکہ انسان میں حیات، قدرت، آرزو اور عقل ہے اور ان تمام پر قدرت، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں رکھتا تو جب وجوہ دلائل انسان میں اتم ہیں تو اس کا مقدم کرنا اولیٰ ہے، جیسے ہم نے ترتیب کا سبب ذکر کیا۔

اب ہمیں ان تینوں کے منافع کا ذکر بھی کرنا چاہیے۔

چوتھا مسئلہ: یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس نے زمین کو فراش بنایا، اس کی نظیر یہ ارشادِ الٰہی ہے:

أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَالَهَا أَنْهَارًا — یا وہ جس نے زمین بسنے کیلئے بنائی اور اس کے بیچ میں نہریں نکالیں (پ۲۰، النمل:۶۱)

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا — (پ۲۵، الزخرف:۱۰) وہ جس نے تمہارے لیے زمین کا بچھونا بنایا

زمین کے فراش ہونے کی شرائط

زمین کا فراش ہونا ان اُمور سے مشروط ہے۔

پہلی شرط: یہ ساکن ہو اس لیے کہ اگر یہ متحرک ہے تو اس کی حرکت مستقیم ہوگی یا دائری، اگر مستقیم ہے تو زمین کاملاً ومطلقاً

Marfat.com

ہمارے لیے فراش نہ ہوگی کیونکہ جو بلند جگہ ہوگا لازم ہے کہ وہ زمین تک نہ پہنچ پائے کیونکہ زمین خود نیچے جانے والی ہے اور انسان بھی نیچے آرہا ہوگا، زمین انسان سے اثقل ہے جب دو ثقیل نیچے آئیں تو اثقل ان میں تیز ہوتا ہے۔ اور آہستہ چلنے والا تیز کے برابر نہیں ہوسکتا۔ تو لازمی ہے انسان زمین تک نہ پہنچ پائے تو ثابت ہوا اگر زمین ہاویہ (نیچے جانے والی) ہے تو یہ فراش نہ ہوگی۔

اگر اس کی حرکت دائری ہے تو پھر بھی ہم اس سے نفع نہ پاسکیں گے کیونکہ حرکت زمین مثلاً مشرق کی طرف ہے اور انسان مغرب کا ارادہ رکھتا ہے۔ بلاشبہ حرکت زمین زیادہ تیز ہے تو لازم ہے انسان اپنی جگہ پر ہی باقی رہے اور اپنی منزل پر نہ پہنچ پائے حالانکہ بندہ پہنچتا ہے تو معلوم ہوا زمین متحرک نہیں نہ دائری اور نہ مستقیم تو یہ ساکن ہے۔

سکون کے اسباب

اس کے سکون کے اسبابِ وجوہ میں اختلاف ہے:

۱۔ جانب سفل میں زمین کی انتہا نہیں، جب صورت حال یہ ہے تو نیچے اترنے کی جگہ بھی نہیں لہٰذا یہ نازل نہ ہوگی لیکن یہ وجہ فاسد ہے کیونکہ تمام اجسام کا متناہی ہونا ثابت ہے۔

۲۔ اجسامِ متناہی ماننے والے کہتے ہیں زمین کرہ نہیں بلکہ نصف کرہ کی طرح ہے۔ اس کا حدب (خم) فوق جبکہ سطح اسفل ہے اور یہ سطح پانی اور ہوا پر ہے۔ شان ثقیل یہ ہوتی ہے کہ جب وہ پھیلتی ہے تو وہ پانی وہوا پر قطعی کی طرح ہوتی ہے۔ جب وہ پھیلتی ہے تو وہ گردش کرتی ہے۔ اور جب جمع کی جاتی ہے تو گر جاتی ہے لیکن یہ دو وجوہ سے باطل ہے۔

۱۔ وقوف ماء اور ہوا کے سبب میں اسی طرح کی بحث ہے جو وقوفِ ارض کے سبب میں ہے۔

۲۔ زمین کی ایک جانب میں پھیلاؤ کیوں ہے حتیٰ کہ وہ پانی پر کھڑی اور متحدب (خم) ہوگئی ہے؟

۳۔ جو کہتے ہیں کہ سکون ارض کا سبب، تمام جوانب سے فلک کی کشش ہے تو بعض سے کشش بعض سے اولیٰ نہیں ہے۔ لہٰذا یہ وسط میں ہے لیکن یہ دو وجہ سے باطل ہے۔

پہلی وجہ: اصغر، انجذاب وکشش میں اکبر سے تیز ہوتا ہے تو اس ذرہ کا کیا حال ہے جو فلک کی طرف نہیں جاتا؟

دوسری وجہ: انجذاب میں اقرب اولیٰ ہوتا ہے تو اوپر کی طرف پھینکا گیا ذرہ انجذاب میں اولیٰ ہوگا تو لازم ہے کہ وہ واپس ہی نہ لوٹے؟

۴۔ جو کہتے ہیں سبب سکون، تمام جوانب سے فلک کا دفاع ہے جیسے کچھ مٹی چکی کے سراخ میں ڈالی جائے اور پھر اسے بصورت دائرہ تیز گھمایا جائے تو تمام جوانب سے دفاع کی وجہ سے وہ مٹی وسطِ چکی میں رہتی ہے اس طرح زمین کا معاملہ ہے۔

لیکن یہ وجہ پانچ وجہ سے باطل ہے۔

Marfat.com

۱۔ جب دفاع قوت میں اس قدر ہے تو ہم میں سے کوئی بھی اسے محسوس کیوں نہیں کرتا؟

۲۔ یہ دفاع کیسا ہے کہ وہ بادل اور ہواؤں کی حرکت کو مقرر جہت میں کیوں نہیں کر دیتا؟

۳۔ کیا وجہ ہے کہ اس کے مغرب کی طرف انتقال کو مشرق کی طرف انتقال سے زیادہ آسان کیوں نہیں بناتا؟

۴۔ لازم ہے کہ ثقیل جس قدر اعظم ہو اس کی حرکت کم ہو کیونکہ بڑے جسم پر دباؤ چھوٹے جسم کی نسبت کم ہوتا ہے۔

۵۔ لازم ہے کہ نازل ثقیل کی ابتداء حرکت انتہا کی حرکت سے زیادہ ہو کیونکہ ابتدا میں وہ فلک سے زیادہ بعید ہے۔

۵۔۔ زمین طبعاً وسط فلک کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ ارسطو اور اس کے اتباع کا قول ہے لیکن یہ بھی ضعیف ہے کیونکہ اجسام، جسمیت میں مساوی ہیں، بعض کا ایسی صفت کے ساتھ اختصاص جو اس حالت کا مطالبہ کرتی ہے لازم ہے کہ یہ ممکن و جائز ہو لہٰذا وہ فاعل مختار کی محتاج ہوگی۔

۶۔۔ شیخ ابو ہاشم کہتے ہیں زمین کے نصف اسفل میں بلند ستون ہیں اور نصف اعلیٰ میں اس کے برعکس معاملہ ہے تو دونوں اطراف سے اعتماد کا دفاع وجہ سکون ہی ہے۔

اس پر سوال یہ ہے کہ ہر نصف کا ایسی صفت کے ساتھ مخصوص ہونا فاعل مختار کی وجہ سے ہی ہوگا لہٰذا ثابت ہوا کہ زمین کا سکون، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے۔

اب ہم کہتے ہیں، زمین کا مشاہدہ کرو وہ ٹھہری ہوئی ہے نہ اس کے اُوپر کوئی علاقہ ہے اور نہ اس کے نیچے ستون ہے۔

اُوپر کوئی علاقہ نہیں اس پر ہمارا مشاہدہ شاہد ہے علاوہ ازیں اگر یہ کسی علاقہ سے معلق ہے تو یہ علاقہ کسی اور علاقہ کی طرف محتاج ہوگا اور یہ سلسلہ لامتناہی ہوگا اس وجہ سے ثابت ہوا کہ نیچے بھی کوئی سہارا نہیں تو معلوم ہوا کہ اس کا کوئی ممسک (تھامنے والا) ہے جس نے اسے اپنی قدرت اور اختیار سے روک رکھا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ (پ۲۲، فاطر:۴۱)

بیشک اللہ روکے ہوئے ہے زمین اور آسمانوں کو کہ جنبش نہ کریں اور اگر وہ ہٹ جائیں تو انہیں کون روکے اللہ کے سوا

دوسری شرط: زمین ہمارے لیے فراش تب ہے اگر پتھر کی طرح سخت نہ ہو۔ ورنہ اس پر سونا اور چلنا بدن کیلئے تکلیف دہ ہوگا، اسی طرح اگر زمین سونے کی ہوتی تو اس میں زراعت دشوار ہو جاتی اور نہ اس پر مکانات بنائے جا سکتے کیونکہ اس کا توڑنا اور حسب منشا بنانا دشوار ہو جاتا اور نہ ہی یہ زمین نرمی میں پانی کی طرح ہے کہ بندہ اس میں دھنس ہی جائے۔

Marfat.com

تیسری شرط: نہ ہی یہ انتہائی لطیف وشفاف ہے کیونکہ شفاف پر روشنی ٹھہرتی نہیں اور جس کا معاملہ یوں ہو وہ کواکب وشمس سے گرم نہ ہوتی اور یہ نہایت ہی ٹھنڈی رہتی تو اللہ تعالیٰ نے اسے غبار آلود بنایا تاکہ اس پر روشنی ٹھہرے اور یہ گرم ہو، تاکہ اصحاب زندگی کیلئے فراش بن سکے۔

چوتھی شرط: یہ پانی سے اُوپر ہو کیونکہ طبع زمین کا تقاضا یہی ہے کہ پانی میں ڈوبی ہوئی ہو لہذا سمندر کا محیط زمین ہونا ضروری ہے اور اگر زمین اس صورت میں ہوتی تو یہ ہمارے لیے فراش نہ بنتی، اللہ تعالیٰ نے اس کی طبیعت میں تبدیلی کردی اور اس کی بعض جوانب کو پانی سے باہر نکالا جیسے بڑے بڑے جزائر تاکہ یہ فراش بن سکے۔

کرہ نہ ہو

بعض لوگ کہتے ہیں کہ فراش بننے کیلئے اس کا کرہ نہ ہونا بھی شرط ہے۔ اس آیت سے انہوں نے اس کے کرہ نہ ہونے پر استدلال کیا لیکن یہ استدلال بہت بعید ہے کیونکہ کرہ جب بہت بڑا ہو تو اس کا ایک جز جائے قرار میں سطح کی طرح ہی ہوتا ہے، اس بات کو پختہ کرنے والی بات یہ ہے کہ پہاڑ زمین کے کیل ہیں لیکن ان پہ قرار ممکن ہے تو پھر زمین پر بطریق اولیٰ قرار ہو سکتا ہے۔ واللہ أعلم

پانچواں مسئلہ: زمین کے منافع وصفات

۱۔ اس سے اشیاء پیدا ہوتی ہیں مثلاً معدنیات، نباتات، حیوانات، آثار علوی، سفلی، جن کی تفصیل اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

۲۔ اس سے تو چیزیں گاڑی ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے ابدان مرکبات میں تماسک پیدا ہو جاتا ہے۔

۳۔ زمین کے ٹکڑوں کا مختلف ہونا بعض نرم، بعض سخت، بعض ریتلی، بعض پتھریلی وغیرہ ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ اور زمین کے مختلف قطعے ہیں اور پاس پاس ہیں

(پ۱۳ الرعد:۴)

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا (پ۸، الاعراف:۵۸) اور جو اچھی زمین ہے اس کا سبزہ اللہ کے حکم سے نکلتا ہے اور جو خراب ہے اس میں تھوڑا ہی نکلتا ہے

۴۔ زمین کے رنگ مختلف ہیں سرخ، سفید، سیاہ، راکھ رنگ، غبار آلود جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے

Marfat.com

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِیْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِیْبُ سُوْدٌ (پ ۲۲، فاطر:۲۷)

اور پہاڑوں میں راستے ہیں سفید اور سرخ مختلف رنگ کے اور کچھ کالے سیاہ

۵۔ پودوں کیلئے اس کا پھٹ جانا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (پ ۳۰، الطارق:۱۲)

اور زمین کو کھلتی ہے

۶۔ آسمان سے نازل شدہ پانی کا خزانہ ہونا، اسی طرف ارشادِ الٰہی میں اشارہ ہے:

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَاَسْکَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ (پ ۱۸، المؤمنون:۱۸)

اور ہم نے ایک اندازہ پر آسمان سے پانی اتارا اور پھر اسے زمین میں ٹھہرایا اور بیشک ہم اس کے لے جانے پر بھی قادر ہیں

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَاؤُکُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْکُمْ بِمَاءٍ مَّعِیْنٍ (پ ۲۹، الملک:۳۰)

اور تم فرماؤ بھلا دیکھو اگر صبح کو تمہارا پانی زمین میں دھنس جائے تو وہ کون ہے جو تمہیں نگاہ کے سامنے پانی لادے

۷۔ چشمے اور بڑی بڑی نہریں اس میں ہیں، ارشاد فرمایا:

وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًا (پ ۱۳، الرعد:۳)

اور اس میں لنگر اور نہریں بنائیں

۸۔ اس میں معدنیات اور جنگلات ہیں، اسی طرف اس ارشاد میں اشارہ ہے:

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ (پ ۱۴، الحجر:۱۹)

اور ہم نے زمین پھیلائی اور اس میں لنگر ڈالے اس میں ہر چیز اندازے سے اگائی

اس کے بعد تمام کا ذکر و بیان یوں کیا:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (پ ۱۴، الحجر:۲۱)

کوئی ایسی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں اور ہم اسے معلوم اندازے سے ہی اُتارتے ہیں

۹۔ مخفی اشیاء جنہیں دانہ اور گٹھلی سے نکالتی ہے، ارشادِ مبارک ہے:

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی (پ ۷، الانعام:۹۵)

اور تحقیق اللہ گٹھلی اور دانے کو چیرنے والا ہے

یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (پ ۱۹، النمل:۲۵)

جو زمین کی چھپی چیزیں نکالتا ہے

Marfat.com

پھر زمین کریمانہ طبیعت کی مالک ہے اس میں تم ایک دانہ ڈالتے ہو وہ تمہیں سات سو دانے فراہم کرتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ (پ ۳، البقرۃ:۲۶۱)
اس دانے کی طرح جس نے سات بالیاں اگائیں اور ہر بالی میں سو دانے ہیں

۱۰۔ مردگی کے بعد اس کا زندہ ہونا، ارشاد فرمایا:

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا (پ ۲۱، السجدۃ:۲۷)
اور کیا وہ نہیں دیکھتے ہم خشک زمین کی طرف پانی بھیجتے ہیں پھر اس سے کھیتی نکالتے ہیں

وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ اَحْیَیْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ (پ ۲۳، یٰسین:۳۳)
اور ان کیلئے ایک نشانی مردہ زمین ہے ہم نے اسے زندہ کیا اور اس سے اناج نکالا تو اس میں سے وہ کھاتے ہیں

۱۱۔ اس پر چوپایوں کا پایا جانا جن کے رنگ، اور تخلیق مختلف ہے، اس طرف یوں اشارہ ہے:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ (پ ۲۱، لقمان:۱۰)
اس نے آسمان بنائے بے ستونوں کے جو تمہیں نظر آئیں اور زمین میں لنگر ڈالے کہ تمہیں لے کر نہ کانپے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلائے

۱۲۔ اس میں نباتات ہیں جن کے رنگ، ذائقے اور خوشبو و مہک مختلف ہیں ان میں سے بعض انسان کی خوراک، بعض چوپاؤں کی خوراک ہیں، جیسا کہ فرمایا:

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ (پ ۱۶، طٰہٰ:۵۴)
تم کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ

جو انسان کی خوراک ہیں ان میں بعض طعام، بعض سالن، بعض دوا، بعض پھل، ان میں کچھ میٹھے اور کچھ کھٹے ہیں، ارشادِ الٰہی ہے

وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ (پ ۲۴، فصلت:۱۰)
اور اس میں روزیاں مقرر کیں چار دن میں ٹھیک جواب پوچھنے والوں کو

ان میں بعض انسان کیلئے لباس کا کام دیتے ہیں کیونکہ کپڑا نباتیہ ہوگا مثلاً روئی اور قطن یا حیوانیہ ہوگا اور وہ صوف، اون چمڑا اور ریشم اور یہ ان حیوانات سے پیدا ہوتی ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں پھیلایا ہے تو کھانا بھی زمین ہے اور لباس بھی زمین ہے،

پھر فرمایا:

Marfat.com

وَيَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ — اور پیدا فرمائے گا جو تم نہیں جانتے

اس میں ایسے کثیر منافع کی طرف اشارہ ہے جنہیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد تمام قبائح و برائیوں کیلئے زمین کو ساتر و پردہ بنادیا ہے، فرمایا:

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَاءً وَّاَمْوَاتًا (پ۲۹، المرسلات:۲۵،۲۶) — اور کیا ہم نے تمہارے زندوں اور مردوں کیلئے زمین کو جمع کرنے والی نہ بنایا

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ (پ۱۶، طٰہٰ:۵۵) — ہم نے زمین ہی سے تمہیں بنایا اور اسی میں تمہیں پھر لے جائیں گے

پھر زمین و آسمان کے منافع کو یوں جمع فرما کر فرمایا:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (پ۲۵، الجاثیۃ:۱۳) — اور تابع کردیا تمہارے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے

۱۳۔ اس میں مختلف پتھر ہیں، چھوٹے پتھروں میں زینت کی اس قدر صلاحیت ہے کہ انگوٹھیوں کے نگینے بنتے ہیں اور بڑے پتھر مکانات کی زینت کیلئے ہیں۔ ان کثیر پتھروں کو دیکھو جن سے آگ نکلتی ہے اور ان یاقوتی سرخ پتھروں کو بھی دیکھو جو نادر ہیں پھر اس حقیر میں کثیر نفع اور اس قدر اعلیٰ میں قلتِ نفع بھی دیکھو۔

۱۴۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں اعلیٰ معدنیات رکھی ہیں مثلاً سونا، چاندی پھر اس پر غور کرو کہ انسان دقیق صنعتیں اور بڑے کارخانے، سمندر کی تہوں سے مچھلی کا حصول، پرندوں کو ہوا سے پکڑتے ہیں مگر سونا، چاندی کی ایجاد سے عاجز ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے وجود میں فقط ثمنیت کا فائدہ ہے اور یہ فائدہ نادر ہونے کی صورت میں ہی حاصل ہوگا۔ تو ان کی ایجاد پر قدرت سے یہ حکمت باطل ہو جاتی اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا دروازہ بند کردیا تاکہ اس حکمت کا اظہار اور اس نعمت کا بقا ہو اور اس لیے کہ جس میں مخلوق کیلئے مضرت نہ ہو اس میں انہیں قدرت دے دی مثلاً نحاس سے مجسمہ مشابہ، ریت سے آئینہ بنا سکتے ہیں۔

جب کوئی عاقل ان لطائف و عجائب میں غور و فکر کرے گا تو وہ ان تدابیر میں ایک ایسے صانع کو ماننے کی طرف مجبور و محتاج ہوگا جو حکیم، قادر، علیم ہو اور وہ کفار کے قول سے بلند و بالاتر ہو۔

۱۵۔ بہت سارے پہاڑوں اور زمین پر درخت ہوتے ہیں جو مکانات، چھت اور لکڑی جلانے کے کام آتے ہیں اور ان کی روٹی و سالن تیار کرنے میں شدید حاجت ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے دلائلِ زمین اور اس کے منافع ایسے الفاظ میں بیان فرمائے ہیں کہ کوئی بلیغ وہاں نہیں پہنچ سکتا اور ہر فصیح اس سے عاجز ہے۔ ارشاد فرمایا:

Marfat.com

16 وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۚ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ

اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں لنگر اور نہریں بنائیں اور زمین میں ہر قسم کے پھل دو دو طرح کے بنائے

(پ ۱۳، الرعد:۳)

انہار میں کچھ تو عظیم ہیں مثلاً نیل وسیحون، جیحون، فرات ان میں بعض چھوٹی ہیں اور بہت ہی زیادہ ہیں تمام کی تمام میٹھا پانی لاتی ہیں جو پینے، زراعت اور دیگر فوائد کے لیے ہوتا ہے۔

چھٹا مسئلہ: آسمان افضل یا زمین؟

بعض نے کہا: ان دلائل کی بنا پر آسمان افضل ہے:

۱۔ آسمان ملائکہ کی عبادت گاہ ہے اور اس میں کوئی جگہ نہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو۔

۲۔ جب سیدنا آدم علیہ السلام سے معصیت کا صدور ہوا تو انہیں جنت سے اتر جانے کا حکم ہوا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے پڑوس میں معصیت کرنے والا نہیں رہ سکتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَجَعَلْنَا السَّمَاۗءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا (پ ۱۷، الانبیاء:۳۲)

اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَاۗءِ بُرُوْجًا

بڑی برکت والا ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے

(پ ۱۸، الفرقان:۶۱)

حالانکہ زمین کے بارے میں ایسی کسی شی کا ذکر نہیں کیا۔

۴۔ اکثر مقامات پر زمین سے آسمان کا ذکر مقدم کیا گیا ہے۔

زمین افضل ہے

کچھ لوگوں نے ان دلائل کی بنا پر کہا زمین افضل ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کے ایک حصہ کو برکت والا قرار دیا۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا (پ ۴، آل عمران:۹۶)

یقیناً سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کیلئے مقرر ہوا وہ مکہ میں ہے

Marfat.com

۲۔ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ — برکت والے مقام میں پیڑ سے

(پ ۲۰ ،القصص:۳۰)

۳۔ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ — مسجد حرام تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی

(پ ۱۵ ،الاسراء:۱)

۴۔ ارضِ شام کو بابرکت قرار دیا:

مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا — زمین کے مشارق و مغارب جس میں ہم نے برکت رکھی

(پ ۹ ،الاعراف:۱۳۷)

۵۔ تمام زمین کو برکت دی، فرمایا:

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ — فرمائیے کیا تم اس کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں بنایا

(پ ۲۴ ،فصلت:۹)

وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا — اور اس میں اس کے اوپر سے لنگر ڈالے اور اس میں برکت رکھی

(پ ۲۴ ،فصلت:۱۰)

سوال: خالی میدان اور مہلک جنگلات میں کیا برکت ہو سکتی ہے؟

جواب: یہ وحشی جانوروں کی آماجگاہ اور چراگاہیں بنتی ہے، جب ضرورت ہو تو لوگوں کے بھی مساکن بنتے ہیں، انہی برکات کی بنا پر فرمایا:

وَفِی الْاَرْضِ آیَاتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ (پ ۲۶ ،الذاریات:۲۰) — اور یقین والوں کیلئے زمین میں نشانیاں ہیں۔

یہ آیات و نشانیاں اگرچہ غیر مومنین کو بھی حاصل ہیں لیکن ان سے نفع، اہلِ ایمان ہی حاصل کرتے ہیں لہٰذا ان کے شرف کی وجہ سے آیات برائے ''موقنین'' فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد ہے: هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ

۶۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انبیاء مکرمین کو زمین سے ہی پیدا کیا، جیسے فرمایا:

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ (پ ۱۶ ،طہٰ:۵۵) — ہم نے زمین سے ہی تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں تمہیں پھر لے جائیں گے

Marfat.com

لیکن آسمان سے کسی شئی کو پیدا نہیں کیا، اس لیے ارشاد ہے:

وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا (پ۱۷ الانبیاء: ۳۲) اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا

۷۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں بھی عزت بخشی کہ آپ کیلئے تمام روئے زمین کو سجدہ گاہ اور اس کی مٹی کو پاک کرنے والی بنادیا

السَّمَاءَ بِنَاءً کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں متعدد مقامات پر آسمانوں اور زمین کا ذکر کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا زمین و آسمان کا کثرت کے ساتھ ذکر، ان کی عظمتِ شان پر دال ہے اور اس پر بھی دال ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے اسرارِ عظیم اور حکمت بالغہ رکھی ہے جس تک مخلوق کے عقول و افہام کی رسائی نہیں ہوسکتی۔

دوسرا مسئلہ: آسمان کے فضائل

فضائل آسمان میں متعدد صورتیں ہیں۔

ا۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو ان اشیاء کے ساتھ مزین کیا۔

ا۔ مصابیح (ستارے)، ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ (پ۲۹، الملک: ۵) اور بیشک ہم نے نیچے کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا

۲۔ قمر۔

وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا (پ۲۹ نوح: ۱۶) اور ان میں چاند کو روشن کیا

۳۔ شمس۔

وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (پ۲۹، نوح: ۱۶) اور سورج کو چراغ بنایا

۴۔ عرش۔

رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ (پ۱۱، التوبۃ: ۲۹) عظیم عرش کا رب

Marfat.com

۵۔ کرسی۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (پ۳، البقرۃ:۲۵۵) اور وسیع ہے اس کی کرسی زمین و آسمان پر

۶۔ لوح۔

فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (پ۳۰، البروج:۲۲) لوح محفوظ میں

۷۔ قلم۔

نٓ وَالْقَلَمِ (پ۲۹، القلم:۱) قلم

ان سات میں سے تین ظاہر اور چار مخفی ہیں لیکن دلائل سمعیہ، آیات و احادیث سے ثابت ہیں۔

۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے جو نام ذکر کیے ہیں وہ ان کی عظمت پر دال ہیں۔

۱۔سماء، ۲۔۔سقف محفوظ، ۳۔۔سبع طباق، ۴۔۔سبع شداد۔ پھر ان کا انجام ذکر کیا:

وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ (پ۳۰، المرسلات:۹) اور جب آسمان میں رخنے پڑیں

وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ (پ۳۰، التکویر:۱۱) اور جب آسمان جگہ سے کھینچ لیا جائے

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ (پ۱۷، الانبیاء:۱۰۴) جس دن ہم آسمان کو لپیٹیں گے۔

يوم تكونُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ (پ۲۹، المعارج:۸) جس دن آسمان گلی چاندی جیسا ہوگا۔

يَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا (پ۲۷، الطور:۹) اور جس دن آسمان خوب ہلے گا۔

فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ (پ۲۷، الرحمٰن:۳۷) گلاب کے پھول جیسا بالکل سرخ ہو جائے گا۔

دو مقامات پر اس کے مبدا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ (پ۲۴، فصلت:۱۱) پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا (پ۱۷، الانبیاء:۳۰) اور ان کفار نے یہ خیال نہ کیا کہ آسمان اور زمین بند تھے اور ہم نے انہیں کھولا

یہ چیزیں ان دونوں کے حادث و فنا ہونے پر دال ہیں کہ اللہ سبحانہ نے ان دونوں کی تخلیق کامل حکمت کے ساتھ کی ہے جیسے ارشاد ہوتا ہے:

Marfat.com

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذَٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا (پ۲۳، ص:۲۷) اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بیکار نہیں بنائے یہ کافروں کا گمان ہے

۳۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو قبلۂ دعا بنایا تو اس کی طرف ہاتھ اٹھا کر چہرے کو متوجہ کیا جاتا ہے تو آسمان منزل انوار، محل صفا، اضواء و طہارت ہے اور خلل و فساد سے محفوظ ہے۔

۴۔ بعض نے کہا: آسمان زمین دو صفات پر ہیں۔ آسمان مؤثر ہیں مگر متاثر نہیں، زمین متاثر ہے مؤثر نہیں۔ اور مؤثر، قابل اثر (متاثر) سے افضل ہوتا ہے۔ اسی سبب اکثر مقامات پر آسمان کا زمین سے ذکر، مقدم ہوا ہے۔ پھر یہ بھی کہ اکثر مقامات پر آسمان کا ذکر بطور جمع اور زمین کا بطور واحد ہے اس لیے کہ آسمان کا کثیر ہونا ضروری تا کہ اس سبب سے ان کا مختلف کے ساتھ اتصال ہو لیکن زمین یہ تو اثر قبول کرنے والی ہے۔ تو زمین کا واحد ہونا ہی کافی ہے۔

۵۔ آسمان کے رنگ میں غور کرو اور اس میں حسن تدبیر پر نظر ڈالو، ہر رنگ، رنگوں میں شدید، نظر کے موافق اور اس کیلئے تقویت کا باعث ہے۔ حتیٰ کہ اطباء نظر کی تکلیف میں نیلا رنگ دیکھنے کا کہتے ہیں تو دیکھئے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کا رنگ نیلا فرمایا کہ دیکھنے والی آنکھیں نفع حاصل کریں، تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس رنگ کو سب سے زیادہ نافع بنایا اور یہ روشن کرنے والا اور اس کی صورت، افضل اور یہ مستدیر ہے، اسی لیے فرمایا:

أَوَلَمْ يَنظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِن فُرُوجٍ (پ۲۶، ق:۶) اور کیا وہ اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھتے ہم نے کیسے بنایا اور اُسے سنوارا اور اس میں رخنہ نہیں ہے

یعنی اس میں فصول و سوراخ نہیں اگر زمین کو نہ احاطہ کرنے والا چھت ہوتا تو اس میں فصول ہوتے۔

تیسرا مسئلہ: سماء اور ان میں موجود اشیاء کے فضائل

ان میں موجود، شمس، قمر اور نجوم ہیں، شمس کے طلوع و غروب میں غور و تامل کرو اگر یہ نہ ہو تمام عالم باطل و برباد ہو جائے، لوگ اپنی زندگی و معیشت میں کیسے سعی کریں گے، اس کے طلوع میں تو نفع ظاہر ہے،

لیکن غروب کے نفع میں تامل ضروری ہے۔ اگر اس کا غروب نہ ہو تو لوگوں کو آرام حاصل نہ ہو اور نہ قرار حالانکہ وہ سکون و قرار کے محتاج ہیں تا کہ حصول راحت قوت ہاضمہ کو تقویت اور غذا کا اعضاء تک حصول ہو، ارشاد الٰہی ہے:

Marfat.com

هُوَالَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا (پ۱۱،یونس:۶۷)
وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تا کہ چین پاؤ اور دن بنایا تمہاری آنکھیں کھولتا

اگر غروب نہ ہو تو حرص انہیں عمل کی مداومت پہ اُبھارے گی، تو فرمایا:

وَجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (پ۳۰،النباء:۱۰،۱۱)
اور ہم نے رات کو پردہ پوش اور دن کو روزگار کیلئے بنایا

۳۔ اگر غروب نہ ہو تو زمین سورج کی چمک سے تپ جائے گی حتیٰ کہ اس پر ہر جاندار چل نہ پائے گا اور پودے ہلاک ہو جائیں گے، ارشاد فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاکِنًا (پ۱۹،الفرقان:۴۵)
اے محبوب آپ نے اپنے رب کو نہ دیکھا کہ کیسے پھیلایا سایہ اور اگر چاہتا تو اسے ٹھہرایا ہوا کر دیتا

تو سورج، حق تعالیٰ کی حکمت کے تابع ہو کر وقت مقررہ پر طلوع اور وقت مقرر پر غروب ہو جاتا ہے تو یہ بمنزل چراغ ہے جو گھر والوں کی ضرورت کے مطابق ہی جلایا جاتا ہے پھر بجھا دیا جاتا ہے تا کہ وہ قرار و آرام پائیں۔

تو نور و ظلمت متضاد ہونے کے باوجود، اصلاحِ عالم میں معاون ہیں، یہ تمام اس کے طلوع و غروب میں تھا۔

رہا اس کا ارتفاع اور اس کے بعد ڈھلنا، تو اسے اللہ تعالیٰ نے چار موسموں کا سبب بنایا ہے۔ موسم سرما میں شجر و نباتات میں حرارت و گرمی پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے مادہ ثمرات و پھل بنتا ہے۔ ہوا کو نرم اور بادل و بارش کو کثیر کر دیتا ہے جو باطن میں حرارت غریزیہ پیدا کر کے حیوانات کے ابدان کو تقویت دیتا ہے، موسم ربیع و بہار میں طبائع کو متحرک، سرما میں پیدا شدہ مواد کو ظاہر کرتا ہے، پودے اگتے ہیں تو درخت و نباتات منور و روشن ہو جاتے ہیں اور حیوانات، جفتی کیلئے بھڑک اٹھتے ہیں، گرما میں ہوا سخت گرم سے پھل پکتے، ابدان کے فضلات کھلتے، روئے زمین خشک اور وہ عمارات اور مکانات کیلئے تیار ہو جاتی ہے، موسم خزاں میں خشکی اور ٹھنڈک، ابدان کو آہستہ آہستہ سردی کی طرف لے جاتی ہے کیونکہ اگر یہ انتقال یکدم ہوتا تو ابدان ہلاک و فاسد ہو جاتے۔

حرکتِ شمس کے منافع

حرکت شمس کے منافع کے بارے میں ذرا غور کرو، اگر وہ ایک ہی جگہ کھڑا رہے تو اس جگہ گرمی شدت اختیار کر جائے گی اور باقی مقامات ٹھنڈے رہیں گے لیکن وہ ابتداء نہار میں مشرق سے طلوع اور طرف مغرب کے محاذات پر اس کا وقوع ہوتا ہے پھر وہ گھومتے ہوئے مرحلہ وار غروب تک جاتا ہے تو وہ جوانب شرقیہ میں چمکتا ہے کوئی جگہ تنگی و کھلی ایسی نہیں جو شعاع شمس سے حصہ نہ پائے

Marfat.com

پھر گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر سورج مشرق میں کھڑا رہے تو امیر آدمی اپنا مکان فقیر کی چھت سے بلند بنالے گا تو اب فقیر کو روشنی نہیں ملے گی لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر امیر، غریب سے نور شمس روک لے تو میں فلک کو چکر دوں گا کہ فقیر اس سے روشنی حاصل کرلے۔

خطِ استواء سے سورج کے جھک جانے اور میلان کے منافع بھی دیکھ لو کہ اگر کواکب کیلئے میل میں حرکت نہ ہو تو تاثیر ایک ہی جگہ کیلئے مخصوص ہو جائے گویا تمام اطراف حاصل ہونے والے منافع سے خالی ہو جائیں، اس کا قریبی متشابہ الاحوال ہوگا اور وہاں قوت کیفیت واحدہ کیلئے ہوگی اب اگر گرم ہے تو رطوبات فنا اور وہ تمام آگ بن جائیں اور ان میں تولد کی صلاحیت ختم، تو کواکب کی گزرگاہ ایک کیفیت پر اور جو خط غیر محاذی پر ہیں وہ دوسری کیفیت پر اور جو متوسط ہے وہ کیفیت متوسط پر ہوگی تو کسی جگہ ہمیشہ سردی اور وہاں ہوا اور عجاجت ہو اور دوسری جگہ دائمی گرمی جو جلا دینے والی ہو، کسی جگہ بہار اور کسی جگہ خزاں، اس میں پھل نہیں پکیں گے، اگر حرکات مسلسل نہ ہوں اور کواکب آہستہ حرکت کریں تو میل کا نفع قلیل اور تاثیر میں شدید اضافہ تو یہ میل نہ ہونے کی وجہ سے ہوا۔

اگر کواکب کی رفتار اس سے تیز ہو تو منافع کا حصول نہ ہوگا اور نہ ہی وہ کامل ہوں گے لیکن جب وہاں میل ہو اور وہ پوری مدت حرکت کی حفاظت کرے پھر وہ ضرورت کے مطابق دوسری جانب منتقل ہو اور ہر جانب اس کا فیض ہو تو اس کی تاثیر کامل اور منافع کثیر ہوں گے، پاک ہے وہ ذات جو خالق، حکمت کاملہ سے مدبر اور غیر محدود قدرت کا مالک ہے۔

کچھ فوائد چاند

چاند، اسے آیۃ اللیل کہا جاتا ہے۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ نے اس کے طلوع اور غائب ہونے کو مصلحت قرار دیتے ہوئے کسی وقت میں اس کے طلوع کو مصلحت اور دوسرے وقت میں اس کے غروب کو مصلحت فرمایا ہے۔ اس کے غروب میں دشمن سے بھاگنے والے کیلئے نفع ہے۔ رات اسے مخفی کر دیتی ہے تاکہ طالب اسے نہ پاسکے۔ لہٰذا وہ نجات پاتا ہے، اگر تاریکیاں نہ ہوں تو اسے دشمن پکڑ لے، متنبی کے اس قول کا یہی مفہوم ہے۔

وکم لظلام اللیل عندی من ید　　　تخبر أن المانویة تکذب

اور اس کے طلوع میں ان گم کردہ اشیاء والے کیلئے نفع ہے جنہیں تاریکیوں نے چھپا لیا ہوتا ہے اور چاند انہیں ظاہر کر دیتا ہے۔

Marfat.com

ایک حکایت

حکایت ہے کہ ایک اعرابی اپنے اونٹ سے غافل ہوکر رات کو سو گیا اور اونٹ گم ہو گیا، جب چاند طلوع ہوا اس نے اونٹ پالیا اب اس نے چاند کی طرف دیکھ کر کہا: اللہ تعالیٰ نے تجھے صورت ونور دیا تو بروج میں گھومتا ہے جب وہ چاہتا ہے تجھے روشن اور جب چاہتا ہے تجھے بے نور کر دیتا ہے۔ میں اس سے زیادہ تیرے لیے دعا نہیں کر سکتا اگر تو نے مجھے سرور دیا تو اللہ تعالیٰ تجھے بھی نور دے۔ پھر اس نے یہ اشعار کہے:

ماذا أقول وقولي فيك ذو قصر　　وقد كفيتني التفصيل والجملا

ان قلت لازلت مرفوعا فأنت كذا　　لو قلت زانك ربي فهو قد فعلا

عربوں میں کچھ لوگ چاند کی مذمت کرتے اور کہتے، چاند، اجل کو قریب، چور کو ذلیل، بھاگنے والے کو گرفتار، عاشق کو ذلیل، مشکیزوں کو پرانا، نوجوانوں کو بوڑھا، ذکر دوستوں میں نسیان، قرض کو قریب اور وقت کو قریب کر دیتا ہے۔

چاند کی شمس پر فضیلت

کچھ ان دلائل کی بنا پر چاند کو شمس سے افضل قرار دیتے ہیں:

۱۔ قمر مذکر جبکہ شمس مونث ہے، لیکن اس نے اس پر یوں طعن کیا:

فما التأنيث لاسم الشمس عيب　　ولا التذ كير فخر للهلال

(شمس کا مونث ہونا عیب نہیں اور نہ ہی ہلال کا مذکر ہونا فخر والی بات ہے)

۲۔ کہا جاتا ہے، قمران" تو شمس کو تابع قرار دیا۔

بعض شمس کو قمر پر فضیلت دیا کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر شمس کو مقدم کیا:

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (پ۲۷، الرحمٰن:۵) سورج اور چاند حساب سے ہیں

وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلَاهَا (پ۳۰، الشمس:۱،۲) اور سورج اور اس کی روشنی کی قسم اور چاند کی جب اس کے پیچھے آئے

مگر یہ دلیل لوٹ جاتی ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَمِنكُمْ مُّؤْمِنٌ (پ۲۸، التغابن:۲) تم میں کوئی کافر ہے اور کوئی مومن

Marfat.com

لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ	(پ۲۸،الحشر:۲۰)	دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں
خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ	(پ۲۹،الملک:۲)	اسی نے موت اور زندگی کو پیدا فرمایا
إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا	(پ۳۰،الشرح:۶)	یقیناً دشواری کے ساتھ آسانی ہے
فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ	(پ۲۲،فاطر:۳۲)	ان میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے

ستاروں کے منافع

رہے ستارے ان میں کثیر منافع ہیں:

پہلا نفع: یہ شیاطین کے بھگانے کا کام دیتے ہیں۔

دوسرا نفع: قبلہ کی ان سے معرفت ہوتی ہے۔

تیسرا نفع: مسافر سمندروں، جنگلوں و بیابانوں میں ان سے رہنمائی لیتے ہیں، ارشادِ الٰہی ہے:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (پ۷،الانعام:۹۷) اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے تاکہ تم خشکی اور تری کی تاریکیوں میں سیدھی راہ پاؤ۔

ستاروں کی اقسام

ستاروں کی تین اقسام ہیں:

۱۔ غاربہ، جو طلوع نہیں ہوتے۔ جیسے کواکب جنوبیہ

۲۔ طالعہ، جو غروب نہیں ہوتے۔ جیسے کواکب شمالیہ

۳۔ کبھی طلوع اور کبھی غروب ہوتے ہیں۔

ان میں ثوابت، سیارات، شرقیہ اور غربیہ بھی ہیں اور ان میں طویل گفتگو ہے۔

فلاسفہ کا دعویٰ

فلاسفہ اجرامِ فلکی اور ابعاد کی معرفت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

Marfat.com

فدع عنك بحراً ضل فيه السوابح   تو سمندر کی بات چھوڑ دے کیونکہ اس میں تیرنے والے گم ہو جاتے ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (پ۲۹،الجن:۲۶،۲۷)   غیب جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے

یہ بھی فرمان ہے:

وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (پ۱۵،الاسراء:۸۵)   اور تمہیں تھوڑا علم ہی دیا گیا ہے

وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ (پ۱۲،ھود:۳۱)   اور میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی غیب دانی کا دعویٰ کرتا ہوں

مَا اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ (پ۱۵،الکہف:۵۱)   نہ میں نے آسمان اور زمین کو بناتے وقت انہیں سامنے بٹھالیا تھا اور نہ خود ان کے بناتے وقت

مخلوق تو اپنی ذات اور صفات کی معرفت سے عاجز ہے تو وہ سب سے بعید اشیاء کی معرفت پر کیسے قادر ہو سکتی ہے؟

عرب معرفت حقائق سے دور ہونے کے باوجود یہ مانتے تھے۔ان میں سے ایک نے کہا:

و اعرف ما في اليوم والامس قبله   ولكنني من علم ما في غد عمي

(میں آج اور پچھلے کل کے بارے میں جانتا ہوں مگر آئندہ کے حوالہ سے اندھا ہوں)

لبید کہتے ہیں:

فو الله ما تدري الضوارب بالحصى   ولا زجرات الطير ما الله صانع

چوتھا مسئلہ: آسمان کے چھت ہونے کی تفصیل

اللہ تعالیٰ نے جب زمین پیدا کی تو یہ مانند صدف اور اس میں امانت شدہ قیمتی موتی حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد ہے۔پھر اللہ تعالیٰ ان کی حاجات سے واقف تھے، تو فرمایا: اے آدم! میں نے تجھے اس زمین کے علاوہ کسی کا محتاج نہیں بنایا تو یہ تمہارے لیے ماں کی مثل ہے۔فرمایا:

Marfat.com

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا — اور ہم نے اچھی طرح پانی ڈالا پھر زمین کو خوب پھاڑا

(پ ۳۰ عبس ۲۵، ۲۶)

اے میرے بندو! غور کرو تمہارے ہاں معزز شی سونا و چاندی ہے تو اگر میں زمین کو سونے اور چاندی سے بنا دیتا تو کیا اس سے یہ منافع حاصل ہوتے؟ پھر دنیا کے قید خانہ ہونے کے باوجود میں نے اس میں یہ اشیاء پیدا کی ہیں تو جنت کا سماں کیا ہوگا؟ حاصل یہ ہے کہ زمین تمہاری ماں بلکہ ماں سے بھی زیادہ شفیق ہے کیونکہ ماں ایک رنگ کا ہی دودھ پلاتی ہے لیکن زمین تو ان گنت رنگوں کی غذائیں دیتی ہے۔ فرمایا:

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ — ہم نے اسی سے تمہیں پیدا کیا اور اسی کی طرف لوٹائیں گے (پ ۱۶، طہ: ۵۵)

یعنی ہم نے تمہیں ماں کی طرف لوٹا دیا اور یہ دھمکی نہیں کیونکہ انسان کو ماں کی طرف لوٹانا دھمکی نہیں ہوا کرتی۔ اس لیے تمہاری جننے والی ماں کا مقام، زمین کے مقام سے بہت تنگ تھا پھر تم بطن اُم میں نو ماہ رہے وہاں نہ بھوک تھی اور نہ پیاس تو کیا صورت ہوگی جب تم بطن اُمِ کبریٰ میں داخل ہوگے، ہاں شرط یہ ہے اس اُمِ کبریٰ کے بطن میں اسی طرح سے داخل ہوں، جس طرح تم بطن اُم صغریٰ میں تھے کیونکہ جب تم بطن اُمِ صغریٰ میں تھے تو تم سے کسی لغزش کا صدور بھی نہیں ہوا چہ جائیکہ تم سے کبیرہ کا صدور ہوتا بلکہ تم وہاں اللہ تعالیٰ کے اسقدر مطیع تھے کہ جب اس نے تمہیں ایک دفعہ دنیا میں جانے کا حکم دیا تو تم اپنے رب کی اطاعت میں سر جھکائے دنیا میں آگئے لیکن آج وہ ستر دفعہ نماز کی طرف بلاتا ہے لیکن تم اس کی طرف چلتے بھی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جب آسمان و زمین کا ذکر کیا تو ان کے درمیان جو نکاح جیسا رشتہ ہے وہ بھی بیان کیا کہ آسمان سے زمین پر پانی نازل ہوتا ہے اور زمین کے بطن سے بنی آدم کیلئے اشیاء اور مختلف ثمرات حیوانات کی نسل کی طرح نکلتے ہیں تاکہ وہ اپنے اندر کے، مافوق اور ماتحت کے احوال پہ غور کر کے یہ معرفت حاصل کر سکیں کہ ان اشیاء میں سے کسی شی کی تکوین و تخلیق پر کوئی قادر نہیں سوائے اس ذات کے جو ان سے ذات و صفات میں مختلف ہے اور وہ صانع حکیم سبحانہ و تعالیٰ کی ذات اقدس ہی ہے۔

چند سوالات

یہاں چند سوالات بھی ہیں:

کیا واسطہ سے تخلیق، قدرت کے منافی ہے؟

پہلا سوال: تمہاری کیا رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ثمرات کو بطور عادت و معمول حصولِ ماء کے بعد پیدا فرما دیتا ہے یا اس پانی

Marfat.com

میں طبیعتِ مؤثر اور زمین میں طبیعتِ قابلہ پیدا کردی ہے کہ جب دونوں کا اجتماع ہو تو اس قوت سے حصول اثر ہو جائے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے؟

جواب: بلاشبہ دونوں صورتوں اور اقوال میں صانع وحکیم کا ہونا ضروری ہے، تفصیل کچھ یوں ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ابتداءً بغیر واسطہ ان ثمرات کی تخلیق پر قادر ہے کیونکہ ثمر کا مفہوم فقط یہی ہے کہ ایسا جسم جس کے ساتھ طعم، لون، خوشبو اور رطوبت قائم ہو، جسم، ان صفات کے قابل ہوتا ہے اور یہ تمام صفات ابتداءً ہی مقدوراتِ الٰہیہ میں سے ہے۔ کیونکہ مقدوریت کیلئے مصحح یا تو حدوث ہے یا امکان یا دونوں، تو تمام صورتوں میں لازم ہے کہ ابتداءً ہی بغیر واسطہ اللہ تعالیٰ جسم میں ان اعراض کی تخلیق پر قادر ہو۔

اس دلیل عقلی کی تائید دلائل نقلیہ میں سے یہ دلیل نقلی بھی کرتی ہے۔

حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی واسطہ ثواب پانے والوں کیلئے انعامات جنتی کی تخلیق کی ہے۔

البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں ابتداً اس کا تخلیق پہ قادر ہونا، اجسام میں قابلیت اور قویٰ مؤثرہ کے واسطہ سے تخلیق پر قدرت کے منافی نہیں قول متاخرین ظاہراً اس کا انکار ہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس پر دلیل کا ہونا ضروری ہے۔

مدت طویل میں تخلیق کی حکمتیں

دوسرا سوال: جب اللہ تعالیٰ ان ثمرات کی تخلیق پر بلاواسطہ قادر ہے تو انہیں ان وسائط کے ذریعے اس قدر مدت طویلہ میں تخلیق کی کیا حکمت ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جو چاہے کرے اور جو چاہے فیصلہ فرمائے۔ ہاں اہلِ علم نے تفصیل کے ساتھ کئی حکمتیں تحریر کی ہیں

۱۔ اللہ تعالیٰ نے عام معمول پر ہی معاملہ رکھا بایں طور کہ ترتیب وتدریج کے ساتھ یہ عمل کیا کیونکہ جب مکلفین ثمرات کے حصول کیلئے کھیتی باڑی اور باغبانی میں مشقت اٹھاتے ہیں اور یکے بعد دیگرے اپنے کو محنت میں ڈالتے ہیں تو اس سے وہ جان لیتے ہیں کہ دنیاوی منافع کے حصول کیلئے انہیں کس قدر تکالیف برداشت کرنا پڑ رہی ہیں تو ہمیں اُخروی منافع کیلئے ان تکالیف دنیا سے کم تکالیف اٹھالینا کہیں اولیٰ ہے کیونکہ یہ دنیاوی منافع سے کہیں اعظم واہم ہیں۔

یہ اسی طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر استعمال دوا شفا پر قادر ہے۔ لیکن وہ توفیق کے مطابق معمول وعادات پر معاملہ جاری رکھتا ہے اس لیے کہ جب ضررِ مرض سے بچنے کیلئے کڑوی ادویات کا کھانا برداشت کرے گا تو ضررِ عذاب سے بچنے کیلئے تکالیف کو بطریق اولیٰ برداشت کرے گا۔

۲۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں بغیر وسائط پیدا فرمادے گا تو قادر حکیم کی بنسبت علم ضروری وبدیہی حاصل ہو جاتا تو یہ تکلیف وابتلاء کے

Marfat.com

منافی کی طرح ہوتا، جب اس نے ان وسائط کے ذریعے ان کی تخلیق کی تو اب مکلف قادر کی طرف نسبت میں نظر دقیق اور فکر غامض کا محتاج ہوگا جس سے وہ ثواب کا مستحق بنے گا۔ اس لیے یہ قول ہے:

لولا الاسباب لما ارتاب مرتاب — اگر اسباب نہ ہوتے تو شک والا، شک نہ کرتا

۳۔ اس میں ملائکہ اور اہل بصیرت کیلئے عبرتیں اور صائب افکار ہیں۔

تیسرا سوال: ارشادِ الٰہی، وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً کا تقاضا ہے نزولِ بارش آسمان سے ہو حالانکہ بات یوں نہیں، بارش تو ان بخارات سے بنتی ہے جو زمین سے اٹھ کر ہوا کے طبقۂ بارد میں پہنچتے ہیں وہاں وہ ٹھنڈک کی وجہ سے جمع ہونے کے بعد برستے ہیں اور یہی بارش ہے۔

جواب: اس کا کئی وجوہ سے جواب ہے:

۱۔ سماء کو بلندی کی وجہ یہ نام ملا تو جو بھی ہم سے بلند ہے وہ سما کہلاتا ہے تو جب بادلوں سے بارش ہوتی ہے تو یہ سماء سے ہی ہوئی۔

۲۔ ان اجزا رطبہ کا زمین کی گہرائی سے اڑانے والا محرک فرما رہا ہے ”انزل من السماء ماء“ (اس نے آسمان سے پانی نازل کیا)

۳۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہی حق ہوتا ہے، جب اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ بارش آسمان سے آئی ہے جب ہمارے علم میں یہ بات آگئی ادھر ہم اسے بادلوں سے اترتے دیکھتے ہیں تو ہم پہ یوں ماننا لازم ہے کہ وہ اسے آسمان سے بادلوں میں اور بادلوں سے زمین پر نازل کرتا ہے۔

مِنَ الثَّمَرَاتِ میں مِنْ کا معنیٰ

چوتھا سوال: مِنَ الثَّمَرَاتِ میں مِنْ کا کیا معنیٰ؟

جواب: دو طرح پر ہے:

۱۔ من، تبعیض کیلئے ہے کیونکہ ماء اور رزق نکرہ ہیں اور بعض اوقات نکرہ سے معنیٰ بعض مراد ہوتا ہے گویا فرمایا ہم آسمان سے کچھ پانی اتار کر، اس کے سبب بعض ثمرات پیدا کرتے ہیں تاکہ وہ تمہارے لیے کچھ رزق بن جائے۔

۲۔ یہ بیان کیلئے ہے، جیسے انفقت من الدارھم انفاقاً (میں نے دراہم خرچ کیے)

لفظ ”رِزْقاً“ منصوب کیوں؟

سوال: لفظ ”رِزْقاً“ منصوب کیوں؟

جواب: اگر مِنْ، بعضیہ ہے تو اس کا نصب مفعول فیہ کی وجہ سے ہوگا اور اگر بیانیہ ہے تو یہ رِزْقاً اَخْرَجَ“ کا مفعول بہ ہوگا۔

Marfat.com

پانچواں سوال: آسمانی پانی سے پھل بہت زیادہ پیدا ہوتا ہے تو ثمر یا ثمار نہیں فرمایا بلکہ ثمرات کیوں فرمایا؟

جواب: تا کہ دنیاوی ثمر و پھل کی قلت پر تنبیہ اور آخرت کے معاملہ کی عظمت پہ دلالت ہو۔ واللہ أعلم

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کی تفسیر

یہاں چند سوالات ہیں:

پہلا سوال: فَلَا تَجْعَلُوْا کا تعلق کس سے ہے؟

لَا تَجْعَلُوْا کا تین سے تعلق

جواب: اس کا جواب تین طرح پر ہے:

۱۔ اس کا تعلق حکم عبادت سے ہے، یعنی اپنے رب کی عبادت کرو اور اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ کیونکہ عبادت کی اصل اور اساس باری تعالیٰ کی توحید ہی ہے۔

۲۔ لعلّ کے ساتھ، معنی ہوگا تمہیں اس نے پیدا کیا تا کہ اس کے عتاب سے ڈرو اور اس کیلئے شریک نہ بناؤ کیونکہ اس کا شریک بنانا سب سے بڑھ کر عتاب کا سبب ہے۔

۳۔ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا، کے ساتھ، یعنی جس ذات اقدس نے تمہارے لیے یہ دلائل ظاہرہ وغالبہ تخلیق فرمائے اس کے شریک مت بناؤ۔

نِد کسے کہتے ہیں؟

دوسرا سوال: ند کسے کہتے ہیں؟

جواب: نزاع کرنے والا مثل، جب کوئی کسی سے نفرت کرے تو کہا جاتا ہے نادوت الرجل، یہ ندندوداً اذا نفر سے ماخوذ ہے گویا ندین (دوند) میں سے ہر کوئی دوسرے سے نفرت ومخالفت کرتا ہے۔

سوال: کفار یہ ہرگز نہیں کہتے تھے کہ بت، اللہ سے تنازعہ کرتے ہیں؟

جواب: جب وہ ان کی عبادت کرتے اور ان کا نام الٰہ رکھتے تو ان کا حال ان کی طرح ہو جاتا جو انہیں الٰہ اور اللہ تعالیٰ سے تنازعہ پہ قادر مانتے تو یہ لفظ ان پہ بطور ''تھکم'' ہیں جیسا کہ لفظ ند بطور ''تھکم'' اور اس کے ساتھ ان پر طعن ہے کہ انہوں نے کثیر انداد بنا دیے حالانکہ اس کا ایک بھی ند نہیں۔

Marfat.com

شیخ محمد بن سمیفع نے "فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ نِدًّا" پڑھا ہے۔

تیسرا سوال: وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کا کیا معنیٰ ہے؟

جواب: تم اپنی کمال عقل کی وجہ سے جانتے ہو کہ ان اشیاء کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا درست نہیں لہٰذا ایسا قول نہ کرو کیونکہ جاننے والے کے قبیح قول کا قبح وبرائی سب سے قبیح ہوتا ہے۔

یہاں چند مسائل ہیں۔

پہلا مسئلہ: ثنویہ اور دوالٰہ

کائنات میں ایسا کوئی نہیں جو کسی کو وجود، قدرت، علم اور حکمت میں اللہ تعالیٰ کے برابر و شریک بناتا ہو یہ آج تک کائنات میں نہیں ہوا، ہاں ثنویہ دوالٰہ مانتے ہیں۔

۱۔ حکیم، جو خیر کرتا ہے۔

۲۔ سفیہ، جو شر کرتا ہے۔

غیر اللہ کی عبادت کرنے والے

البتہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کے لائق تو کثیر لوگ مانتے ہیں۔

پہلا فریق: ستاروں کی عبادت کرنیوالے صابئہ کہتے ہیں، ستاروں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور یہ اس عالم میں مدبر ہیں لہٰذا ہم پر ان کی عبادت لازم ہے اور ستارے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

دوسرا فریق: نصاریٰ، یہ حضرت مسیح علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں

تیسرا فریق: بتوں کی عبادت کرنے والے۔

بُت پرستی کی تاریخ

واضح رہے بُت پرستی کے دین سے کوئی دین قدیم نہیں، اس لیے کہ تاریخ بتاتی ہے سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام ہیں جنہوں نے بُت پرستوں کا رد کیا۔

Marfat.com

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا (پ۲۹ نوح:۲۳)

اور بولے ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور ہرگز نہ چھوڑنا وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو

تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ قول وعقیدہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے موجود تھا اور یہ دین اب تک موجود ہے بلکہ اکثر اہلِ جہاں اس قول پر قائم ہیں، جس دین ومذہب کا یہ حال ہو اس کا بدیہی طور پہ فاسد ہونا محال ہے لیکن اس بات کا علم بدیہی ہے کہ یہ تراشہ ہوا پتھر نہ میرا خالق نہیں اور نہ آسمانوں وزمین کا خالق ہے لہٰذا جماعت عظیم کا اس پر اتفاق محال ہے لہٰذا بت پرستوں کی غرض و مقصد اس کے علاوہ ہوگی اور اس کے بارے میں اہلِ علم کی مختلف آراء ہیں۔

بُت پرستوں کی غلط فہمی

۱۔ ابومعشر جعفر بن جعفر بن محمد نجومی بلخی نے بعض کتب میں لکھا، متعدد اہلِ چین وہند، اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کو مانتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا جسم وصورت ہے جو دیگر صورتوں سے بہت خوبصورت ہے، اسی طرح ملائکہ کی بھی صورتیں خوبصورت ہیں اور یہ تمام، آسمان کی وجہ سے ہم سے حجاب میں ہیں لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کی خوبصورت تماثیل وفوٹو اس خیال پر بنائیں جو الٰہ وملائکہ کی ذہن میں صورتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کے قرب کیلئے ان کی عبادت کریں، اگر یہ قول درست ہے تو بت پرستی کا سبب اعتقادِ مشابہت ہوا۔

۲۔ اکثر اہلِ علم نے لکھا، لوگوں نے جب دیکھا اس کائنات کے احوال میں، تغیرات احوال کواکب وسیارگان سے مربوط و وابستہ ہیں کیونکہ سورج کے سمت رأس کے قرب وبعد سے مختلف موسم اور متخالف احوال جنم پاتے ہیں جب انہوں نے باقی کواکب کے حوالہ سے تحقیق کی تو ان کا یہ اعتقاد بنا کہ دنیا میں سعادت ونحوست کا تعلق ان کی لوگوں پر طلوع کی کیفیت سے وابستہ ہے، اس اعتقاد کے بعد انہوں نے ان کی تعظیم میں خوب مبالغہ سے کام لیا۔

بعض نے ان کے بارے میں یہ عقیدہ قائم کرلیا کہ یہ لذاتہ واجب الوجود ہیں اور یہی جہانوں کے پیدا کرنے والے ہیں۔

بعض نے کہا: یہ خود تو الٰہ اکبر کی مخلوق ہیں لیکن باقی کائنات کے خالق یہی ہیں۔

تو فریق اول نے یہ عقیدہ بنالیا کہ یہی حقیقۃً الٰہ ہیں۔

فریق ثانی نے کہا، یہ اللہ تعالیٰ اور بشر کے درمیان وسائط ہیں۔ لہٰذا یہ تمام ان کی عبادت وخضوع میں مصروف ہوگئے۔

پھر انہوں نے دیکھا اکثر اوقات کواکب آنکھوں سے اُوجھل ہوجاتے ہیں تو ان کیلئے انہوں نے بت بنائے تو ان ظاہری اجرام کی عبادت اس لیے شروع کردی کہ غائب اجسام کا قرب مل سکے، جب طویل مدت گزرگئی تو کواکب کا تذکرہ ختم ہوگیا اب

Marfat.com

محض ان تماثیل کی عبادت رہ گئی اور یہ بھی حقیقۃً کواکب کی عبادت کرتے ہیں۔

۳۔ اصحاب الاحکام نے طویل مدت پہلے ہزار اور دو ہزار سال سے کچھ اوقات مقرر کیے اور یہ گمان کیا کہ جو اس وقت خاص طریقہ سے طلسم اپنائے گا وہ احوال مخصوصہ میں سعادت، نحوست اور دفع آفات سے پائے گا، تو جب طلسم کا مظاہرہ کرتے تو اس کی خوب تعظیم بجالاتے کیونکہ ان کا اس میں نفع کا اعتقاد تھا تو تعظیم میں مبالغہ کرتے کرتے عبادت بن گئی، جب اس عمل کی مدت طویل ہوئی تو معاملہ کی ابتدا بھول ہی گئے اور اصل معاملہ سے جاہل ہونے کی وجہ سے ان کی عبادت کرنے لگے

۴۔ جب ان میں سے کوئی اپنا بڑا آدمی مرتا جس کے مقبول دعا ہونے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول شفاعت کا عقیدہ رکھتے تو اس کی صورت کا بُت بنا لیتے اور اس اعتقاد سے ان کی عبادت کرتے کہ یہ روز قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری شفاعت کریں گے، اس ارشادِ الٰہی میں اس قول کی نشاندہی ہے:

هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (پ ۱۱، یونس: ۱۸) اللہ کے ہاں ہمارے لیے یہ سفارشی ہیں

۵۔ ممکن ہے انہوں نے نماز و طاعت کیلئے محراب بنائے، اس کی طرف سجدہ کیا کرتے نہ کہ اس کیلئے کرتے جیسے ہم قبلہ کی طرف کرتے ہیں نہ کہ قبلہ کو، طویل مدت گزرنے کے بعد بعض جہال نے ان محرابوں کی ہی عبادت تصور کر لیا۔

۶۔ شاید یہ مجسمہ (اللہ تعالیٰ کا جسم مانتے) تھے تو انہوں نے ان میں اللہ تعالیٰ کا حلول مان لیا تو اس تاویل کی بنا پر ان کی عبادت کی ان صورتوں میں سے کسی ایک وجہ پر مذکور قول و عقیدہ کو محمول کیا جا سکتا ہے تاکہ اس کا بطلان عقلاً واضح ہو سکے۔

دوسرا مسئلہ: عبادت کا عدمِ جواز

سوال: جب بت پرستوں کا مذہب وہی صورتیں ٹھہریں جن کا ذکر ہوا تو اثباتِ خالق عالم سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ ان بتوں کی عبادت جائز ہی نہیں؟

جواب: جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کا مخلوق ہونا بیان کر دیا تو اس سے واضح ہو گیا کہ یہ دونوں باقی اجسام کے ساتھ جسم ہونے میں شریک ہیں تو اب کسی مخصص و راجح کی وجہ سے ہر ایک کی مخصوص شکل، صفت اور اخبار ہوگی، وہ مخصص اگر جسم ہے تو وہ کسی اور مخصص کی طرف محتاج ہوگا تو ضروری ہے کہ وہ جسم نہ ہو، جب یہ ثابت ہوا تو ہم کہتے ہیں جنہوں نے کہا بت پرستی کی وجہ اعتقادِ شبہ ہے تو جب ہم نے آیت کے حوالہ سے نفی جسمیت کر دی تو اس کا قول باطل ٹھہرا۔

دوسرا قول یہ تھا کہ کواکب عالم میں مدبر و متصرف ہیں جب ہم نے واضح کر دیا ہر جسم اپنے اوصاف میں فاعلِ مختار کا محتاج ہوتا ہے تو ان کواکب کا الٰہ ہونا باطل ہو گیا اور ثابت ہوا یہ عبد ہیں نہ کہ رب۔

Marfat.com

تیسرا قول: اصحاب طلسمات کا یہ بھی باطل ہے کیونکہ طلسمات کی تاثیر کواکب کی قوتوں کی وجہ سے ہوگی جب ہم نے کواکب کا حادث ہونا دلائل سے اشکار کر دیا تو ہمارا قول ثابت اور ان کا قول باطل ٹھہرا۔

چوتھا اور پانچواں قول، عقلاً اس پر کوئی اعتراض نہیں اور نہ یہ محال ہے۔ ہاں شرع نے منع کر دیا تو اب اس سے رکنا لازم ہے

چھٹا قول، اس کی بنا بھی تشبیہ پر ہے اور سابقہ دلائل میں آچکا کہ عالم ایسے صانع ومختار کا محتاج ہے۔ جو جسمیت سے پاک ہو تو تمام تاویلات پر بت پرستی کا قول باطل ہے۔ واللہ أعلم

تیسرا مسئلہ: واضح رہے یونانیوں نے خروج اسکندر سے پہلے ایسے ہیکل بنانے کا ارادہ کیا۔ جو قوٰی روحانیہ اور اجسام نیرہ کے نام سے معروف تھے اور انہوں نے الگ الگ انہیں اپنا معبود بنالیا، ہیکلِ علت اولیٰ ان کے ہاں امر الٰہی ہے، ہیکل عقل صریح، ہیکل سیاست مطلقہ، ہیکل نفس وصورت تمام دائرہ ہیں۔ ہیکل زحل مسدس، ہیکل مشتری مثلث، ہیکل مریخ مستطیل، ہیکل شمس مربع، ہیکل زہرہ مثلث اس کا جوف مربع، ہیکل عطارد مثلث اس کا جوف مستطیل اور ہیکل قمر مثمن تھا۔

اہلِ تاریخ کا خیال ہے عمرو بن لحی جب اپنی قوم کا اور اس کے طبقات کا رئیس وسربراہ بنا تو وہ بیت الحرام کا متولی ٹھہرا۔ اس نے بلقاء کا سفر کیا تو کچھ لوگوں کو بتوں کی پرستش کرتے دیکھا، اس کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا، یہ ایسے ارباب ہیں کہ ہم ان سے مدد طلب کر کے مدد پاتے ہیں، ان سے بارش طلب کر کے بارش پاتے ہیں، ان سے اس نے کہا، ان میں سے ایک ہمیں بھی دے دو تو انہوں نے معروف بت ہبل اسے دیا، جسے وہ مکہ لایا اور اسے کعبہ کے اندر فٹ کر کے لوگوں کو اس کی تعظیم کی طرف دعوت دی۔ اور یہ بادشاہ سابور ذوالاکتاف کے دور کی بات ہے۔

واضح رہے مشہور بتکدوں میں 'غمدان' ہے جسے ضحاک نے شہر صنعاء میں زہرہ کے نام پر بنایا اور اسے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے تباہ کیا تھا۔

ان میں سے نوبہار بلخ ہے جسے منوشہر بادشاہ نے اسم قمر پر بنوایا۔

پھر قبائل عرب کے معروف بت ہیں مثلاً، دومۃ الجندل میں بنوکلب کا بت تھا، سواع بنوہذیل، یغوث، بنومذحج، یعوق، ہمدان، نصر، سرزمین حمیر میں ذوالکلاح، اللات، طائف میں ثقیف کا، مناۃ، یثرب میں خزرج، عزی، اطراف مکہ میں کنانہ، اساف اور نائلہ صفا ومروہ پر تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت قصی۔

ینھاھم عن عبادتھا ویدعوھم الی عبادۃ اللّٰہ تعالٰی لوگوں کو بتوں کی عبادت سے روکتے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیتے

Marfat.com

اسی طرح حضرت زید بن عمرو نفیل کہا کرتے

اربا و احدا أم ألف رب أدين اذا تقسمت الأمور

ترکت اللات والعزى جميعا كذلك يفعل الرجل البصير

(کیا رب ایک ہی ہے یا ہزار رب پر، میں ایمان لاؤں معاملات میں میں نے لات وعزیٰ کو چھوڑ دیا ہر صاحب بصیرت آدمی یوں ہی کرے گا)

[۲۳-۲۴] وَإِنْ كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿٢٤﴾

(اور اگر تمہیں شک ہو اس پر جو ہم نے اپنے خاص بندے پر اُتارا تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب مددگاروں کو بلالو اگر تم سچے ہو پھر اگر نہ لاسکو (اور ہم فرمادیتے ہیں) کہ تم ہرگز نہ لاسکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں کافروں کیلئے تیار کر رکھی ہے)

ان آیات میں چند مسائل ہیں

پہلا مسئلہ: نبوت پہ دلائل

اللہ تعالیٰ نے اثبات صانع پر دلائل قاہرہ قائم کیے اور اس کے شریک کے قول کا ابطال فرمایا، اس کے بعد اب نبوت پر دلائل کا ذکر لایا گیا۔

اس سے فرقہ تعلیمیہ کے اس قول کا فساد واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت، رسول کی معرفت سے حاصل ہوتی ہے، اس سے حشویہ کا یہ قول بھی رد ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت قرآن واخبار سے حاصل ہوتی ہے۔

جب حضرت محمد ﷺ کی نبوت، قرآن کے معجز ہونے پر قائم ہے تو قرآن کے معجز ہونے پر دلائل ذکر کیے۔

قرآن کا معجز ہونا

اعجاز قرآن کا بیان دو طرق سے ہوسکتا ہے

فعل قدیر

Marfat.com

پہلا طریق: قرآن کا حال تین میں سے ایک سے خالی نہیں یا تو یہ باقی فصحاء کے کلام کے مساوی ہوگا یا ان کلام فصحاء سے اتنا زائد واعلیٰ کہ وہ خلاف عادت نہیں یا اتنا زائد جو خلاف عادت ہے۔ پہلی دونوں قسمیں باطل ہیں لہٰذا تیسری صورت ہی ہوگی، ان دونوں کو باطل ٹھہرانے کی وجہ یہ ہے اگر قرآن اس طرح ہوتا تو لازم تھا یہ فصحاء اس کی مثل سورت بنالاتے خواہ اجتماعی طور پر یا انفرادی سطح پر، اگر تنازعہ کا اور عدم قبولیت کا خوف ہوتا تو گواہ وحکام ان شبہات کا ازالہ و فیصلہ کردیتے۔

اور یہ پہلو احتجاج واستدلال کا اعلیٰ وآخری درجہ ہے کیونکہ یہ فصحاء، معرفت لغت اور قوانین فصاحت کو کامل طور پر جانتے تھے اور وہ آپ کے معاملہ کو تمام کاوش سے باطل کرنا بھی چاہتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے اس کیلئے جان و مال قربان کردیے اور بہت مشقتیں وہلاکتیں برداشت کیں، ان میں حمیت وتعصب بھی تھا وہ تو حق قبول نہ کرتے چہ جائیکہ باطل قبول کر لیتے۔

یہ تمام چیزیں لازم کرتی ہیں کہ وہ اس کے مقابل لانے کی کوشش کرتے جو اس پر قدح وطعن ہوتا اور معارضہ (مثل لانا) طعن وقدح میں سب سے زیادہ قوی ہوتا ہے تو جب وہ مقابل سورت تک نہ لاسکیں تو ان کا عجز آشکار ہوگیا تو ثابت ہوا کہ قرآن ان کے اقوال کے مثل نہیں، اس کے اور ان کے اقوال کے درمیان تفاوت بھی معمولی نہیں تو یہ ایسا تفاوت ہوگا جو خلاف عادت و معمول ہے تو ضروری ہے قرآن معجز ہو، اس مذکور دلیل کی تفصیل یہی ہے۔

واضح ہوا اللہ تعالیٰ نے جیسے معرفت توحید میں تقلید پر اکتفا نہیں فرمایا اسی طرح معرفت نبوت میں بھی تقلید پر اکتفا نہیں کیا۔

یاد رہے قرآن میں بظاہر ایسی کثیر وجوہ جمع ہیں جو اس کی فصاحت کی کمی پر دال ہیں لیکن اس کے باوجود یہ فصاحت کے اس درجہ ومقام پہ ہے جس سے آگے فصاحت کوئی درجہ متصور نہیں تو یہی اس کے معجز ہونے پر دال ہے حالانکہ کمی کے اسباب یہ ہوسکتے تھے۔

کمی فصاحت کے اسباب

پہلا سبب: فصاحت عرب اکثر طور پر وصف مشاہدات میں ہے، مثلاً وصف اونٹ، گھوڑا، جاریہ، بادشاہ، ضرب، طعن، وصف حرب، وصف ڈاکہ، حالانکہ قرآن میں ان میں سے کوئی شی بھی نہیں تو ضروری تھا اس میں کوئی ایسا فصیح لفظ نہ ہوتا جس پہ عرب متفق ہیں

دوسرا سبب: اللہ تعالیٰ نے طریق صدق وسچائی اختیار فرمایا اور تمام قرآن میں جھوٹ سے احتراز کیا، جو شاعر جھوٹ چھوڑ کر صدق اختیار کرتا ہے اس کے اشعار کا درجہ کم اور وہ شاعر اعلیٰ نہیں رہ جاتا، تم دیکھو حضرت لبید بن ربیعہ اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما نے اسلام لانے کے بعد جو اشعار کہے ان کا درجہ کم ہے، یہی وجہ ہے اسلامی اشعار عمدگی میں اشعار جاہلی کی طرح نہیں تو اللہ تعالیٰ نے کذب اور لاف زنی سے احتراز کرتے ہوئے تمام قرآن کو فصیح نازل کیا جیسا کہ تمہارے سامنے ہے

Marfat.com

تیسرا سبب: پورے قصیدہ میں کلام فصیح اور اشعار فصیح ایک یا دو اشعار ہی ہوتے ہیں باقی کا یہ درجہ نہیں لیکن قرآن کا معاملہ یوں نہیں یہ تو تمام کا تمام معجز ہے کیونکہ مخلوق اس کی مثل لانے سے عاجز ہے۔

چوتھا سبب: جب کوئی کسی کے بارے میں فصیح شعر کہتا ہے جب وہ دوبارہ کہتا ہے تو اس شی کے وصف میں کلام ثانی، کلام اول کی طرح نہیں ہوتا، قرآن میں تکرار کثیر ہے اس کے باوجود ہر کلام فصاحت کی انتہا پر ہے اور اس میں ہرگز کوئی کمی و تفاوت نہیں

پانچواں سبب: قرآن میں لزومِ عبادات اور تحریمِ برائیوں کا بیان ہے اس طرح اعلیٰ اخلاق، ترکِ دنیا اور ترجیح آخرت کا شوق دلایا ہے اس طرح کے احکامات تو فصاحت میں کمی کا موجب و سبب بنتے ہیں۔ حالانکہ قرآنی فصاحت میں کوئی کمی نہیں۔

چھٹا سبب: اہلِ علم کہتے ہیں، خوشی، ذکر نساء اور صفات خیل میں امرأالقیس کے اشعار، بوقت خوف، نابغہ کے، اعشیٰ کے بوقت طلب اور وصف خمر میں، زہیر کے بوقت رجاء و رغبت خوب اشعار ہوتے ہیں، بالجملہ ہر شاعر کا کلام کسی ایک فن میں خوب ہوتا ہے جبکہ اس فن کے علاوہ میں اس کا کلام کمزور ہوتا ہے لیکن قرآن تمام فنون کے اعتبار سے فصاحت کے آخری درجہ پہ ہے، تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ نے ترغیب و شوق میں فرمایا:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ (پ ۲۱، السجدۃ:۱۷)

تو کسی نفس کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کیلئے چھپا رکھی ہے

وَفِیْھَا مَا تَشْتَھِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ (پ ۲۵، الزخرف:۷۱)

اور اسی میں وہ کچھ ہے جو دل چاہے اور آنکھ لذت حاصل کرے

ترہیب و خوف میں فرمایا:

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ (پ ۱۵، الاسراء:۶۸)

کیا تم اس سے نڈر ہوئے کہ وہ خشکی ہی کا کوئی کنارہ تمہارے ساتھ دھنسا دے

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا ھِیَ تَمُوْرُ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا (پ ۲۹، الملک:۱۶،۱۷)

کیا تم اس سے نڈر ہو گئے جس کی سلطنت آسمان میں ہے کہ تمہیں زمین میں دھنسا دے جبھی وہ کانپتی ہے یا تم نڈر ہو گئے جس کی سلطنت آسمان میں ہے کہ تم پر پتھراؤ کرے

Marfat.com

وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ (پ۱۳، ابراہیم:۱۵) اور ہر سرکش ہٹ دھرم نامراد ہے

وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ (پ۱۳، ابراہیم:۱۷) اور اسے ہر طرف سے موت آئے گی

زجر و توبیخ میں جو کہا وہاں تک وہمِ بشر نہیں جا سکتا۔ فرمایا:

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ (پ۲۰، العنکبوت:۴۰) تو ان میں ہر ایک کو اس کے گناہ پر ہم نے پکڑا

ایسی نصیحت فرمائی جس سے آگے نہیں جایا سکتا۔

أَفَرَأَيْتَ إِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ (پ۱۹، الشعراء:۲۰۵) بھلا دیکھو تو کچھ برس ہم انہیں برتنے دیں

الٰھیات کے حوالہ سے فرمایا:

اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَى مَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ (پ۱۳، الرعد:۸) اللہ جانتا ہے جو کچھ کسی مادہ کے پیٹ میں ہے اور پیٹ جو کچھ گھٹتے اور بڑھتے ہیں

ساتواں سبب: قرآن، تمام علوم کی اصل ہے، علم کلام تو تمام قرآن میں ہے، علم فقہ تمام کی تمام قرآن سے ماخوذ ہے یہی معاملہ اصول فقہ، علم نحو، لغت، علم زہد، آخرت کا علم اور مکارم اخلاق کا ہے۔

جس نے ہماری کتاب دلائل الاعجاز کا مطالعہ کیا اس پر آشکار ہوگا کہ قرآن تمام اقسامِ فصاحت میں آخری درجہ پر فائز ہے۔

اعجازِ قرآن کا طریق ثانی

قرآن، فصاحت میں حدِ اعجاز پہ ہے یا حدِ اعجاز پر نہیں، اگر اول صورت ہے تو معجز اور اگر دوسری صورت ہے تو ایسی حالت میں اس سے معارضہ ممکن، لیکن معارضہ ممکن اور اس کے اسباب و دواعی بھی کثیر ہونے کے باوجود فصحاء کا معارضہ نہ کرنا یہ بھی خلاف عادت ہے تو اس سے بھی اس کا معجز ہونا ثابت، تو واضح ہوا قرآن تمام وجوہ کی بنا پر معجز ہے اور یہ طریق ہمارے ہاں صواب کے اقرب ہے

دوسرا مسئلہ: نَزَّلْنَا لانے کی حکمت

نَزَّلْنَا، فرمایا جو تنزیل سے ہے نہ کہ انزال سے کیونکہ مراد بتدریج نزول ہے اس جگہ مناسب لفظ یہی تھا اس لیے کہ مخالفین کہتے تھے اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے اور لوگوں کے کلام کے مخالف ہے تو اس طرح تھوڑا تھوڑا، سورت سورت حسب حوادثات و واقعات اور اس طریقہ پر نازل نہ ہوتا جس پر ہم خطباء اور شعراء کو پاتے ہیں کہ جیسے جیسے نئے حالات اور مختلف ضروریات سامنے آتے ہیں وہ وقتاً فوقتاً متفرق طور پر کچھ نہ کچھ کہتے ہیں یہی وجہ ہے شاعر کا دیوان شعری بیک وقت سامنے نہیں

Marfat.com

آجاتا، اسی طرح خط وکتابت والوں کے خطوط وخطبات فی الفور ظہور پذیر نہیں ہوتے، اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔تو وہ اسے تمام طریقوں کے مخالف طریق پر نازل کرتا۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ‏ اور کفار نے کہا قرآن ان پر ایک ساتھ کیوں نہ اتارا

(پ۱۹، الفرقان:۳۲)

اللہ تعالیٰ نے یہاں قرآن کا معجز ہونا بیان کیا اور ساتھ شبہات کا ازالہ بھی کر دیا، تفصیل یوں ہے کہ تدریجاً نازل ہونے والا قرآن جنس مقدورات بشر میں سے ہے یا نہیں؟ اگر اول صورت ہے تو فصحاء پر تدریجاً اس کی مثل یا اس کے قریب لانا لازم اور اگر دوسری صورت ہے کہ وہ مقدورِ بشر سے نہیں تو تدریجاً نزول کے باوجود وہ معجز ہی ٹھہرے گا۔

عبدنا، کی قرأت عبادنا بھی ہے، مراد ذات رسول ﷺ اور آپ کی امت ہے۔

تیسرا مسئلہ: السورۃ کا مفہوم قرآن کا حصہ

اگر اس کا واؤ اصلی ہے تو یہ نام ''سور المدنیۃ'' (شہر کی دیوار) سے ہے کیونکہ جس طرح دیوار شہر کا احاطہ کرتی ہے سورہ بھی قرآن کا محدود حصہ ہوتی ہے یا جس طرح دیوار اشیاء شہر کا احاطہ کرتی ہے اسی طرح سورہ بھی متعدد فنون علمی پر محیط ہوتی ہے۔

یا سورہ بمعنی رتبہ سے مشتق ہے۔سورۃ، منازل ومراتب کی مانند ہے جن پر قاری کو بلندی وارتقا نصیب ہوتا اور یہ بھی طوال، اوساط اور قصار ہوتیں ہیں یا رفعت شان اور دین میں جلالت مقام کی وجہ سے ہے۔

اگر واؤ اصلی نہیں بلکہ ہمزہ سے بدلا ہے تو اس کا معنی ٹکڑا ہے، قرآن کا حصہ، یہ شئی کا بقیہ اور اس سے زائد کو کہا جاتا ہے۔

سورتوں میں تقسیم اور ٹکڑے بنانے کا فائدہ

سوال: قرآن کو سورتوں میں تقسیم اور ٹکڑے بنانے کا کیا فائدہ؟

جواب: چند فوائد ہیں

۱۔ وہی فائدہ ہے جس کیلئے مصنفین اپنی کتب کو ابواب وحصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

۲۔ جب جنس کے تحت انواع ہوں تو ہر نوع کے افراد دوسروں سے احسن ہوں گے۔

۳۔ جب قاری کوئی سورہ یا باب ختم کر کے دوسرے میں شروع ہوگا تو اسے خوب خوشی ملے گی اور اس کا حصول بہتر ہوگا بخلاف اس کے کہ کتاب طویل ہو مثلاً مسافر جب جان لیتا ہے کہ میں نے میل اور فرسخ طے کر لیا تو اس کیلئے سفر اور آسان ہو جاتا ہے

Marfat.com

۴۔ جب حفظ کرنیوالا سورہ حفظ کرے گا وہ محسوس کرے گا میں نے کتاب اللہ سے ایک مستقل حصہ پالیا ہے اپنے اندر وہ عزت اور وہ قابل رشک محسوس کرے گا، یہی وجہ ہے کہ نماز میں سورتِ تامہ کی قرأت افضل ہے۔

چوتھا مسئلہ: فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ کی تفسیر

یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ قرآن اور اس کے سورتوں کی ترتیب، اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ طریق پر ہی ہے بخلاف کثیر محدثین کے ان کا قول ہے کہ قرآن کی یہ ترتیب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ چیلنج کہیں ایک سورہ کا ہے اور کہیں تمام قرآن کا۔

پانچواں مسئلہ: قرآنی چیلنج کی چند صورتیں

۱۔ ارشاد ہوتا ہے

فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَا (پ۲۰، القصص:۴۹)

اللہ کے پاس سے کوئی کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت والی ہو

۲۔ فرمانِ الٰہی ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (پ۱۵، الاسراء:۸۸)

تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کی مثل نہ لا سکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کا مددگار ہو

۳۔ فرمایا:

فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيَاتٍ (پ۱۲، ہود:۱۳)

تم فرماؤ ایسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ

۴۔ فرمایا:

فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ

ایک سورۃ اس کی مثل لا کر دکھاؤ

اس کی نظیر یوں ہے کہ کوئی شخص اپنے ساتھی کو تصنیف کا چیلنج کرے، اس کی مثل لے آ، اس کے نصف، چوتھائی یا اس کے ایک حصہ کی مانند ہی لکھ لا یہ چیلنج اور ازالہ عذر کی انتہا اور آخری درجہ ہے۔

سوال: ارشادِ الٰہی "فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ، سورۃ الکوثر، سورۃ العصر اور سورہ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ کو شامل ہے۔ اور ہم بداہۃً یہ

Marfat.com

جانتے ہیں ان کی مثل یا ان کے قریب ممکن ہے، اگر تم جواباً کہو کہ ان سورتوں کی مثل انسانی طاقت وقدرت سے خارج ہے تو یہ مکابرہ، (میں نہ مانوں) ہے اور ایسے مکابرات پر ڈٹ جانا دین پر تہمت کا ذریعہ ہے۔

جواب: اس وجہ سے ہم نے دوسرا طریق اختیار کیا تو ہم کہتے ہیں اگر یہ سورہ فصاحت میں حد اعجاز پر ہے تو مقصود حاصل اور اگر معاملہ یوں نہیں تو قرآن کی تردید پر شدید دواعی واسباب کے باوجود ان کا معارضہ سے رک جانا معجز بنا تا ہے تو دونوں صورتوں میں قرآن کا معجز ہونا ثابت ہو جائے گا۔

چھٹا مسئلہ: مِنْ مِّثْلِهٖ کی ضمیر

مثله، کی ضمیر کس طرف لوٹ رہی ہے اس میں دو صورتیں ہیں۔

ا۔ یہ ''مما نزلنا علی عبدنا'' میں 'ما' کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی تم ایسی سورہ لاؤ جو فصاحت وحسنِ نظم میں اس کی مثل ہو۔

۲۔ یہ عبدنا کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی وہ آدمی سورہ لائے جو ہمارے عبد کی طرح بشر وامی ہو، نہ اس نے کتاب پڑھی اور نہ علماء سے سیکھا

اول حضرت عمر، ابن مسعود، ابن عباس، حسن رضی اللہ عنہم اور اکثر محققین سے مروی ہے اور اسکی ترجیح پر یہ دلائل ہیں۔

ا۔ یہ باقی ان آیات کے مطابق ہے جو باب چیلنج میں وارد ہیں خصوصاً جو سورۂ یونس میں ہے:

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ (پ۱۱، یونس ۳۸) ایک سورت اس کی مثل لے آؤ

۲۔ بحث نازل شدہ میں ہے، اسی لیے فرمایا:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا اور اگر تم شک میں جو ہم نے نازل کیا

تو ضمیر کا اسی طرف لوٹنا ضروری ہے، کیا تم نہیں جانتے کہ معنی یہ ہے اگر تم قرآن کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کرنے میں شک کرتے ہو تو اسکی مثل لے آؤ اور اگر ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے تو یوں کہا جاتا اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہ نزولِ قرآن میں شک کرتے ہو تو ان کی مثل قرآن سے لاؤ۔

۳۔ اگر ضمیر قرآن کی طرف ہوتی تو اس کا تقاضا ہوگا کہ وہ قرآن کی مثل سے عاجز ہیں خواہ اجتماعی یا انفرادی ہو خواہ وہ امی ہوں یا عالم فاضل۔ اور اگر یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو تو اس کا تقاضا یہ نہ ہوگا البتہ یہ کہ عاجزین میں سے کوئی ایک امی ہو کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل واحد شخص امی ہی ہو سکتا ہے اور اگر وہ جمع ہو جائیں اور وہ عالم ہوں تو یہ مثل محمد نہ ہوں گے کیونکہ جماعت مثل واحد نہیں ہوا کرتی اور قاری وعالم، امی کی مثل نہیں ہوتا تو اب صورت اول میں اعجاز بلاشبہ اقویٰ ہے۔

Marfat.com

۴۔ اگر ہم ضمیر قرآن کی طرف لوٹائیں تو اس کا معجز ہونا فصاحت میں کمال شان کی وجہ سے ہوگا اور اگر ہم اسے حضور ﷺ کی طرف لوٹائیں تو قرآن کا معجز ہونا تب کامل ہوگا جب آپ ﷺ کا اُمی اور علم سے دور ہونا ثابت ہوگا، اگر چہ یہ بھی اعجاز ہے مگر اس کا اتمام تب ہوتا ہے جب حضور ﷺ میں ایک نقص وکمی مانی جائے، تو اول صورت ہی اولیٰ ہے۔

۵۔ اگر ہم ضمیر حضرت محمد ﷺ کی طرف لوٹائیں تو اس سے یہ وہم پیدا ہوسکتا ہے کہ جو حضور کی طرح امی نہیں اس سے مثل قرآن کا صدور ہوسکتا ہے۔ اگر ہم قرآن کی طرف رکھیں تو اس میں یہ دلالت ہوگی کہ اُمی و غیر اُمی دونوں سے صدورِ مثل قرآن محال ہے لہٰذا یہی صورت اولیٰ ہوگی۔

ساتواں مسئلہ: شہداء سے مراد دو صورتیں

شہداء سے مراد دو صورتیں ہیں:

ا۔ مراد بُت ہیں، جن میں وہ الوہیت کا دعویٰ رکھتے تھے گویا ان سے کہا جا رہا ہے اگر معاملہ یوں ہے جو تم کہتے ہو کہ یہ عبادت کے مستحق ہیں کیونکہ یہ نفع ونقصان دیتے ہیں تو تم حضور ﷺ کے ساتھ تنازعہ میں کس قدر حاجت شدید اور پریشانی میں ہو تو اس سے جلدی خلاصی کیلئے ان سے مدد طلب کرو اور اگر وہ مدد نہیں کرتے تو جان لو تم ان کے الٰہ ونافع اور ضار ہونے کا باطل دعویٰ رکھتے ہو۔

تو اب کلام سے دو طرح حجت ہوگی:

ا۔ ان کے الٰہ ہونے کا ابطال۔

۲۔ اعجازِ قرآن کے انکار کا ابطال اور اس قول کا ابطال کہ یہ قرآن گھڑتے ہیں۔

۲۔ شہدا سے مراد ان کے اکابر اور انکار محمدی میں ان کے موافقین ہیں، مفہوم یہ ہوگا۔ اپنے اکابرین اور رؤساء کو بلاؤ تاکہ وہ معارضہ قرآن میں تمہاری مدد کریں اور وہ تمہارے حق میں یا خلاف فیصلہ کرسکیں کہ کیا ممکن ہے اور کیا متعذر ہے۔

سوال: کیا لفظ شہداء کو بیک وقت دونوں پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ اگر ایسا دشوار ہے تو ان میں کونسی صورت اولیٰ ہے؟

جواب: اول صورت ممکن ہے کیونکہ شہداء، شہید بمعنی حاضر و گواہ کی جمع ہے لہٰذا اس سے معین وناصر مجازاً مراد لیا جاسکتا ہے۔ ان کے بت اور ان کے اکابرین اس میں مشترک ہیں کہ وہ ان کے معاونین وانصار ہیں، جب ہم لفظ کو اس مفہوم مشترکہ پر محمول کریں گے تو تمام ہی اس میں داخل ہو جائیں گے۔

رہی دوسری صورت تو اس میں اکابر پر حمل اولیٰ ہے اس لیے کہ لفظ شہداء کا اطلاق ظاہراً اسی پر ہوتا ہے جو واقعہ دیکھے اور شاہد

Marfat.com

وگواہ بن سکے اور یہ بات صرف ان کے اکابرین میں ہی پائی جاتی ہے، اگر ہم اسے بتوں پر محمول کریں تو شہداء کا اطلاق ان پر بطور مجاز ہوگا۔ یا یوں کہا جائے بلاؤ جنہیں تم اپنے شہداء مانتے ہو لیکن مقدر ماننا خلاف اصل ہے۔

اگر ہم اول صورت لیں تو کلام درست کیونکہ معنی یہ ہوگا بلاؤ تم جو تمہاری گواہی دے کیونکہ انکار پہ تمہارا اتفاق ہے، مذہب پر متفق لوگ موافقت کی وجہ سے ایک دوسرے کے گواہ بن جاتے ہیں تو اب شھداء کم کی اضافت درست ہوگی اور اس لیے بھی کہ عرب میں فصاحت میں تنازعہ کرنے والوں پر کچھ اکابر تھے جو فیصلہ کرتے کہ ان میں اعلیٰ کون ہے جب یہ ثابت ہے تو کلام کو حقیقت پر محمول کرنا مجاز پر حمل سے اولیٰ ہے۔

آٹھواں مسئلہ: لفظ دون کا معنی

دون، شی کا ادنیٰ مقام، الشئ الدون (حقیر گھٹیا) جب کتب کو جمع کیا جائے تو 'دون الکتب' کہا جاتا ہے کیونکہ شی کو جمع کرنا اسے ایک دوسرے کے قریب کرنا ہے، جب کسی کا درجہ تھوڑا کم ہو تو کہا جاتا ہے ''ھذا دون ذلك دونك ھذا'' اس کا اصل 'خذہ من دونك' ہے یعنی جو تیری جگہ کے قریب ہے تو نے اسے مختصر کر دیا ہے پھر یہ لفظ تفاوت احوال کیلئے بطور مجاز استعمال ہونے لگا۔ مثلاً ''زید دون عمرو فی الشرف والعلم'' (زید شرف و علم میں عمر دے کم ہے) پھر اس میں وسعت ہوئی اور ہر اس میں استعمال ہونے لگا جو ایک حد سے دوسری حد تک تجاوز کر جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ — نہ بنائیں مومن دوست کافروں کو سوائے مومنوں کے

(پ۳، آل عمران:۲۸)

یعنی مومنین کی دوستی، کافروں کی دوستی کی طرف تجاوز نہ کرے۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کا متعلق کون

سوال: من دون اللہ کا متعلق کون ہے؟

جواب: اس کے تعلق کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ اس کا متعلق شھداء کم ہے اور اس میں دو احتمال ہیں:

۱۔ معنی یہ ہوا کہ بلاؤ انہیں جنہیں تم نے خدا کے علاوہ الٰہ بنا رکھا ہے اور تم یہ اعتقاد رکھتے ہو کہ وہ روز قیامت تمہارے حق میں گواہی دیں گے کہ تم حق پر تھے۔

Marfat.com

اس طرح انہیں خوب ذلیل کرنا ہے کہ فصیح و معجز قرآن کے مقابل اس جماد و پتھر کو لاؤ جو بولنے پر قادر نہیں۔

۲۔ اُدْعُوْا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ کے دوستوں اور اہلِ ایمان کے علاوہ کو بلاؤ تا کہ وہ گواہی دیں کہ تم اس کی مثل لا سکتے ہو، اس میں نرمی اور اشارہ ہے کہ ان کے شہداء جو فصاحت کے شہسوار ہیں ان کی طبائعِ سلیمہ کبھی بھی جھوٹی شہادت پر تیار و راضی نہ ہوں گی۔

۲۔ اس کا متعلق ،اُدْعُوْا، ہے معنی یہ ہے کہ بلاؤ تم اللہ کے علاوہ گواہ یعنی تم اللہ کی شہادت پیش کرتے ہوئے تم یہ نہیں کہہ سکتے۔ اللہ گواہ ہے ہمارا دعویٰ حق ہے جیسا کہ اپنے دعویٰ کی صحت پر گواہی لانے سے عاجز آدمی کہتا ہے، تم لوگوں میں سے ایسے گواہ لاؤ جن کی شہادت سے حکام کے ہاں دعاوی ثابت ہوتے ہیں یہ ان کے عجز و انقطاع کا بیان ہے کہ اب ان کے پاس یہ بات بھی باقی نہیں رہی کہ وہ کہہ سکیں ،اللہ یشھد انا لصادقون۔ (اللہ گواہ ہم سچے ہیں)

نواں مسئلہ: قول جبر کا بطلان

قاضی کہتے ہیں یہ تحدی و چیلنج قول جبر کو کئی وجوہ سے باطل قرار دے رہا ہے۔

۱۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ مثل قرآن اس سے متعذر ہے جس سے فعل کا صدور درست ہے، جو عبد کے فاعل ہونے کی نفی کرتا ہے اس کیلئے اثباتِ تحدی اصلاً ممکن نہیں اور اس قول میں قرآن کے معجز ہونے پر استدلال باطل ٹھہرے گا۔

۲۔ قرآنی مثل کا متعذر ہونا، جبریہ کے قول کے مطابق قدرت موجبہ کے فقدان کی وجہ سے ہوگا۔ اور اس میں کسی کا معجز ہونا اور معجز نہ ہونا برابر ہے لہٰذا جبریہ کے مطابق تحدی کا قول ہی درست نہیں۔

۳۔ جو کچھ بندے کا ہے اس کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے تو اللہ تعالیٰ کا بندوں کو چیلنج کرنا درحقیقت اپنے کو ہی چیلنج کرنا ہے حالانکہ وہ خود مثلِ قرآن پر بلاشبہ قادر ہے لہٰذا اس قول پر لازماً اعجاز کا ثبوت نہ ہوگا۔

۴۔ معجز ہونا بتا رہا ہے کہ یہ خلاف عادت و معمول ہے، جبریہ کا قول ہے کہ عادت بھی بندے کا فعل نہیں تو فرق نہ رہا۔ لہٰذا معجز کے ساتھ استدلال درست نہ ہوگا۔

۵۔ رسول اللہ ﷺ نے بطور حجت فرمایا کہ قرآن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے میرے دعویٰ نبوت کی تصدیق کی ہے اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتا تو یہ اعجاز میں داخل نہ ہوتا حالانکہ جبریہ کے قول پر یہ فرق ہی نہیں کیونکہ وہاں عادی و غیر عادی افعال تمام کے تمام اللہ تعالیٰ کی طرف ہی سے ہیں۔

Marfat.com

جواب: تحدی سے مطلوب، مخالف کا قصداً مثل لانا ہے یا اس سے اس کا اتفاقاً وقوع ہے، دوسری صورت باطل ہے کیونکہ اتفاقات، انسان کے بس میں نہیں تو اول صورت ثابت، جب معاملہ یوں ہے تو ثابت ہوا تحدی قبول کرنا اس پر موقوف ہے کہ انسان کے دل میں اس کا قصد ہوگا، اب یہ قصد اگر انسان سے ہی ہے تو تسلسل لازم جو محال اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو لزومِ جبر، اور جو اعتراضات انہوں نے اٹھائے وہ تمام ان پر وارد ہوں گے اور ان کی تمام گفتگو باطل ٹھہرے گی۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا کی تفسیر

یہ آیت مبارکہ قرآنی اعجاز پر چار وجہ سے شاہد ہے

پہلی وجہ: تواتر سے ثابت ہے کہ عرب رسول اللہ ﷺ سے انتہائی عداوت اور آپ کے معاملہ کو باطل قرار دینے میں انتہائی حریص تھے کیونکہ ان کا وطن و خاندان چھوڑنا اور مال و جان خرچ کرنا اس پر اقویٰ دلیل ہے پھر اس کے ساتھ ٹھونک بجا کر یہ اعلان ملایا جائے۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا

اور اگر تم نہ لا سکے اور تم ہرگز نہ لا سکو گے

تو اگر ان کی طاقت وقدرت میں قرآنی مثل یا اس کی سورہ کی مثل لانا ممکن ہوتا تو ضرور لے آتے جب وہ نہ لائے تو قرآن کا معجز ہونا واضح ہو گیا۔

۲۔ حضرت محمد ﷺ ان کے ہاں اگرچہ معاملہ نبوت میں متہم تھے لیکن وفورِ عقل وفضل اور معرفت فہم معاملات میں آپ ﷺ ان کے ہاں معروف ومسلم تھے، اگر آپ کے دعویٰ نبوت میں اتہام کا خطرہ لاحق ہوتا تو کبھی بھی آپ اس قدر انتہائی درجہ کا چیلنج انہیں نہ کرتے بلکہ تمام امور پر آنے والی ذلت ورسوائی پر خائف و پریشان ہوتے، تو آپ ﷺ ایسا کہنے سے بچتے، اگر آپ ﷺ کو ان کی معارضہ سے عاجزی اور حالتِ اضطراری کی معرفت نہ ہوتی تو اس انتہائی درجہ کا چیلنج آپ ہرگز نہ کرتے

۳۔ اگر حضور ﷺ کو اپنی صحتِ نبوت کا یقین نہ ہوتا تو اس قدر یقینی خبر نہ دیتے کہ یہ قرآن کی مثل لا ہی نہیں سکتے کیونکہ اگر آپ کو صحتِ نبوت کا قطعی علم نہ ہوتا تو اس کے خلاف کا جواز وامکان تھا، وقوعِ مخالف کی صورت میں آپ ﷺ کا کذب سامنے آجاتا، جھوٹا اور بات گھڑنے والا کبھی بھی کلام میں قطعیت اور جزم کا اظہار نہیں کر سکتا، جب آپ ﷺ نے جزم ویقین کا اظہار کیا تو اس سے واضح ہو گیا کہ آپ اپنے معاملہ میں قطعی یقین رکھتے ہیں۔

۴۔ اس خبر کا وقوع بھی اسی بیان کے مطابق ہوا کیونکہ حضور ﷺ کی ظاہری حیات سے لے کر ہمارے دور تک کوئی وقت دین اور اسلام کے مخالفین سے خالی نہیں رہا اور اس معارضہ کے اسباب ودواعی بھی شدید رہے ہے، حرص شدید کے باوجود بھی معارضہ نہ ہوا

نقل قدیر

Marfat.com

یہ آیت مبارکہ ان چار وجوہ پر مشتمل ہے جو قرآن کے معجز ہونے پہ دال ہیں، اس میں ان جہال کا بھی رد ہے جو کہتے ہیں کتاب اللہ حجت واستدلال پر مشتمل ہی نہیں۔

چند سوالات

یہاں چند سوالات ہیں

پہلا سوال: ان سے سورۃ لانے کی نفی لازم ہے تو کیوں نہ 'اِذَا' لایا گیا جو وجوب پہ دال ہے بخلاف اِنْ یہ تو شک کیلئے آتا ہے؟

جواب: دو طرح پر ہے۔

۱۔ یہاں گفتگو ان کے گمان کے مطابق ہے وہ اپنی فصاحت اور قدرتِ کلام پر بھروسہ کی وجہ سے ابھی تک معارضہ۔ عاجزی کا جزم ویقین نہیں رکھتے تھے۔

۲۔ یہ ان کی تذلیل ہے جیسے کوئی مقابل پہ غالب وقوی ہو اور کہے اگر میں تجھ پر غالب آجاؤں حالانکہ وہ اپنا غلبہ جانتا ہے تو ایسا ذلیل کرنے کیلئے کہہ رہا ہے۔

دوسرا سوال: فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا، فرمایا کیوں نہ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْا بِہٖ فرمایا؟

جواب: یہ جملہ "فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَلَنْ تَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ" سے مختصر ہے۔

تیسرا سوال: وَلَنْ تَفْعَلُوْا، کا محل اعراب کیا ہے؟

جواب: یہ جملہ معترضہ ہے لہٰذا اس کا کوئی محل نہیں۔

چوتھا سوال: باب نفی میں لفظ 'لَنْ' کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: لا اور لَنْ، نفی مستقبل میں بھائی ہیں البتہ 'لن' میں تاکید وتشدید ہے مثلاً دوست سے کہو میں تمہارے پاس کل نہیں ٹھہروں گا اگر وہ نہ مانے تو تم کہو گے لَنْ اقیم غدا (میں ہرگز نہیں ٹھہروں گا)

لَنْ میں تین اقوال

کلمہ لن میں تین اقوال ہیں

۱۔ اس کا اصل لَا اَنْ ہے، شیخ خلیل کا یہی قول ہے۔

۲۔ اصل 'لَا' ہے الف، نون سے بدل گیا ہے، شیخ فراء کا یہی قول ہے۔

Marfat.com

۳۔ یہ حرف ناصبہ ہے، نفی مستقبل میں تاکید کیلئے آتا ہے، شیخ سیبویہ کا یہی قول ہے، خلیل سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

پانچواں سوال: ان کے مثلِ سورت لانے کی نفی کو آگ سے بچنے کے ساتھ مشروط کرنے کا کیا معنی؟

جواب: جب معارضہ سے ان کا عجز ظاہر ہوا تو ان کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق آشکار ہو گیا، جب ان کے ہاں آپ کا معاملہ صحیح ٹھہرا پھر انہوں نے عناد رکھا جس کی وجہ سے وہ مستحق عذاب نار ٹھہرے تو نار سے بچنا، ترکِ عناد کا موجب ٹھہرا، یعنی موثر کو اثر کا نام دیا یعنی ''فَاتَّقُوا النَّارَ'' (آگ سے بچو) کو ''عناد ترک کرو'' کے قائم مقام رکھ دیا ہے۔

یہ ایجاز ہے جو فنِ بلاغت سے تعلق رکھتا ہے، اس میں خالت عناد کی شناعت وھول کا بھی اظہار ہے کہ اتقاءِ نار (آگ سے بچنا) کو اس کے قائم بنایا تو پھر نار کی صفت وحالت کا تذکرہ کیا۔

چھٹا سوال: وقود سے کیا مراد ہے؟

جواب: ایندھن، جس سے آگ جلائی جائے، مصدر کی صورت میں ضمہ کبھی فتح بھی ہے، شیخ سیبویہ کہتے ہیں ہم نے عرب کو یہ کہتے سنا، وقدنا النار وقوداً عالیًا '' پھر کہا اکثر وقود ہے اور اس سے مراد لکڑی ہے۔ شیخ عیسیٰ بن عمر نے تسمیہ مصدر قرار دیتے ہوئے اس پر ضمہ پڑھا۔ محاورہ ہے فلان فخر قومه وزین بلده (فلاں قوم کا فخر اور اپنے علاقہ کی زینت ہے)

ساتواں سوال: الذی، کے صلہ کا معلوم ہونا لازم ہوتا ہے لیکن انہیں کیسے معلوم کہ آخرت کی آگ میں لوگ اور پتھر جلائے جائیں گے؟

جواب: ممکن ہے پہلے انہوں نے اہلِ کتاب سے سن رکھا ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اس آیت سے پہلے سورۃ تحریم میں ارشاد ہے:

نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (پ ۲۸، التحریم:۶) اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں

آٹھواں سوال: کیا وجہ سورۃ تحریم میں نار کو نکرہ اور یہاں معرفہ لایا گیا ہے؟

جواب: سورۃ تحریم کی آیت مکہ میں نازل ہوئی جس سے انہیں اس آگ مذکور کا علم ہو گیا پھر جب یہ مدینہ میں آئی تو معرفہ لایا تا کہ واضح ہو جائے کہ معلوم آگ ہی مراد ہے۔

نواں سوال: ''وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ'' کا کیا معنی ہے؟

جواب: یہ آگ دوسری آگ سے جدا وممتاز ہے یہ تو لوگوں اور پتھر سے جلتی ہے یہ چیز دو طرح اس کی قوت پر دال ہے:

۱۔ جب لوگ باقی آگوں میں کسی کو جلاتے ہیں یا پتھر کو گرم کرتے ہیں تو پہلے کسی ایندھن سے آگ جلاتے ہیں اور اس شی کو جلانے کیلئے پھینکتے ہیں یہ آگ (اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا صدقہ اس سے ہمیں اپنی پناہ میں لے لے) تو جل ہی اس سے رہی ہے جس کا جلانا ہے۔ یعنی انسان ایندھن بنے گا۔

Marfat.com

۲۔ شدید گرمی جو پتھر کو پگھلا دے۔

دسواں سوال: کیوں الناس کو پتھر کے ساتھ لایا اور پتھر کو ان کے ساتھ ایندھن بنایا؟

جواب: کفار نے اپنے کو دنیا میں پتھروں کے ساتھ یوں ملایا انہیں بُت تراشا، انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا اور ان کی عبادت و پرستش کی۔ ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّکُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَہَنَّمَ تم اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو جہنم کا ایندھن ہو

(پ۱۷، الانبیاء:۹۸)

مذکور آیت اس کی تفسیر بن رہی ہے کیونکہ اس میں ''دون اللہ۔ الناس اور حجارہ کے معنی میں اور حصب جہنم، وقود کے معنیٰ میں ہے۔

جب کفار نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ پتھروں کو اپنا معبود بنایا اور مانا کہ یہ ہمارے شفیع اور شہداء ہوں گے اور یہ ہمیں اپنی شفاعت کے ذریعے چھڑا لیں گے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہی عذاب بنادیا اور یہ ہی ان کیلئے جہنم میں آگ بن گئے تاکہ ان کی حسرت وافسوس میں خوب اضافہ ہو۔

اسی کی مثل کفار کا وہ معاملہ ہے کہ انہوں نے سونا چاندی بخل کرتے ہوئے جمع کیا۔ اس کے حقوق ادا نہ کیے تو اس دن انہیں پگھلا کر ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا۔

بعض نے حجارہ سے مراد کبریت لیا لیکن یہ بلا دلیل تخصیص ہے بلکہ اس میں فساد بھی ہے۔ کیونکہ یہاں مقصد آگ کی عظمت اور بڑائی ہے اور حجارہ کبریت کا جلنا تو امر عادی ہے تو کبریت کے ساتھ جلنا قوت نار پر دال نہ ہوگا، اگر ہم اسے باقی پتھروں پر ہی محمول کریں تو اب آگ کا معاملہ بڑھا ہوا ہوگا کیونکہ باقی پتھر آگ کو ٹھنڈا کرتے ہیں گویا فرمایا: وہ آگ اپنی قوت میں اس درجہ ہوگی ابتداء ہی وہ ان پتھروں کو جلائے گی جو نارِ دنیا کو بجھا دیتے ہیں۔

اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ، کے الفاظ بتا رہے ہے کہ یہ مذکورہ آگ کفار کیلئے تیار ہے، لیکن یہاں ایسی کوئی چیز نہیں جو یہ بتائے کہ وہاں کوئی دوسری آگ ہوگی جو مسلمان فاسقوں کیلئے ہوگی

Marfat.com

آخرت پر گفتگو

Marfat.com

[۲۵] وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

(اور خوشخبری دو ان کو جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے ان کیلئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جب انہیں ان باغوں سے کوئی پھل دیا جائے گا کھانے کو تو کہیں گے یہ تو وہی رزق ہے جو ہمیں پہلے ملا تھا اور وہ ملتا جلتا انہیں دیا گیا اور ان کیلئے ان باغوں میں ستھری بیبیاں ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے)

آیت کا ربط

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے توحید ورسالت کے بارے میں کلام فرمایا، ان دونوں کے بعد اب آخرت کی تفصیل، کافر پر عتاب اور مطیع کا ثواب بیان کیا، اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جب وہ کسی آیت میں وعید وعذاب بیان فرماتا ہے تو اس کے بعد آیت وعدو بشارت بھی لاتا ہے۔

یہاں چند مسائل ہیں

پہلا مسئلہ: حشر ونشر کا مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جن پر صحتِ دین کا مدار ہے، اس مسئلہ میں بحث، اس کے امکان کے حوالہ سے ہے یا اس کے وقوع میں، اس کا امکان تو عقل ونقل دونوں ثابت ہے، رہا وقوع تو وہ فقط نقل وشرع پر موقوف ہے، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اپنی کتاب میں ذکر کیا اور کئی وجہ سے حق واضح کیا۔

پہلی وجہ: بہت سے مقامات پر حشر ونشر کے بارے میں منکرین کا انکار نقل کیا اور اللہ تعالیٰ نے بغیر دلیل کے فرمایا اس کا وقوع یقینی وقطعی ہے اور یہ طریق اس لیے جائز ہے کہ جو چیز صحتِ نبوت رسول ﷺ پر موقوف نہیں اسے دلیل نقلی سے ثابت کرنا ممکن ہے اور یہ مسئلہ اسی طرح کا ہے لہٰذا اس کا اثبات نقل سے جائز ہے، اس کی مثال یوں دیکھو۔ فرمایا نار، کفار کیلئے اور جنت، ابرار

Marfat.com

کیلئے ہے اور اس پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی لہٰذا دعویٰ پر اکتفا کر لیا۔

رہا اثباتِ صانع اور اثباتِ نبوت تو یہاں فقط دعویٰ نہیں کیا بلکہ اس پر دلیل بھی ذکر کی۔ وجہ فرق وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دی، سورۃ النحل میں فرمایا:

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (پ۱۴، النحل:۳۸)

اور یہ لوگ بڑے سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مر جائے اللہ اسے اُٹھائے گا نہیں، کیوں نہیں اس کا سچا وعدہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

سورۃ التغابن میں فرمایا:

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ (پ۲۸، التغابن:۷)

کافر کہتے ہیں کہ وہ ہرگز نہیں اٹھائیں جائیں گے فرمایئے کیوں نہیں؟ میرے رب کی قسم تم ضرور اُٹھائے جاؤ گے پھر تمہیں تمہارے اعمال کے بارے میں بتایا جائے گا

دوسری وجہ: اللہ تعالیٰ نے امکانِ حشر ونشر کو اس بنا پر ثابت کیا کہ وہ ایسے اُمور پر قادر ہے جو حشر ونشر کے مثل ومشابہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ کئی وجوہ سے بیان کیا ہے، سب سے جامع طریق سورۃ الواقعہ میں ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا اصحاب شمال کہتے ہیں

اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ (پ۲۷، الواقعہ:۴۷۔۴۸)

کیا جب ہم مر جائیں اور ہڈیاں مٹی ہو جائیں تو کیا ضرور ہم اٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی

اس کے جواب میں فرمایا

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (پ۲۷، الواقعہ:۴۹۔۵۰)

تم فرماؤ یقیناً اکٹھے کیے جائیں گے اگلے اور پچھلے ایک جانے ہوئے دن کی میعاد پر۔

امکانِ قیامت پر چار اُمور سے استدلال

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے امکان پہ چار اُمور سے استدلال فرمایا:

۱۔ ارشاد فرمایا:

Marfat.com

أَفَرَأَيْتُمْ مَّا تُمْنُونَ ءَأَنتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ (پ۲۷، الواقعۃ: ۵۸، ۵۹)

تو بھلا دیکھو تم جو منی گراتے ہیں کیا تم اس کا آدمی بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں؟

وجہ استدلال یوں ہے، منی ہضم کے فضلہ سے حاصل ہوتی ہے اور یہ اطراف اعضاء میں ہلکے پیدا ہونے والے ذرات کی طرح ہے اسی وجہ سے جماع سے تمام اعضاء لذت پاتے ہیں کیونکہ اس سے سب کو کشادگی وانحلال ملتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ قوت شہوت کو بقیہ پر مسلط فرماتا ہے حتیٰ کہ وہ تمام اجزا طلیہ کو جمع کرتی ہے۔ حاصل یہ کہ وہ اجزا بہت زیادہ متفرق تھے۔ اولاً اطراف عالم میں پھر انہیں اللہ تعالیٰ نے اس حیوان کے بدن میں جمع کیا جو اس حیوان کے اجزا میں متفرق تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے برتن منی میں جمع کر دیا پھر اسے اللہ تعالیٰ نے قرار رحم کی طرف ماء دافق کی شکل میں نکالا، جب یہ اجزا متفرقہ جمع ہوئے تو شخص بنا، جب یہ موت سے بکھر جائیں گے تو انہیں دوبارہ جمع کرنا کیوں محال ہوگا؟ اس دلیل کی تشریح یہی ہے اور اس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں متعدد جگہ کیا ہے، سورۃ الحج میں فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن تُرَابٍ (پ۱۷، الحج: ۵، ۷)

اے لوگو اگر تم دوبارہ جی اٹھنے میں شک کرتے ہو تو ہم نے تمہیں مٹی سے بنایا ہے

سورۃ المومنون میں مراتب خلقت کے بعد فرمایا:

ثُمَّ إِنَّكُم بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ (پ۱۸، المومنون: ۱۵، ۱۶)

پھر تم اس کے بعد ضرور مرنے والے ہو اور پھر تم سب قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

اور سورۃ لَا أُقْسِمُ میں فرمایا:

أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّن مَّنِيٍّ يُمْنَىٰ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ (پ۲۹، القیامۃ: ۳۷، ۳۸)

کیا وہ ایک بوند نہ تھا اس منی کا کہ گرائی جائے پھر خون کی پھٹک ہوا تو اس نے پیدا فرمایا اور پھر ٹھیک کیا

سورۃ الطارق میں فرمایا:

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ يَخْرُجُ (پ۳۰، الطارق: ۵، ۸)

آدمی کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے بنایا گیا ٹپکتے ہوئے پانی سے

۲۔ ارشاد فرمایا:

أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ (پ۲۷، الواقعۃ: ۶۳، ۶۷)

یہ بتاؤ جو تم بوتے ہو کیا اسے اگاتے تم ہو یا ہم اگانے والے ہیں

Marfat.com

وجہ استدلال کچھ یوں ہے، دانہ اور اس کی اقسام، طویل، ان میں شق یا غیر شق ہوتا ہے مثلاً چاول اور جو۔ گول، مثلث، مربع اور اس کی مختلف اشکال ہیں، جب اس کا وقوع تر زمین میں ہو پانی و مٹی کا غلبہ ہو تو نظر عقل میں ضروری ہے کہ وہ متعفن و فاسد و خراب ہو جائے کیونکہ ان میں سے ہر ایک حصولِ تعفن کا سبب ہے اور دونوں کے اجتماع کی صورت میں بطریق اولیٰ ایسا ہوگا، جب وہ فاسد نہیں ہوتا بلکہ محفوظ رہتا ہے تو جیسے ہی رطوبت بڑھے گی تو دانہ دو حصوں میں ہو جائے گا اور اس سے دو ورق نکلیں گے، اگر دانہ مطول ہے تو اس کے سر میں سوراخ ہوگا اور اس سے طویل ورق نکلے گا جیسا کہ کھیتی میں مشاہدہ ہے۔

گٹھلی میں بہت سختی ہوتی ہے جس کی وجہ سے اکثر لوگ اس کے پھاڑنے سے عاجز ہوتے ہیں جب تر زمین میں دبتی ہے تو اللہ کے حکم سے پھٹ جاتی ہے، کھجور کی گٹھلی اپنی پشت کے نقرہ سے پھٹتی ہے تو اس کا مجموع دو نصف ہو جاتا ہے تو ایک نصف سے جز صاعد نکلتا ہے دوسرے سے جز ھابطہ، صاعد اوپر چلا جاتا ہے اور ھابط، زمین کی گہرائی میں، حاصل یہ کہ چھوٹی سی گٹھلی سے درخت نکلتے ہیں ان میں سے ایک خفیف و صاعد اور دوسرا ثقیل و ھابط حالانکہ عناصر ایک، گٹھلی، پانی ہوا و مٹی کی طبیعت ایک ہے تو کیا یہ قدرت کاملہ اور حکمت شاملہ پر شہادت نہیں تو ایسی قدرت والا مختار۔ اجزا کے جمع اور انہیں جوڑنے سے کیسے عاجز ہوگا؟ اس کی نظیر سورۃ الحج میں ارشادِ الٰہی ہے:

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ (پ۱۷،الحج:۵)

اور تو زمین دیکھے مرجھائی ہوئی پھر جب ہم نے اس پر پانی اُتارا تو تر و تازہ ہوئی اور اُبھر آئی

۳۔ ارشادِ الٰہی ہے:

أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ۝ أَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ (پ۲۷،الواقعہ:۶۸،۶۹)

ذرا بتاؤ جو پانی تم پیتے ہو کیا تم نے اس کو بادل سے اُتارا یا ہم ہیں اتارنے والے

۱۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ پانی طبعاً جسم ثقیل ہے، ثقیل کا اُوپر جانا خلاف طبع معاملہ ہے۔ ضروری ہے کوئی ایسا قادر و قاہر ہو جو اس کی طبع کو ختم اور اس کی خصوصیت کو باطل کر دے اور نیچے آنے اور نزول کی شان والے کو صعود اور بلندی کی طرف لے جائے۔

۲۔ یہ ذرات مائیہ، متفرق ہونے کے بعد جمع ہو جاتے ہیں۔

۳۔ ہوائیں انہیں لئے اڑتی ہیں۔

۴۔ یہ ضرورت اور زمین کی خشکی کے مطابق نازل ہوتے ہیں۔

یہ تمام، جوازِ حشر و قیامت پر شاہد ہیں۔

Marfat.com

۱۔ صعود ثقیل اس لیے کہ یہ تبدیلی طبیعت ہے، جب یہ جائز ہے تو یہ کیوں جائز نہیں کہ حیات و رطوبت تراب و ماء سے ظاہر ہو؟

۲۔ جب ذراتِ مائیہ کے متفرق ہونے کے بعد ان کے جمع پر قادر ہے تو اجزاء ترابیہ کے متفرق ہونے کے بعد اس کا جمع کیوں ناجائز ہوگا؟

۳۔ ہواؤں کا چلنا، جب ان ہواؤں کے چلانے پر قادر ہے جو ہم جنس اجزاء کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیتی ہیں تو یہاں یہ کیوں جائز نہیں؟

۴۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی حاجت کیلئے سحاب پیدا کیے تو یہاں مکلفین کو دوبارہ پیدا کرنے کی ضرورت بطریق اولیٰ ہے تاکہ وہ اپنے ثواب وعتاب کو حاصل کرسکیں۔

واضح رہے اللہ تعالیٰ نے اس دلیل کو اپنی کتاب میں دوسری جگہ سورۃ الاعراف میں دلیل توحید کے طور پر ذکر کیا، فرمایا:

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (پ۸،الاعراف:۵۶) یقیناً تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر استوا فرمایا

اس کے بعد دلیل حشر ذکر کی:

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ (پ۸،الاعراف:۵۷) اور وہی ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے

۴۔ ارشادِ الٰہی ہے:

اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ (پ۲۷،الواقعہ:۷۱،۷۲) ذرا بتاؤ وہ آگ جو تم روشن کرتے ہو اس کا درخت کیا تم نے پیدا کیا یا ہم ہیں پیدا کرنے والے

وجہ استدلال یوں ہے، نار اُوپر جانے والی اور درخت نیچے جانے والا ہے، آگ لطیف، درخت کثیف، آگ نوری اور درخت ظلماتی، آگ گرم وخشک، درخت ٹھنڈا و تر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے درخت کے اندر اجزاء نورانیہ و ناریہ روک کر اپنی قدرت سے ان اشیاء مخالفہ کو جمع کر رکھا ہے جب وہ اس سے عاجز نہیں تو حیوانات کی ترکیب و تالیف سے وہ کیسے عاجز ہوگا؟

اللہ تعالیٰ نے سورۂ یٰسین میں اس دلیل کو یوں بیان کیا:

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا (پ۲۳،یٰسین:۸۰) جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کی

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں ماء اور آگ کا معاملہ ذکر کیا، لیکن سورۃ النحل میں ہوا کا ذکر کیا، فرمایا:

أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ (پ۲۰ النمل ۶۳)

یا وہ جو تمہیں خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا ہے یا وہ جو خلق کی ابتدا فرماتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائے گا

سورۃ الحج میں زمین کا ذکر کیا:

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً (پ۱۷ الحج ۵)

اور تو زمین کو مرجھائی ہوئی دیکھے گا

گویا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: عناصر اربعہ تمام احوال میں امکانِ حشر ونشر پر شاہد ہیں

امکانِ حشر پر شاہد، دلائل کی دوسری نوع

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب میں اولاً ایجاد پر قادر ہوں تو دوبارہ لوٹانے پر بطریق اولیٰ قادر ہوں گا، اس دلیل کی پختگی عقلاً ظاہر ہے۔

اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کئی مقامات پر کیا مثلاً سورۃ البقرۃ میں فرمایا:

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (پ۱ البقرۃ ۲۸)

بھلا تم کیسے خدا کے منکر ہو گئے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں موت دے گا پھر زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف پلٹ کر جاؤ گے

سورۃ الاسراء میں فرمایا:

وَقَالُوا أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا قُلْ كُونُوا حِجَارَةً ۔۔۔ قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ (پ۱۵ الاسراء ۴۹، ۵۱)

اور بولے کیا ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے کیا سچ نئے بن کر اٹھیں گے تم فرماؤ پتھر ہو جاؤ کہہ دیجئے وہی ہے جس نے پہلی مرتبہ پیدا فرمایا

أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ (پ۲۰ العنکبوت ۱۹)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا اللہ کیونکر خلق کی ابتدا فرماتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائے گا

سورۃ الروم میں ہے:

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَى (پ۲۱ الروم ۲۷)

اور وہی ہے کہ اول بناتا ہے اور پھر اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ تمہاری سمجھ میں اس پر زیادہ آسان ہونا چاہیے اسی کیلئے سب سے برتر شان ہے

Marfat.com

سورۂ یٰسین میں فرمایا:

قُلْ یُحْیِیْھَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَھَآ اَوَّلَ مَرَّۃٍ (پ ۲۳ یٰسین: ۷۹) فرما دیجیے انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی مرتبہ ان کو بنایا۔

تیسری نوع: آسمانوں پر اس کی قدرت سے قدرت حشر پر استدلال

یہ استدلال متعدد آیات میں ہے، سورۃ الاسراء میں فرمایا:

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَھُمْ (پ ۱۵ الاسراء: ۹۹) اور کیا وہ نہیں دیکھتے وہ اللہ جس نے زمین اور آسمان بنائے ان لوگوں کی مثل بنا سکتا ہے

سورۂ یٰسین میں ہے:

اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَھُمْ بَلٰی وَھُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ (پ ۲۳ یٰسین: ۸۱) اور کیا جس نے آسمان اور زمین بنائے ان جیسے اور نہیں بنا سکتا کیوں نہیں وہی ہے پیدا کرنے والا اور جاننے والا

سورۂ احقاف میں ہے:

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِھِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِ الْمَوْتٰی بَلٰٓی اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (پ ۲۶ الاحقاف: ۳۳) کیا انہوں نے نہ جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمان اور زمین بنائے اور ان کے بنانے میں نہ تھکا، قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کرے کیوں نہیں وہ یقیناً سب کچھ کر سکتا ہے۔

سورۂ ق میں فرمایا

ءَاِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا (پ ۲۶ ق: ۱۱) کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے۔

اس کے بعد فرمایا:

اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ ھُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ (پ ۲۶ ق: ۱۵) تو کیا ہم پہلی بار بنا کر تھک گئے بلکہ وہ نئے بننے سے شبہ میں ہے

چوتھی نوع: ثواب و عذاب میں امتیاز

وقوع حشر پر یوں استدلال کہ نیک کیلئے ثواب، عاصی کیلئے عذاب اور دونوں میں امتیاز ہے، متعدد آیات میں ہے:

Marfat.com

سورۂ یونس میں ہے

اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ (پ۱۱، یونس:۴)

اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے بیشک وہ پہلی بار بناتا ہے پھر بنانے کے بعد دوبارہ بنائے گا کہ ایمان والوں اور اچھے کام کرنے والوں کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے

سورۂ طٰہٰ میں ہے

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى (پ۱۶، طٰہٰ:۱۵)

بیشک قیامت آنیوالی ہے اور قریب تھا کہ میں اسے سب سے چھپاؤں کہ ہر جان اپنی کوشش کا بدلہ پائے

سورۂ ص میں فرمایا:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا بَاطِلًا ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ (پ۲۳، ص:۲۷،۲۸)

اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ درمیان ہے بیکار نہ بنایا یہ کافروں کا گمان ہے تو کافروں کی خرابی ہے آگ سے کیا ہم ایمان والوں اور اچھے کام کرنیوالوں کو ان جیسا کردیں جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یا ہم پرہیزگاروں کو شریر اور بے حکموں کے برابر ٹھہرائیں گے

پانچویں نوع: صحت حشر ونشر پر دنیا میں مردہ کی زندگی سے استدلال

۱۔ سیدنا آدم علیہ السلام کا ابتداءً پیدا کرنا۔

۲۔ گائے کا واقعہ، فرمایا:

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ یُحْیِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى (پ۱، البقرۃ:۷۳)

ہم نے کہا کہ بعض کو بعض سے مس کرو اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے

۳۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ

رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى (پ۳، البقرۃ:۲۶۰)

اے میرے رب مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے

۴۔ ارشاد فرمایا:

Marfat.com

اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا (پ۳، البقرۃ:۲۵۹)
یا اس طرح جو گزرا ایک بستی پر جو اپنی چھتوں کے بل تباہ پڑی تھی

حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا واقعہ

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے امکان پر بعینہ وہی استدلال کیا جو جوازِ حشر پر کیا۔ فرمایا:

وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا (پ۱۶، مریم:۹)
اور میں نے تو تجھے اس سے پہلے اس وقت بنایا جب تو کچھ بھی نہ تھا

قصہ اصحاب کہف میں ارشاد فرمایا:

لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا (پ۱۵، الکہف:۲۱)
تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں

واقعہ حضرت ایوب علیہ السلام میں فرمایا

وَاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ (پ۱۷، الانبیاء:۸۴)
ہم نے اسے اس کے گھر والے اور اتنے ہی اور عطا کیے

یہ واضح کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مدت کے بعد زندگی دی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ، مردوں کا زندہ ہونا۔ فرمایا

وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى (پ۱۷، الحج:۶)
اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے

دوسرے مقام پہ ہے

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِىْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِىْ (پ۷، المائدۃ:۱۱۰)
اور جب تو میرے حکم سے مٹی جیسی صورت پرند کی بناتا پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتی

اسی میں یہ فرمایا:

اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا (پ۱۶، مریم:۶۷)
کیا آدمی کو یاد نہیں کہ ہم نے اس سے پہلے اسے بنایا اور وہ کچھ نہ تھا

یہ ان اصولی دلائل کی طرف اشارہ ہے جن کا تذکرہ، اللہ تعالیٰ نے صحتِ عقیدہ حشر پر اپنی کتاب میں کیا ہے۔ ہر دلیل کی ممکن تفصیل مذکورہ آیات کی تفسیر میں آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

Marfat.com

منکر حشر و نشر کافر ہے

اللہ تعالیٰ نے کتاب میں تصریح کی ہے کہ حشر و نشر کا منکر کافر ہے، دلیل یہ ارشادِ الٰہی ہے:

وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ

(پ۱۵، الکہف: ۳۵-۳۷)

اپنے باغ میں اپنی جان پر ظلم کرتا ہوا چلا گیا بولا مجھے گمان نہیں کہ یہ کبھی فنا ہو اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کی طرف بھی گیا تو ضرور اس سے بہتر جگہ پاؤں گا پلٹنے کی اس کے ساتھی نے اسے الٹ پھیر کرتے ہوئے جواب دیا کیا تو اس کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے بنایا

وجہ لزوم کفر یہ ہے کہ اس شی کا وجود فی نفسہ ممکن ہے اگر اس کا وجود ممتنع ہوتا تو اس کا وجود ابتداءً کیسے پایا گیا؟ جب یہ پہلی مرتبہ موجود ہے تو واضح ہو گیا یہ فی ذاتہ ممکن الوجود ہے اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے درست و صحیح نہیں تو یہ دلالت کرے گا کہ وہ عاجز ہے کہ وہ فی نفسہ جائز الوجود کی ایجاد پر قادر نہیں یا اس کی جہالت پر کہ اس کیلئے ہر مکلف کے اجزاء کا دوسرے کے اجزاء بدن سے ممتاز کرنا دشوار ہے، اللہ تعالیٰ کے عاجز و جاہل ہونے کا قول کے ساتھ ساتھ اثبات نبوت بھی درست نہ ہوگا تو یہ قطعی طور پر کفر کا موجب و سبب ہوگا۔ واللہ أعلم

دوسرا مسئلہ: جنت و دوزخ کا مخلوق ہونا

آیات صاف بتا رہی ہیں کہ جنت و دوزخ مخلوق اور پیدا ہو چکی ہیں، نار اس لیے کہ اس کی حقیقت یوں بیان کی اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ' (یہ کفار کیلئے تیار ہے) یہ تصریح ہے کہ وہ پیدا ہو چکی، جنت کے بارے میں ایک اور آیت میں فرمایا اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ' (متقین کیلئے تیار ہے) اور اس لیے بھی کہ یہاں فرمایا:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اور بشارت ہے ایمان والوں کیلئے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ان کیلئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

یہ عملاً ملکیت اور حصول ملکیت کی اطلاع ہے۔ حصولِ ملکیت فی الحال، حصولِ مملوک فی الحال کا مقتضی ہے تو یہ شاہد ہے کہ جنت و نار پیدا ہو چکیں ہیں

Marfat.com

تیسرا مسئلہ: حصول لذت کے مقامات

حصولِ لذت کے مقامات مسکن ہے یا مطعم (کھانا) یا منکح (جماع)، مسکن کا بیان، جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ میں، مطعم کا بیان، كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ۔ اور جماع کا بیان، وَلَهُمْ فِیْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ میں فرما دیا، ان اشیاء کے حصول کے ساتھ اگر خوفِ زوال بھی ہو تو خوشی، کڑوی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے خوف زوال کو یوں زائل کر دیا۔ وَهُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ تو یہ آیت مبارکہ کمالِ نعمت وسرور پر شاہد ہے اب ہم الفاظِ آیت پر گفتگو کرتے ہیں۔

الفاظ آیت پہ گفتگو

ارشاد ہوا: وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ یہاں چند سوالات ہیں:

سوال اول: اس امر (بَشِّرْ) کا عطف کس پر ہے؟

جواب: کئی طرح سے ہے۔

۱۔ یہاں امر کا عطف امر پر نہیں کہ اعتراض ہو یہاں جملہ کا عطف جملہ پر ہے اور وہ ہے ثواب مومنین کا عطف عقاب کافرین پر۔ محاورہ ہے، زید یعاقب بالقید والضرب وبشر عمراً بالعفو والاطلاق۔ (زید کو قید وضرب کی سزا اور عمر کو معافی آزادی کی بشارت دو)

۲۔ اس کا عطف "فَاتَّقُوْا" پر ہے جیسے کہو، یا بنی تمیم احذروا عقوبة ما جنیتم و بشر یا فلان بنی اسد باحسانی الیھم۔ (اے بنو تمیم اپنی زیادتی پر سزا سے ڈرو اور اے فلاں، بنی اسد کو میرے احسان کی بشارت دے دو)

۳۔ حضرت زید بن علی اس کا 'اُعِدَّتْ' پر عطف کرتے ہوئے اسے مجہول 'وَبُشِّرَ' پڑھا کرتے۔

بشارت کا حکم

دوسرا سوال: وَبَشِّرْ (بشارت دو) یہ کس کو حکم ہے؟

جواب: فقط رسول اللہ ﷺ بھی ہو سکتے ہیں یا ہر کوئی جیسے فرمان نبوی ﷺ ہے۔ مساجد کی طرف تاریکی میں چل کر آنے والوں کو روز قیامت نور کامل کی بشارت دو، تو یہاں کوئی ایک مراد نہیں بلکہ ہر کوئی مراد ہو سکتا ہے۔ یہ صورت احسن واکمل ہے کیونکہ اس میں اس معاملہ کی ایسی عظمت ورفعت ہے کہ یہ اس لائق ہے کہ ہر بشارت پر قادر اس کی بشارت دے۔

Marfat.com

بشارت کا مفہوم

تیسرا سوال: بشارت کیا ہے؟

جواب: ایسی خبر جو خوشی کی لہر پیدا کردے، اس لیے فقہاء کہتے ہیں جب مالک غلاموں سے کہے جو فلاں کے آنے کی مجھے بشارت دے گا وہ آزاد ہے اگر انہوں نے الگ الگ بشارت دی تو اول آزاد کیونکہ اس کی خبر نے اسے خوشی وسرور عطا کیا اگر بشارت کی جگہ خبر کا لفظ ہوتا تو تمام آزاد ہو جاتے کیونکہ خبر تو تمام نے دی ہے، اسی سے بشر بمعنی ظاہر جلد ہے، صبح کی پہلی روشنی کو تباشیر صبح کہا جاتا ہے۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ جس کے ساتھ استہزا کیا جائے اس پر زائد استہزا کیلئے یہ کلام ہے جیسے کوئی دشمن سے کہے: بشر بقتل ذریتك ونهب مالك۔ (تجھے تیری اولاد کے قتل اور تیرے مال کی چوری کی بشارت)

اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: اعمال ایمان کا حصہ نہیں

یہ آیت بتارہی ہے کہ اعمال، ایمان میں داخل نہیں کیونکہ پہلے ایمان کا ذکر پھر اس پر عمل صالح کا عطف ہے جو غیریت لازم کرتا ہے ورنہ یہ تکرار ہوگا جو خلاف اصل ہے۔

دوسرا مسئلہ: کچھ لوگوں نے اس آیت کو اپنے ظاہر پہ رکھتے ہوئے کہا: جو ایمان لایا اور اعمال صالح کیے وہ جنتی ہے۔ جب یہ سوال ہوا کہ جس نے ایمان اور اعمال صالح لانے کے بعد کفر کیا تو جواب دیا یہ محال ہے کیونکہ فعل ایمان وطاعت لازماً ثواب دائمی کا اور فعل کفر، عقاب دائمی کا مستحق بناتا ہے اور ان دونوں کا اجتماع محال ہے اور تحابط (حبط) اعمال کا قول بھی محال ہے، تو ثابت ہی ہے کہ یہ تمہارا فرض کرنا ہی محال ہے۔

تحابط (حبط اعمال) کیوں محال ہے؟

اس کی چند وجہیں ہیں

۱۔ دونوں استحقاق آپس میں متضاد ہوں گے یا متضاد نہ ہوں گے، اگر دونوں متضاد ہیں تو عارض کا عروض زوال باقی سے مشروط ہوگا اور اگر زوال باقی کی شرط عروض عارض ہے تو دور لازم جو محال ہے۔

Marfat.com

۲۔ جانبین میں منافات ہے تو باقی کے زوال عارض کی وجہ سے دفاع عارض، قیام باقی سے اولیٰ نہیں۔ اب اگر دونوں کا وجود اکٹھا پایا جائے تو محال یا دونوں ساقط تو اب محابطہ کا قول باطل۔

۳۔ دونوں استحقاق یا تو برابر ہوں گے یا مقدم اکثر یا اقل ہوگا اگر دونوں برابر ہیں مثلاً کہا جائے کہ ثواب کا استحقاق دس اجزا پر ہے تو عتاب کے دس اجزا کا استحقاق ہوگا، ہم کہیں گے اجزا عتاب میں سے ہر ایک کا استحقاقِ ثواب کے استحقاق کے اجزاء میں سے ہر ایک کے ازالہ کیلئے مستقل ہے جب صورت حال یہی ہے۔

تو اب اس جز کی اس جز کے ازالہ میں تاثیر اس سے اولیٰ نہیں کہ وہ کسی دوسرے سے جز کی تاثیر کا ازالہ کرے اور اسی طرح کا معاملہ دوسرے جز کی تاثیر کا ہے تو اب عارض اجزا میں سے ہر ایک سابقہ اجزا میں سے ہر ایک کے ازالہ میں مؤثر ہوگا تو اس صورت میں ہر علت کیلئے معلولات کثیرہ اور ہر معلول کیلئے علل کثیر کا ہونا لازم آئے گا اور یہ تمام محال ہے یا بغیر مخصص کے عارض اجزا میں سے ہر ایک باقی ایک کے ساتھ مختص ہوگا یہ محال ہے کیونکہ ممکن کی ایک طرف کو دوسری طرف پر بلا مرجح، ترجیح محال ہوتی ہے

اور اگر مقدم اکثر ہے تو عارض، بعض اجزا باقی کو ہی زائل کرے گا تو بعض اجزا باقی کا زائل ہونا دیگر اجزا کے زوال سے اولیٰ نہیں تو اب تمام زائل ہوں گے یہ محال ہے کیونکہ زائل، ناقص سے ہی زائل ہوتا ہے یا بلا مخصص بعض زوال کیلئے متعین ہوں گے اور یہ محال ہے یا کوئی بھی زائل نہ ہوگا اور یہی مطلوب ہے۔ پھر یہ عارض جب بعض اجزا باقی کو زائل کر رہا ہے تو عارض باقی رہے گا یا زائل ہو جائے گا، عارض کی بقا کا قول کسی عاقل نہیں کیا اور اس کے زوال کا قول باطل ہے اس لیے کہ دوسرے کے ازالہ کیلئے دونوں کی تاثیر اجتماعی ہوگی یا بطور ترتیب، اول صورت باطل کیونکہ مزیل کیلئے حالت ازالہ میں موجود ہونا ضروری ہے تو اگر دونوں، زوال اجتماعی طور پر ہے تو دونوں ازالہ کرنے والوں کا اجتماعی طور پر موجود ہونا ضروری ہے تو لازم آئے گا کہ وہ اس وقت موجود ہوں جب وہ حالتِ عدم میں ہوں اور یہ محال ہے۔

اور اگر بطور ترتیب ہے تو مغلوب کیلئے غالب ہو جانا محال ہے۔

اگر مقدم اقل ہے تو اس کے زوال میں مؤثر بعض اجزا عارض ہیں اور یہ محال ہے کیونکہ جب تمام ازالہ کی صلاحیت رکھتے ہیں تو بعض کا مخصوص کرنا ترجیح بلا مرجح جو محال ہے۔

اگر تمام ازالہ میں مؤثر ہیں تو معلول واحد کیلئے مستقل علتوں کا اجتماع لازم آئے گا اور یہ بھی محال ہے۔

ان دلائلِ عقلیہ سے قول احباط کا فساد ثابت ہو گیا

جواب: جواب میں دو اقوال متعین ہیں

فقل قدر

Marfat.com

پہلا قول: جنہوں نے موافاۃ کا اعتبار کیا ہے یعنی شرط حصول ایمان یہ ہے کہ کفر پر موت نہ ہو، اگر آدمی کفر پر مرا تو ہم جان لیں گے کہ وہ اولاً بھی کفر ہی پر تھا اور یہ قول واضح طور پر ساقط ہے۔

دوسرا قول: بندہ طاعت پر ثواب کا اور معصیت پر عقاب کا عقلاً لازماً مستحق نہیں ہوتا اور یہی اہل سنت و جماعت کا قول اور ہمارا مختار ہے، اس سے ان ظلمات سے خلاصی پائی جاسکتی ہے۔

تیسرا مسئلہ: معتزلہ نے اس پر استدلال کیا ہے کہ طاعت ثواب کی موجب ہے کیونکہ بشارت کا معنی یہ ہے کہ انہیں بطریق وقوع، حصول جنت ہے اور جب آیت کا حمل وقوع پر ممکن نہیں تو پھر استحقاقِ وقوع پر حمل لازم ہے اس لیے کہ وقوع کو مجازاً استحقاقِ وقوع سے تعبیر کیا جاسکتا ہے

چوتھا مسئلہ: لفظ جنت کا مفہوم

جنت، گلستان، جو کھجور اور ایسے درختوں پر مشتمل ہو جو گھنے سایہ دار اور ان کی ٹہنیاں آپس میں ملی ہوں، یہ الفاظ ج ن، ستر و خفا کیلئے آتے ہیں گویا ان کے گھنے اور سایہ دار ہونے کی وجہ سے جنت کہا گیا۔ جنہ اذا ستر سے یہ مصدر بمعنی سترۃ واحد ہے، دارالثواب کا نام جنت ہے کیونکہ وہ مخفی ہے۔

جنّات نکرہ کیوں؟

سوال: جنات، نکرہ اور النار معرفہ کیوں؟

جواب: اول اس لیے کہ جنت تمام دارثواب کا نام ہے اور وہ کئی ایسے جنات و باغات پہ مشتمل ہے جو عمل کرنے والوں کے حسب درجہ و مرتبہ ہیں تو ہر طبقہ کیلئے ان میں سے جنات ہیں، النار معرفہ ہونے کی وجہ ان کا جنس ہونا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے فلاں کے باغ میں پانی جاری اور انجیر و انگور ہیں تو یہ ان اجناس کی طرف اشارہ ہے جو علم مخاطب میں ہے یا اس سے ان انہار کی طرف اشارہ ہے

فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ (پ۲۶ محمد:۱۵)

اور اسی میں بہتے پانی کی نہریں ہیں جو کبھی نہ بدلیں اور ایسی دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہ بدلا

Marfat.com

جنّات کی دوسری صفت

"کُلَّمَا رُزِقُوْا" یہ جنات کی دوسری صفت ہے لہٰذا محذوف کی خبر یا نیا جملہ ہے کیونکہ جب کہا جائے ان کیلئے جنات ہیں تو سامع کے دل میں سوال آئے گا کہ ان جنات کے ثمرات، دنیاوی ثمرات کی طرح ہے یا نہیں؟ تو یہ اس کا جواب ہے۔

یہاں چند سوالات ہیں

پہلا سوال: مِنْ ثَمْرَۃٍ کیا بن رہا ہے؟

جواب: دو طرح سے ہے۔

۱۔ یہ اس قول کی طرح ہے: کلما اکلتُ من بستانك من الرمان شیئاً حمدتكْ (میں نے جب بھی تیرے باغ سے کوئی انار کھایا میں نے تیری تعریف کی)' 'من ثمرۃ 'من الرمان" کی جگہ ہے تو 'من' پہلا اور دوسرا ابتداغایت کیلئے ہیں کیونکہ رزق کی ابتدا جنات سے اور جنات سے رزق کی ابتدا پھل سے ہے اور یہاں اس تفسیر پہ ثمرۃ سے مراد ایک سیب یا ایک انار نہیں بلکہ مراد انواع پھل میں سے ایک نوع ہے۔

۲۔ مِنْ ثَمْرَۃٍ بیان ہے جیسے 'رأیت منك اسدا ترید انت اسد' (میں نے تجھ سے شیر دیکھا یعنی تو شیر ہے) تو اب ثمرۃ سے اس کی نوع یا ایک فرد بھی لینا درست ہے۔

دوسرا سوال: اہل جنت کا یہ کہنا کیسے درست ہے یہ جو، اب ہمیں دیا جا رہا ہے یہ وہی ہے جو ہم پہلے تناول کر چکے حالانکہ معاملہ ایسے نہیں؟

جواب: چونکہ وہ ماہیت میں متحد ہیں اگر چہ عدد میں تغایر ہے تو یہ کہنا درست ہوگا یہ تو وہی ہیں یعنی ماہیت کے اعتبار سے کیونکہ وحدت نوعیہ، کثرت افراد کے منافی نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے جب بیٹے کی باپ کے ساتھ خوب مشابہت ہو تو اسے اب کہہ دیا جاتا ہے

رزق دنیاوی یا جنتی؟

تیسرا سوال: آیت بتا رہی ہے جنت میں دیے گئے رزق کو انہوں نے دوسرے رزق کے ساتھ مشابہت دی تو وہ رزق کونسا ہے دنیاوی یا جنتی؟

جواب: دو طرح سے ہے

Marfat.com

دنیاوی رزق

ا۔ وہ رزق دنیاوی ہے، اس پہ یہ دو دلائل ہیں

پہلی دلیل: انسان، مالوف سے اُنس اور معلوم کی طرف راغب ہوتا ہے تو جب آدمی غیر مانوس چیز دیکھتا ہے تو وہ اسؔ سے طبعاً نفرت کرتا ہے، جب اسے اپنی مانوس و معلوم چیز ملتی ہے اور وہ پہلی معلوم سے زیادہ اعلیٰ واشرف ہو تو اس کی خوشی وفرحت دوبالا ہو جاتی ہے تو اہل جنت نے جب انار دنیاوی دیکھا تھا جب انہیں آخرت میں ملا، اسے انہوں نے دنیاوی سے کہیں اشرف و اطیب پایا تو ان کی فرحت، اس دنیا میں دیکھیں گے انار سے کہیں عظیم و دوبالا ہوگی۔

دوسری دلیل: ارشاد گرامی 'كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا' تمام دفعات کو شامل ہونے کی وجہ سے پہلی دفعہ کو بھی شامل ہے تو جب انہیں پہلی دفعہ جنتی پھل دیا گیا تو انہوں نے کہا ہمیں تو یہ پہلے دیا گیا ہے جبکہ اس سے پہلے جنتی رزق انہیں ملا ہی نہیں حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ مشابہت دیتے لہٰذا اسے دنیاوی رزق پر ہی محمول کرنا لازم ہے۔

دوسرا قول: جنتی رزق

جس کے ساتھ تشبیہ دی گئی وہ بھی جنتی ہیں اور مراد ان پھلوں کا آپس میں متشابہ ہونا ہے، ان میں مشابہت کے حصول میں اختلاف ہے، دو اقوال ہیں:

ا۔ تمام اوقات میں قدر و درجہ کے ثواب میں مساوات مراد ہے حتیٰ کہ نہ اضافہ ہوگا اور نہ کمی۔

۲۔ منظر و مشاہدہ میں مساوات ہے دوسرا گویا اول ہی ہے۔امام حسن بصری سے اسی طرح مروی ہے۔

پھر اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں جیسے اشتباہ دیکھنے میں ہے اسی طرح کھانے میں ہے۔ مثلاً جب کوئی آدمی کسی میں لذت پاتا ہے اور وہ اسے بھا جاتی ہے تو اس کا دل اس سے متعلق ہو جاتا ہے جب اسے بالکل اسی طرح کی شیٔ میسر آجاتی ہے تو اسے انتہائی لذت محسوس ہوتی ہے۔

بعض نے کہا یہاں اگرچہ دیکھنے میں تشابہ ہے مگر ذائقہ میں وہ مختلف ہوں گے۔امام حسن کا بیان ہے جنتی کیلئے ایک کھانا لایا جائے گا اور وہ اس سے کھائے گا پھر دوسرا لایا جائے گا تو وہ کہے گا یہ تو وہ پہلا ہی ہے فرشتہ کہے گا تم کھاؤ اس کا رنگ ایک ہے مگر ذائقہ مختلف ہے۔

اہل معرفت کا قول

اہل معرفت کی زباں میں تیسرا قول یہ ہے کہ کمال سعادت فقط معرفت ذات وصفات وافعال الٰہی ہے یہ ملائکہ کر دیہ'

Marfat.com

ملائکہ روحانیہ، طبقات ارواح اور عالم سموات سے افضل ہے۔

یعنی لازم ہے کہ روح انسانی اس آئینہ کی طرح ہو جو عالم قدس کے محاذی ہے پھر یہ معارف، دنیا میں حاصل ہوتے ہیں لیکن اس میں کمال لذت وخوشی حاصل نہیں کیونکہ علائق بدنیہ ان سعادات ولذات کے ظہور سے آڑے آجاتے ہیں جب یہ عوارض زائل ہوجاتے ہیں تو سعادتِ عظیمہ اور قابل رشک کا حصول ہوجاتا ہے۔

حاصل یہ کہ انسان موت کے بعد سعادت روحانیہ پاتا ہے تو وہ کہتا ہے یہ وہی ہے جو دنیا میں حاصل تھیں۔ ہاں دنیا میں لذت، فرحت اور سرور اس سے وہ نہ تھا جو اب علائق کے زوال کے بعد آخرت میں حاصل ہوا ہے۔

وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا کی تفسیر

یہاں دو سوالات ہیں:

پہلا سوال: اُتُوْا بِهٖ، کی ضمیر کس طرف لوٹ رہی ہے؟

جواب: اگر مشبہ بہ رزقِ دنیا ہے تو اس شی کی طرف جو دنیا و آخرت میں دی گئی۔ یعنی ان کی وہ نوع متشابہ لائی گئی جس سے آخرت میں حاصل ہونے والا اس کے مشابہ تھا جو اس سے دنیا میں حاصل تھا اور اگر مشبہ بہ رزقِ جنت بنائیں تو جنتی شی کی طرف لوٹے گی یعنی جنتی نوع لائی گئی جو ایک دوسرے کے مشابہ تھی۔

دوسرا سوال: وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا، کا نظمِ کلام میں محل کیا ہے؟

جواب: جب اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت سے متشابہ رزق کا دعویٰ نقل کیا: قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دعویٰ کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا: وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا (اور وہ دیے گے جو آپس میں مشابہ ہے)

وَلَهُمْ فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ کی تفسیر

ان کی طہارت سے مراد ان کے ابدان کا حیض، استحاضہ اور جمیع غلاظتوں سے پاک ہونا، ان کے ارواح کا خصائلِ ذمیمہ خصوصاً خواتین کے نقص سے پاک ہونا، ہم نے الفاظ کو تمام پر حمل کیا۔ کیونکہ دونوں اقسام، قدر میں مشترک ہیں۔

اہل اشارہ و معرفت کہتے ہیں، ان مسائل پر بھی دلالت ہے۔

خاتون کو جب حیض آتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے مباشرت سے منع کردیا، ارشاد الٰہی ہے

Marfat.com

قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيْضِ پس کہہ دیجئے وہ ناپاکی ہے تو حیض کے دنوں میں عورتوں سے الگ رہو (پ۲،البقرہ:۲۲۲)

جب ان سے اس نجاست کی حالت میں مقاربت منع تھی جس میں وہ معذور ہیں تو جنت میں ازواج کو پاک کر دیا گیا کیونکہ نجاسات معاصی میں ملوث ہونے کی صورت میں ان سے مقاربت بطریق اولیٰ منع ہوتی کیونکہ اس میں وہ معذور نہیں تھیں۔

۲۔ جس نے بیوی سے ہمبستری کی وہ اس مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا جس میں ہر نیک و فاسق داخل ہو سکتا ہے تو جس نے ازالۂ شہوت کا حرام طریقہ اپنایا وہ اس جنت میں داخل کیسے ہو سکتا ہے جس میں صرف پاک ہی ٹھہریں گے۔

یہی وجہ ہے جب سیدنا آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو انہیں وہاں سے نکال دیا گیا۔

جس کے کپڑے پر ذرہ نجاست ہو اس کے ساتھ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے ہاں نماز درست نہیں تو جس کے دل میں دنیاوی عظیم معاصی ہوں اس کی نماز کیسے مقبول ہوگی؟

یہاں دو سوالات ہیں

پہلا سوال: موصوف (ازواج) کی طرح صفت (مطہرۃ) جمع کیوں نہیں؟

جواب: دونوں لغات فصیح ہیں، النساء فعلن، النساء فعلت، اسی سے حماسۃ کا شعر ہے:

واذا العذاری بالدخان تقنعت واستعملت نصب القدور فملت

معنی وجماعۃ ازواج مطہرۃ (ان کیلئے ازواج مطہرہ کی جماعت ہے)، امام زید بن علی کی قرأت مطہرات ہی ہے، امام عبید بن عمیر نے مطہرۃ یعنی متطہرۃ پڑھا۔

دوسرا سوال: کیوں نہ طاہرۃ کہہ دیا؟

جواب: لفظ مطہرۃ، میں یہ اشارہ ہے کہ ان کو پاکیزہ فرمانے والی، ذات اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔ اس میں ثواب کی عظمت کا بیان ہے گویا فرمایا یہ رہا ہے اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اہلِ ثواب کیلئے انہیں مزین فرمایا۔

وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ کی تفسیر

معتزلہ کہتے ہیں یہاں خُلد سے مراد ثبات لازم اور نہ ختم ہونے والی دائمی بقا ہے اور اس پر انہوں نے آیت اور اشعار سے استدلال کیا ہے، آیت مبارکہ یہ ہے

Marfat.com

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُوْنَ (پ۱۷ الانبیاء:۳۴) اور ہم نے تم سے پہلے کسی کیلئے دنیا میں ہمیشگی نہ بنائی تو کیا اگر تم انتقال فرماؤ تو یہ ہمیشہ رہیں گے؟

انسان نے خُلد کا انکار کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بعض انسانوں کو طویل عمر دی تو منفی، مثبت کا غیر ہوتا ہے، لہٰذا خُلد، بقاء دائمی کا نام ہے

امراالقیس کا شعر ہے

وھل یعمن الا سعید مخلد قلیل ھموم ما یبیت باوجال

اہلسنّت کہتے ہیں خُلد، ثباتِ طویل ہے خواہ وہ دائمی ہو یا نہ ہو، ان کا استدلال آیت وعرف ہے، آیت قرآنی یوں ہے:

خَالِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا (وہ اس میں دائمی اور ہمیشہ رہیں گے)

اگر دوام، مفہومِ خُلد میں داخل ہے تو لفظ "اَبَدًا" تکرار ہوگا۔

عرف یہ ہے کہ جب کہا جاتا ہے حبس فلان فلاناً حبساً مخلداً اسی طرح وقف ناموں میں لکھا جاتا ہے وقف فلان وقفاً مخلداً تو اس میں کلام ہے کہ یہ خلد دائمی ثواب پر دال ہے یا نہیں؟ کچھ لوگوں نے کہا: عقل دوام پر ہی دال ہے کیونکہ اگر اس سے دوام لازم نہ ہو تو پھر ثواب کا انقطاع جائز ہوگا تو خوفِ انقطاع اسی نعمت کو اہل ثواب پر کڑوا کردے گا کیونکہ جب نعمت بڑی ہو تو اس کے انقطاع کا خوف بھی دل میں عظیم ہوجاتا ہے انقطاع کا تقاضا یہی ہوگا کہ اہلِ ثواب سے غم وحسرت کسی صورت جدا نہ ہو۔واللہ تعالیٰ أعلم

[۲۶-۲۷] اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا وَمَا یُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾ الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

(تحقیق اللہ حیا نہیں فرماتا کہ مثال سمجھانے کو کیسی ہی چیز کا ذکر فرمائے مچھر ہو یا اس سے بڑھ کر تو وہ جو ایمان لائے وہ جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے، رہے کافر تو وہ کہتے ہیں ایسی مثال سے اللہ کا کیا مقصود ہے وہ بہت ساروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہت ساروں کو اس سے ہدایت دیتا ہے وہ جو اللہ کے عہد کو توڑ دیتے ہیں کرنے کے بعد اور کاٹتے ہیں اس چیز کو جس کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا اور فساد پھیلاتے زمین میں وہی نقصان میں ہیں)

نقل قدیر

Marfat.com

کفار کا شبہ

جب قرآن کا معجز ہونا بیان کیا تو اس پہ کفار کی طرف سے وارد کردہ شبہ ذکر کیا جو وہ اس کے معجز ہونے کے منافی پیش کیا کرتے پھر اس کا جواب دیا۔

شبہ کی تفصیل اور جواب

شبہ کی تفصیل یوں ہے، قرآن میں شہد کی مکھی، دوسری مکھی، عنکبوت اور چیونٹی کا ذکر ہے، ان اشیاء کا تذکرہ کلام فصحاء کے مناسب ہی نہیں ہوتا تو قرآن ان پر مشتمل ہونے سے فصیح نہیں رہتا چہ جائیکہ وہ معجز ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا ان اشیاء کا چھوٹا ہونا فصاحت کیلئے عیب ناک نہیں جبکہ ان کا تذکرہ اعلیٰ حکمتوں پر مشتمل ہو، اس میں اسی کے ماقبل آیات سے ربط و تعلق کی طرف بھی اشارہ ہے۔

اس آیت میں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: شانِ نزول

شانِ نزول میں مختلف اقوال ہیں:

پہلا قول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے جب یہ آیت نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ — اے لوگو! مثال بیان کی جاتی ہے اسے کان لگا کر سنو

(پ۱۷، الحج:۷۳)

اس میں ان کے بتوں پر طعن پھر ان کی عبادت کو عنکبوت کے گھر کے ساتھ تشبیہ دی تو یہود نے کہا: مکھی اور عنکبوت کی کیا قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ مثال بیان کرے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

دوسرا قول: منافقین نے آگ، ظلمات اور رعد و برق کے ساتھ مثالوں پر طعن کیا۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا (پ۱، البقرۃ:۱۷) ان کی مثال ایسی ہے کہ کسی نے آگ جلائی۔

تیسرا قول: یہ طعن مشرکین کی طرف سے تھا۔

Marfat.com

شیخ قفال کہتے ہیں یہ تمام احتمالات ممکن ہیں۔یہود اس لیے کہ آخر آیت میں ہے:

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفَاسِقِيْنَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ　　اور اس سے بے حکمے ہی گمراہ ہوتے ہیں اور وہ جو اللہ کے عہد کے پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں

اور یہ یہود کا عمل و حال ہے کیونکہ بعد میں وفاء عہد کا ذکر بنی اسرائیل کے ساتھ ہی ہے۔

کفار و منافقین کا ذکر سورۃ المدثر میں یوں ہے:

وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكَافِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ　　اور دل کے روگی اور کافر کہیں اس اچنبھے کی بات میں اللہ کا کیا مطلب اسی طرح اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے　(پ۲۹، المدثر:۳۱)

جن کے دلوں میں مرض ہے سے مراد منافقین اور اہلِ کفر سے مراد مشرکین کیونکہ سورت مکی ہے تو دونوں کو وہاں جمع کر دیا، جب یہ واضح ہے تو سنیے۔

ان تمام کا احتمال یہاں قائم کیونکہ کفار، منافقین اور یہود، ایذاء رسول اللہ ﷺ میں متفق تھے ابتدا سورت سے لے کر یہاں تک یہود، منافقین اور مشرکین کا ذکر آیا اور یہ تمام کافر ہیں۔

شیخ قفال کہتے ہیں، یہ بھی ممکن ہے اس آیت کا نزول بغیر سبب، ابتداءً ہی ہو کیونکہ فی ذاتہ اس کا مفہوم و معنی مفید و مستقل ہے

دوسرا مسئلہ: حیا کا مفہوم

حیا، بدنی اس تغیر و ٹوٹنے کو کہا جاتا ہے جو انسان کی مذمت اور عیب لگنے کی بنا پر ہو، اس کا اشتقاق حیاۃ سے ہے کہا جاتا ہے حی الرجل جیسے نسی، خشی، شظی الفرس اذا اعتلت ھذہ الاعضاء، جب انسان کو حیا کی وجہ سے تغیر اور ٹوٹنا عارض ہوتا ہے تو زندگی کڑوی اور قوت ٹوٹ جاتی ہے محاورہ ہے، فلان ھلك حیاء من كذا، مات حیاء رایت الھلاك فی وجھه من شدۃ الحیاء ذاب حیاء (وہ حیا کی وجہ سے ہلاک ہو گیا، فلاں حیا کی وجہ سے پگھل گیا)

جب حیا کا معنی یہ ہے تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ محال ہے کیونکہ ایسا تغیر، بدن کو لاحق ہوتا ہے اور اس کیلئے جسم کا ہونا ضروری ہے۔

البتہ احادیث میں یہ لفظ باری تعالیٰ کیلئے آیا ہے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

Marfat.com

ان اللّٰہ تعالٰی حیی کریم یستحی اذا رفع العبد الیہ یدیہ أن یردھما صفراً حتی یضع فیھما خیراً (سنن ابی داؤد، ۱۴۸۸)

اللہ تعالٰی صاحبِ حیا وکرم ہے، جب بندہ اس کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے تو انہیں خالی لوٹانے سے حیا فرماتا ہے حتیٰ کہ وہ ان میں خیر رکھ دیتا ہے

جب معاملہ یوں ہے تو اس میں تاویل لازم ہے اور وہ دو طرح سے ہے۔

پہلی وجہ: صفاتِ الٰہی کے بارے میں قانون

ایسے مواقع پر قانون یہی ہے ہر وہ صفت جو بندوں کی اجسام کے ساتھ مخصوص ہے اگر وہ اللہ تعالٰی کا وصف بیان ہو تو اس سے مراد اس کی ابتدا نہیں بلکہ اس کا ثمر ہوگا مثلاً حیا جب انسان کو عارض ہوتی ہے تو اس کی ابتدا و انتہا ہوتی ہے۔ ابتدا یہ کہ انسان کو قباحت کی طرف منسوب کر دینے کی وجہ سے تغیر جسمانی لاحق ہوتا ہے؟ انتہا یہ کہ انسان اس فعل کو ترک کر دے تو لفظ حیا جب اللہ تعالٰی کے بارے میں آئے تو یہاں وہ خوف مراد نہیں جو حیا کا مبدا و مقدمہ ہے بلکہ مراد ترک فعل ہوگا جو حیا کی غایت و منتہا ہے، اسی طرح غضب کا معاملہ ہے اس کی علامت و مقدمہ، دمِ قلب کا جوش اور خواہش انتقام ہے اور اس کی غایت پر غضب کا انزال ہے جب اللہ تعالٰی کیلئے وصف غضب ذکر کریں گے تو مراد خواہش انتقام اور دلی خون کا جوش نہیں بلکہ اس کی غایت انزال عقاب مراد ہوگا، اس مسئلہ میں قانون کلی یہی ہے۔

دوسری وجہ: ممکن ہے یہ بات کفار کے کلام میں ہو انہوں نے یوں کہا: ربِ محمد، مکھی اور عنکبوت کی مثال لانے سے حیا کرے۔ تو اس کے جواب میں بطور موافقتِ سوال ذکر کر دیا اور فن بدیع کا اصول یہی ہے۔

قاضی عبدالجبار کہتے ہیں جس کا اطلاق اللہ تعالٰی پہ اثباتاً جائز نہیں تو اس کا اطلاق اس پر بطریق نفی بھی جائز نہیں۔

اس لیے کہ یہ وہم پیدا کرے گا کہ جس کی نفی کی جا رہی ہے یہ اس کیلئے جائز تھا، باقی اللہ تعالٰی نے جو اپنے بارے میں فرمایا:

لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۔ (پ ۳، البقرۃ:۲۵۵) نہ اسے نیند آتی ہے نہ اونگھ

لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ۔ (پ ۳۰، الاخلاص:۳) نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور وہ نہ کسی سے پیدا ہوا

یہ صورۃً نفی ہے نہ کہ حقیقۃً، اسی طرح یہ ارشاد گرامی

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ (پ ۱۸، المؤمنون:۹۱) اللہ نے کوئی بچہ اختیار نہ کیا

وَهُوَ یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُ (پ ۷، الانعام:۱۴) اور وہ کھلاتا ہے اور کھانے سے پاک ہے

Marfat.com

جو قرآن میں وارد ہے اس کا اطلاق ہر جگہ جائز نہیں تو جب بھی اس کا اطلاق کریں گے ساتھ اس کا محال ہونا بھی ذکر کیا جائے گا لیکن قائل یہ کہہ سکتا ہے کہ ان صفات کی اللہ تعالیٰ سے نفی کے بارے میں کوئی شبہ نہیں۔ تو ان کے انتفاء کی صدق خبر ان کے جواز کے لزوم کا سبب ہوگی تو اب یوں کہا جا سکتا ہے ان کی نفی کی خبر اس کے اطلاقِ صحیح پر دال ہوگی۔

تو ہم کہیں گے یہ بات ممنوع ہے کیونکہ ذکر میں نفی کی تخصیص، ثبوت غیر پر دال نہیں بلکہ اس کے ساتھ اگر ایسا لفظ بھی متصل کر دیا جائے جو انتفاء صحت پر دال ہو تو یہ احسن ہوگا تو اب یہ بیان میں مبالغہ ہوگا تو جب اس کا غیر احسن نہیں تو وہ قبیح قرار دیا جائے گا

تیسرا مسئلہ: ضرب الامثال عقلاً امور مستحسنہ میں سے ہے، اس پر یہ دلائل شاہد ہیں۔

۱۔ عرب و عجم کا اس پر اتفاق ہے، عربوں کے ہاں یہ طریقہ معروف ہے وہ احقر اشیاء کے ساتھ مثال دیتے رہتے ہیں۔ مثلاً ذرہ سے مثال اجمع من ذرة، اضبط من ذرة، واخفى من الذرة، مکھی سے مثال، أجرأ من الذباب، (مکھی سے زیادہ بہادر) اخطاء من الذباب (مکھی سے زیادہ غلط) اطيش من الذباب، اشبه من الذباب بالذباب، والح من الذباب۔ (مکھی سے بڑھ کر چیخنے والا) بندر کی تمثیل، اسمع من قراد، اصغر من القراد، اعلق من القراد، اغم من قراد، ادب من قراد، مکڑی کی تمثیل، اطير من الجراد، احطم من الجرادة، افسد من جرادة، اصفى من لعاب الجراد، پتنگے کی تمثیل، اضعف من فراشة، اطيش من فراشة، اجهل من فراشة، مچھر کی تمثیل، اضعف من بعوضة، اعز من مخ البعوضة، كلفني مخ البعوضة (یہ تکلیف مالا یطاق میں کہا جاتا ہے)

عجم کے عمل پر کتاب کلیلہ ودمنہ اور دیگر کتب شاہد ہیں۔

مچھر کا کھجور سے مکالمہ

بعض کتب میں ہے مچھر نے بلند کھجور سے اڑنے کا ارادہ کیا تو کہا، اے کھجور مجھے روک لے میں اڑنے لگا ہوں۔ کھجور نے کہا: اللہ کی قسم مجھے تیرے بیٹھنے کا علم و شعور ہی نہ ہوا تو مجھے تیرے اڑنے کا شعور کیسے ہو سکتا ہے؟

۲۔ حقیر اشیاء کے ساتھ مثالیں انجیل عیسیٰ علیہ السلام میں بھی ہیں۔ مثلاً ملکوت سماء کی مثال اس آدمی کی ہے جس نے کسی قریہ میں عمدہ صاف گندم بوئی۔ جب لوگ سو گئے اس کے دشمن نے آ کر گندم کے درمیان زوان بو دیا، جب کھیتی اُگی اور پھل دیا تو اس پر زوان کا غلبہ ہو گیا۔ غلاموں نے مالک سے سے پوچھا: ہمارے سردار کیا تم نے اپنے قریہ میں صاف عمدہ گندم نہیں بوئی تھی؟ کہنے لگا: کیوں نہیں۔ پوچھا پھر یہ زوان کہاں سے آ گیا؟ کہا اگر تم اب زوان کو اکھیڑو تو ساتھ گندم بھی جائے گی تو دونوں کو کٹنے تک پالو، کاٹنے والوں سے کہا: زوان کو گندم سے چن لو اور اسے گانٹھوں میں باندھ کر آگ سے جلا دو اور گندم کو ذخیرہ میں لے جاؤ

Marfat.com

مثال کی تفسیر

اب میں تمہیں اس مثال کی تفسیر سے آگاہ کرتا ہوں۔عمدہ گندم بونے والے سیدنا ابوالبشر، قریہ یہ جہاں ہے، عمدہ صاف گندم ہم ابناء ملکوت ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طاعت بجالانے والے ہیں، دشمن جس نے زوان بو یا ابلیس ہے، زوان وہ معاصی ہیں جنہیں ابلیس اور اس کے ساتھی بوتے ہیں، کاٹنے والے ملائکہ جو لوگوں کو موت تک چھوڑتے ہیں جب وقت آجاتا ہے تو اہلِ خیر کو اللہ کے ملکوت کی طرف اور اہل شر کو دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں، جیسے زوان چن چن کر جلا دیا جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے رسل وملائکہ اس کی سلطنت سے غافلوں اور تمام گنہ گاروں کو چن چن کر جہنم میں ڈالتے ہیں اور وہاں وہ چیخ وپکار کرتے ۔ نیک وصالحین وہاں اپنے رب کے ملکوت میں ہوتے ہیں مگر کسی کے کان ہیں تو لگائے تو اسے سنائی دے گا۔

ایک اور مثال

ایک اور مثال جو ملکوت سماء کے مشابہ ہے ایک رائی کا دانہ، جو کہ سب سے چھوٹا ہے لے کر اپنے قریہ میں بوتا ہے جب وہ اُگ کر بڑا ہوا حتیٰ کہ وہ اس قدر بقول کی طرح بلند ہو گیا کہ آسمانی پرندے نے آکر اس کی شاخوں پہ گھونسلا بنالیا۔

تو اسی طرح ہدایت کا معاملہ ہے جو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اجر وعظمت میں اضافہ کرکے اس کا ذکر بلند فرما دیتا اور اس کی اقتداء کرنے والا نجات پا جاتا ہے اور فرمایا چھلنی کی طرح نہ بنو جس سے اچھا آٹا نکل جاتا ہے اور وہ چھان روک لیتی ہے اسی طرح تم منہ سے حکمت نکالتے ہو اور تم دلوں میں کھوٹ وحسد رکھتے ہو۔

فرمایا تمہارے دل ان پتھروں کی طرح ہیں جنہیں آگ پکاتی نہیں، انہیں پانی نرم نہیں کرسکتا اور نہ انہیں ہوائیں اڑاتیں ہیں، فرمایا اپنے ذخائر تہہ خانوں میں جمع نہ کرو وہ فاسد ہو جائیں گے اور نہ جنگلوں میں ورنہ انہیں ہوا اور چور لے اڑیں گے ہاں اپنے ذخائر اللہ تعالیٰ کے ہاں جمع کرو۔

فرمایا: جب ہم زمین کھودتے ہیں وہاں کیڑے پاتے ہیں جن پر لباس اور وہاں ان کا رزق ہوتا ہے نہ وہ کھیتی باڑی کرتے ہیں اور نہ فصل کاٹتے ہیں، ان میں سے بعض بند، پتھر اور لکڑی کے اندر ہوتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا رزق ولباس کون دیتا ہے؟ تم کیوں بات نہیں سمجھتے۔فرمایا: بھڑوں کو نہ چھیڑو وہ تمہیں ڈسیں گیں، بے وقوفوں سے مخاطب نہ ہوں وہ تمہاری بے عزتی کریں گے۔

تو واضح ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے ان حقیر اشیاء سے مثالیں بیان کی ہیں۔

Marfat.com

عقلی طور پر بھی تقاضا یہی ہے کیونکہ خیال کی طبع میں حکایت وتشابہ ہے جب محض معنی کا تذکرہ ہو تو عقل اس کا ادراک کر لیتا ہے مگر خیال کا تنازعہ رہتا ہے جب معنی کے ساتھ تشابہ کا ذکر آجائے تو عقل، خیال کی معاونت سے اسے پالیتی ہے تو دوسری صورت بلاشبہ اکمل ہے۔

پھر یہ بھی سامنے ہے کہ جب انسان معنی ذکر کرتا ہے۔ تو اس پر بات کما حقہ واضح نہیں ہوتی جب اس کی مثال سامنے آجائے تو وہ خوب واضح وآشکار ہو جاتا ہے۔

جب مثال دینا، بیان ووضاحت میں مفید ہے تو اس کتاب مقدس میں اس کا تذکرہ ہوگا جس کا مقصد ہی وضاحت وبیان ہے۔

رہا ان کا یہ سوال کہ ان حقیر اشیاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا مثالیں بیان کرنا مناسب نہیں، یہ سراپا جہالت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی صغیر وکبیر کو پیدا کیا ہے اور ہر مخلوق میں اس کا حکم عام ہے اس لیے کہ تمام کو اس نے پختہ کیا تو صغیر کسی کبیر سے اخف نہیں اور عظیم کسی صغیر سے مشکل واصعب نہیں جب تمام بمنزل واحد ہیں تو کبیر کو صغیر پر کسی طرح بندوں کیلئے مثال بنانے میں اولویت نہیں بلکہ قصہ میں مناسب کا اعتبار ہوگا، جب اس کے مناسب مکھی اور عنکبوت ہے تو انہی کی مثال بیان ہوگی نہ کہ ہاتھی واونٹ کی

تو جب اللہ تعالیٰ نے ان کی بتوں کی عبادت اور عبادت رحمٰن سے ان کی دشمنی کی شناعت وقباحت کے بیان کا ارادہ فرمایا تو مکھی کی مثال ہی مناسب تھی کہ ان بتوں سے مکھی کے نقصان کا ازالہ بھی نہیں کیا جا سکتا اور بیت العنکبوت کی مثال دی تا کہ آشکار ہو جائے کہ ان بتوں کی عبادت اس سے بھی کمزور واضعف ہے، ایسی مثال میں، جس کی مثال دی گئی ہو وہ اضعف ہوتا ہے جبکہ مثال اقویٰ واوضح ہوگی۔

چوتھا مسئلہ: ما کا زائدہ ہونا

شیخ اصم کہتے ہیں "مَثَلاً مَّا" میں ما زائدہ ہے جیسے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ میں ما زائدہ ہے۔

شیخ ابو مسلم کہتے ہیں، معاذ اللہ، قرآن میں زائد ولغو کوئی شی نہیں، اصح، ابو مسلم کا قول ہی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو سراپا ہدایت وبیان قرار دیا اور لغو ہونا اس کے منافی ہے۔

بَعُوضَةً میں دو قرأتیں

لفظ "بَعُوضَةً" میں دو قرأتیں ہیں:

۱۔ اس پر نصب ہو تو ،ما، میں دو صورتیں ہیں۔

Marfat.com

۱۔ یہ منی ہو یعنی جب اسم نکرہ سے متصل ہو تو اس میں ابہام واشتراک ہوتا ہے جو خصوصیت کے منافی ہے مثلاً ایک آدمی، ساتھی سے کہتا ہے، اعطنی کتاباً (مجھے کتاب دو) اس نے ایک کتاب دی تو وہ کہہ سکتا ہے میں نے دوسری کتاب طلب کی تھی اور میں نے یہ نہیں مانگی اور اگر اس نے کہا: اَعْطِنِیْ کِتَابًا مَّا، تو اب اس کا یہ کہنا درست نہ ہوگا کیونکہ اس کا معنی ہے مجھے کوئی سی کتاب دے دو اور وہ اس نے دے دی۔

۲۔ ما نکرہ ہو تو اس کی اسم جنس کے ساتھ تفسیر کرنا مقام صفت پر ہے۔

۲۔ اگر بعوضۃ پر پیش پڑھیں تو پھر بھی، ما، میں دو صورتیں ہوں گی۔

۱۔ ما، موصولہ اس کا صلہ جملہ ہوگا عبارت ہے ہو بعوضۃ، مبتدا کو حذف کر دیا گیا جیسے یہاں ہے۔

تَمَاماً عَلَى الَّذِیْٓ اَحْسَنَ (پ۸، الانعام، ۱۵۴) پورا احسان کرنے کو اس پر جو نیک ہے

۲۔ یہ استفہامیہ ہو جب فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا تو بعد میں گویا فرمایا: مَا بَعُوْضَةٌ فَمَا فَوْقَهَا (کیا مچھر اور اس سے بھی بڑھ کر سے وہ مثال بیان کرتا ہے)

بلکہ اس سے بھی کم کی مثال کثرت کے ساتھ دے سکتا ہے، محاورہ ہے، فلان لا یبالی بما وهب ما دینار و دینار ان۔ (یعنی وہ کثرت کے ساتھ اس سے بھی زیادہ ہبہ کرتا ہے)

پانچواں مسئلہ: صاحب کشاف کا کہنا ہے، ضرب المثل کی اصل "ضرب اللبن" (اینٹ بنانا) اور ضرب الخاتم (مہر لگانا) ہے

چھٹا مسئلہ: بعوضۃ پر نصب، مثلاً سے عطف بیان ہے یا یضرب کا مفعول اور مثلاً حال نکرہ مقدم یا یہ یضرب کا مفعول ثانی ہے اور معنی جعل کو متضمن ہے، یہ تب ہے جب ما صلہ یا ابہامیہ ہو، اگر یہ "بعوضۃ" کی تفسیر ہے تو اس کے تابع ہوگا، مفسِر، مفسَّر دونوں مل کر عطف بیان یا مفعول ہوں گے اور مثلاً حال مقدم لیکن "بعوضۃ" کا مرفوع ہونا خبر مبتدا کی وجہ سے ہوگا اگر ما موصلہ یا معرفہ یا استفہامیہ ہو تو معاملہ بڑا واضح ہے لیکن اگر ابہامیہ ہو تو یہ جواب ہوگا گویا پوچھا گیا "مَا هُوَ" (وہ کیا ہے؟) تو جواب دیا: بعوضۃ (وہ مچھر ہے)

ساتواں مسئلہ: صاحب کشاف کہتے ہیں بعوض، بعض سے بمعنی قطع ہے مثلاً بضع، عضب اسی سے بعض الشی (شی کا حصہ) بعوض، فعول کے وزن پر صفت جیسے قطوع، ہاں اس پر اسم کا غلبہ ہوگیا، بعض نے کہا: اس کا اشتقاق، بعض الشئ بمعنی قلت جثہ و چھوٹا پن ہے اور اس لیے بھی کہ شی کا بعض اس کے کل سے قلیل ہوتا ہے۔ اول وجہ قوی ہے۔

Marfat.com

مچھر عجیب مخلوق

فرماتے ہیں، مچھر اللہ تعالیٰ کی عجیب مخلوق میں سے ہے یہ بہت ہی چھوٹا ہے، اسکی سونڈھ انتہائی چھوٹی پھر اس کے باوجود یہ مجوف ہوتا ہے اس کی سونڈھ اس قدر چھوٹی اور اس کی جوف ہونے کے باوجود ہاتھی اور بھینس کی جلد میں چوب دیتا ہے۔ اسی طرح جیسے کوئی آدمی اپنی انگلی حلوہ میں داخل کردے حالانکہ وہ کس قدر سخت ہیں یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سونڈھ کے سر پر زہر رکھا ہے

آٹھواں مسئلہ: فَمَا فَوْقَهَا میں دو وجہیں

۱۔ اس سے مراد وہ اشیاء ہوں جو جثہ میں مچھر سے بڑی ہیں مثلاً مکھی، عنکبوت، حمار، کلب کیونکہ لوگ، اللہ تعالیٰ کے ان تمام کی مثال بیان کرنے کا انکار کرتے تھے۔

۲۔ اس سے مراد وہ اشیاء ہیں جو مچھر سے چھوٹی ہوں، محققین نے ان دلائل کی بنا پر اس قول کو اختیار کیا ہے۔

۔ اس تمثیل سے مقصود بتوں کی تحقیر ہے تو جس قدر مشبہ بہ (جس سے تشبیہ دی جائے) حقیر ہوگا اس معاملہ میں اس سے مقصود اکمل طور پر حاصل ہوگا۔

۔ یہاں غرض یہ بیان کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے حقیر شی کی مثال لانا ممتنع نہیں تو ایسے مقام پر لازم ہے کہ دوسری شی، حقارت میں پہلی شی سے کہیں زیادہ حقیر ہو جیسے کہا جاتا ہے۔ فلاں حصول دینار اور دینار سے مافوق (کم) میں خوب ذلت برداشت کرتا ہے تو یہاں مراد قلت ہے کیونکہ دینار سے کم میں ذلت اٹھانا حصولِ دینار کی ذلت سے زیادہ ہوتی ہے۔

۔ شی جیسے جیسے چھوٹی ہوگی اس کے اسرار پر اطلاع مشکل ہوگی تو جب وہ نہایت ہی چھوٹی ہوگی تو اس کا کامل علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہوگا تو چھوٹی چیز کی تمثیل، کمالِ حکمت پر دلالت کیلئے شی کبیر کی تمثیل سے اقویٰ قرار پائی۔

پہلے قول پر دو دلائل

اول قول (مچھر سے بڑی اشیاء مراد ہیں) والوں نے دو وجہ بیان کی ہیں:

لفظ فوق بلندی پر دال ہے جب کہا جاتا ہے یہ فلاں سے فوق ہے تو اس کا معنی شی کا بڑا ہونا ہے، منقول ہے ایک ایسے آدمی نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی مدح کی جس پر مخالفت کا اتہام تھا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

...دُوْنَ مَا تَقُوْلُ وَفَوْقَ مَا فِیْ نَفْسِكَ

جو تو نے کہا میں اس سے کم اور جو تیرے دل میں ہے اس سے بلند ہوں

یعنی جو تیرے دل میں میرے بارے میں غلط رائے ہے اس سے بھی بلند و بری ہوں۔

Marfat.com

۲۔ مچھر سے بھی کم کی مثال کیا ہوگی، جبکہ یہ سب سے چھوٹا ہے؟

جواب: اول وجہ کا یہ ہے، ہر شی میں ثبوت صفت، دوسری شی میں ثبوت سے اقوی ہوتا ہے تو اقوی اس صفت میں اضعف سے فوق ہوگا محاورہ ہے "ان فلانا فوق فلان فی اللوم والدناءۃ" (فلاں، کمینگی اور دناءت میں فلاں سے فوق ہے) یعنی اس میں ملامت و کمینگی زیادہ ہے، اسی طرح جب کہا جاتا ہے کہ یہ صغر و چھوٹے پن میں فوق ہے تو اس کا صغر میں زیادہ ہونا لازم ہوگا۔

دوسرے کا جواب یہ ہے کہ مچھر کے پر کی مثال، مچھر سے کم کی مثال ہے متعدد مقامات پر رسول اللہ ﷺ نے دنیا کی مثال مچھر کے پر سے ہی دی ہے۔

نواں مسئلہ: اَمّا، حرف، معنی شرط میں ہے، اسی لیے اس کے جواب میں 'فا' لائی جاتی ہے یہ تاکید کا فائدہ دیتا ہے جب تم نے زید کے جانے کا بتانا ہے اگر تم اس میں تاکید لانا چاہو کہ وہ بہرصورت چلا گیا ہے تو کہو، اما زید فذاھب جب یہ ثابت ہے تو سنیئے دو جملوں کو اما کے ساتھ لانے میں اہل ایمان کی عظیم تعریف اور یہ واضح کرنا ہے کہ یہی حق ہے اور کفار کی عظیم مذمت و تذلیل ہے

دسواں مسئلہ: حق کا مفہوم

الحق، ایسی ثابت شی جس کے انکار کی گنجائش ہی نہیں، جب کوئی معاملہ لازم و ثابت ہو تو کہا جاتا ہے، حق الامر و حقت کلمۃ ربك، پختہ بنا ہوئے کپڑے کو ثوب محقق کہا جاتا ہے۔

گیارھواں مسئلہ: ماذا، میں دو وجہ ہیں، ذا، اسم موصول بمعنی الذی تو یہ دو کلمات ہیں، یا یہ ما کے ساتھ دو کلمات سے مرکب ہو کر اسم واحد ہوا تو کلمہ واحد ہوگا، اب اس میں دو وجہ ہیں۔

۱۔ یہ بطور مبتدا مرفوع اور اس کی خبر ذا مع صلہ ہے۔

۲۔ یہ منصوب المحل ہے جیسے کہو، ما اراد اللہ

بارھواں مسئلہ: ارادہ کا مفہوم

ارادہ ایسی ماہیت جسے عاقل محسوس کرے اور اس کے اور علم، قدرت، الم و لذت کے درمیان بداہۃً فرق پائے، جب معاملہ یوں ہے تو ماہیت ارادہ کی تعریف کی محتاجی نہیں ہے۔

متکلمین کہتے ہیں ارادہ ایسی صفت ہے تو جواز کی ایک طرف کو دوسری طرف پر وقوع میں نہیں بلکہ ایقاع میں راجح کا تقاضا کرے۔ اسی آخری قید سے قدرت سے احتراز ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ اور ارادہ

اللہ تعالیٰ کے مرید (ارادہ والا) ہونے میں اختلاف ہے حالانکہ تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اس لفظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ پہ جائز ہے نجاریہ کہتے ہیں اس میں سلبی معنی ہے کہ وہ مغلوب نہیں اور نہ مجبور۔

بعض کے قول میں یہ امر ثبوتی ہے، پھر ان کا اختلاف ہے شیخ جاحظ، کعبی اور ابوالحسن بصری کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا علم ایسے فعل پر مشتمل ہے جس میں مصلحت یا فساد ہے، اس علم کو وہ داعی یا صارف کا نام دیتے ہیں۔

ہمارے اصحاب، شیخ ابوعلی، ابوہاشم اور ان کے اتباع کہتے ہیں یہ علم سے زائد صفت ہے پھر اس صفت میں تقسیم ہے یہ ذاتیہ ہے تو یہ نجاریہ کا قول ثانی ہے اور یا یہ معنویہ ہوگی۔

اور یہ معنی اگر قدیم ہے تو یہ اشاعرہ کا قول ہے یا حادث، یہ حادث اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے، یہ کرامیہ کا قول ہے یا کسی اور جسم کے ساتھ قائم ہے، یہ قول کسی کا نہیں یا موجود ہے لیکن محل میں نہیں، یہ قول ابوعلی، ابوہاشم اور ان کے اتباع کا ہے۔

تیرھواں مسئلہ: اِنَّهُ الْحَقُّ، کی ضمیر مثل کی طرف ہے یا ''اَنْ یَّضْرِبَ'' کی طرف۔ ان کے قول، مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا سے مراد اس کا حقیر جاننا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول حضرت عبداللہ بن عمرو العاص کے بارے میں ہے یاعجبا لابن عمرو هذا

چودھواں مسئلہ: مثلاً پر تمیز کی وجہ سے نصب ہے، محاورہ ہے ''غث ماذا أردت بهذا جواباً؟ جس آدمی نے ردی اسلحہ اٹھا رکھا ہو تو اسے کہا جائے تم اس سے کیا نفع حاصل کرو گے؟ یا یہ حال ہے، ارشاد الٰہی ہے:

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً (پ۸ الاعراف:۷۳) یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے

پندرھواں مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے ان کا کفر اور کلام اللہ کا حقیر جاننا ان الفاظ میں بیان کیا۔

مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا اللہ کا اس مثال سے کیا مقصود؟

تو اس کا جواب دیا:

یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا بہت ساروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہت ساروں کو اس سے ہدایت دیتا ہے

Marfat.com

ہدایت وگمراہی پر تفصیلی گفتگو

یہاں ہم ہدایت وگمراہی کے بارے میں تفصیلی گفتگو کرنا چاہ رہے ہیں تاکہ یہ مقام اصل قرار پائے ان تمام معانی کیلئے جو ایسی آیات میں ہیں۔

اولاً ہم اضلال پر کلام کرتے ہیں۔ اضلال، ہمزہ کبھی فعل غیر متعدی کو متعدی بنانے کیلئے آتا ہے مثلاً خرج، متعدی نہیں لیکن اخرج، متعدی ہے اور کبھی ہمزہ متعدی کو غیر متعدی بناتا ہے مثلاً کببتہ فاکب، (میں نے اسے اوندھا کیا تو وہ ہوگیا) کبھی محض وجدان (پالینے) کیلئے آتا ہے، عمرو بن معدیکرب سے منقول ہے اس نے بنوسلیم سے کہا: قاتلنا کم فما اجبنالکم وھا جینا کم فما افحمنا کم واسألنا کم فما ابخلنا کم۔ یعنی ہم نے تم سے قتال کیا ہم نے تمہیں نہ بزدل پایا ہم نے تمہاری ہجو کی شعر نہ کہنے والا پایا اور نہ بخیل۔

مثلاً، اتیت ارض فلان فاعمر تھا یعنی اسے ہم نے آباد پایا۔ مخیل نے کہا:

تمنی حصين أن يسود خزاعة فأمسى حصين قد أذل وأقهرا

یعنی اسے ذلیل ومقہور پایا گیا۔

سوال: یوں کہنا کیوں جائز نہیں کہ ہمزہ فقط غیر متعدی کو متعدی ہی بناتا ہے جو تم نے مثالیں دیں۔ کببتہ فاکب (میں نے اسے اوندھا کیا تو وہ جھک گیا) تو یہاں مراد یہ ہوسکتی ہے کہ اس نے اپنے نفس کو چہرہ کے بل جھکا دیا کیونکہ ذکر تو فعل ہوتا ہے اور مفعولین محذوف ہیں اور یہ کوئی انوکھی بات بھی نہیں، رہا قول قاتلنا کم فما اجبنا کم تو اس سے مراد یہ ہوسکتی ہے ہمارے قتال نے تمہارے بزدل بنانے میں اثر نہیں کیا ہماری ہجو نے اور ہم نے تمہاری خاموشی پر اثر نہیں کیا اور یہ تاویل اشتراک کو بھی ختم کر رہی ہے

اللہ کی طرف سے گمراہی کا مفہوم

جب یہ ثابت ہے تو ہم کہتے ہیں "اضلہ اللہ" کے مفہوم کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔

۱۔ اسے اللہ نے گمراہ بنادیا۔

۲۔ اسے اللہ نے گمراہ پایا۔

پہلی صورت میں الفاظ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کس سے گمراہ کردیا، اس میں دو صورتیں ہیں۔

۱۔ اسے اللہ تعالیٰ نے دین سے گمراہ کردیا۔

Marfat.com

۲۔ اسے اس نے جنت سے گمراہ کر دیا۔

اول صورت کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دین سے گمراہ کر دیا، تو دین سے گمراہ کر دینے کا معنی لغت میں ترک دین کی دعوت اور اس کی نظر میں دین کا بدہونا ہے یہی وہ گمراہ کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی طرف منسوب کیا، ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ (پ۲۰،القصص:۱۵) تحقیق وہ دشمن ہے کھلا گمراہ کرنے والا

دوسرے مقام پر شیطان کے حوالہ سے فرمایا:

وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ (پ۵،النساء:۱۱۹) میں ضرور انہیں گمراہ کروں گا اور ضرور اُمیدیں دلاؤں گا

قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَاۤ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا (پ۲۴،فصلت:۲۹) اور کافر بولے اے ہمارے رب دکھا ہمیں وہ دونوں جن اور آدمی جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تو ہم انہیں اپنے پاؤں تلے ڈالیں

فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ (پ۱۹،النمل:۲۴،پ۲۱،العنکبوت:۳۸) شیطان نے ان کے اعمال ان کو خوش نما کر کے دکھائے اور ان کو سیدھے رستے سے روک دیا

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ (پ۱۳،ابراہیم:۲۲) اور شیطان کہے گا جب فیصلہ ہو چکے گا بیشک اللہ نے تم کو سچا وعدہ دیا تھا اور میں نے جو تم کو وعدہ دیا تھا وہ میں نے تم سے جھوٹا کیا اور میرا تم پر کوئی قابو نہ تھا مگر یہ کہ میں نے تمہیں بلایا اور تم نے میری مان لی

اسی طرح اس گمراہ کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرعون کی طرف یوں کی:

وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى (پ۱۶،طٰہٰ:۷۹) اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور راہ نہ دکھائی

تمام اُمت کا اس پہ اتفاق ہے کہ گمراہی کا یہ معنی اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے جائز ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ کفر کی دعوت دیتا ہے اور نہ اس کی رغبت بلکہ اس سے منع اور اس پر زجر وعتاب کی وعید فرماتا ہے۔

جب لغت میں اضلال کا اصل مفہوم یہی ہے اور اس معنی کی اللہ تعالیٰ کی طرف بالاجماع نفی ہے تو اس سے یہ بھی سامنے آگیا کہ ان الفاظ کو اپنے ظاہر پر نہ رکھنے پر بھی اجماع ہے، اسی وجہ سے اہل جبر وقدر نے تاویل کی ضرورت محسوس کی۔

اہل جبر نے یوں معنی کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں گمراہی کو پیدا کیا، انہیں ایمان سے روکا اور ان کے اور ایمان کے درمیان

Marfat.com

آڑ بن گیا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اصل لغت میں اس کا حقیقی معنی یہی ہے کیونکہ اضلال کا معنی کسی شی کو گمراہ کر دینا ہے جیسا کہ اخراج و ادخال شی، کو داخل وخارج کر دینا ہے۔

معتزلہ کا موقف

معتزلہ کہتے ہیں یہ تاویل نہ تو لغت کے اعتبار سے درست ہے اور نہ عقلی دلائل کی بنا پر، لغوی کا بیان کئی دلائل سے ہے۔

۱۔ جو کسی کو راستہ سے جبراً قہراً روکتا ہے تو اسے لغت میں ''اَضَلَّہ'' نہیں بلکہ مَنَعَہ' مِنۡہ یُصَرِّفَہ' عَنۡہ'' کیا جاتا ہے، اَضَلَّہ' عَنِ الطَّرِیۡق اس وقت کہا جاتا ہے جب اس پہ ایسا شبہ وارد کیا جائے جو اس پہ راستہ اسی طرح گڈ مڈ کر دے کہ وہ منزل تک نہ پہنچ پائے

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس وفرعون دونوں کو ''مُضِل'' (گمراہ کرنے والے) قرار دیا حالانکہ وہ بالاتفاق اپنے ماننے والوں کے دلوں میں ضلالت پیدا نہیں کر سکتے، جبریہ کے ہاں اس لیے کہ عبد، ایجاد پر قادر ہی نہیں، قدریہ کے ہاں اس لیے کہ عبد ایسی نوع کے ایجاد پر قادر نہیں جب بالاتفاق نفیِ خالقیت کے باوجود یہاں لفظ مُضِلّ ' حقیقت پر ہے تو ہم نے جان لیا کہ لفظ 'مُضِلّ ' کی وضع لغت میں خالقِ ضلالت کیلئے نہیں۔

۳۔ اضلال، ہدایت کے مقابل ہے تو جس طرح یہ کہنا صحیح ہے کہ میں نے ہدایت دی لیکن اس نے ہدایت نہ پائی اس طرح اس کی صحت بھی ضروری ہے کہ میں نے اسے گمراہ کیا مگر گمراہ نہ ہوا، جب معاملہ یوں ہے تو اضلال کا خلقِ ضلالت پر حمل محال ہوگا

دلائل عقلیہ کی تفصیل

دلائل عقلیہ کا بیان ان وجوہات سے ہے:

۱۔ اگر اللہ تعالیٰ بندے میں گمراہی پیدا کرے پھر اسے ایمان کا مکلف ٹھہرائے تو یہاں اجتماع ضدین کا مکلف بنانا ہے جو بیوقوفی اور ظلم ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ	(پ۲۴ فصلت:۴۶)	اور تیرے رب نے کسی بندے کے ساتھ ظلم نہ کیا
لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا	(پ۳، البقرۃ:۲۸۶)	وہ ہر نفس کو اس کی وسعت کے مطابق ہی تکلیف دیتا ہے
وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ	(پ۱۷ الحج:۷۸)	اور نہ بنائی تمہارے لیے دین میں کوئی تنگی

۲۔ اگر اللہ تعالیٰ جہالت کا خالق اور مکلفین پر معاملات گڈ مڈ کرنے والا ہو تو بندے کی ذمہ داریوں کی تفصیل وبیان کرنے والا نہ ہوتا حالانکہ اُمت کا اتفاق ہے کہ ان کی تفصیل ووضاحت فرمانے والا وہی ہے۔

Marfat.com

۳۔ اگر اللہ تعالیٰ بندوں میں گمراہی پیدا اور ایمان سے روک دے تو نزول کتاب اور ان کی طرف بعثتِ رسل میں کوئی فائدہ ہی نہیں کیونکہ جس کا حصول ممکن نہیں اس کے حصول کیلئے کاوش عبث و پاگل پن ہوتا ہے۔

۴۔ متعدد آیات میں بہت بڑا تضاد سامنے آجائے گا مثلاً

فَمَالَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (پ۳۰، الانشقاق:۲۰) تو کیا ہوا انہیں ایمان نہیں لاتے؟

فَمَالَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ (پ۲۹، المدثر:۴۹) تو انہیں کیا ہوا نصیحت سے منہ پھیرتے ہیں؟

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا اِذْ جَاءَهُمُ الْهُدٰى اِلَّا اَنْ قَالُوْا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا (پ۱۵، الاسراء:۹۴) اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر صرف یہی کہنے لگے اللہ نے کیا آدمی کو رسول بنا کر بھیجا؟

یہ تمام آیات آشکار کر رہی ہیں کہ اللہ کی ذات ایمان لانے میں کوئی رکاوٹ نہیں البتہ رکاوٹ اِن کا یہ انکار ہے کہ انسان کو رسول کیوں بنایا گیا، ارشاد ہوتا ہے

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا اِذْ جَاءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ (پ۱۵، الکہف:۵۵) اور لوگوں کو کس چیز نے اس سے روکا کہ ایمان لاتے جب ہدایت ان کے پاس آئی اور اپنے رب سے معافی مانگتے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ (پ۱، البقرۃ:۲) اللہ کا تم کیسے انکار کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندگی دی

اَنّٰى تُصْرَفُوْنَ تم کہاں اوندھے ہوئے جاتے ہو؟

اَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ تم کہاں بھاگتے ہو؟

اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں دین سے گمراہ اور ایمان سے دور کیا ہوتا تو یہ آیات باطل ہو جائیں گی۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس اور اس کے لشکر کی اس پر مذمت فرمائی کہ وہ لوگوں کو دین سے گمراہ اور حق سے دور کر دیتے ہیں، اپنے بندوں اور رسول کو ان الفاظ میں اس سے پناہ کا حکم دیا:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ (پ۳۰، الناس:۱تا۴) تم کہو میں اس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا رب ہے سب لوگوں کا بادشاہ سب کا خدا اس کے شر سے جو دل میں برے خطرے ڈالے

Marfat.com

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (پ۳۰،الفلق:۱) تم فرماؤ میں اس کی پناہ لیتا ہوں جو صبح کو پیدا کرنیوالا ہے

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ (پ۱۸،المؤمنون:۹۷) اور تم کہو اے میرے رب تیری پناہ شیطان کے وسوسوں سے

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (پ۱۴،النحل:۹۸) اور جب تم قرآن پڑھو تو اللہ کی پناہ مانگو شیطان مردود کے شر سے

اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو دین سے گمراہ کرتا ہے جیسے شیاطین گمراہ کرتے ہیں تو وہ بھی انہیں کی طرح مستحق مذمت ہوتا اور اس سے بھی انہیں کی طرح پناہ مانگنا لازم ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کو اکثر مخلوق کی گمراہی کی وجہ سے اپنا دشمن جاننا لازم ہوتا جس طرح اسی وجہ سے شیطان کو اپنا دشمن ماننا لازم ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی مذمت اکثر ہوگی کیونکہ ابلیس کا گمراہ کرنا حصولِ ضلالت میں اپنے وجود و عدم میں برابر ہے بخلاف اللہ تعالیٰ کی گمراہی یہ ضلالت میں بہرصورت مؤثر ہوگی تو اس سے لازم آجائے گا ابلیس تمام قبائح و برائیوں سے پاک اور یہ تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو اب کلیۃً تمام مذمت ابلیس سے ختم اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جائے گی۔ حالانکہ اس کی ذات اقدس ظالموں کے اس قول سے بالاتر و پاک ہے

۶۔ اللہ تعالیٰ نے دین سے گمراہ کرنے کی نسبت اپنے سے علاوہ کی طرف کی اور اس وجہ سے ان کی مذمت فرمائی، ارشاد فرمایا:

وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى (پ۱۶،طٰہٰ:۷۹) اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور ہدایت نہ دی

وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ (پ۱۶،طٰہٰ:۸۵) اور ان کو سامری نے گمراہ کیا

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (پ۸،الانعام:۱۱۶) اے سننے والے زمین میں اکثر وہ ہیں کہ اگر تو ان کی پیروی کرے تو تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں گے

اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ (پ۲۳،ص:۲۶) تحقیق جو اللہ کی راہ سے بہکتے ہیں ان کیلئے سخت عذاب ہے اس پر کہ وہ حساب کے دن کو بھول بیٹھے

ابلیس سے یوں حکایت کی:

وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ (پ۵،النساء:۱۱۹) میں ضرور انہیں گمراہ کروں گا اور ضرور انہیں آرزوئیں دلاؤں گا اور ضرور انہیں کہوں گا

Marfat.com

تو اب انہوں نے حقیقۃً لوگوں کو دین سے گمراہ کیا یا اللہ ہی نے انہیں گمراہ کیا یا گمراہی اللہ تعالیٰ اور ان کی طرف یعنی دونوں کی طرف سے مشترکہ ہے، اگر گمراہ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ یہ، تو لازم آئے گا اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایسی چیز منسوب کی اور انہیں عیب لگایا اور ان کی مذمت کی جو انہوں نے کیا ہی نہیں حالانکہ اللہ اس سے بلند ہے، اگر اللہ تعالیٰ گمراہ کرنے میں ان کے ساتھ شریک ہے تو ایسے فعل پر ان کی مذمت کیسے جائز ہوگی جس میں خود ہی برابر طور پر شریک ہے، جب دونوں صورتیں فاسد ٹھہریں تو خلق کی ضلالت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ کرنا ہی درست ہوگا۔

اکثر آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے گمراہی کی نسبت عاصیوں کی طرف کی ہے، فرمایا:

وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ (پ۱، البقرۃ:۲۶) اور اس سے صرف بے حکمے ہی گمراہ ہوتے ہیں

وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ (پ۱۳، ابراہیم:۲۷) اور اللہ ظالموں پر گمراہی مسلط کر دیتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (پ۶، المائدۃ:۶۷) اور اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ (پ۲۴، غافر:۳۴) اور اللہ حد سے بڑھنے والے اور شک لانے والے کو یونہی گمراہ کرتا ہے

جو گمراہی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اگر یہ وہی ہے جس پر یہ لوگ ہیں تو اب ثابت کیلئے اثبات ہوگا اور یہ محال ہے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء سے اُلوہیت کی نفی یوں کی ہے کہ جن کی وہ عبادت کرتے یہ حق کی طرف سے ہادی نہیں۔

اَفَمَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى (پ۱۱، یونس:۳۵) تو کیا جو حق کی راہ دکھائے تو اس کے حکم پر چلنا چاہیے یا اس کے جو خود ہی راہ نہ پائے جب تک راہ نہ دکھایا جائے۔

ان اشیاء سے ربوبیت کی نفی کی کہ یہ ہادی نہیں اور اپنی ربوبیت ثابت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہادی ہے، اگر اللہ تعالیٰ حق سے گمراہ کرتا ہو تو وہ گمراہی میں ان کے برابر ہوا تو پھر ان کی اتباع سے منع کیوں کیا بلکہ خود گمراہی کا زیادہ پھیلانے والا ہوگا کیونکہ بُت جسطرح ہادی نہیں، گمراہ بھی نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ تو ہادی ہونے کے ساتھ گمراہ کرنے والا بھی ہو جائے گا۔

۹۔ اللہ تعالیٰ نے یہ گمراہی ان کے عمل پر بطور سزا و عقوبت ذکر کی ہے اگر مراد وہی گمراہی ہے جس پر وہ تھے تو یہ ان پر اسی عمل کی سزا ہے جس میں وہ ملوث، مستغرق اور لذت و سرور پا رہے تھے اگر ایسا جائز ہے تو پھر زنا کی سزا، زنا اور شرب خمر کی سزا کا کیا معنی؟ شرب خمر جائز ہونا چاہیے، حالانکہ یہ جائز نہیں۔

Marfat.com

۱۰۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی

وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ (پ۱، البقرۃ:۲۶،۲۷)

اور اس سے بے حکمے ہی گمراہ ہوتے ہیں جو اللہ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں

واضح کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ گمراہی ان پر اس وقت مسلط کرتا ہے جب وہ اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑ کر نافرمان بن جاتے ہیں، اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان کا گمراہ ہونا ان کے فاسق اور ناقضِ عہد ہونے کی وجہ سے ہے اور یہ گمراہی، ان کے فسق ونقض عہد کے بنا پر ہے۔

۱۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب، اضلال (گمراہ کرنا) کی کتاب میں تفصیل دی ہے کہ یہ بطور آزمائش وامتحان ہے یا بطور سزاوعقوبت، ابتلاء کے حوالہ سے فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَاۤ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا (پ۲۹، المدثر:۳۱)

اور ہم نے دوزخ کے داروغے صرف فرشتے ہی کیے اور ہم نے یہ گنتی نہ رکھی مگر کافروں کی جانچ کیلئے۔

تو یہاں واضح کیا کہ اس کا بندے کو گمراہ کرنے، کا معنی یہ ہے کہ وہ بطور آزمائش آیتِ متشابہ یا عملِ متشابہ نازل کرتا ہے جس سے غرضِ حقیقت معروف ومعلوم نہیں ہوتی، اس سے گمراہ وہ ہوگا جو مقصود سے آگاہ نہیں اور نہ ہی بطریق حکمت اس میں غوروخوض کرے گا بلکہ مجمل باطل کی تفصیل میں شبہات سے استدلال کرے گا، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ (پ۳، آل عمران:۷)

ہاں وہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں گمراہی چاہنے اور اس کا پہلو ڈھونڈنے کو

بطور عقوبت وعبرت یہ ارشادِ الٰہی ہے:

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ يُسْحَبُوْنَ فِي الْحَمِيْمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ (پ۲۴، غافر:۷۱)

جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی کھولتے پانی میں گھسیٹے جائیں گے پھر آگ میں دہکائے جائیں گے پھر ان سے فرمایا جائے گا کہاں گئے وہ جو تم شریک بناتے تھے اللہ کے مقابل، کہیں گے وہ تو ہم سے گم گئے بلکہ ہم پہلے کچھ پوجتے ہی نہ تھے اسی طرح اللہ کافروں کو گمراہ کرتا ہے

Marfat.com

تو بیان کر دیا کہ اللہ کا اضلال و گمراہی ان دو معانی میں ہی محدود ہے، جب اضلال کی تفسیر ان میں سے ایک ہے تو لازم ہے کہ دفع اشتراک کی وجہ سے ان دو اقوال کے علاوہ کے ساتھ تفسیر نہ ہو، تو ثابت ہوا کہ اضلال کو کفر و گمراہی کی خلق پر محمول کرنا جائز نہیں، جب یہ ثابت ہو گیا تو اب ہماری سنیے۔

ہم نے پہلے واضح کیا اضلال کا لغوی معنی، باطل کی طرف دعوت، اس کی ترغیب اور اس کے قبائح و برائیوں کو مخفی رکھنے کی کاوش ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں لہٰذا اس کی تاویل ضروری ہے۔ جو تاویل جبریہ نے کی اسے ہم نے باطل قرار دیا لہٰذا دیگر تاویلات کی ضرورت ہے۔

دیگر تاویلات

۱۔ جب کوئی کسی حصول شی کے وقت اپنے اختیار سے گمراہ ہو حالانکہ اس شی کا اس کی گمراہی میں کوئی دخل نہیں تو اس شی کے بارے میں کہہ دیا جاتا ہے کہ اس نے اسے گمراہ کر دیا، اللہ تعالیٰ نے بتوں کے بارے میں فرمایا:

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ — اے میرے رب تحقیق بتوں نے بہت سارے لوگ بہکا دیے

(پ ۱۳ ابراہیم: ۳۶)

یعنی ان بتوں کے سبب یہ گمراہ ہوئے۔

وَلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا — نہ یغوث، یعوق اور نسر کو اور یقیناً انہوں نے بہتوں کو بہکایا

(پ ۲۹ نوح: ۲۳، ۲۴)

یعنی بہت سے لوگ ان کی وجہ سے گمراہ ہوئے۔

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا — اور اے محبوب یہ جو تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اُترا اس سے ان میں بہتوں کو شرارت اور کفر میں ترقی ہوگی

(پ ۶ المائدۃ: ۶۴)

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا (پ ۲۹ نوح: ۶) — تو میرے بلانے سے ان کا بھاگنا ہی بڑھا

یعنی میری دعوت و تبلیغ نے ان کے فرار میں ہی اضافہ کیا۔

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ — تم نے ان کو ٹھٹھا بنا لیا یہاں تک کہ میری یاد بھول گئے

(پ ۱۸ المؤمنون: ۱۱۰)

Marfat.com

حالانکہ انہوں (انبیاء) نے حقیقتِ نسیان پیدا نہیں کیا بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتے اور اس کی طرف دعوت دیتے رہے لیکن ان سے ان کا مذاق، نسیان کا سبب بنا تو بھلانے کی نسبت ان کی طرف کردی۔

سورۂ برأت میں فرمایا:

وَاِذَا مَا اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖ اِيْمَانًا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ (پ۱۱، التوبہ:۱۲۴، ۱۲۵)

جب کوئی سورت اُترتی ہے تو ان میں سے کوئی کہنے لگتا ہے کہ اس نے تم میں کس کے ایمان کو زیادہ کیا ہے تو وہ جو ایمان والے ہیں ان کے ایمان کو اس نے زیادہ کیا اور وہ خوشیاں رہے ہیں اور جن کے دلوں میں بیماری ہے انہیں اور پلیدی پلیدی بڑھا دی

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ شرائع اور احکام پر مشتمل سورت کا نزول لوگوں کے احوال واضح کر دیتا ہے کچھ اس سے اصلاح کر لیتے ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا اور کچھ اس کے خلاف فساد برپا کرتے تو ان کے کفر میں اضافہ ہوتا ہے تو اب اضافہ ایمان اور اضافہ کفر کی نسبت سورت کی طرف کردی کیونکہ جیسے اس کے نزول پہ لوگوں کی اصلاح ہو رہی ہے اس طرح اس سے لوگ فساد بھی برپا کر رہے ہیں، تو اسی طرح ہدایت و اضلال کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کردی گئی ہے جبکہ یہ دونوں ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مثال بیان کرنے سے پیدا ہوئے ہیں، سورۃ المدثر میں فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِيْمَانًا (پ۲۹، المدثر:۳۱)

اور ہم نے یہ گنتی صرف کافروں کی جانچ کیلئے رکھی تاکہ کتاب والوں کو یقین آئے ایمان والوں کا ایمان بڑھے۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی ہے کہ بندوں کے امتحان کیلئے جہنم کے فرشتوں کا ذکر کیا ہے تاکہ مخلص اور متذبذب میں امتیاز ہو جائے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اہل ایمان اپنی اصلاح کریں اور کفار فساد، تو اضافہ ایمان اور اس کی ضد کفر میں اضافہ کو مبتلا لوگوں کی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا: لِيَزْدَادَ اور يَقُوْلُ پھر اس کے بعد فرمایا:

مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (پ۲۹، المدثر:۳۱)

اس مثال سے اللہ کا کیا مطلب ہے اور اللہ اسی طرح جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

تو ان کے اضلال و ہدایت کی اپنی طرف نسبت کی جبکہ پہلے ان دونوں کی نسبت اہل ایمان و کفار کی طرف تھی تو اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے واضح کر دیا کہ اِضلال کا مقصد امتحان ہے، عرف میں محاورہ ہے ''امرضنی الحب (یعنی میں سبب محبت بیمار ہوا) قد افسدت فلانة فلاناً (فلاں، فلانہ کی وجہ سے برباد ہوا) حالانکہ بعض اوقات اس فلانہ کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا، شاعر نے کہا:

دع عنك لومی فان اللوم اغراء

(میری ملامت کو ترک کر دے کیونکہ ملامت دھوکہ ہے)

یعنی ملامت کیا جانے والا ملامت سے دھوکہ کھاتا ہے اسی معنی سے اضلال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف جائز ہے بایں طور کہ کفاران آیات کے سبب گمراہ ہوئے جو امتحانات پر مشتمل تھیں، اس آیت مبارکہ میں جب کفار نے کہا: ان امثال کی ضرورت اور ان میں کیا فائدہ ہے؟ تو ان پر امتحان سخت ہو گیا تو یہ اضافت خوبصورت قرار پائی۔

۲۔ گمراہ قرار دینا

اِضلال سے مراد گمراہ قرار دینا ہے، محاورہ ہے اضلہ یعنی اس نے فلاں کا نام گمراہ رکھا اور اس پر گمراہی کا حکم لگایا جب کوئی کسی کو کافر کہے تو کہا جاتا ہے، اکفر فلان فلاناً، کمیت کا یہ شعر پڑھو۔

وطائفة قد أکفرونی بحبکم وطائفة قالوا مسیء ومذنب

(کچھ لوگوں نے مجھے تمہاری محبت کی وجہ سے کافر کہا اور کچھ نے گنہ گار و برا کہا)

طرفہ کہتے ہیں

وما زال شربی الراح حتی أضلنی صدیقی و حتی ساء نی بعض ذلکا

مراد یہ کہ اس نے مجھے گمراہ کہا۔ اسی وجہ کو قطرب اور کثیر معتزلہ نے اختیار کیا، بعض اہل لغت نے اس سے انکار کرتے ہوئے کہا جب کسی کو گمراہ کہنا ہو تو ضللته تضلیلاً اسی طرح جب فاسق و فاجر کہنا ہو فسقته و فجرته کہا جاتا ہے۔

جواب: اس کا جواب یوں ہے کہ جب وہ خود گمراہ جو چکا ہے تو اس پر گمراہی کا حکم لگایا جا سکتا ہے کیونکہ یہ حکم اس کے گمراہی کے لوازم میں سے ہے اور ملزوم کا اطلاق لازم پر مجازِ مشہور ہے اور یہ مستعمل بھی ہے کیونکہ جب آدمی دوسرے کو کہتا، فلاں ضال (فلاں گمراہ ہے) تو پوچھا جا سکتا ہے تو نے اسے کیوں گمراہ بنا دیا تو معنی ہے کہ یہ نام تو نے اس کا کیوں رکھا اور یہ حکم اس پر کیوں لگایا تو اب اس صورت میں اضلال کا معنی حکم لگانا اور نام رکھنا ہے۔

۳۔ کھلا چھوڑنا

اضلال کا معنی کھلا چھوڑنا ہے یعنی قہر و جبر سے منع نہ کرنا، جب کسی کو گمراہی میں کھلا چھوڑ دیا جائے تو کہا جاتا ہے اضلہ جب باپ اولاد کی تربیت پر توجہ نہ دے تو کہا جاتا ہے، أفسد فلان ابنه و أھلکه ودمر علیه، اسی کی مثل عربی کا شعر ہے:

Marfat.com

اضاعونی وای فتی اضاعوا لیوم کریھۃ وسداد ثغر

اپنی تلوار سیلابی زمین میں خراب وزنگ آلود ہونے تک چھوڑ دے، اسے کہا جاتا ہے افسدت سیفك واصدأته

۴۔ مراد عذاب دینا ہے

ضلالت واضلال سے مراد عذاب اور عذاب دینا ہے دلیل یہ ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ (پ ۲۷، القمر: ۴۷، ۴۸)

اور مجرم گمراہ دیوانے ہیں جس دن آگ میں اپنے مونہوں پر گھسیٹے جائیں گے اور فرمایا جائے گا چکھو دوزخ کی آنچ

یہاں کفار کے بارے میں بتایا کہ یہ روز قیامت ضلال میں ہوں گے اور وہ وہاں عذاب ہی ہے، دوسرے مقام پر فرمایا:

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ یُسْحَبُوْنَ فِی الْحَمِیْمِ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ ثُمَّ قِیْلَ لَهُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَیْــٴًـا كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِیْنَ (پ ۲۴، غافر: ۷۱)

جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹے جائیں گے پھر آگ میں دہکائے جائیں گے پھر ان سے کہا جائے گا کہاں گئے وہ جن کو تم شریک بناتے تھے اللہ کے مقابلہ میں، کہیں گے وہ تو ہم سے گم ہو گئے بلکہ ہم پہلے کچھ پوجتے ہی نہ تھے اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے کافروں کو

یہاں بھی ضلال کی تفسیر عذاب سے ہی فرمائی۔

۵۔ ہلاک و باطل کرنا

اِضلال سے مراد ہلاک کرنا اور باطل کرنا ہے، ارشادِ الٰہی ہے

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ (پ ۲۶، محمد: ۱)

جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اللہ نے ان کے عمل برباد کر دیے

یعنی ان کے اعمال کو باطل وہلاک کر دیا جب پانی دودھ سے مل جائے تو کہا جاتا ہے۔ضل الماء فی اللبن۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ میں نے پانی کو ہلاک وکالمعدوم کر دیا، جب میت کو قبر میں دفن ومخفی کر دیا جائے تو کہا جاتا ہے۔اضل القوم میتھم، نابغہ نے کہا

وآب مضلوه بعین جلیة وغودر بالجولان حزم ونائل

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَقَالُوْۤا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ (پ ۲۱، السجدۃ: ۱۰)

تو بولے کیا جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو کیا پھر نئے بنیں گے

Marfat.com

یعنی جب ہم دفن کر دیتے ہیں تو ہمارے اشخاص مخفی ہو جاتے ہیں، اس مفہوم کی بنا پر معنی یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہلاک و معدوم کر دیا تو اس وجہ سے اِضلال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف جائز ہو گی۔ یہ پانچ وجوہ اس صورت میں ہیں جب اِضلال سے دین سے گمراہ کرنا مراد ہو۔

۶۔ جنت سے گمراہ کرنا

اگر اِضلال سے مراد جنت سے گمراہ کرنا ہو، تو معتزلہ کہتے ہیں یہی حقیقی معنی ہے یہ تاویل نہیں بلکہ الفاظ کا اپنے ظاہر پر حمل ہے کیونکہ آیت کریمہ شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں گمراہ کر دیا ہے اس میں یہ نشاندہی کوئی نہیں کہ اس نے انہیں کس سے گمراہ کیا ہے ہم اسے اسی پہ محمول کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں طریق جنت سے گمراہ کر دیا ہے اور قرآن میں اس جنس سے جو بھی ہے اسے اسی پر محمول کریں گے، شیخ الجبائی کا یہی مختار ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ (پ۱۷، الحج:۴)

جس پر لکھ دیا گیا ہے کہ جو اس کی دوستی کرے گا تو یہ ضرور اسے گمراہ کر دے گا اور اسے عذاب دوزخ کی راہ بتائے گا

یعنی اسے جنت اور اس کے ثواب سے گمراہ کر دیا۔

یہ تمام گفتگو تب ہے جب ہم ہمزہِ اضلال کو تعدیہ کیلئے مانیں۔

۷۔ گمراہ پایا

یہاں ہمزہ تعدیہ کیلئے نہیں بلکہ وجدان کیلئے ہے جیسے ابتدا میں گزرا جب کسی کا اونٹ گم ہو جائے تو کہتے ہیں، اَضَلَّ فُلَانٌ بَعِيْرَهٗ، (فلاں نے اونٹ گم پایا) اب اللہ تعالیٰ کے اضلال کا معنی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو گمراہ پایا۔

۸۔ کفار کا قول

ارشادِ الٰہی "يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا" قول و کلام کفار کا حصہ ہے۔ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ اس مثال سے کیا ارادہ کرتا ہے جس میں کوئی فائدہ ہی نہیں۔ پھر انہوں نے کہا: اس سے تو بہت سے لوگ گمراہ اور بہت سے ہدایت پانے والے ہیں تو انہوں نے یہ بات بطور استہزاء و مذاق کہی تو یہ کفار کا قول ہے تو اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا:

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ

اس سے فاسق ہی گمراہ ہوں گے

یہ معتزلہ کی گفتگو کا خلاصہ ہے۔

Marfat.com

جبریہ کہتے ہیں ہم نے تمہاری گفتگو سنی، اس کو جس عمدگی کے ساتھ، حسنِ ترتیب اور قوت سے تم نے بیان کیا ہم اس کا اعتراف کرتے ہیں لیکن ہم کیا کریں تمہارے تین دشمن ہیں جوان وجوہات حسنہ اور اعلیٰ دلائل سے تم پہ تشویش پیدا کرتے ہیں۔

۱۔ مسئلة الداعی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ علم و جہل، ہدایت دینے اور گمراہ کرنے پر قادر ان میں سے کیوں ایک کرتا ہے دوسرا کیوں نہیں کرتا؟

۲۔ مسئلة العلم۔ اس کی تفصیل ارشادِ الٰہی 'خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ'۔ (پ۱ البقرۃ ۷) کے تحت گزری۔

ہم ان دو کے جواب میں تمہاری گفتگو کو قوی و کافی نہیں پاتے اور ہم بلاشبہ جانتے ہیں کہ تم اپنے ان جوابات میں جو کمزوری ہے ان سے خوب آگاہ ہو، ہم نے انصاف سے کام لیتے ہوئے تمہارے حسن کلام کا اعتراف کیا تم بھی انصاف سے کام لیتے ہوئے اعتراف کرلو کہ ان دو دلائل کا تمہارے پاس جواب نہیں کیونکہ محض تکرار اور تغافل عقلاء کے مناسب نہیں ہوتا۔

۳۔ اگر فعل عبد، اسی کی ایجاد ہے تو اسے وہی حاصل ہوگا جس کا وہ قصد کرے گا اب کوئی آدمی حصول علم اور ہدایت طلب کرتے ہوئے جہالت و گمراہی سے خوب بچے گا تو اب عبد کیلئے جہل و اضلال کیسے حاصل ہوگا باوجودیکہ اس نے تحصیلِ علم و ہدایت کا ہی ارادہ کیا تھا۔

سوال: جواباً اگر یہ کہا جائے کہ عبد پر ایمان، کفر اور جہل، علم کے ساتھ مشتبہ ہو گیا تو اس سے جہالت کے بارے میں اس نے گمان کرلیا کہ یہ علم ہے تو اس نے اس کے وقوع کا ارادہ کیا تو اسے جہالت ہی حاصل ہوگی۔

جواب: ان کا جہالت کو علم گمان کرنا خطا ہے اگر وہ اس نے اولاً اسے اختیار کیا تو یہ اپنے لیے جہالت و خطا اختیار کرنا ہے اور یہ ممکن نہیں اگر ہم کہیں کہ اس پر دوسرے ظنِ مقدم کی وجہ سے اشتباہ ہو گیا تو لازم آئے گا ہر ظن سے پہلے ظن ہو یہ سلسلہ غیر محدود تک جائے گا جو محال ہے

تین مقدمات

۴۔ تصورات غیر کسبی ہیں، تصدیقات بدیہی غیر کسبی اور تصدیقات تمام غیر کسبی، یہ تین مقدمات ہیں۔

پہلا مقدمہ: تصورات غیر کسبی

تصورات کے غیر کسبی ہونے کا بیان یوں ہے کہ جو ان کے اکتساب کا ارادہ کرے گا تو وہ ان کا تصور کرنے والا ہوگا یا نہیں ہوگا اگر تو یہ ان کا تصور رکھتا ہوگا تو ان کی تحصیل تصور محال ہوگا کیونکہ تحصیل حاصل محال ہے اور اگر یہ ان کا تصور نہیں رکھتا تو اس کا ذہن ان سے غافل ہوگا، شی سے غافل کا اسے طلب کرنا محال ہوتا ہے۔

Marfat.com

دوسرا مقدمہ: تصدیقات بدیہیہ غیر کسبی

تصدیقات بدیہیہ غیر کسبی ہیں کیونکہ اطراف تصدیق کا حصول اس تصدیق کے جزم ذہنی کیلئے کافی ہوگا یا کافی نہ ہوگا، اگر صورت اول ہے تو تصدیق بطور وجوب نفی واثبات ان دونوں تصورات کے درمیان محدود ہوگی اور جب یہ حال ہو تو وہ مقدور نہیں ہوگی اور اگر دوسری صورت ہے تو تصدیق، بدیہی نہ رہی بلکہ اس کا حصول کسی پر موقوف ہوگا۔

تیسرا مقدمہ: تصدیقات غیر کسبی

تمام تصدیقات کا غیر کسبی ہونا یوں ہے کہ یہ نظریات اگر ان بدیہیات سے واجب اللزوم ہوں تو یہ بدیہات مقدور نہ ہوں گے لہٰذا یہ نظریات بھی غیر مقدور ہوں گے اور اگر یہ ان بدیہیات سے واجب اللزوم نہیں تو ان بدیہیات سے ان نظریات پہ استدلال ممکن نہیں تو ان نظریات سے حاصل اعتقادات علوم نہ ہوں گے بلکہ یہ مقلد کے حاصل اعتقاد ہوں گے حالانکہ اسی میں ہماری گفتگو ہی نہیں۔

تو ثابت ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف اہتدا و اضلال (ہدایت و گمراہی) کی عدم نسبت میں تمہاری گفتگو ان عقلی قطعی دلائل کے معارض و مخالف ہے جن کا جواب نہیں۔

مذکورہ تاویلات پر گفتگو

اب ہم ان مذکور تاویلات پر گفتگو کرنا چاہ رہے ہیں۔

تاویل اول ساقط ہے اس لیے کہ انزال متشابہات کا تحریک دواعی میں اثر ہے یا اس میں ان کا کوئی اثر نہیں؟ اگر اول صورت ہے تو تمہارے قول پر دو قباحتیں لازم آرہی ہیں۔

دو قباحتیں

۱۔ ہم نے "خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ" کی تفسیر میں واضح کیا تھا، جب ترجیح حاصل ہوگی تو بلاشبہ وجوب کا حصول ہوگا اس لیے کہ استوا اور اس وجوب کے درمیان کوئی واسطہ نہیں جو نقیض سے مانع ہو تو جب انزال متشابہات نے ترجیح میں اثر ڈالا اور یہ ثابت ہے کہ ترجیح کے حصول پر وجوب کا ثبوت ہے تو اب جبر لازم اور تمہارا قول باطل۔

۲۔ تسلیم ترجیح حدِ وجوب تک نہیں پہنچاتی البتہ مکلف کیلئے عذر و علت کا ازالہ ہونا چاہے تو ان متشابہات کا مکلف پر انزال ہوا اور ان میں جانب ضلالت کو جانب ہدایت پر ترجیح ہے جو مکلف کے طاعت پہ عدمِ اقدام کیلئے عذر ہے تو یہ قباحت لازماً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی یا ان کا اثر جانب ہدایت سے جانب ضلالت کی طرف اقدام پر اثر نہ ہوگا، ان متشابہات کی نسبت

Marfat.com

ان کی گمراہی کے ساتھ صریر باب (دروازے کی آواز) اور نعیق غراب (کوے کی آواز) کی سی ہوگی تو جیسے ان کی گمراہی ان اُمور اجنبیہ کی طرف منسوب نہیں کرسکتے اسی طرح ان کی نسبت ان متشابہات کی طرف بھی ہرگز نہیں کی جاسکتی، اب ان کی تاویل باطل ٹھہرے گی۔

دوسری تاویل: اس سے مراد نام اور حکم ہے اگرچہ یہ انتہائی بُعد ہے لیکن اشکال باقی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کا نام رکھا اور اس پر حکم جاری کیا تو اگر مکلف وہ بجا نہیں لاتا تو اللہ تعالیٰ کی خبرِ صادق، کاذب اور اس کا علم، جہالت قرار پا جائے گا یہ محال ہے جو محال کی طرف پہنچانے والا ہو وہ بھی محال ہوگا تو اسے مکلف کا بجا نہ لانا محال اور بجالانا واجب ولازم، اور یہی چیز ہے جس سے تم بھاگے تھے اسی کے ساتھ یقیناً ملاقات ہوگی، یہاں بحث ان دو مشہور جوابات پر ہوئی ہے لیکن ہر عاقل بداہۃً ان کی کمزوری وسقوط سے آگاہ ہے۔

تیسری تاویل: جو تخلیہ (کھلا چھوڑنا) اور ترک منع ہے یہ اس صورت میں اضلال (گمراہ کرنا) ہوگا جب والد کیلئے اولاد کو منع کرنا اولیٰ واحسن ہو، اگر اولاد کا یہ حال ہو کہ اگر اسے والد منع کرے تو اس سے پہلے سے بھی عظیم فساد ہو یا ہو جائے تو ایسی صورت میں کوئی بھی نہیں کہے گا، اضلہ وافسدہ، (والد نے انہیں گمراہ کیا) یہاں معاملہ اس کے خلاف ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ مکلف کو جبراً منع کرے تو پہلے سے بھی بڑا فساد برپا ہوگا تو کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکلف کو خراب کیا کہ اس نے ضلالت سے منع نہ کیا حالانکہ اگر وہ منع فرماتا تو عظیم فساد لازم آجاتا۔

چوتھی تاویل: یہ شیخ قفال نے اعتراض اٹھایا کہ ہم ضلال بمعنی عذاب تسلیم ہی نہیں کرتے۔ ارشادِ گرامی

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ (پ۲۷، القمر:۴۷) یقیناً مجرم گمراہ اور دیوانے ہیں

یہاں ضلال سے دنیا میں حق سے اعراض اور سعر اُخروی عذاب مراد ہو سکتا ہے اور یَوْمَ يُسْحَبُوْنَ، سُعُر کا صلہ ہو، ارشادِ الٰہی

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ يُسْحَبُوْنَ فِي الْحَمِيْمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ (پ۲۴، غافر:۷۱)

جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹے جائیں گے پھر آگ میں دہکائے جائیں گے پھر ان سے کہا جائے گا کہاں گئے وہ جن کو تم شریک بناتے تھے اللہ کے مقابلہ میں، کہیں گے وہ تو ہم سے گم ہو گئے بلکہ ہم پہلے کچھ پوجتے ہی نہ تھے اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے کافروں کو

Marfat.com

ضَلُّوا عَنَّا کا معنی وہ باطل ٹھہرے اور آج کے دن ان سے کوئی نفع نہ ہوا جن سے شفاعت کے ہم امیدوار تھے پھر کَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ الْكَافِرِیْنَ، اس کا معنی یہ ہوسکتا ہے کہ روز قیامت اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیے۔

یہ معنی بھی ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں ذلیل کیا کہ انہیں قبول حق کی توفیق نہ ہوئی، ان کی باطل سے محبت اور تدبر سے اعراض تھا، جب اللہ تعالیٰ نے انہیں رسوا کیا، روز قیامت آئے تو ان کے وہ اعمال باطل قرار پائے جن سے وہ دنیا میں نفع کی اُمید رکھتے تھے۔

پانچویں تاویل: ہلاک کرنا، یہ اس مقام کے مناسب نہیں کیونکہ ارشاد الٰہی وَیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا، اِضلال کے بمعنی اہلاک سے مانع ہے

چھٹی تاویل: کہ طریق جنت سے گمراہ کیا یہ ضعیف ہے کیونکہ فرمان ہے یُضِلُّ بِهٖ یعنی ان آیات قرآن کے سبب سماع سے گمراہی ہوئی اور طریقِ جنت سے گمراہی کا سبب ان کا آیات کا سماع نہیں بلکہ اُن کا برائیوں پر اقدام ہے لہٰذا اس معنی پہ محمول نہیں کیا جاسکتا۔

ساتویں تاویل: یُضِلُّهٗ کا معنی اسے گمراہ پایا، ہم نے واضح کر دیا ہے کہ اس معنی پر کوئی دلیل نہیں اور پھر یہاں اِضلال حرف با سے متعدی ہے حالانکہ اِضلال بمعنی وجدان حرف با سے متعدی نہیں ہوتا۔

آٹھویں تاویل: یہ تاویل اس آیت میں تفکیک نظم (جدائی) پیدا کرے گی، یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا، کلامِ کفار اور "مَا یُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفَاسِقِیْنَ" کلام اللہ ہوگا اور ان کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں بلکہ درمیان میں واؤ ہے جو عطف ہی کا کام دیتا ہے۔(جو بتاتا ہے کہ کلام ایک ہی ہے)

پھر یہاں چلو یہ مفہوم ہو گیا لیکن سورۃ المدثر میں الفاظ ہیں:

كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ — اس طرح اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہے

یہ ارشاد الٰہی بلاشبہ اِضلال کے حوالہ سے ہی ہے۔

Marfat.com

ہدایت کا مفہوم

لفظ ہدایت کئی معانی میں آتا ہے

۱۔ دلالت و بیان، ارشاد الٰہی ہے

اَوَ لَمْ یَھْدِ لَھُمْ کَمْ اَھْلَکْنَا (پ۲۱، السجدۃ:۲۶) کیا انہیں اس پر ہدایت نہ ہوئی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے ہلاک کیے

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی فَمَنْ تَبِعَ ھُدَایَ (پ۱، البقرۃ:۳۸) بہر حال جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آ ئے تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا

یہ بات تبھی درست ہے جب ہدایت بیان سے عبارت ہو۔

اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَھْوَی الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَھُمْ مِنْ رَّبِّھِمُ الْھُدٰی (پ۲۷، النجم:۲۳) وہ تو بالکل گمان اور نفس کی خواہشوں کے پیچھے ہیں حالانکہ یقینی طور پر ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے بیان وہدایت آئی

اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا (پ۲۹، الانسان:۳) ہم نے اسے راہ دکھائی حق پر چلنا یا ناشکری کرنا

یعنی وہ شکر کرے یا کفر، ہدایت، دونوں حالتوں میں اسے حاصل ہے۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَھَدَیْنٰھُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عَلَی الْھُدٰی (پ۲۴، فصلت:۱۷) ہم نے ثمود کو ہدایت دی تو انہوں نے سوجھنے پر اندھے ہونے کو پسند کیا

ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ تَمَامًا عَلَی الَّذِیْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی وَّرَحْمَۃً لَّعَلَّھُمْ بِلِقَآءِ رَبِّھِمْ یُؤْمِنُوْنَ (پ۸، الانعام:۱۵۴) پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی پورا احسان کرنے کو جو نیکوکار ہے اور جو ہر چیز کی تفصیل، ہدایت اور رحمت کو کہیں وہ اپنے رب سے ملنے پر ایمان لائیں۔

اور یہ بات کسی مومن سے نہیں کہی جا سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے مخالفین سے حکایت کی۔

وَلَا تُشْطِطْ وَاھْدِنَآ اِلٰی سَوَآءِ الصِّرَاطِ (پ۲۳، ص:۲۲) اور خلاف حق نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ بتائیے

Marfat.com

2 یعنی ہمارے رہنمائی کریں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَاَمْلٰى لَهُمْ (پ۲۶،محمد:۲۵)

تحقیق وہ جو ہدایت کے واضح ہونے کے بعد پیچھے پلٹ گئے شیطان نے انہیں فریب دیا اور انہیں دنیا میں مدتوں رہنے کی امید دلائی۔

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْبِ اللّٰهِ (پ۲۴،الزمر:۵۶)

کہ کہیں کوئی نفس یہ نہ کہے کہ ہائے افسوس ان کوتاہیوں پہ جو میں نے اللہ کے بارے میں کی۔

یہ کفار سے مخاطبت وگفتگو ہے:

۲۔ **دعوت دینا**،ارشادِالٰہی ہے:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (پ۲۵،الشوریٰ:۵۲)

اور یقیناً تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو

یعنی تم دعوت دیتے ہو

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (پ۱۳،الرعد:۷)

اور ہر قوم کیلئے راہنما ہے

یعنی ایسا داعی جو اسے گمراہی یا ہدایت کی دعوت دے۔

۳۔ **اللہ کی توفیق**،جو الطاف ایمان کے ساتھ مشروط ہے۔

یہ اہل ایمان کو،ان کے ایمان پہ جزا،اس پر معاونت اور طاعت الٰہی میں اضافہ کی صورت میں ہے تو یہ ان کیلئے بطور ثواب ہے۔اس کی ضد کفار کیلئے کہ ان سے یہ توفیق چھن جاتی ہے تو باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت دی مگر وہ گمراہ قرار پاتے ہیں، اس معنی پر دلیل یہ ارشاداتِ الٰہی ہے:

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى (پ۲۶،محمد:۱۷)

اور جنہوں نے توفیق پائی اللہ نے ان کی ہدایت میں اضافہ کیا

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى (پ۱۶، مریم:۷۶)

جنہوں نے توفیق پائی اللہ اوران کی ہدایت میں اضافہ کرے گا

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (پ۳،آل عمران:۸۶)

اور اللہ ظالموں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا

Marfat.com

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ (پ ۱۳، ابراہیم: ۲۷)

اللہ ایمان والوں کو حق بات پر ثابت رکھتا ہے دنیا اور آخرت میں اور ظالموں کو گمراہ کرتا ہے

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (پ ۳، آل عمران: ۸۶)

کیسے اللہ اس قوم کو ہدایت دے جنہوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا اور وہ اس بات پر شاہد ہیں رسول حق ہیں اور ان کے پاس واضح نشانیاں آئیں اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا

یہاں اطلاع ہے کہ انہیں ہدایت نہ دی اور ان کے پاس بینات و دلائل آئے تو یہ ہدایت بہر صورت بیان کے علاوہ ہے۔

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ (پ ۲۸، التغابن: ۱۱)

جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت و توفیق فرما دے گا

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (پ ۲۸، المجادلۃ: ۲۲)

یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف سے روح سے ان کی مدد کی

۴۔ جنت کی طرف رہنمائی، ارشادِ الٰہی ہے:

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (پ ۶، النساء: ۱۷۵)

بہرحال وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کی رسی مضبوط تھامی تو عنقریب اللہ ان کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور انہیں اپنی طرف سیدھی راہ دے گا

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (پ ۶، المائدۃ: ۱۵، ۱۶)

تحقیق تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب جو اللہ کی مرضی پر چلا اللہ اسے اس کے ذریعے ہدایت دیتا ہے اور انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے اپنے حکم سے اور انہیں سیدھی راہ دکھاتا ہے

وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ (پ ۲۶، محمد: ۴-۶)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے اللہ ہرگز ان کے اعمال ضائع نہیں کرے گا جلد انہیں راہ دے گا اور ان کے کام بنا دے گا اور جنت میں داخل کرے گا

Marfat.com

شہادت وقتل کے بعد ہدایت، جنت کی طرف ہی ہوتی ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهۡدِیۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِاِیۡمَانِهِمۡ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ (پ۱۱، یونس:۹۰)

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اللہ ان کو ان کے ایمان کی برکت سے ہدایت دے گا (ان کیلئے جنت ہے) جس کے نیچے نہریں جاری ہیں

شیخ جبائی نے یہی تاویل کی ہے۔

۵۔ ہدایت بمعنی مقدم ہونا

کسی کو کوئی آگے کرے تو کہا جاتا ہے: یھدی فلان فلاناً، ھدی کا لفظ ھدایۃ الطریق سے ماخوذ ہے کیونکہ دلیل، دلوں کو آگے کرتی ہے، عرب کہتے ہیں، اقبلت ھوادی الخیل (گھوڑوں کے چلانے والے آئے) گردنوں کو مقدم ہونے کی وجہ سے، ھوادی الخیل، کہا جاتا ہے۔

۶۔ فیصلہ کردینا

یھدیٰ اس نے ہدایت دی، کا معنی اس نے فیصلہ کردیا۔ ان المؤمن مھتد، (مومن ہدایت یافتہ ہے) اس نام کی وجہ یہ ہے کہ ھداہ (اس نے ہدایت دی) کا اصلی معنی ہے کہ اس نے اسے ہدایت یافتہ بنایا۔ اس لفظ کا اطلاق بعض اوقات فیصلہ و نام رکھنے پر ہوتا ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَحِيۡرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ (پ۷، المائدۃ:۱۰۳) اللہ نے مقرر نہیں کیا کان چرا اور نہ بجار

یعنی نہ اس نے اس کا حکم دیا اور نہ اسے مشروع کیا، فرمایا:

اِنَّ الۡهُدٰى هُدَى اللّٰهِ (پ۳، آل عمران:۷۳) یقیناً ہدایت، اللہ کی ہی ہدایت ہے

یعنی ہدایت وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت قرار دے۔

مَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِ (پ۱۵، الاسراء:۹۷) جس کو اللہ نے ہدایت دی وہی ہدایت یافتہ ہے۔

یعنی جس پر اللہ تعالیٰ ہدایت کا حکم نافذ کرے وہی ہدایت یافتہ ہونے کا مستحق ہوگا۔

معتزلہ نے یہ وجوہ و معانی ذکر کیے ہیں، ہم نے ان پر مسئلہ اضلال کے تحت گفتگو کی ہے۔

Marfat.com

جبریہ کا قول

جبریہ کہتے ہیں یہاں ایک اور معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ہدایت بمعنی خلق ہدایت و علم ہو، ارشادِ الٰہی ہے:

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۚ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (پ۱۱، یونس:۲۵) اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف پکارتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھی راہ چلاتا ہے

قدریہ کا انکار

قدریہ ان وجوہات کی بنا پر اسے ناجائز کہتے ہیں۔

۱۔ لغۃً اس شخص کے بارے میں هداه اليه (اس نے ہدایت دی) کہنا صحیح نہیں جو کسی کو جبراً سلوک طریق پر ابھارے البتہ اسے ردہ الی الطریق المستقیم، حمله اليه اور جره اليه کہا جاتا ہے۔ لیکن هداه اليه نہیں کہا جا سکتا۔

۲۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہو تو امر و نہی، مدح و ذم اور ثواب و عتاب باطل ٹھہریں گے۔

بندے کا کسب

سوال: اللہ تعالیٰ کی تخلیق تسلیم ہے لیکن کسب عبد کا ہے؟

جواب: کسب دو وجہ سے مردود و مدفوع ہے۔

۱۔ اس حرکت (کسب) کا وقوع اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہوگا یا اس کی تخلیق سے نہ ہوگا، اگر اس کی تخلیق سے ہی ہے تو جب اللہ تعالیٰ نے اسے تخلیق فرما دیا تو اب بندے کا اسے بجا نہ لانا محال ہوگا، جب تک اس کی تخلیق نہیں ہوتی تو اسے بندے کا بجا لانا محال تو اب اس پر مذکور اشکالات وارد ہوں گے اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے نہیں بلکہ بندے کی ہے تو یہی اعتزال ہے

تین صورتیں

۲۔ اگر تخلیق، اللہ تعالیٰ کی اور کسب بندے کا ہے پھر تین میں سے ایک صورت ضرور ہوگی۔

یا تو اللہ تعالیٰ نے اسے پہلے تخلیق کیا پھر بندے نے اس کا کسب کیا یا بندے نے اس کا کسب پہلے کیا پھر اس کی اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی یا دونوں کا وقوع اکٹھا ہوا۔

اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق فرما دی تو اب بندہ اس کے کسب پر مجبور ہوگا تو لازم ہونا لوٹ آئے گا۔

اور اگر بندے کا کسب پہلے ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تخلیق پر مجبور ٹھہرے گا۔

Marfat.com

اور اگر دونوں اکٹھے ہیں تو اب یہ چیز دونوں کے اتفاق کے بعد ہی ہو سکتی ہے لیکن یہ اتفاق ہمارے علم میں ہی نہیں تو اس اتفاق کا حصول لازمانہ ہوگا۔

پھر یہ بھی کہ اس اتفاق کا حصول، دوسرے اتفاق کے بغیر نہ ہوگا کیونکہ یہ بھی بندے کا کسب وفعل ہے اور یہ سلسلہ غیر محدود ہوگا جو محال ہے۔

یہ معتزلہ کے کلام کا خلاصہ ہے۔

جبریہ اور دلائل عقلیہ

جبریہ کہتے ہیں ہم نے اس پر دلائل عقلیہ دیئے ہیں جن میں احتمال وتاویل کی گنجائش نہیں کہ ان افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ بالواسطہ یا بلاواسطہ، جو تم نے دلائل نقلیہ بیان کیے ہیں ان میں اقوال کی گنجائش ہے قاطع اور یقینی کا مقابلہ، محتمل وظن نہیں کرسکتا لہٰذا ہمارے قول کی طرف رجوع لازم ہے۔ وباللہ التوفیق

سولہواں مسئلہ: سوال: ہدایت یافتہ کو یہاں کثیر قرار دیا حالانکہ دوسرے مقام پر ان کی صفت، قلیل ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (پ۲۲،سبا:۱۳)
اور کم ہیں میرے بندے شکر والے

اور فرمایا ایمان اور نیک اعمال والے

وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ (پ۲۳ص:۲۴)
وہ تھوڑے ہیں

حدیث نبوی: لوگ ان سواونٹوں کی طرح ہیں جو سواری نہیں بن سکتے۔ دوسری میں ہے۔ الناس اخبر قلة۔

جواب: ۱۔ اہل ہدایت اپنی نسبت سے کثیر ہیں، یہاں ان کی صفت قلیل بیان ہوئی وہاں اہل ضلال کی نسبت سے ہے۔

۲۔ قلیل، ہدایت یافتہ حقیقت میں کثیر ہیں اگر چہ صورۃً قلیل ہیں لہٰذا حقیقت کے پیش نظر انہیں کثیر قرار دیا۔

سترہواں مسئلہ: شیخ فراء کہتے ہیں: فاسق، فسقت الرطبة من قشرها سے ہے (یعنی کھجور اپنے چھلکا سے نکلی) گویا فاسق، طاعت سے نکل جاتا ہے، چوہیا کو فویسقة کہا جاتا ہے کیونکہ وہ نقصان کیلئے نکلتی ہے۔

اہل قبلہ کا اختلاف: فاسق، مومن یا کافر؟

اہل قبلہ کا اختلاف ہے کہ فاسق مومن ہے یا کافر؟ ہمارے اصحاب کے ہاں مومن، خوارج کے ہاں کافر اور معتزلہ کے ہاں نہ مومن نہ کافر۔

Marfat.com

مخالفین نے ان ارشادات عالیہ سے استدلال کیا ہے۔

بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ (پ۲۶، الحجرات:۱۱) مسلمان ہو کر فاسق کہلانا کتنا ہی برا نام ہے

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (پ۱۰، التوبۃ:۶۷) یقیناً منافقین ہی پکے بے حکمے ہیں

حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ (پ۲۶، الحجرات:۷) اللہ نے تمہیں ایمان پیارا کر دیا اور تمہارے دلوں میں اسے آراستہ کر دیا اور کفر، حکم عدولی اور نافرمانی تمہیں ناگوار کر دی گئی

یہ مسئلہ نہایت طویل ہے، علم کلام میں اس پر تفصیلاً گفتگو موجود ہے۔

اٹھارہواں مسئلہ: میثاق سے مراد

اس میں اختلاف ہے کہ، اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ، میں میثاق سے کیا مراد ہے؟

۱۔ اس میثاق سے وہ حجج و دلائل مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی صحت توحید اور صدقِ رسل پر قائم فرمائے ہیں، جب ان دلائل سے توحید وغیرہ کا ماننا لازم ہے تو یہی استدلال میثاق وعہد قرار پایا اس لیے یہ قول درست ہے۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ (پ۱ البقرہ:۴۰) اور تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا

۲۔ یہ بھی احتمال ہے کہ جو اس آیت میں بیان ہوا، وہ مراد ہو۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ لَّیَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا (پ۲۲، فاطر:۴۲) اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی اپنی قسموں میں جد کی کوشش ہے۔ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ ضرور کسی نہ کسی گروہ سے زیادہ راہ پر ہوں گے پھر جب ان کے پاس ڈر سنانے والا آیا تو اس نے انہیں نہ بڑھایا مگر نفرت کرنا

جب انہوں نے اپنا حلف پورا نہ کیا تو اس کو نقض عہد و میثاق قرار دے دیا۔

اول تاویل، میں عموم ہے کہ وہ ہر گمراہ و کافر کو شامل ہے لیکن دوسری تاویل، حلف و قسم اٹھانے والوں کے ساتھ ہی مخصوص ہوگی، لہٰذا پہلی تاویل دو وجہ سے دوسری پر راجح ہے۔

۱۔ اول صورت میں آیت کا اجرا عموم پر ہوگا جبکہ دوسری صورت میں تخصیص لازم ہوگی۔

۲۔ اول صورت میں ان پر مذمت لازم آ رہی ہے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا وہ عہد توڑا جو اس نے پختہ کیا ان دلائل کے ساتھ

Marfat.com

جو نفسی و آفاقی اور ثابت و واضح ہیں اور ان کے ابہامات کو دور کیا، عقول میں دلائل رکھے، حضرات انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا اور ان پر کتب نازل کر کے معاملہ کو مؤکد و پختہ کیا۔

دوسری صورت میں مذمت اس لیے لازم آرہی ہے کہ انہوں نے اپنے اوپر لازم کردہ امر کو ترک کر دیا اور یہ واضح ہے کہ ان کی مذمت اول صورت میں اولیٰ ہے۔

۳۔ شیخ قفال کہتے ہیں ممکن ہے یہاں آیت میں مقصود اہل کتاب کے لوگ ہوں کیونکہ ان کے انبیاء پر نازل کردہ کتب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کا عہد و میثاق تھا، ان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ کی اُمت کا معاملہ آشکار کر دیا گیا تھا لیکن انہوں نے عہد شکنی کرتے ہوئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا۔

۴۔ بعض نے کہا: یہاں میثاق سے مراد وہی ہے جو لوگوں سے پشت آدم سے نکالنے کے وقت لیا۔ جبکہ وہ عالمِ خلق میں تھے، اس ارشاد الٰہی سے یہی مراد ہے۔

وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى　　اور انہیں خود پر گواہ کیا کیا میں تمہارا رب نہیں سب نے کہا کیوں نہیں　　(پ ۹، الاعراف:۱۷۲)

متکلمین کہتے ہیں، یہ قول ساقط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں پہ اس عہد و میثاق سے حجت نہیں پکڑتا جس کا انہیں شعور نہیں جیسا کہ ان پر اس چیز پر مواخذہ نہیں کہ جس کا علم ان کے دلوں سے سہو و نسیان کی صورت میں ختم ہو چکا ہے لہٰذا اس کے ساتھ ان پر وہ کیسے طعن فرمائے گا؟

۵۔ اللہ تعالیٰ کے تین عہد

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے تین عہد لئے ہیں:

۱۔ جو اللہ تعالیٰ نے تمام اولاد آدم سے لیا، یہ اس کی ربوبیت کا اقرار ہے، ارشاد الٰہی ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ　　(پ ۹، الاعراف:۱۷۲)　　اور جب تیرے رب نے اولاد آدم سے عہد لیا

۲۔ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے مخصوص ہے کہ وہ رسالت و پیغام پہنچاتے ہوئے دین کو غالب کریں اور اس میں تفرقہ نہ پڑنے دیں

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ　　(پ ۲۱، الاحزاب:۷)　　اور جب ہم نے نبیوں سے پختہ عہد لیا

۳۔ یہ علماء کے ساتھ مخصوص ہے۔

Marfat.com

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ (پ۴، آل عمران:۱۸۷) اور جب اللہ نے عہد لیا ان سے جن کو کتاب دی گئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کر دینا اور نہ چھپانا

صاحب کشاف کہتے ہیں، 'میثاقہ' کی ضمیر عہد کی طرف ہے جو اللہ تعالیٰ کا وعدہ انہوں نے قبول کر کے پختہ عہد کیا، توثیق کے معنی یہی درست ہے جیسا کہ میعاد و میلاد کا معنی وعدہ و ولادت ہے۔

یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہو سکتی ہے کہ اس نے اپنی آیات، کتب اور رُسل کے ذریعے عہد کو پختہ فرمایا۔

اُنیسواں مسئلہ: قطع سے مراد تین چیزیں

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ" سے مراد میں اختلاف ہے، یہ چند معانی مذکور ہیں۔

۱۔ اس سے مراد رحم و حقوق قربات کا قطع ہیں جن کے ملانے و نبھانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے ارشادِ الٰہی ہے:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ (پ۲۶، محمد:۲۲) تو کیا تمہارے یہ لچھن نظر آتے ہیں کہ اگر تمہیں حکومت ملے زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتے کاٹ دو۔

اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے اپنے اور نبی ﷺ کے درمیان قرابت کو ختم کر ڈالا، اس تاویل کے مطابق آیت کا حکم خاص ہوگا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ اپنا تعلق اہلِ ایمان سے جوڑیں لیکن انہون نے اہلِ ایمان سے تعلق توڑ کر کفار سے جوڑ لیا، تو یہاں اس ارشادِ الٰہی سے یہی مراد ہے۔

۳۔ انہیں لڑائی، تنازعہ اور فتنہ پروری سے منع کیا گیا تھا لیکن وہ انہی کاموں میں مشغول رہے۔

بیسواں مسئلہ: وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ کی تفسیر

مختار یہی ہے کہ یہاں فساد" سے وہی مراد ہے جو دوسروں تک پہنچے نہ کہ اپنے تک، اور یہ مراد اظہر ہے کہ یہ طاعت رسول ﷺ سے روکنا ہے کیونکہ زمین پر کامل اصلاح طاعت سے ہی ہے کیونکہ التزام احکام شرعیہ سے انسان پر تمام لوازم کا لزوم اور دوسروں کے ساتھ زیادتی کا ترک لازم ہو جاتا ہے، اسی سے آپس میں ظلم ختم اور ظلم کے زوال سے عدل آ جاتا ہے جس سے آسمان اور زمین قائم ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرعون سے حکایت کیا۔

Marfat.com

اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَکُمْ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادُ (پ ۲۴، غافر ۲۶)
میں خدشہ محسوس کرتا ہوں کہ وہ تمہارے دین کو بدل دے گا یا زمین میں فساد چمکائے

پھر اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی کہ جن کے یہ اعمال ہیں وہ خاسر ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ
وہی گھاٹا پانے والے ہیں۔

اس خسران میں یہ صورتیں ہیں:

۱۔ وہ انعاماتِ جنت سے محروم کیونکہ جنت میں ہر ایک کیلئے اہل و منزل ہے اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی طاعت کر لی تو اسے پالے گا اور اگر اس کی نافرمانی کی تو اسے اہل ایمان پالیں گے، ارشادِ فرمایا:

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِیْهَا خَالِدُوْنَ (پ ۱۸، المومنون: ۱۰-۱۱)
یہی لوگ وارث ہیں کہ فردوس کی میراث پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے

اِنَّ الْخَاسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ (پ ۲۵، الشوریٰ: ۴۵)
یقیناً خسارے میں وہ ہیں جو اپنی جانیں اور اپنے گھر والے ہار بیٹھے قیامت کے دن

۲۔ اپنی کی ہوئی نیکیوں سے محروم کہ کفر کی وجہ سے وہ ضائع ہو گئیں، ان پر نہ کوئی اجر ملا اور نہ خیر۔

اگر آیت یہود کے بارے میں ہو تو ان کے اپنی شریعت کے مطابق اعمال اور اگر منافقین کے بارے میں ہو تو پھر ان کے ظاہری اعمال جو خلوص دل سے نہ تھے تو تمام اعمال ضائع ٹھہرے۔

۳۔ وہ کفر پر اس خوف کی وجہ سے مصر تھے کہ کہیں دنیاوی فوائد و لذات ختم نہ ہو جائیں تو وہ ان سے ختم ہو گئیں جب رسول اللہ ﷺ کو جہاد کی اجازت ملی یا ان کی موت آ گئی۔

شیخ قفال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، الغرض خاسر عام ہے اس کا اطلاق ہر اس عمل پہ ہے جس پر جزا نہ ہو جس طرح آدمی محنت و تصرف کرے مگر کچھ حاصل نہ ہو تو اسے خاب و خسر کہا جاتا ہے یہ اسی طرح ہے کہ آدمی نے دوسرے کو شی دی اور اس کے مقابل کچھ نہ لیا جو اس کے قائم مقام بنتا، اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کفار کو خاسرین قرار دیتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (پ ۳۰، العصر: ۲، ۳)
یقیناً انسان خسارے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے

Marfat.com

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (پ۱۶، الکہف:۱۰۳،۱۰۴)
تم فرماؤ کہ ہم بتائیں کہ سب سے بڑے ناقص عمل کن کے ہیں ان کے جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں محو ہوگئی

[۲۸] كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

(بھلا تم کیونکر خدا کے منکر ہو گئے حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں جلایا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف پلٹ کر جاؤ گے)

انعامات کی تفصیل

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے توحید، نبوت اور آخرت پہ دلائل کا تذکرہ کیا۔ اب یہاں سے لے کر "یٰبَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ" (پ۱، البقرۃ:۴۰) تک ان انعامات کی تفصیل ہے جو تمام انسانوں پر ہیں اور وہ چار ہیں۔

چار انعامات

۱۔ زندگی کی نعمت۔

اس آیت میں اس کا تذکرہ ہے، واضح رہے ارشادِ الٰہی 'كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ' اگرچہ بصورت سوال خبر ہے مگر مراد الزاماً جواب اور خاموش کروانا ہے۔ کیونکہ عظمتِ نعمت، معصیتِ منعم کی عظمت پر دال ہوتی ہے مثلاً والد کا انعام، اولاد پر عظیم ہوتا ہے وہ اسے پالتا، سکھاتا اور اس کیلئے متعدد اچھے امور بجالاتا ہے تو اب والد کی معصیت بھی اعظم ہوگی تو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے عمل کفر کو عظیم قرار دیا۔ بایں طور کہ ان پر ہونے والی عظیم نعمتوں کا ذکر کیا تاکہ انہیں کفر کی طرف اقدام پر زجر ہو اور ایمان لانے کا شوق ہو تو اللہ تعالیٰ نے انہی نعمتوں سے جو اصل نعمت ہے، احیاء (زندگی) اس کا ذکر کیا تو یہی مقصودِ کلی ہے۔

فا و ثم، سے عطف کیوں؟

سوال: کیا وجہ ہے اول کا عطف، فا سے اور دیگر کیلئے ثم لایا گیا؟

جواب: احیاء اول کبھی بغیر تاخیر، موت کے بعد ہوتا ہے اور موت، احیا سے متراخی و موخر ہوتی ہے، احیاء ثانی، موت سے ظاہراً متراخی ہوگی اگر اس سے روزِ محشر اٹھانا مراد لیا جائے۔

Marfat.com

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: معتزلہ کا قول

معتزلہ کہتے ہیں یہ آیت بتا رہی ہے کہ کفر بندوں کی طرف سے ہے۔ اس پر یہ دلائل ہیں:

۱۔ اگر ان میں کفر کا خالق اللہ تعالیٰ ہوتا تو، کَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰهِ (تم اللہ سے کفر کیوں کرتے ہو؟) کہنا بطور توبیخ درست نہ ہوتا جیسا کہ یہ کہنا درست نہیں تم کالے کیوں نہیں، تم سفید، صحت مند اور بیمار کیوں نہیں؟ کیونکہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہی ہیں۔

۲۔ جب ان کی اولاً تخلیق شقاوت و نار کیلئے ہے اور ان کی تخلیق سے کفر اور نار میں وقوع کا ارادہ ہے تو اب انہیں بطور توبیخ یہ کہنا کیسے درست ہوگا۔ کَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ؟ (تم کیسے کفر کرنے لگے)

۳۔ کسی حکیم کا ان کیلئے یہ کہنا معقول کیسے ہو سکتا ہے، "کَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ" جبکہ اس نے ان میں خود کفر پیدا کیا ہو اور وہ یہ کہے:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡۤا (پ۱۵، الاسراء:۹۴) اور لوگوں کو کس بات نے ایمان لانے سے روکا

جبکہ انہیں ایمان سے خود روک رکھا ہو۔

فَمَا لَهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ (پ۳۰، الانشقاق:۲۰) تو کیا ہوا انہیں کہ ایمان نہیں لاتے

فَمَا لَهُمۡ عَنِ التَّذۡکِرَةِ مُعۡرِضِیۡنَ (پ۲۹، المدثر:۴۹) تو انہیں کیا ہوا نصیحت سے منہ پھیرتے ہیں

حالانکہ انہیں اعراض خود کروایا ہو۔

اَنّٰی تُؤۡفَکُوۡنَ تم کہاں بھاگتے ہو

فَاَنّٰی تُصۡرَفُوۡنَ اور کہاں جاتے ہو

حالانکہ جھوٹ و انصراف ان میں خود پیدا کر رکھا ہو

اسی طرح کا کلام تو بطریق اولیٰ تمسخر و مذاق سمجھا جاتا ہے، چہ جائیکہ وہ بندوں پر بطور حجت ہو۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے جب بندوں سے فرمایا: کیف تکفرون باللّٰہ تو یہ کلام بندوں پر بطور حجت اور بطور طلب جواب ہے یا نہیں؟ اگر یہ اس معنی کی طلب کیلئے نہیں تو اس کے ذکر میں فائدہ کیا تو یہ خطاب عبث قرار پائے گا اور اگر یہ بندوں پہ بطور حجت ہے تو وہ کہہ سکتا ہے میرے حق میں یہ کثیر امور موجب وسبب کفر ہیں۔

Marfat.com

۱۔ تمہیں میرے کفر کا علم ہے اور کفر کا علم موجب کفر ہے۔

۲۔ تم نے میرے کفر کا ارادہ کیا اور یہ ارادہ موجب کفر ہے۔

۳۔ تم نے میرے اندر کفر پیدا کیا اور میں تمہارے فعل کے ازالہ کی قوت ہی نہیں رکھتا۔

۴۔ تم نے میرے اندر ایسی قدرت پیدا کی جو موجب کفر ہے۔

۵۔ تم نے میرے اندر ارادہ پیدا کیا جو موجب کفر ہے۔

۶۔ تم نے میرے لیے قدرت پیدا کی جو ایسے ارادہ کی موجب ہے جو موجب کفر ہے۔

پھر جب یہ چھ اُصول حصولِ کفر کیلئے حاصل ہیں، ایمان، بھی ان کے حصول پر موقوف ہوگا کہ یہ تمام مفقود ہوں تو عدم ایمان کیلئے بارہ اسباب درکار ہوں گے ان میں سے ہر ایک ایمان سے مستقل مانع ہوگا تو ان کثیر اسباب کی موجودگی میں یہ کہنا کیسے معقول ہے۔ کَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ

۵۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا: تم ان سے کہو تم اس اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو جس نے تم پر یہ عظیم نعمت زندگی وحیات کی۔

لیکن اہلِ جبر کے مطابق تو یہ کافر پہ نعمت الٰہی بنتی ہی نہیں۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی کافر کے ساتھ کر رہا ہے وہ تو کفر کی طرف لے جانے اور آگ میں جلانے کیلئے ہے تو ایسی صورت میں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت کیسے بنے گی؟ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی دوسرے کو زہر آلود فالودہ کا پیالہ دے تو اس کا ظاہر اگرچہ لذیذ و نعمت محسوس ہو رہا ہے، لیکن اس کا باطن مہلک ہے اسے کوئی بھی نعمت نہیں کہہ سکتا۔ اور یہ مسلم ہے کہ عذاب دائمی اس زہر سے کہیں اشد ہے تو کافر پر اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت نہ ہوئی تو اس نے اپنے رسول ﷺ کو کیسے حکم دے دیا کہ انہیں فرماؤ تم اس ہستی کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو جس نے تم پر یہ عظیم نعمت کی ہے؟

جواب: بحث کے وقت ان دلائل کا خلاصہ یہ بنتا ہے کہ اس پر مدح، ذم، امر و نہی اور عذاب و ثواب کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے اسی شبہ کے مقابل ہم نہایت ہی معتمد گفتگو بطریق احسن کر سکتے ہیں۔

۱۔ کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ایسا نہیں ہوگا اب اگر ہو جائے تو اس کا علم، جہالت بن جائے گا جو محال ہے اور مستلزمِ محال، محال ہی ہوتا ہے تو اس کا وقوع محال ٹھہرا باوجودیکہ وہ فرما رہا ہے: کَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ کُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا فَاَحۡیَاکُمۡ

۲۔ پھر کفر پر قدرت اگر ایمان کیلئے صلاحیت رکھتی ہے تو اب اس کا ایمان کیلئے معین طور پر جائے صدور بنا کسی مرجح کے بغیر

Marfat.com

محال ہوگا، وہ مرجح اگر بندہ ہے تو سوال لوٹ آئے گا اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرجح حاصل نہ ہوگا تو حصول کفر محال ہے اور اگر حصول مرجح ہوگیا تو لازم تو ایسی صورت میں یہ قول کیسے معقول ہے، كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ

یاد رہے معتزلی اگر کلام طویل کرے اور دلائل کو مدح وذم کی طرف لے جائے تو اس کے مقابل ان دونوں کو لاؤ کیونکہ یہ ان کی بنیادیں ہلا دیں گے اور ان کے شبہات کو اڑا کر رکھ دیں گے، وباللہ التوفیق۔

دوسرا مسئلہ: كُنْتُمْ اَمْوَاتًا سے مراد

تمام کا اتفاق ہے کہ "وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا" سے مراد ہے کہ تم مٹی اور نطفہ تھے کیونکہ ابتدا خلقتِ آدم مٹی سے ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ کر باقی تمام اولاد کی خلقت نطفہ سے ہے ہاں اس میں اختلاف ہے کہ مردہ کا اطلاق جماد پر حقیقت ہے یا مجاز، اکثریت اس پر ہے کہ یہ مجاز ہے اس لیے کہ موات (بنجر زمین) کو میت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ ایک دوسرے میں کوئی ان کا دخل نہیں کیونکہ میت کو موت لاحق ہوتی ہے ضروری ہے کہ وہ ایسی صفت پر ہو کہ وہ عادۃً زندہ ہو۔ لہٰذا اس میں گوشت ورطوبت کا ہونا ضروری ہے

اولین کہتے ہیں یہ اس معنی میں حقیقت ہے اور یہی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا، یہ اپنے آباء کے اصلاب میں اموات ومردہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا پھر پیدا کیا پھر لازمی موت انہیں دی پھر موت کے بعد زندہ کیا تو یہ دو حیات و زندگیاں اور دو اموات ہوئیں۔

اور ان کا استدلال اس ارشادِ الٰہی سے ہے:

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (پ ۲۹، الملک:۲)

اس نے موت اور زندگی کو تمہاری جانچ کیلئے پیدا کیا کہ تم میں کسی کا کام زیادہ اچھا ہے

تو موت، حیات سے مقدم ہے اور یہی اموات ہے تو شاہد ہے کہ میت کا اطلاق موات پہ بطور حقیقت ہے۔

لیکن اول قول اقرب ہے کیونکہ جماد کو اموات کہا جاتا ہے نہ کہ میت تو ایک کا دوسرے کی جگہ استعمال بطور تشبیہ ہے، جیسے فرمانِ الٰہی ہے:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا (پ ۲۹، الانسان:۱)

تحقیق آدمی پر ایک وقت وہ گذرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے واضح کیا انسان مذکور شی نہ تھا تو اس نے اسے حیات دی اور اسے سمیع وبصیر بنایا مجازاً کہا جاتا ہے ''فلان میت الذکر، ھذا امر میت، ھذہ سلعۃ میتۃ جب اس کا طالب و ذاکر نہ ہو، مخبل سعدی نے کہا:

واحییت لی ذکری وما خاملا ولکن بعض الذکر أنبه من بعض

تو معنی آیت ''کُنْتُمْ اَمْوَاتًا'' اسی طرح ہے کہ تم گمنام تھے اور تمہارا ذکر تک نہ تھا کیونکہ کوئی شی ہی نہ تھے ''فَاَحْیَاکُمْ'' تمہیں اس نے خلق کر کے سمیع وبصیر بنایا۔

تیسرا مسئلہ: عذاب قبر کے خلاف استدلال

کچھ لوگوں نے اسی آیت سے عذاب قبر کے خلاف استدلال کرتے ہوئے کہا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا، انہیں ایک دفعہ دنیا میں زندہ کیا پھر انہیں آخرت میں زندہ فرمائے گا تو یہاں حیاتِ قبر کا ذکر نہیں، اسی میں تاکید یہ ارشادِ گرامی کرتا ہے:

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُوْنَ — پھر اس کے بعد تم ضرور مرنے والے ہو پھر تم ضرور قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے (پ۱۸، المؤمنون:۱۵،۱۶)

ان دو حالتوں کے درمیان حیات وزندگی کا ذکر نہیں۔

اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ اثباتِ عذاب قبر والے اس ارشاد سے استدلال نہیں کر سکتے۔

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ — کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہمیں دو بار مردہ کیا اور دو بار زندہ کیا (پ۲۴، غافر:۱۱)

کیونکہ یہ کفار کا قول ہے، اور اس لیے کہ بہت سے اہلِ علم نے سیدنا آدم علیہ السلام کی پشت سے نکلنے کو حیات کہا ہے یہاں یہ فرمان ہوا:

لَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى — کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے کہا کیوں نہیں (پ۹، الاعراف:۱۷۲)

تو اس صورت میں دو حیات اور دو موتیں بن جاتی ہیں، حیات قبر کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

جواب: اس آیت میں عدمِ ذکر حیات قبر سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حاصل ہی نہ ہو البتہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حیات قبر کا تذکرہ کیا ہے۔ کیونکہ ''یُحْیِیْكُمْ'' میں حیات دائمی کا تذکرہ نہیں ورنہ ''ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ'' کہنا درست نہ ہوگا اس لیے کہ ''ثُمَّ'' تراخی کا تقاضا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع بغیر تراخی کے حیات دائمہ کے بعد حاصل ہے اگر آیت کو

Marfat.com

اس طریق سے حیات قبر پر دلیل بنائیں تو بھی قریب (درست) ہے۔

چوتھا مسئلہ: امام حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، کَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ، سے مراد عموم واکثریت ہے ورنہ بعض کی تین دفعہ موت ہے، جیسا کہ حکایت ہے:

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰى يُحْيِ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ (پ۳، البقرۃ:۲۵۹)	یا اس طرح جو گزرا ایک بستی پر اور وہ گری پڑی تھی اپنی چھتوں پر بولا اسے کیونکر زندہ کرے گا اللہ اس کی موت کے بعد تو اللہ نے سو برس مردہ رکھا پھر زندہ کیا
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ (پ۲، البقرۃ:۲۴۳)	اے محبوب کیا تو نے نہ دیکھا تھا جو اپنے گھروں سے نکلے تھے اور ہزاروں تھے موت کے ڈر سے تو اللہ نے ان سے کہا مر جاؤ پھر انہیں زندہ کیا
فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ (پ۱، البقرۃ:۵۵،۵۶)	تو تم کو کڑک نے آلیا اور تم دیکھ رہے تھے پھر مرنے کے بعد ہم نے تمہیں زندہ کیا۔
فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى (پ۱، البقرۃ:۷۳)	ہم نے کہا اس مقتول کو گائے کا ایک ٹکڑا مارو اللہ اسی طرح مردے کو زندہ کرے گا
وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا (پ۱۵، الکہف:۲۱)	اور اسی طرح ہم نے ان کی اطلاع کر دی کہ لوگ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کچھ شبہ نہیں۔

واقعہ حضرت ایوب علیہ السلام میں ہے:

وَاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ (پ۱۷، الانبیاء:۸۴)	اور ہم نے اسے اس کے گھر والے اور اتنے ہی ساتھ عطا کیے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کی موت کے بعد زندہ کر کے ان کے اہل کو لوٹا دیا۔

پانچواں مسئلہ: مجسمہ کے استدلال کا رد

مجسمہ نے ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (پھر تمہیں اس کی طرف لوٹایا جائے گا) سے یہ استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ مکان میں ہے لیکن یہ ضعیف ہے کیونکہ مراد یہ ہے کہ وہ اس کے حکم سے لوٹیں گے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تمام اہل قبور کو زندہ کر کے محشر میں جمع کرے گا

Marfat.com

اور یہ رجوع اللہ تعالیٰ کی ہی طرف ہے باقی، اِلَیۡهِ (اس کی طرف) اس لیے کہا کہ یہ رجوع ایسی جگہ کی طرف ہے یہاں دوسرے کا حکم نہیں چلتا، محاورہ ہے، رجع أمرہ الی الأمیر۔ یعنی ایسی جگہ کہ دوسرے کا حکم نافذ نہیں ہوسکتا۔

چھٹا مسئلہ: چند امور کا ثبوت

یہ آیت ان اُمور پہ دال ہے:

۱۔ یہ بتا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی زندگی اور موت دینے پر قادر نہیں لہٰذا اہلِ طبع کا یہ قول باطل ٹھہرا کہ حیات وموت میں، افلاک، کواکب، عناصر ومزاجات مؤثر ہیں جیسا کہ کچھ لوگوں سے منقول ہے:

اِنۡ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا نَمُوۡتُ وَنَحۡیَا وَمَا یُهۡلِکُنَاۤ اِلَّا الدَّهۡرُ (پ۲۵، الجاثیۃ:۲۴) مگر یہی ہماری دنیا کی زندگی کہ مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں ہلاک نہیں کیا مگر زمانے نے

۲۔ حشر ونشر کی صحت پہ دلیل ہوتے ہوئے بتا رہی ہے کہ دلیل عقل اس پر شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو پہلی دفعہ بعد از موت پیدا کیا ہے تو دوسری دفعہ بھی اس کا پیدا کرنا لازماً درست ہوگا۔

۳۔ یہ تکلیف، ترغیب وترہیب پہ بھی دال ہے۔

۴ یہ جبر وقدر پہ دال ہے جس کی تفصیل گزر چکی۔

۵۔ یہ دنیا سے بے رغبتی پہ دال ہے، فرمایا:

فَاَحۡیَاکُمۡ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡکُمۡ اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں موت دے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا

موت اٹل ہے

یعنی موت اٹل ہے پھر بتایا موت ہی نہیں بلکہ اس کی طرف لوٹنا ہے، موت کا اٹل ہونا یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے واضح کردیا کہ اس نے نطفہ کے بعد زندگی، احسن صورت، انسانیت، کامل عقل، مختلف النوع منافع ونقصانات سے جانچنے والا، اموال و اولاد اور محلات وقصور کا مالک بنایا پھر موت کی صورت میں یہ تمام زائل کردیے اور اب کسی شی کا مالک نہ رہا اور نہ دنیا پہ کوئی خبر رہی نہ اثر، مدت طویل قبر میں رہا، ارشاد فرمایا:

وَمِنۡ وَّرَآئِهِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ (پ۱۸، المؤمنون:۱۰۰) اور ان کے آگے ایک آڑ ہے قیامت کے دن تک

Marfat.com

آواز دو، جواب نہیں دے سکتا، بلاؤ کلام نہیں کرسکتا پھر اس کے قریبی قبر پر نہیں آتے حتیٰ کہ اہل و اولاد بھول جاتی ہے،

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی کی دُعا

شیخ یحییٰ بن معاذ رازی کہتے ہیں

یمر أقاربی بحذاء قبری کان أقاربی لم یعرفونی

(میری قبر کے پاس سے میرے قریبی یوں گزرتے ہیں کہ گویا وہ مجھے جانتے ہی نہیں)

یہ بھی عرض کیا: الٰہی، مجھے قبر میں دفن کر کے جنازہ میں آنے والے لوگ واپس ہوگئے، اس پر مسافر، اجنبیت کی وجہ سے روتا ہے اہلِ محبت کنارہ قبر سے پکار رہے ہیں، دشمن جزع کے وقت اس پر ترس کھا رہے ہیں اور دیکھنے والوں پر اس کا حیلہ و عجز مخفی نہیں میری اُمید سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ہم وہی کہیں جو تو کہتا ہے، میرے ملائکہ اس تنہا کو دیکھو جس سے قریبی دور ہو گئے تنہا ہے، اس کے محبین نے جفا کی اب یہ ہم سے قریب اور لحد میں اجنبی ہے، دنیا میں مجھ سے مانگنے والا اور میری ماننے والا، اس گھر میں آتے وقت میرے احسان کا امیدوار تھا، اے قدیم الاحسان وہاں مجھ پر احسان فرمانا اور اے وسیع مغفرت والے میری جو تیرے بارے میں امید ہے وہ عطا کر دینا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا

اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا تو یہ لابدی و ضروری یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ صور پھونکنے کا حکم دے گا۔

فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ ثُمَّ نُفِخَ فِیْہِ اُخْرٰی فَاِذَا ھُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ (پ۲۴، الزمر:۶۸)

تو بیہوش ہو جائیں گے جتنے آسمانوں میں اور جتنے زمینوں میں مگر جسے اللہ چاہے گا پھر وہ دوبارہ پھونکا جائے گا پھر وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے

یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا کَاَنَّھُمْ اِلٰی نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ (پ۲۹، المعارج:۴۳)

جس دن قبروں سے جھپٹے ہوئے نکلیں گے گویا وہ نشانوں کی طرف لپک رہے ہوں گے

پھر بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا جائے گا، ارشادِ الٰہی ہے:

وَعُرِضُوْا عَلٰی رَبِّكَ صَفًّا (پ۱۵، الکہف:۴۸)

اور سب تمہارے رب کے حضور صف در صف پیش ہوں گے

تو تمام خضوع و خشوع کی حالت میں کھڑے ہوں گے۔ فرمایا

Marfat.com

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا اور سب آوازیں رحمٰن کے حضور پست ہو کر رہ جائیں گی

(پ ۱۶، طٰہٰ ۱۰۸)

بارگاہِ الٰہی میں دعا

بعض نے یہ دعا کی، ہمارے الٰہ، جب ہم قبور سے غبار آلود سروں کے ساتھ اٹھیں، شدت خوف سے ہمارے چہرے متغیر ہوں، ہولِ قیامت سے ہمارے سر جھکے ہوں، طویل قیامت کی وجہ سے ہمارے بطون بھوکے، ہمارے جسم اہلِ موقف کے سامنے ننگے، بوجھ ہماری پشتیں توڑ رہے ہوں، ہم اپنے گناہوں پہ نادم اور معاملات پر پریشان ہوں تو ہم سے اعراض فرما کر ہمارے مصائب میں اضافہ نہ فرما، اے عظیم رحمت والے، اے وسیع مغفرت والے اپنی رحمت و مغفرت میں ہمیں شامل فرما۔

[۲۹] هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾

(وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے تمہارے لیے بنایا پھر آسمان کا قصد فرمایا تو ٹھیک سات آسمان بنائے اور وہ سب کچھ جانتا ہے)

دوسرا انعام

یہ دوسرا انعام ہے جو تمام مکلفین پر ہے، اللہ تعالیٰ نے کیا ہی خوبصورت ترتیب سے بیان کیا کیونکہ زمین و آسمان سے نفع حصولِ حیات و زندگی کے بعد ہی ہو سکتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے حیات کا ذکر کیا اس کے بعد آسمانوں اور زمین کا تذکرہ لایا۔

حکم ۱ فائدہ:

خَلَقَ کی تفسیر اُعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ کے تحت آ چکی

ارشادِ الٰہی "لَكُمْ" واضح کر رہا ہے کہ خلق کے بعد مذکور ہمارے دین و دنیا کے نفع کیلئے ہے، دنیا میں یوں کہ ہم اپنے ابدان کو درست رکھ سکیں تا کہ طاعات کی بجا آوری پر قوت رہے۔

دین میں یوں کہ ان اشیاء کے ساتھ استدلال و اعتبار کریں۔

Marfat.com

"مَا فِي الْاَرْضِ" میں تمام منافع کو جمع کر دیا، ان میں سے بعض حیوانات، نباتات، معدنیات اور جبال سے متصل ہیں بعض کا تعلق ان حرفتوں اور امور کے ساتھ ہے جن کا استنباط عقلاء نے کیا۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ ان کی خلقت تمہارے نفع کیلئے ہے جیسا کہ فرمان ہے:

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ — اور زمین وآسمان میں جو کچھ ہے تمہارے لیے مسخر کیا

(پ ۲۵، الجاثیہ:۱۳)

گویا اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے تم اللہ سے کیسے کفر کر سکتے ہو جبکہ تم اموات تھے اس نے تمہیں زندگی دی، تم اللہ سے کفر کیسے کر سکتے ہو کہ اس نے تمہارے لیے آسمانوں وزمین میں تمام کا تمام تمہارے نفع کیلئے پیدا کیا یا یوں کہا جائے گا تم اللہ تعالیٰ کی دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت کا انکار کیسے کرتے ہو۔ جبکہ تمہیں اس نے موت کے بعد زندہ کیا اور تمہارے لیے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے تو وہ تمہارے دوبارہ زندہ کرنے سے کیوں عاجز ہے؟

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان منافع کو مختلف سورتوں میں بیان کیا، مثلاً فرمایا:

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا (پ ۳۰، عبس:۲۵) — کہ ہم نے اچھی طرح پانی ڈالا

سورۃ "امر اللہ" کی ابتدا میں فرمایا

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ (پ ۱۴، النحل:۵) — اور چوپاؤں کو تمہارے لیے پیدا کیا

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: اللہ تعالیٰ کا فعل غرض سے پاک

اہلِ سُنّت کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فعل ہر غرض وفائدہ سے بالاتر ہوتا ہے اس لیے کہ اگر اس سے کوئی غرض وابستہ ہو تو لازم آئے گا اس سے اللہ تعالیٰ کو کمال حاصل ہو تو جو دوسرے سے کمال حاصل کرے وہ ذات میں ناقص ہوتا ہے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کے فعل کی غرض وفائدہ ہے ہاں وہ اسے نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کیلئے ہے؟

جواب: ۱۔ فائدہ دوسرے کو ہونا، کیا اس کا اللہ تعالیٰ کیلئے ہونے سے اولیٰ ہے یا اولیٰ نہیں؟ اگر اولیٰ ہے تو اللہ تعالیٰ کو نفع ہوا تو اب اعتراض باقی، اگر دوسری صورت ہے تو دوسرے کیلئے غرض مذکور کا حصول اللہ تعالیٰ کی غرض نہیں تو وہ اس میں مؤثر نہ ہوگا۔

Marfat.com

۲۔ جس کا فعل کسی غرض کی بنا پر ہو وہ اس فعل کے واسطہ کے علاوہ اس حصولِ غرض سے عاجز ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر عجز محال ہے
۳۔ اگر اس کے فعل کی غرض ہو تو اگر وہ غرض قدیم ہے تو وہ فعل کا قدیم ہونا ضروری اور اگر وہ حادث ہے تو اس غرض کیلئے فعل کسی اور غرض کیلئے ہوگا جس سے تسلسل لازم جو محال ہے۔
۴۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فعل کسی غرض کیلئے ہو تو وہ مکلفین کی مصلحت ہی ہو سکتی ہے۔ تو اگر اس کا فاعل ہونا اس (مصلحت) پر موقوف ہے تو وہ ایسا فعل نہ کرتا جو مکلفین کے حق میں نقصان دہ ہے۔ حالانکہ ایسا اس نے کیا مثلاً اسے ایمان کا مکلف بنایا جس کے ایمان نہ لانے کو وہ جانتا ہے۔

لام میں گفتگو

اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی:

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا — جو کچھ زمین میں ہے سارے کا سارا تمہارے لیے پیدا کیا۔

اور

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ — اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف عبادت کیلئے پیدا کیا۔

(پ۲۷، الذاریات: ۵۶)

میں لام پہ گفتگو کرتے ہوئے اہلِ سُنّت نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو فعل کیا، اگر اسے کوئی اور کرتا تو اس شی کی کوئی غرض ضرور ہوتی، تو اللہ تعالیٰ نے اس مشابہت کی وجہ سے لفظ غرض "لکم" استعمال فرمایا۔

دوسرا مسئلہ: اہلِ اباحت کا استدلال

اہلِ اباحت نے اس ارشادِ الٰہی

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا — تمہارے لیے پیدا کیا جو زمین میں ہے تمام

سے اس پر استدلال کیا کہ ہر شی ہر ایک کیلئے ہے لہٰذا کوئی شی کسی کے ساتھ مخصوص نہیں۔

لیکن یہ ضعیف ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کل کا کل کے ساتھ مقابل بیان کیا اس سے مراد، فرد کا فرد سے مقابلہ ہوتا ہے اور تعین و تخصیص کیلئے الگ دلیل ہوگی، فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ استدلال کیا کہ منافع میں اصل اباحت ہے جسے ہم نے اصول فقہ میں بیان کر دیا ہے۔

Marfat.com

تیسرا مسئلہ: مٹی کھانے کا شرعی حکم

بعض اہل علم نے کہا کہ یہ آیت بتا رہی ہے کہ مٹی کھانا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے زمین نہیں بلکہ جو کچھ اس میں ہے وہ پیدا کیا ہے لیکن اس پر یہ کہا جا سکتا ہے ان میں وہ بھی شامل ہیں جو زمین کا حصہ اور اس کے اندر ہیں تو اس سے دونوں مراد ہیں مثلاً معدنیات اس کا حصہ ہیں، اسی طرح عروق زمین اور اس طرح کی دیگر اشیاء بھی اس کا حصہ ہی ہیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ کسی شی کا ذکر دوسرے سے نفی کا حکم نہیں ہوتا۔

چوتھا مسئلہ: ارشادِ مقدس خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا' بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر حاجت سے پاک و بالاتر ہے ورنہ وہ ان تمام اشیاء کو اپنے لیے بناتا نہ کسی دوسرے کیلئے۔

ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَاءِ، کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: کلام عرب میں کبھی استوا کا معنی سیدھا کھڑا ہونا ہے جس کی ضد ٹیڑھا ہونا ہے اور جب یہ صفت اجسام ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے منزہ و پاک ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ خود آیت مبارکہ اس مفہوم کے خلاف ہے الفاظ میں 'ثُمَّ اسْتَوٰى'' جو تراخی کا تقاضا کرتا ہے اگر مراد استوا سے بلند مکان سے تو یہ بلندی و علو پہلے حاصل ہوتا، اگر یہ اولاً حاصل تھا تو یہ، خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ سے متاخر کیوں ہوتا۔ حالانکہ ثُمَّ اسْتَوٰى کے الفاظ تاخیر کا تقاضا کر رہے ہیں۔

یہ ثابت ہونے کی بنا پر یہ تاویل لازم ہے اور اس کی تفصیل یوں ہے استوا کا معنی استقامت اور سیدھا ہونا، جب لکڑی سیدھی ہو تو 'استوى العود' کہا جاتا ہے۔ جب کوئی نشانے کا ارادہ کرے اور دوسری کسی طرف وہ متوجہ نہ ہو تو 'استوٰى اليہ' کہا جاتا ہے۔ اس سے بطور استعارہ ہے، ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَاءِ یعنی زمین کے بعد اس نے آسمان پیدا کیا اور ان کے درمیان کوئی زمانہ نہیں زمین کی تخلیق کے بعد اس نے کسی اور شی کا ارادہ نہیں فرمایا۔

دوسرا مسئلہ: ارشادِ مبارک، هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَاءِ' کی تفسیر یہ آیت مبارکہ ہے۔

Marfat.com

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ (پ۲۴،فصلت:۹-۱۰)

تم فرماؤ کہ تم لوگ اس کا انکار کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین بنائی اور اس کا ہمسر ٹھہراتے ہو وہ سارے جہاں کا رب ہے اور اس میں اس کے اوپر سے لنگر ڈالے اور اس میں برکت رکھی اور اس میں اس کے لینے والوں کی روزیاں مقرر کیں یہ سب ملا کر چار دن، پوچھنے والوں کو ٹھیک جواب

یعنی دو دنوں میں تقدیر ارض اور دوسرے دنوں میں تقدیر اقوات کیا جیسے کوئی کہے میں کوفہ سے مدینہ طیبہ بیس دنوں میں اور مکہ تیس دنوں میں گیا تو اس کی مراد تمام وقت کا بیان ہے، پھر دوسرے دو دنوں میں آسمان تخلیق فرمایا تو اس کا مجموعہ چھ دن ہوئے اس کا بیان یوں کیا:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ (پ۹،الاعراف:۵۴)

اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا

تیسرا مسئلہ: زمین کی پہلے تخلیق پر استدلال

بعض ملحدین نے کہا، یہ آیت بتا رہی ہے کہ زمین کی تخلیق، آسمان کی تخلیق سے پہلے ہے اس طرح یہ آیت بھی

اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ (پ۲۴،فصلت۹-۱۱)

کیا تم اس کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا

سورۃ النازعات میں ہے:

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰىهَا رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا (پ۳۰،النازعات:۲۷-۳۰)

کیا تمہاری سمجھ کے مطابق تمہارا بنانا مشکل یا آسمان کا اللہ نے اسے بنایا اس کی چھت اونچی کی پھر اسے ٹھیک کیا اس کی رات کی اندھیری کی اور اس کی روشنی چمکائی اور اس کے بعد زمین پھیلائی

تو یہ آیت بتا رہی ہے کہ زمین کی تخلیق، آسمان کی تخلیق کی بعد ہے۔ (یعنی آیات میں بظاہر تعارض ہے)

جوابات

اہل علم نے متعدد دلائل سے اس کا جواب دیا ہے۔

Marfat.com

۱۔ زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی مگر اسے، تخلیقِ آسمان کے بعد پھیلایا گیا، کیونکہ 'دحیہ'' پھیلانے کو کہا جاتا ہے۔

سوال: یہ امر دو وجہ سے مشکل ہے۔

۱۔ زمین جسم عظیم ہے اس کے پھیلاؤ کا اس کی تخلیق سے جدا ہونا محال تو جب اس کا پھیلاؤ تخلیق آسمان کے بعد ہے تو اس کی تخلیق بھی یقیناً تخلیقِ آسمان سے متاخر ہوگی۔

۲۔ ارشادِ الٰہی

خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے تمام پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا

واضح کر رہا ہے کہ زمین کی تخلیق اور جو کچھ اس میں ہے کی تخلیق، آسمانی تخلیق سے مقدم ہے لیکن زمینی اشیاء کی تخلیق تو پھیلاؤ سے پہلے ممکن نہیں تو اس آیت کا تقاضا یہی ہے کہ زمین کا پھیلاؤ بھی آسمانی تخلیق سے پہلے ہو تو اب تضاد ثابت ہے۔

جواب: ارشادِ باری تعالیٰ

وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا (پ۳۰، النازعات:۳۰) اور اس کے بعد زمین کو پھیلایا

کا تقاضا یہ ہے کہ آسمان کی تخلیق، زمین سے پہلے ہے لیکن اس کا یہ تقاضا نہیں کہ آسمان کا تسویہ، خلق زمین سے پہلے ہے تو اب تناقض ختم۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا فرمان

أَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ بَنَاهَا رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوَّاهَا کیا تمہارا پیدا کرنا مشکل یا آسمان کا اللہ نے اسے بنایا اس کی چھت کو اونچا کیا پھر اسے ٹھیک کیا (پ۳۰، النازعات:۲۷، ۲۸)

کا تقاضا یہ ہے کہ آسمان کی تخلیق اور اس کا تسویہ زمین کے پھیلاؤ سے پہلے ہو لیکن زمین کا پھیلاؤ تخلیقِ ذات زمین کو لازم ہے کیونکہ ذات آسمان اور اس کا تسویہ ذات زمین سے مقدم ہے تو اب سوال پھر لوٹ آئے گا۔

۲۔ جواب صحیح یہ ہے کہ ثُمَّ اس آیت میں ترتیب کیلئے نہیں یہاں صرف متعدد انعامات کیلئے آیا ہے۔ جیسے کوئی آدمی دوسرے سے کہے۔ کیا میں نے تجھے عظیم نعمتیں عطا نہیں کیں، تیری قدر بلند کی پھر تیرا دشمنوں سے دفاع کیا، ممکن ہے بعض اوقات ذکر میں مؤخر شی مقدم ہوتی ہے جیسا کہ یہاں ہوا ہے۔ واللہ أعلم

Marfat.com

چوتھا مسئلہ: فَسَوّٰھُنَّ میں ضمیر مبہم ہے سبع سموات اس کی تفسیر ہے مثلاً ربه رجلاً اس کا فائدہ یہ ہے کہ مبہم کو جب واضح کیا جاتا ہے تو وہ اولاً واضح ہونے سے زیادہ اعظم و منظم ہوتا ہے کیونکہ جب اس میں ابہام تھا تو نفوس اس پر اطلاع کے خواہاں ہوتے ہیں تو اس کے بعد بیان، بیماری کے بعد شفاء کا درجہ رکھتا ہے۔

بعض کے نزدیک ضمیر سماء کی طرف ہے اور سماء معنی جنس میں ہے بعض نے اسے سماءۃ کی جمع کہا، راجح وجہ اول ہے۔

تسویہ کا معنی ان کی خلقت کا درست، ٹیڑھ پن اور نقص وعیب سے خالی ہونا اور ان کی تخلیق کا مکمل کرنا ہے۔

پانچواں مسئلہ: سات آسمانوں کا وجود

یہاں قرآن یہ بتا رہا ہے آسمان سات ہیں، اصحاب ہیئت کہتے ہیں ہمارے سب سے قریب کرہ قمر ہے اس سے اوپر کرہ عطارد پھر کرہ زہرہ پھر کرہ شمس پھر کرہ مریخ پھر کرہ مشتری پھر کرہ زحل ہے۔

اسی ترتیب کی معرفت دو طریق سے ہے۔

۱۔ الستر، وہ یہ ہے کہ کوکب اسفل جب ہماری آنکھوں کے سامنے اور کوکب عطارد کے درمیان گزرتا ہے تو وہ دونوں ایک ہی کوکب کی طرح ہو جاتے ہیں تو ساتر، مستور سے غالب ہونے کی وجہ سے ممتاز ہو جاتا ہے مثلاً سرخی مریخ، صفرہ عطارد، بیاض زہرہ اور زردی مشتری اور کدورت زحل۔

جیسا کہ قدماء نے قمر کو کواکب ستہ کو بے نور، کوکب عطارد اور کوکب زہرہ کو، زہرہ و مریخ کو بے نور کرتے پایا، اسی ترتیب کا لحاظ اس پہ دال ہے کہ شمس، قمر سے فوق ہے کیونکہ قمر اس کی وجہ سے بے نور ہو جاتا ہے لیکن اس سے اس کا باقی سیارگان کے تحت یا فوق ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ اس سے ان میں کوئی بھی بے نور نہیں ہوتا اس لیے کہ اس کے بوقت طلوع باقی کواکب مضمحل ہوتے ہیں تو اب انہوں نے دو طریق بیان کیے ہیں۔

۱۔ بعض نے کہا، انہوں نے زہرہ کو صحیفہ شمس پر تل کی طرح دیکھا لیکن یہ ضعیف ہے اس لیے کہ بعض نے یہ خیال کیا کہ چہرہ شمس پہ تل ہے جیسا کہ وجہ قمر پر محو ہے۔

۲۔ اختلاف منظر، قمر، عطارد اور زہرہ میں محسوس ہوتا ہے لیکن مریخ، مشتری اور زحل میں نہیں ہوتا ہے لیکن حق شمس میں بہت ہی کم تو شمس ان دونوں کے درمیان ہوا، اکثریت کا یہی قول ہے البتہ ابوریحان نے فصول فرغانی کی تلخیص میں لکھا اختلاف منظر صرف قمر میں محسوس ہوتا ہے تو یہ تمام وجوہ باطل اور موضع شمس کا مشکوک ہونا باقی رہ گیا۔

Marfat.com

افلاک کا نو ہونا

اصحاب رصدگاہ اور اربابِ ہیئت کہتے ہیں افلاک نو ہیں، سات جن کا ذکر اوپر آیا آٹھواں جس میں ان کواکب کا اثبات ہے اور نواں، فلک اعظم جو ہر دن ورات میں تقریباً پورا چکر کاٹتا ہے۔

آٹھویں فلک کے اثبات پر دلیل یہ دی کہ ہم ان کواکب ثابتہ کیلئے سست حرکت پاتے ہیں اور یہ ثابت ہے کہ کواکب کی حرکت اپنے فلک کی بنا پر ہی ہوتی ہے حالانکہ دیگر افلاک جو ان سیارگان کے حامل ہیں ان کی حرکت تیز ہے لہٰذا ایک اور جسم کا ہونا ضروری ہے جس کی حرکت سست ہو اور ان ثوابت کا حامل ہو۔

یہ دلائل ضعیف ہیں

یہ دلائل کئی وجوہ سے کمزور ہیں:

۱۔ یہ کیوں ممکن نہیں کہ یہ کواکب کسی دوسرے جسم میں مرکوز ہوئے بغیر خود ہی متحرک ہوں اور اس احتمال کو فاسد ثابت نہیں کیا جاسکتا، جب تک مختار کا فساد ثابت نہ ہو ورنہ اس کے بغیر لایعنی بات ہوگی۔

۲۔ ہم اسے تسلیم کرلیتے ہیں لیکن یہ کیوں جائز نہیں کہ یہ کواکب سیارگان کے ممثلات میں مرکوز ہوں اور سیارگان اپنے حوامل میں مرکوز ہوں تو اب آٹھویں آسمان کے اثبات کی ضرورت ہی نہیں۔

۳۔ یہ کیوں جائز نہیں کہ یہ فلک، فلک قمر کے تحت ہو تو اب یہ سیارات کے کروں کے تحت ہوگا نہ کہ ان کے اوپر

سوال: ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ یہ سیارات، ان ثوابت کو بے نور کردیتے ہیں اور تکاسف (بے نور ہونا) لازماً مکسوف کے تحت ہوتا ہے

جواب: یہ سیارات، منطقہ کے قریب ثوابت کو بے نور کرتے ہیں رہے قطبین کے قریب ثوابت تو انہیں ایسا نہیں کرتے۔

تو کیوں ممکن نہیں کہ منطقہ سے قریب یہ ثوابت آٹھویں اس فلک میں مرکوز ہوں جو کرّہ زحل سے اوپر ہے اور قطبین سے قریب ثوابت جو سیارات سے بے نور نہیں ہوتے کرہ قمر کے تحت کسی اور کرہ میں مرکوز ہوں اور اس احتمال کا دفاع وازالہ ممکن نہیں

پھر ہم یہ تسلیم کرلیتے ہیں کہ افلاک نو ہیں جیسے تمہاری تحقیق ہے لیکن دسویں فلک کی نفی پر تمہارے پاس کونسی دلیل ہے؟ زیادہ سے زیادہ تم یہی کہو گے کہ رصد کی دلالت صرف اسی پر ہے اور عدم دلیل عدم مدلول پہ دال نہیں اور اسے محقق وثابت یہ بات کرتی ہے کہ ان میں سے بعض محققین نے کہا، مجھ پر آج تک ابھی یہ واضح نہیں ہوا ہے کہ کرۂ ثوابت، کرۂ واحدہ ہے یا وہ مختلف کرات پر مشتمل ہے۔

Marfat.com

میں کہتا ہوں یہ احتمال ثابت وواقع ہے کیونکہ جس نے بھی کرۂ ثوابت کی وحدت پر استدلال کیا اس نے یہی کہا کہ ان کی حرکات متشابہ ہیں۔

جب صورت حال یہی ہے تو یہ کرۂ واحد ہی میں مرکوز ہوں گے اور یہ دونوں مقدمات غیر یقینی ہیں۔

پہلا مقدمہ: ان کی حرکات اگرچہ حساً واحد ہیں لیکن ممکن ہے کہ حقیقۃً ایک نہ ہو کہ مثلاً ان میں سے ایک بالفرض چھتیس ہزار سال میں دور مکمل کرے جبکہ دوسرا اس مدت سے ایک سال کم میں کرے جب اس کمی اور نقصان کو ان تمام سالوں پر تقسیم کریں تو یہ ہزار میں تیسرا اور دوسو میں سے ایک جز ہوگا اور اتنی سی کمی بلکہ اس کے سوا اور ہزار سال کی کمی بھی محسوس ہی نہیں ہوتی تو جب ۱۲ میں احتمال ہے تو ان ثوابت کی حرکات کا برابر ہونا قطعی نہ رہا۔

دوسرا مقدمہ: حرکات ثوابت کا مقدار حرکت میں برابر ہونا ان تمام کے کرہ واحدہ میں مرکوز ہونے کا موجب نہیں اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ متخالف کروں میں مرکوز ہوں اگرچہ مقادیر حرکت میں برابر ہوں، یہ معاملہ یوں ہی ہے جیسا کہ ممثلات اکثر کواکب میں ان کا قول ہے کہ یہ حرکات میں فلک ثوابت کے برابر ہیں تو اس طرح کا معاملہ یہاں ہے۔

میں کہتا ہوں اس قائل نے جو احتمال ذکر کیا ہے یہ فلک ثوابت سے ہی مختص نہیں۔ ممکن ہے جرم متحرک حرکت یومیہ میں واحد نہ ہو بلکہ وہ کثیر اجرام ہوں اور ان میں حرکات مختلف ہوں لیکن تفاوت قلیل ہو ہماری عمریں اور رصدگاہیں ان کے ادراک کیلئے کافی نہ ہوں یا وہ مساوی ہوں لیکن ان کا مساوی ہونا ان کی وحدت کا متقضی نہیں۔

اور بھی افلاک ہیں

بعض اصحاب ہیئت کہتے ہیں ان نو کے علاوہ بھی افلاک ہیں کیونکہ کچھ نے کرہ ثوابت کے اوپر اور فلک اعظم کے نیچے ایک کرہ مانا ہے ان کے دلائل یہ ہیں۔

۱۔ سائنس دان، میل اعظم کو مختلف المقدار پاتے ہیں تو جس کی رصدگاہ اقدم ہے وہ مقدار میل کو اعظم پاتا ہے مثلاً بطلیوس نے لح یا، پایا (جو 549 سے عبارت ہے) زمانہ مامون کے دور میں کح لہ ہے (اس کا عدد 63 بنتا ہے) پھر مامون کے بعد دقیقہ میں تناقض ہوا تو اس کا تقاضا یہی ہے کہ سائنس دان ان دونوں کا میل کبھی کم پاتے ہیں اور کبھی زیادہ، یہ تب ممکن ہے جب کرہ الکل اور کرہ ثوابت میں ایک اور کرہ ہو جس کے دونوں قطب کرہ کل کے قطبین کے گرد دور کریں اور کرہ ثوابت کے دونوں قطب اس کرہ کے دونوں قطب اس کرہ کے دونوں قطبوں کا چکر کاٹیں تو کبھی اس کا ایک قطب جانب شمال نیچے

Marfat.com

اور کبھی جانب بلند ہوگا تو اس سے لازم آیا کہ؟ نہار منطقہ بروج پر منطبق ہو اور اس سے کبھی جنوب کی طرف جدا ہو جبکہ قطب فلک ثوابت جنوب کی طرف ہو اور کبھی شمال کی طرف ہو جیسے کہ اب ہے۔

۲۔ اصحاب رصدگاہ، مقدار رفتار شمس میں بہت پریشان ہیں اس کی تفصیل کتب نجوم میں ہے حتیٰ کہ بطلیموس نے ابرخیس سے نقل کیا کہ انہیں اس میں شک تھا کہ اس کا چکر برابر اوقات میں ہوتا ہے یا مختلف اوقات میں، انہیں کے بعض اقوال میں یہ ہے کہ یہ مختلف ہیں اور بعض میں مساوی ہے، لوگوں کے سبب اختلاف میں دو اقوال ہیں۔

پہلا قول: ان کا قول ہے جو اوج شمش کو متحرک مانتے ہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ اس جہت سے حرکت شمس میں اختلاف ہے اوج سے دور ہونے کی وجہ سے وہ نقطہ اعتدال سے مختلف ہے تو اس کی وجہ سے رفتار شمس کے وقت میں اختلاف ہے۔

دوسرا قول: اہل ہند، چین، بابل، قدماء روم کی اکثریت، مصر، شام کا قول یہ ہے اس میں سبب، فلک بروج کا انتقال، ارتفاع قطب اور انحطاط کی بنا پر ہے۔

ابرخیس سے منقول ہے کہ وہ اس رائے کو قبول کرتا ہے، بار یاء سکندرانی نے لکھا، اصحاب طلسمات بھی اسے مانتے ہیں، نقطہ فلک بروج اپنی جگہ سے آگے ہو تو آٹھ درجے پیچھے جاتا ہے۔

وہ کہتے ہیں ابتدا حرکت کب، حوت سے اول حمل کا درجہ ہے۔

واضح رہے یہ خبط و پریشانی واضح کر رہا ہے کہ عقول بشری ان اشیاء کا ادراک نہیں کر سکتیں اور اس کا کامل و محیط علم، ان کے خالق و فاطر کا ہی ہے لہٰذا دلائل سمعیہ پر اکتفاء لازم ہے۔

سوال: کیا کوئی ایسی نص ہے جو بتائے کہ آسمان سات ہی ہیں ان سے زائد نہیں؟

جواب: حق یہی ہے کہ مخصوص عدد کا ذکر، نفی زائد پر دال نہیں ہوا کرتا۔

چھٹا مسئلہ: اللہ تعالیٰ کا علم محیط

ارشادِ الٰہی ''وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ'' واضح کر رہا ہے اللہ تعالیٰ کا زمین اور آسمان ''وَمَا فِیْھِمَا'' اور عجائب و غرائب کا پیدا کرنا تبھی ممکن ہے کہ وہ ان تمام جزئیات وکلیات کا علم محیط رکھتا ہو، اس سے چند اور مسائل آشکار ہو جاتے ہیں۔

۔ قول فلاسفہ کی تردید کہ اللہ تعالیٰ جزئیات کا علم نہیں رکھتا، تو متکلمین کا قول درست ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے جزئیات کا علم رکھنے پر یوں استدلال کیا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان اجسام کا بطور احکام و اتقان خالق و فاعل ہے اور اس طرح ہر فاعل کا

عل قدیر

Marfat.com

اپنے فعل کا علم ہونا ضروری ہے اور یہی دلیل اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان کی ہے وہ یوں کہ پہلے اس نے آسمانوں وزمین کی تخلیق ذکر کی پھر اس پر اپنا عالم ہونا متفرع کیا جس سے واضح ہو گیا متکلمین کا یہ مذہب اور استدلال قرآن مجید کے مطابق ہے

۲۔ قول معتزلہ کی تردید کہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ شی بطور تقدیر وتحدید خالق، اس فعل اور اس کی تفصیل کا علم ضروری ہے کیونکہ خالق ہی کسی قدر کے ساتھ مخصوص کرتا ہے اور یعنی قدر کی تخصیص کیلئے ارادہ ضروری ہے ورنہ مرجح کے بغیر ترجیح ہوگی اور ارادہ، علم کے ساتھ مشروط ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا خالق شیٔ، اس کی تفصیل سے آگاہ ہوتا ہے، اب اگر بندہ اپنے افعال کا مرجح ہو تو یہ ان کا اور ان کی تفصیل، عدد، کمیت وکیفیت سے ضروری آگاہ ہوگا جب اسے یہ علم حاصل نہیں تو آشکار ہو گیا کہ وہ خود موجد نہیں

۳۔ معتزلہ کا کہنا ہے جب ہم مذکور آیت اور، وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ، دونوں کے سامنے لاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا بذاتہ عالم ہونا آشکار ہوتا ہے۔

جواب: ارشادِ الٰہی:

وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ (پ۱۳، یوسف ۷۶) ہر علم والے سے اُوپر علم والا ہے

عام ہے۔ جبکہ:

اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ (پ۶، النساء:۱۶۶) وہ اس نے اپنے علم سے اُتارا

خاص ہے اور خاص، عام سے مقدم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۳۰] وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰

(اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں بولے کیا اِسے بنائے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خونریزیاں کرے گا ہم تیری حمد کرتے ہوئے تیری تسبیح کرتے ہیں اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں فرمایا مجھے معلوم ہے جو تمہیں معلوم نہیں)

تیسرا انعام

یہ آیت مبارکہ سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی عزت وعظمت کی تفصیل پر مشتمل ہے تو یہ تمام اولاد آدم پر انعام عام ہے تو یہ یہاں ذکر کردہ نعمتوں میں سے تیسری ہے۔ یہاں چند مسائل ہیں

Marfat.com

پہلا مسئلہ: "اِذْ" میں دو اقوال

۱۔ یہ بطور صلہ زائد ہے کیونکہ ایسا تکلم عربوں کی عادت ہے اور قرآن کا نزول لغت عرب میں ہے۔

۲۔ حق یہ ہے کہ قرآن میں ایسا کوئی کلمہ نہیں جس کا معنی نہ ہو۔ یہ محذوف "اُذْکُر" (یاد کرو) کی وجہ سے منصوب ہے معنی یہ ہے انہیں یاد دلاؤ جب تمہارے رب نے ملائکہ سے فرمایا۔

تو "اُذْکُر" کو دو امور کی وجہ سے محذوف کر دیا۔

۱۔ معنی معروف ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ مثلاً

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ (پ ۲۶ الاحقاف: ۲۱) اور یاد کرو عاد کے ہم قوم کو جب اس نے ان کو سرزمین احقاف میں ڈرایا

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ (پ ۲۳ ص: ۱۷) اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ (پ ۲۲ یٰسین: ۱۳، ۱۴) اور ان سے نشانیاں بیان کرو اُس شہر والوں کی جب ان کے پاس آئے فرستادے (رسول) جب ہم نے ان کی طرف دو بھیجے۔

اور تمام قرآن کلمہ واحد کی طرح ہے اور ممکن ہے ان مقامات کا نزول اس سورت سے پہلے ہو لہٰذا اسی کا ذکر دیگر تصریحات کی وجہ سے ترک کر دیا۔

صاحب کشاف کا کہنا ہے اس کا 'قالوا' کی وجہ سے منصوب ہونا بھی ممکن ہے۔

دوسرا مسئلہ: الملك کا مفہوم

الملك، کا معنی رسالت و پیغام، الكنى اليه کا معنی ہے اس نے مجھے فلاں کی طرف بھیجا۔ المالکہ اور 'الالُوکۃ" کا معنی بھی پیغام رسانی ہے۔ اصل ہمزہ کے ساتھ ملائکہ ہے ہمزہ حذف کر کے اس کی حرکت ماقبل کو دی تا کہ کثرت استعمال کی وجہ سے خفت ہو جائے۔ صاحب کشاف کہتے ہیں، الملائك، اصل ملائك کی جمع ہے جیسے شمال کی جمع شمائل ہے، تا، تانیث جمع کی وجہ سے ہے

تیسرا مسئلہ: ملائکہ پر گفتگو

کچھ لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ملائکہ پر گفتگو انبیاء علیہم السلام سے مقدم ہونی چاہئے اور اس کی دو وجوہات ہیں۔

Marfat.com

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء پر ایمان سے پہلے ملائکہ پر ایمان کا ذکر کیا ہے۔

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ اور ایمان والے سب نے مانا اللہ اور اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو (پ۳، البقرۃ:۲۸۵)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِبْدَؤُا بِمَا بَدَاَ اللّٰهُ بِهٖ اسی سے ابتدا کرو جس سے اللہ نے ابتدا کی

(النسائی:۲۹۶۱)

۲۔ فرشتہ، تبلیغ وحی و شریعت میں اللہ تعالیٰ اور رسول کے درمیان واسطہ ہے لہٰذا وہ رسول سے مقدم ہوگا۔

حضرات انبیاء پر گفتگو

دوسرا قول یہ ہے کہ انبیاء پر گفتگو، ملائکہ سے پہلے ہونی چاہئے کیونکہ وجودِ ملائکہ کی معرفت عقلاً نہیں شرعاً ہے۔ تو نبوت میں کلام، ملائکہ میں کلام کی اصل ہے لہٰذا نبوات میں گفتگو اولاً ضروری ٹھہری

تو یوں کہنا اولیٰ ہے کہ واقع میں فرشتہ کا نبی سے پہلے شرف و مرتبہ ہے لیکن ہمارے اذہان وافکار اور عقول میں نبی کے بعد ہے

واضح رہے عقلاء کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ عالم علوی کو شرف و مرتبہ وہاں وجود ملائکہ کی وجہ سے ہے۔ جس طرح عالم سفلی کا مرتبہ وجود انسان سے ہے۔

ملائکہ کی حقیقت

باقی ملائکہ کی حقیقت اور ماہیت میں اختلاف ہے، ضبط مذاہب یوں ہے کہ ملائکہ یہی ذوات ہیں جو قائم بنفسہ ہیں پھر یہ ذوات متحیزہ (محتاجِ محل) ہیں یا نہیں؟

اول، اگر ملائکہ متحیز ہیں تو یہاں چند اقوال ہیں۔

پہلا قول: یہ لطیف و ہوائیہ اجسام ہیں جو مختلف اشکال میں ظاہر ہو سکتے ہیں اور ان کا مسکن آسمان ہے مسلمانوں کی اکثریت کا یہی قول ہے۔

۲۔ بُت پرستوں کی جماعت کا قول ہے کہ حقیقت میں ملائکہ، کواکب ہی ہیں جو سعادت و نحوست سے متصف ہیں کیونکہ یہ کواکب کو زندہ ناطق مانتے ہیں، سعادت دینے والے ملائکہ رحمت اور نحوست پہنچانے والے ملائکہ عذاب کہلاتے ہیں۔

Marfat.com

۳۔ مجوسی اور ثنویہ یہ کہتے ہیں، یہ عالم ان دو اصلی ازلی اشیاء سے مرکب ہے۔ نور، ظلمت، اور یہ دونوں حقیقت میں جوہر، شفاف، مختار قادر، صورت ونفس میں متضاد اور فعل وتدبیر میں مختلف ہیں، جوہر نور، فاضل، خیر، صاف، صاحب خوشبو، کریم النفس اور آسانی ہے، نقصان دہ نہیں۔ نفع مند ہے، مانع نہیں، زندہ مگر بوسیدہ نہیں ہوتا اور جوہرِ ظلمت اس سے متضاد ہے۔

جوہر نور، اولیاء کو جنتا ہے جو ملائکہ ہیں بطور نکاح نہیں بلکہ جس طرح حکیم سے حکمت اور، چراغ سے روشنی ہوتی ہے، جوہر ظلمت، اعداء پیدا کرتا ہے جو شیاطین ہیں یہ بھی بطور نکاح نہیں بلکہ جیسے بے وقوف سے پاگل پن کا اظہار ہوتا ہے۔

یہ ان کے اقوال ہیں جو ملائکہ کو متحیزہ اور اجسام مانتے ہیں۔

دوسرا قول: ملائکہ ایسی ذوات ہیں جو خود بخود قائم ہیں لیکن متحیزہ اور اجسام نہیں تو یہاں دو اقوال ہیں۔

۱۔ جماعت نصاریٰ کہتی ہے ملائکہ در حقیقت نفوس ناطقہ، ابدان سے بطور حسن وخیر جدا ہیں اور یہ نفوس مفارقہ اگر صافیہ وخالص ہوں تو ملائکہ اور اگر خبیثہ اور گندے ہوں تو شیاطین۔

۲۔ فلاسفہ کا قول یہ ہے جواہر قائم بنفسہا ہیں اور ہرگز متحیزہ نہیں اور یہ ماہیت میں بشری نفوس ناطقہ کے مخالف ہیں اور یہ ان سے قوت میں اکمل اور علم میں اکثر ہوتے ہیں اور یہ نفوس بشری کیلئے اسی طرح ہیں جیسے شمس، روشنی کیلئے ہے۔

جواہر کی دو اقسام

ان جواہر کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ ان میں سے بعض کا اجرامِ فلکیہ اور کواکب کے ساتھ وہی رشتہ ہے جو نفوس ناطقہ کا ہمارے ابدان کے ساتھ ہے۔

۲۔ کچھ کا تدبیرِ افلاک سے تعلق نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت، معرفت اور اس کی طاعت میں مشغول ہوتے ہیں یہی ملائکہ مقربین ہیں اور ان کی نسبت آسمان میں تدبیر کرنے والوں کے ساتھ اس طرح ہے جیسے ان مدبرین کی ہمارے نفوس ناطقہ سے ہے

ان دونوں اقسام کے وجود پہ فلاسفہ متفق ہیں:

بعض نے ان کے علاوہ بھی انواعِ ملائکہ ثابت کی ہیں اور وہ زمینی ملائکہ ہیں جو اس عالم سفلی کے احوال میں تدبیر کرتے ہیں، اس عالم کے مدبرات اگر خیر ہیں تو ملائکہ اگر شریر ہیں تو شیاطین، ملائکہ کے بارے میں مذاہب کی تفصیل یہی ہے۔

فرشتوں کا عقلاً وجود

اہل علم کا اختلاف ہے کہ عقلاً فرشتوں کا وجود ثابت ہو سکتا ہے یا ان کے ثبوت کا طریقہ سمع وشریعت ہی ہے۔ فلاسفہ کہتے ہیں عقلی طور پر وجود ملائکہ پر دلائل موجود ہیں، ہمارے ان دلائل میں اُن کے ساتھ بڑے ہی اہم وعمیق مباحث ہیں۔

Marfat.com

دلائل عقلیہ

بعض نے کچھ دلائل عقلیہ مسکتہ (خاموش کروا دینے والے) ذکر کیے ہیں ہم ان کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔

۱۔ ملک سے مراد ایسا زندہ ناطق ہے جو میت نہیں کیونکہ، تقسیم عقلی تین وجود کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ زندہ چیز ناطق و میت دونوں ہوگی، یہ انسان ہے یا میت ہوگی ناطق نہ ہوگی یہ بہائم یا وہ ناطق ہوگی مگر میت نہ ہوگی یہ فرشتے، بلاشبہ سب سے اخس و کم درجہ میت غیر ناطق کا ہے، اوسط درجہ ناطق میت کا اور اعلیٰ درجہ ناطق کا ہے جو میت نہیں، جب حکمت الٰہیہ کا تقاضا سب سے کم اور اوسط درجہ کی تخلیق ہے تو اشرف و اعلیٰ درجہ کی تخلیق بطریق اولیٰ اس کا تقاضا ہوگا۔

۲۔ فطرت گواہ ہے عالم سمٰوات، اس عالم سفلی سے اعلیٰ ہے، اس کی یہ گواہی بھی ہے کہ زندگی، عقل اور نطق اپنے اضداد اور مقابل سے اشرف ہیں تو عقلاً یہ بات بعید ہے اس عالم مکر و ظلمانی میں حیات، عقل اور نطق حاصل ہوں مگر اس عالم ضوء اور نور و شرف میں یہ حاصل نہ ہوں۔

۳۔ اصحاب مجاہدات نے ملائکہ کو بطور مشاہدہ و مکاشفہ بھی ثابت کیا ہے۔ اصحاب حاجات و ضروریات نے انہیں ایک اور جہت سے ثابت کیا وہ یوں کہ انہوں نے علاج نادر و غریب، معجونات کی ترکیب اور صنعت تریاق کے استخراج میں مشاہدہ کیا، ان دلائل میں سے سچے خواب بھی ہیں۔

یہ اسی آدمی کیلئے دلائل مسکت ہیں جس نے سن تو رکھا ہے مگر تجربہ نہیں ہوا اور تجربہ و مشاہدہ اور اس اسرار سے واقف کیلئے یہ قطعی ہیں۔

رہے دلائل شرعیہ و نقلیہ تو اثبات ملائکہ میں حضرات انبیاء علیہم السلام کا کوئی اختلاف نہیں بلکہ ان کا وجود ان کے درمیان متفقہ ہے۔ واللہ اعلم

چوتھا مسئلہ: کثرت ملائکہ کی تفصیل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے آسمان چیختا ہے اور اسے چیخنے کا حق ہے اس میں ایک قدم جگہ ایسی نہیں جہاں کوئی فرشتہ سجدہ یا رکوع میں نہ ہو۔

تفصیل مخلوق کی جھلک

منقول ہے اولاد آدم، جنات کا دسواں حصہ اور جنات و اولاد آدم حیوانات خشکی کا دسواں حصہ اور یہ تمام، پرندوں کا دسواں

Marfat.com

حصہ پھر یہ تمام حیوانات سمندری کا دسواں پھر یہ تمام ملائکہ موکلین ارض کا دسواں، پھر یہ تمام ملائکہ سماء دنیا کا دسواں پھر یہ تمام، تیسرے آسمان کے ملائکہ کا دسواں اسی ترتیب سے ساتویں آسمان کے ملائکہ کا حال ہے۔ یہ تمام مل کر، ملائکہ کرسی کے مقابل بہت ہی قلیل ہیں۔ پھر یہ تمام مل کر سرادقات عرش کی (جن کی تعداد چھ لاکھ ہے) کے ایک سرداق کے ملائکہ کا دسواں حصہ ہیں، سرداق کے طول، عرض اور سمک کا، اگر آسمان اور زمین اور ان میں جو کچھ ہے تمام سے مقابلہ کیا جائے تو یہ اس کے مقابل نہایت ہی قلیل شئ اور حقیر قدر ہوں گے اور وہاں قدم کی جگہ نہیں یہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ رکوع یا قیام نہ ہو اور وہ تسبیح وتہلیل کی آواز رکھتے ہیں

پھر یہ تمام مل کر عرش کے محافظ ملائکہ کے سامنے ایسے ہیں جیسے قطرہ سمندر کے سامنے ہوتا ہے۔ ان کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے پھر ان کے ساتھ ملائکہ لوح ہیں جو حضرت اسرافیل علیہ السلام کے ساتھی ہیں اور وہ ملائکہ سیدنا جبریل علیہ السلام کے لشکر ہیں یہ تمام اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے والے، تابعدار اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف، اس کے ذکر سے ان کی زبانیں تر رہتی ہیں، اس کی تعظیم میں دیگر مخلوق سے سبقت لے جانے والے ہیں، اس کی عبادت سے انکار نہیں بلکہ دن رات عبادت سے تھکتے نہیں۔ نہ تو ان کے اجناس شمار ہو سکتی ہیں اور نہ ان کی مدت عمر اور نہ ان کی کیفیت عبادت، ان تمام کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے، اللہ جل جلالہ کے ملکوت کی حقیقت کچھ یوں ہے، جیسا فرمانِ الٰہی ہے:

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (پ۲۹، المدثر:۳۱) اور تمہارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا

سیدنا جبریل امین کی عمر

بندہ نے بعض کتب تذکیر میں پڑھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے موقعہ پہ بازار کی طرح جگہ پر ملائکہ کو ایک دوسرے کے پیچھے جاتے ہوئے دیکھا، تو آپ نے پوچھا: یہ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا: میں نہیں جانتا، البتہ انہیں تخلیق کے وقت سے دیکھ رہا ہوں، ان میں سے کسی کو بھی میں نے پہلے نہیں دیکھا۔ پوچھا: تمہاری تخلیق کب ہوئی؟ بتایا: میں نہیں جانتا، ہاں اس قدر جانتا ہوں اللہ تعالیٰ ہر چار لاکھ سال بعد ایک ستارہ پیدا فرماتا ہے، جب سے میں پیدا ہوا ہوں وہ ستارہ چار لاکھ دفعہ پیدا ہو چکا ہے۔ تو پاک ہے وہ ذات جس کی قدرت اتنی عظیم اور اس کا کمال اس قدر بالا ہے۔

اصناف واقسام ملائکہ

یاد رہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ملائکہ کی اصناف واقسام اور اوصاف کا تذکرہ کیا ہے، مثلاً اصناف کا تذکرہ کچھ یوں ہے

Marfat.com

۱۔حاملین عرش

ارشادِ الٰہی ہے:

وَ یَحۡمِلُ عَرۡشَ رَبِّکَ فَوۡقَهُمۡ یَوۡمَئِذٍ ثَمٰنِیَةٌ (پ۲۹،الحاقۃ:۱۷)

اور اس دن تمہارے رب کا عرش آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائیں گے

۲۔حافین عرش

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَتَرَى الۡمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيۡنَ مِنۡ حَوۡلِ الۡعَرۡشِ يُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ (پ۲۴،الزمر۷۵)

اورتم فرشتوں کو دیکھو گے عرش کے آس پاس حلقہ کیے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکیزگی بولتے ہیں

۳۔اکابر ملائکہ

انہی میں سیدنا جبریل اور میکائیل صلوات اللہ علیہما بھی ہیں، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

مَنۡ کَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبۡرِيۡلَ وَ مِيۡكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ

اور جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے کافروں کا

(پ۱، البقرۃ:۹۸)

اوصاف جبریل علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے اوصاف بیان کئے۔

پہلا، یہ انبیاء کیلئے صاحب الوحی ہیں، ارشاد مبارک ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ عَلٰى قَلۡبِكَ (پ۱۹،الشعراء:۱۹۳،۱۹۴) اسے روح الامین لے کر اُترا تمہارے دل پر

دوسرا، اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر قرآن میں باقی ملائکہ سے پہلے فرمایا:

قُلۡ مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبۡرِيۡلَ (پ۱، البقرۃ:۹۷) کہو جو کوئی دشمن ہے جبریل کا

پھر حضرت جبریل صاحب وحی وعلم، حضرت میکائیل صاحب ارزاق واغذیہ، علم جو کہ روحانی غذا ہے یہ جسمانی غذا سے افضل ہے لہٰذا سیدنا جبریل یقیناً حضرت میکائیل سے افضل ٹھہرے

Marfat.com

۳۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے سے دوسرا بتایا، فرمایا:

فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ بے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے

(پ ۲۸، التحریم: ۴)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام، روح القدس رکھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں فرمایا:

إِذْ أَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (پ ۷، المائدۃ: ۱۱۰) جب میں نے پاک روح کے ساتھ تیری مدد کی

۵۔ اللہ کے دوستوں کی مدد اور اس کے دشمنوں کی سرکوبی مع ہزار ملائکہ کرتے ہیں۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ چھ صفات بیان کیں:

إِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِيْنٍ (پ ۳۰، التکویر: ۱۹ تا ۲۱) بیشک یہ عزت والے رسول (جبریل) کا پڑھنا ہے جو قوت والا ہے مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے

ان کی رسالت کا عالم یہ ہے کہ وہ تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف اللہ کے رسول ہیں تو تمام انبیاء و رسل ان کی اُمت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے اکرام کا یہ عالم کہ انہیں ہی اپنے اور اشرف بندوں انبیاء کے درمیان واسطہ بنایا ان کی قوت یہ ہے کہ شہر مدائن کو قوم پہ آسمان کی طرف اٹھایا اور پھر اُلٹا کر دیا، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا یہ بھی مقام ہے کہ اس مقام میں انہیں اپنا ثانی بنایا

فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ بے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے

(پ ۲۸، التحریم: ۴)

ان کا مطاع و مخدوم ہونا یہ ہے کہ یہ تمام ملائکہ کے امام و مقتدا ہیں۔

ان کا امین ہونا یوں بیان ہوا:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (پ ۱۹، الشعراء: ۱۹۳) اسے روح الامین لے کر اترا تمہارے دل پر تا کہ تم ڈرانے والوں میں سے ہو جاؤ

اکابر ملائکہ میں حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل صلوات اللہ علیہما بھی ہیں، ان دونوں کا وجود احادیث سے ثابت ہے، حدیث میں ہے حضرت عزرائیل علیہ السلام موت کا فرشتہ ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

Marfat.com

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ (پ۷،الانعام:۶۱)

یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو فرشتے ہمارے اس کی روح قبض کرتے ہیں

بتا رہا ہے کہ قبض روح متعدد ملائکہ کے سپرد ہے تو ممکن ہے ملک الموت اس جماعت کے سربراہ ہوں قبض روح جن کے سپرد ہے، ارشادِ مقدس ہے:

وَلَوْ تَرٰى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ (پ۱۰،الانفال:۵۰)

اور کبھی تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں مار رہے ہیں ان کے منہ اور ان کی پیٹھوں پر

حضرت اسرافیل علیہ السلام کے بارے میں احادیث میں ہے کہ یہ صاحب صُور ہیں، فرمانِ الٰہی ہے:

وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ (پ۲۴،الزمر:۶۸)

صور پھونکا جائے گا تو بے ہوش ہو جائیں گے جو آسمانوں میں اور جتنے زمینوں میں ہیں مگر جسے اللہ چاہے پھر وہ دوبارہ پھونکے گا جبھی وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے

۴۔ ملائکۂ جنت

ارشادِ مبارک ہے:

وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (پ۱۳،الرعد:۲۳،۲۴)

اور فرشتے ہر دروازے سے ان پر یہ کہتے ہوئے آئیں گے سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کا بدلہ تو پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا

۵۔ ملائکۂ جہنم

ارشادِ الٰہی ہے:

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ وَ مَا جَعَلْنَا اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً (پ۲۹،المدثر:۳۱)

ان پر انیس داروغہ ہیں۔ اور ہم نے دوزخ کے داروغہ نہ کیے مگر فرشتے

ان کے سربراہ کا نام، مالک ہے، ارشادِ مبارک میں ہے:

وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ (پ۲۵،الزخرف:۷۷)

اور وہ پکاریں گے اے مالک تیرا رب ہمیں تمام کر چکے۔ (موت دیدے)

Marfat.com

ان کا اجتماعی لشکر بھی ہے، ارشاد ہے

فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ (پ ۳۰، العلق: ۱۷، ۱۸) اب پکارے اپنی مجلس کو، ابھی ہم سپاہیوں کو بلاتے ہیں

۶۔ اولادِ آدم علیہ السلام پہ مقرر

اس ارشاد میں ہے

عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (پ ۲۶، ق ۱۷، ۱۸) ایک داہنے طرف بیٹھا ہے ایک بائیں کوئی بات وہ زباں سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (پ ۱۳، الرعد: ۱۱) آدمی کیلئے بدلی والے فرشتے ہیں اس کے آگے اور پیچھے کہ بحکم خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً (پ ۷، الانعام: ۶۱) اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور تم پر نگہبان بھیجتا ہے

۷۔ کاتبینِ اعمال

ارشادِ مبارک ہے

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ (پ ۳۰، الانفطار: ۱۰ تا ۱۱) اور بیشک تم پر کچھ نگہبان ہیں۔ معزز لکھنے والے جانتے ہیں جو کچھ تم کرو۔

۸۔ احوالِ کائنات پر مقرر

ان ارشاداتِ عالیہ میں، یہی مراد ہیں

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا (پ ۲۳، الصافات: ۱) قسم ان کی باقاعدہ صف باندھیں

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا (پ ۲۶، الذاریات: ۴) قسم ان کی جو بکھیر کر اڑانے والیاں

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا (پ ۳۰، النازعات: ۱) قسم ان کی کہ جان کھینچیں

Marfat.com

مددگار فرشتے

حضرت ابن عباس نے فرمایا: کراماً کاتبین کے علاوہ کچھ فرشتے ہیں جو درختوں کے پتوں کا گرنا بھی لکھتے ہیں جب کسی کو جنگل میں کوئی پریشانی لاحق ہو تو یوں کہے:

اَعِيْنُوْا عِبَادُ اللّٰهِ يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ — اللہ کے بندوں میری مدد کرو اللہ تم پر رحم فرمائے۔

(مجمع الزوائد:۴/۱۰۴ و۱۷)

اوصافِ ملائکہ

یہ چند اوصافِ ملائکہ ہیں

۱۔ ملائکہ، اللہ تعالیٰ کے رسل و پیغامبر ہیں، ارشادِ الٰہی ہے

جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا (پ۲۲، فاطر:۱) — فرشتوں کو رسول بنانے والا

سوال: ارشادِ الٰہی:

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا (پ۱۷، الحج:۷۵) — اللہ چن لیتا ہے فرشتوں میں سے رسول

جواب: یہاں مِن بیانیہ ہے نہ کہ تبعیضیہ۔

۲۔ اللہ تعالیٰ سے ان کا قرب، ان کا یہ قرب مکانی اور جہتی نہیں تو اب یہ قرب شرف میں ہی ہوگا۔ یہاں یہی مراد ہے۔

وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ (پ۱۷، الانبیاء:۱۹) — اور اس کے پاس والے اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (پ۱۷، الانبیاء:۲۶) — بلکہ عزت والے بندے ہیں۔

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ (پ۱۷، الانبیاء:۲۰) — دن رات اس کی پاکیزگی بولتے ہیں اور سستی نہیں کرتے۔

۳۔ ان کی طاعات کی شانیں۔

ان کی طاعات کے بیان میں چند صورتیں ہیں۔

پہلی صورت۔ ان سے نقل کیا۔

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (پ۱، البقرہ:۳۰) — ہم تیری حمد بیان کرتے ہوئے تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بولتے ہیں

Marfat.com

وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ (پ۲۳ الصافات:۱۶۵،۱۶۶) اور بیشک ہم پر پھیلائے حکم کے منتظر ہیں اور بیشک ہم اس کی تسبیح کرنے والے ہیں

تو اللہ تعالیٰ کذب سے پاک ہے لہٰذا ان کا دائمی عبادت میں ہونا ثابت ہے۔

دوسری صورت: اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں اس کے حکم کو فی الفور بجالانا۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ (پ۱۴ الانبیاء:۳۰) تمام ملائکہ نے اکٹھے ہو کر سجدہ کیا

تیسری صورت: یہ اللہ تعالیٰ کے حکم و وحی کے مطابق ہی کرتے ہیں، فرمایا:

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ (پ۱۷ الانبیاء:۲۷) بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اُسی کے حکم پر کاربند ہوتے ہیں

چوتھی صورت: ان کی طاقت کا بیان چند وجوہ سے ہے۔

پہلی وجہ: حاملینِ عرش آٹھ ہیں انہوں نے عرش و کرسی کو اٹھا رکھا ہے، کرسی جو عرش سے اصغر ہے وہ سات آسمانوں سے اعظم ہے، ارشاد ربانی ہے

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ (پ۳ البقرۃ:۲۵۵) اُس کی کرسی میں سمائے ہوئے ہیں آسمان و زمین

اس سے ان کی قوت و طاقت کا اندازہ لگاؤ۔

دوسری وجہ: بلندی و علوِ عرش کا احاطہ، وہم نہیں کرسکتا، اس پر یہ الفاظ مبارکہ شاہد ہیں۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (پ۲۹ المعارج:۴) ملائکہ اور جبریل اس کی بارگاہ کی طرف عروج کرتے ہیں وہ عذاب اُس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے

اس کے باوجود ملائکہ اپنی طاقت پر لمحہ واحد میں اُتر آتے ہیں۔

تیسری وجہ: ارشادِ گرامی ہے

Marfat.com

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ (پ۲۴،الزمر:۶۸)

اور صور پھونکا جائے گا تو بے ہوش ہو جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں مگر جسے اللہ چاہے پھر وہ دوبارہ پھونکا جائے گا جبھی وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔

تو صاحب صور اس قدر قوت والا ہے کہ اس کی واحد پھونک سے آسمانوں وزمین کی ہر شئی بے ہوش ہو جائے گی اور دوسری پھونک سے وہ زندہ ہو جائیں گے تو اس سے ان کی قوت کی معرفت حاصل کرلو۔

چوتھی وجہ: حضرت جبریل علیہ السلام قوت میں اس قدر ہیں کہ آل لوط پر پہاڑ اور شہر انہوں نے بیک وقت اٹھالئے۔

پانچویں وجہ: ان کے خوف کا تذکرہ چند وجوہ سے ہے:

۱۔ یہ کثرت عبادت اور لغزشوں سے محفوظ ہونے کے باوجود اس قدر ڈرتے ہیں گویا ان کی عبادت، معاصی ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ (پ۱۴،النحل:۵۰) اپنے اوپر اپنے رب کا خوف کرتے ہیں

وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ (پ۱۷،الانبیاء:۲۸) اور وہ اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں

۲۔ ارشادِ الٰہی ہے

حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ (پ۲۲،سباء:۲۳)

یہاں تک کہ جب اذن دے کر ان کے دلوں کی گھبراہٹ دور کردی جاتی ہے ایک دوسرے سے کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا ہی بات فرمائی وہ کہتے ہیں جو فرمایا حق فرمایا اور وہی ہے بلند بڑائی والا

تفسیر میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ جب وحی کیلئے کلام فرماتا ہے تو اسے اہلِ آسمان پتھر پر گھنٹی کی آواز کی طرح سن کر ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا: کہتے ہیں حق فرمایا اور وہ ''عَلِيٌّ كَبِيْرٌ'' (بلند وبڑا) ہے۔

۳۔ امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، اور ان کے ساتھ جبریل امین علیہ السلام بھی تھے، آسمان کا کنارہ پھٹا، جبریل امین خوفزدہ ہوئے اور ان کا بعض دوسرے بعض میں سمٹ کر زمین کے قریب ہو گیا تو اچانک ایک فرشتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارا رب عز وجل تمہیں سلام فرماتا ہے اور تمہیں اس بات کا اختیار دیتا ہے

Marfat.com

اَنْ تَكُوْنَ نَبِيًّا مَلِكًا وَبَيْنَ اَنْ تَكُوْنَ نَبِيًّا عَبْدًا کہ تم نبی سلطان بن جاؤ یا نبی عبد

حضور ﷺ نے بتایا: حضرت جبریل علیہ السلام نے ہاتھ سے تواضع کا اشارہ کیا۔ میں نے جان لیا یہ میری خیر خواہی کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا: میں نبی عبد بننا ہی پسند کرتا ہوں۔ تو میں نے کہا: جبریل میں نے تجھ سے پوچھنے کا ارادہ کیا لیکن میں نے تمہارا حال دیکھا جس نے مجھے سوال سے منع کر دیا۔ جبریل یہ کیا معاملہ تھا؟ بتایا یہ اسرافیل علیہ السلام تھے انہیں جس دن سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس وقت سے یہ اس کے سامنے حاضر ہیں اور آنکھ تک نہیں اٹھاتے۔ رب تعالیٰ اور ان کے درمیان ستر انوار ہیں۔ ان میں سے ہر ایک ایسا ہے اگر یہ اس کے قریب ہوں تو جل جائیں، ان کے سامنے لوح محفوظ ہے جب اللہ تعالیٰ اسے کسی آسمانی یا زمینی شئی کا حکم دیتے ہیں تو وہ لوح ان کی پیشانی سے قریب آجاتی ہے اور یہ اس پر نظر کرتے ہیں اگر وہ میری ذمہ داری ہو تو مجھے کہہ دیتے ہیں اگر ذمہ داری میکائیل کی ہو تو اسے اگر عزرائیل ملک الموت کی ہو تو اسے کہہ دیتے ہیں، میں نے پوچھا: جبرئیل تمہاری ذمہ داری کونسی ہے؟ بتایا: ہواؤں اور لشکروں پر میرا کنٹرول ہے۔ پوچھا: میکائیل کی ذمہ داری کیا ہے؟ بتایا: ان کی ذمہ داری میں نباتات ہیں۔ میں نے پوچھا: ملک الموت کی ذمہ داری؟ بتایا: قبض نفوس۔ مجھے خیال آیا تھا کہ شاید یہ قیام قیامت کیلئے آئے ہیں تو جو خوف آپ نے میرے اندر ملاحظہ کیا وہ قیام قیامت کا ہی تھا۔

(شعب الایمان:۱:۱۷۷)

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا قول

کلام اللہ اور کلام رسول ﷺ کے بعد وصف ملائکہ میں سب سے اعلیٰ و افضل کلام سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا ہے انہوں نے ایک خطبہ میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بلند آسمان کو پھاڑا اور جدا کر کے انہیں طبقات ملائکہ سے بھرا، ان میں سے بعض سجدہ میں ہیں بعض رکوع میں ہیں کہ اٹھتے ہی نہیں۔ بعض صفوں میں کھڑے ہیں وہاں سے ہٹتے نہیں، تسبیح کرتے ہیں، تھکتے ہی نہیں، ان پر نیند، تھکاوٹ و سستی، غفلت، نسیان کا غلبہ نہیں ہوتا۔ ان میں سے بعض رسل کی طرف وحی الٰہی کے امین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں اور حکم کو نافذ کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض بندوں کے محافظ ہیں، ابواب جنت کے دربان ہیں، ان میں سے کچھ کے قدم ارض سفلی پر، ان کی گردنیں سماء علیا سے بلند، ان کے ارکان و اعضا، اقطار سے خارج، قوائم عرش کے برابر ان کے کاندھے، اُن کی آنکھیں جھکی ہوئیں، اپنے پروں سے ڈھانپے ہوئے ان کے اور ان کے نیچے والوں کے درمیان عزت کے حجاب اور قدرت کے پردے ہیں وہ اپنے رب کا خیال تصور کے ذریعے نہیں کرتے نہ ان پر صفات مصنوع جاری ہوئیں، اپنے رب کو نہ جگہ میں محدود کرتے ہیں اور نہ ہی نظائر سے اُس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

Marfat.com

پانچواں مسئلہ: ملائکہ سے مراد

اس میں اختلاف ہے کہ اس ارشادِ الٰہی:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً — جب تمہارے رب نے ملائکہ سے فرمایا میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں

میں ملائکہ سے تمام مراد ہیں یا ان میں سے بعض؟

حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد مبارک ان ملائکہ سے فرمایا: جو ابلیس کے ساتھ بطور محارب آتے تھے اس لئے کہ اللہ نے جب زمین پر جنات کو ٹھہرایا تو انہوں نے اس پر فساد کیا، خون بہایا اور ایک دوسرے کو قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو ملائکہ کے ساتھ بھیجا تو ابلیس نے انہیں اور ان کے لشکروں کو قتل کیا اور انہیں پکڑ کر سمندر کی طرف دھکیل دیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً — میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں

اکثر صحابہ و تابعین کا مؤقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی تخصیص جماعت ملائکہ سے فرمایا اس لئے کہ لفظ ملائکہ میں عموم ہے لہٰذا تخصیص خلاف اصل ہوگی۔

چھٹا مسئلہ: جاعل جعل سے ہے جس کے دو مفعول اور یہ مبتدا و خبر پر آتا ہے اور وہ "فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً" ہیں اس کا مفہوم ہے۔ مصیر فی الارض خلیفة

ساتواں مسئلہ: آیت میں ارض سے ظاہراً مراد مشرق تا مغرب تمام زمین ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن سابط رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا، فرمایا: زمین مکہ سے پھیلائی گئی ہے، ملائکہ بیت اللہ کا طواف کرتے اور یہ سب سے پہلے طواف کرنے والے ہیں اور وہ بھی یہی سرزمین ہے جس کے بارے میں فرمایا "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً" لیکن اول قول ظاہراً اقرب ہے۔

آٹھواں مسئلہ: خلیفہ کا مفہوم

بعد میں آنے والا اور قائم مقام خلیفہ کہلاتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ (پ۱۱ یونس:۱۴) — پھر ہم نے ان کے بعد تمہیں زمین میں جانشین کیا

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ (پ۸ الاعراف:۶۹) — اور یاد کرو جب اُس نے تمہیں جانشین کیا

Marfat.com

خلیفہ کون اور کیوں؟

یہاں خلیفہ سے مراد کون ہیں؟ اس میں دو اقوال ہیں:

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام اور

اَ تَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا — کیا تو زمین میں فساد کرنے والے کو بنائے گا؟

سے مراد ان کی اولاد ہے وہ خود مراد نہیں۔

۲۔ اولاد آدم علیہ السلام۔

جنہوں نے کہا:

سیدنا آدم علیہ السلام ہیں ان کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ نام ان کا کیوں رکھا؟

اس کی دو وجہ بیان ہوئی ہیں۔

پہلی وجہ: اللہ تعالیٰ نے جب جنات کو زمین بدر کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر ٹھہرایا تو وہ اپنے سے پہلے جنات کے خلیفہ ٹھہرے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے۔

دوسری وجہ: اللہ تعالیٰ نے انہیں خلیفہ کا نام اس لئے دیا کہ اس نے انہیں مکلفین میں اپنے نفاذ حکم میں قائم مقام بنایا۔ یہ حضرت ابن مسعود ابن عباس اور سدی سے مروی ہے۔ یہ رائے اس ارشاد گرامی سے بھی مؤید ہے۔

اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ (پ۲۳، ص:۲۶) — بے شک ہم نے تجھے زمین میں نائب کیا تو لوگوں میں سچا حکم کر

جنہوں نے اولاد آدم مراد لیا، ان کے ہاں خلیفہ نام کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کے بعد ہیں، امام حسن کا یہی قول ہے اس میں تاکید اس ارشاد عالی سے ہوتی ہے:

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ — وہ ذات جس نے تمہیں زمین میں نائب بنایا۔

لفظ خلیفہ، واحد و جمع کو بھی شامل اور مذکر و مؤنث کو بھی۔ اس کی قرأت قاف کے ساتھ خلیقہ بھی ہے۔

سوال: اس میں کیا فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً، حالانکہ اس کی ذات اقدس مشورہ کی محتاجی سے منزہ ہے؟

Marfat.com

جواب: دو طریق سے ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ جب وہ اس راز سے آگاہ ہوں گے تو وہ یہی سوال کریں گے تو مصلحت یہی تھی کہ وہ اس کے جواب سے آگاہ ہوں تو اس نے انہیں اس واقعہ سے آگاہ کیا تا کہ وہ سوال کریں اور اس کا جواب بھی پائیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنے بندوں کو مشورہ کی تعلیم دی۔

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا کی تفسیر

یہاں چند مسائل ہیں

پہلا مسئلہ: جمہور اعظم علماء دین کا اتفاق ہے کہ تمام ملائکہ، تمام ذنوب و گناہوں سے پاک ہیں اس کا مخالف حشویہ میں سے ہے، ہمارے دلائل یہ ہیں:

۱۔ ارشادِ الٰہی ہے:

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ — وہ اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم کیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں (پ۲۸، التحریم:۶)

البتہ یہ آیت ملائکۂ جہنم کے ساتھ مخصوص ہے، اگر ہم عمومی دلیل سے تمسک کریں تو فرمایا:

یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ — اپنے اوپر اپنے رب کا خوف کرتے ہیں اور جو حکم دیا جائے وہی کرتے ہیں (پ۱۴، النحل:۵۰)

یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ کے کلمات تمام مامورات اور ترک منہیات کو شامل ہیں کیونکہ شئی سے ممانعت اس کے ترک کا حکم ہوتا ہے

سوال: اس پہ کیا دلیل کہ 'یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ' عموم کے مفید ہیں؟

جواب: مامورات کی ہر شئی سے استثناء درست ہے اور استثناء کلام کو اس سے نکال دیتا ہے۔ لولا ظلّ حلّ جیسا کہ اصول الفقہ میں ہم نے بیان کر دیا ہے۔

۲۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ — بلکہ عزت والے بندے ہیں بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہی اسی کے حکم پر کاربند ہیں (پ۱۷، الانبیاء:۲۶،۲۷)

Marfat.com

یہ ملائکہ کے معاصی سے بری ہونے اور تمام امور میں حکم و وحی الٰہی کے مطابق ہی بجالانے پہ تصریح ونص ہے۔

۳۔ ملائکہ سے انسان پر معصیت کا طعن نقل ہوا اگر وہ خود عاصی ہوتے تو یہ طعن مناسب نہ ہوتا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا وہ دن رات اللہ کی تسبیح سے تھکتے نہیں تو جو اس شان کا مالک ہو اس سے صدور معصیت محال ہے۔

مخالفین کے دلائل

مخالفین نے چند دلائل بیان کیے ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے حکایت کیا:

اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا وَيَسۡفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ — کیا تو اسے بنائے گا جو اس میں فساد پھیلائے اور خون بہائے اور ہم تیری تسبیح وحمد اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں

یہ تقاضا کررہا ہے کہ ان سے گناہ کا صدور ہوا، اس پہ آیت کی دلالت چند طرح سے ہے۔

پہلی وجہ: ان کا قول، اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا، (کیا تو زمین میں بنائے گا) اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے اور یہ اعظم گناہ ہے۔

دوسری وجہ: انہوں نے اولاد آدم پر فساد اور قتل کا طعن کیا یہ غیبت ہے جو کبائر میں شامل ہے۔

تیسری وجہ: اولاد آدم پر طعن کے بعد خود اپنی مدح کی وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ دوسری جگہ ہے۔

وَاِنَّا لَنَحۡنُ الصَّآفُّوۡنَ وَاِنَّا لَنَحۡنُ الۡمُسَبِّحُوۡنَ — اور بیشک ہم پَر پھیلائے حکم کے منتظر ہیں اور ہم اس کی تسبیح کرنے والے ہیں (پ۲۳، الصافات: ۱۶۵، ۱۶۶)

اور اس میں حصر ہے گویا انہوں نے دوسروں سے تسبیح وغیرہ کی نفی کردی، یہ عُجب، خود پسندی وغیبت ہے اور یہ مہلک ذنوب میں سے ہے۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے تین مہلکات ہیں اور ان میں خود پسندی بھی ہے۔

ارشادِ الٰہی بھی ہے:

فَلَا تُزَكُّوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ — تو آپ اپنی جانوں کو پاکیزہ نہ کہو (پ۲۷، النجم: ۳۲)

چوتھی وجہ: ان کا قول، لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا، معذرت کے مشابہ ہے اگر گناہ نہ تھا تو معذرت کا کیا معنیٰ؟

Marfat.com

پانچویں وجہ: ارشادِ الٰہی:

اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ — ان اسماء کے بارے مجھے بتاؤ اگر تم سچے ہو

(پ۱، البقرۃ:۳۱)

نشاندہی کررہا ہے کہ اولاً وہ قول میں جھوٹے تھے۔

چھٹی وجہ: ارشادِ مقدس

اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ (پ۱، البقرۃ:۳۳) — میں تمہیں نہیں کہتا تھا بیشک میں زمینوں اور آسمانوں کے پوشیدہ کو جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے اور چھپاتے ہو

بتارہا ہے کہ ملائکہ اس واقعہ سے پہلے (اللہ تعالیٰ کا عالم ہونا) نہ جانتے تھے اور وہ اس کے تمام معلومات کے عالم ہوئے میں تشکیک کا شکار تھے۔

ساتویں وجہ: ان کا علم کہ یہ فساد و خون بہائیں گے انہیں وحی سے حاصل ہوا یا یہ ان کا اجتہاد تھا، اول صورت بعید اگر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کیا تھا تو اس کلام کے اعادہ میں کیا فائدہ؟ تو ثابت ہوا یہ ان کا اجتہاد ہی تھا، دوسرے پر بطور ظن رد و قدح ہرگز جائز نہیں، ارشادِ الٰہی ہے۔

وَلَا تَقۡفُ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ (پ۱۵، الاسراء:۳۶) — اور اس چیز کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں

اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغۡنِىۡ مِنَ الۡحَـقِّ شَيۡــًٔا (پ۱۱، یونس:۳۶) — بیشک گمان حق کا کوئی کام نہیں دیتا۔

آٹھویں وجہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے، اللہ تعالیٰ نے ان ملائکہ سے فرمایا جو محاربہ جنات میں ابلیس کا لشکر بن کر آئے تھے۔ اِنِّىۡ جَاعِلٌ فِى الۡاَرۡضِ خَلِيۡفَةً۔ ملائکہ نے جواباً کہا: اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا۔ پھر انہوں نے اللہ کا غضب دیکھا تو کہنے لگے: سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ

امام حسن اور قتادہ سے مروی ہے اللہ تعالیٰ نے جب تخلیق آدم کا ارادہ کیا تو ملائکہ نے آپس میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا: اللہ تعالیٰ جو چاہے پیدا کرے وہ جو بھی مخلوق پیدا کرے گا ہم اس سے مکرم و معظم ہوں گے۔ جب اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق فرما کر انہیں ملائکہ پہ فضیلت دی

Marfat.com

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓىٕكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ اور اللہ نے آدم کو تمام نام سکھائے پھر سب کو ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا سچے ہو تو ان کے نام تو بتاؤ

(پ۱، البقرۃ:۳۱)

یعنی اگر تم اس قول میں سچے ہو کہ میں جو بھی مخلوق پیدا کروں تم اُس سے افضل ہوں گے تو اب فرشتے توبہ کی طرف لوٹے اور قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ بولے پاکیزگی ہے تجھے ہمیں کوئی علم نہیں

بعض روایات میں یہ ہے جب انہوں نے کہا: اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر آگ بھیجی جس نے انہیں جلا دیا

دوسرا شبہ، واقعہ ہاروت و ماروت

انہوں نے واقعہ ہاروت و ماروت سے بھی استدلال کرتے ہوئے کہا کہ یہ دونوں فرشتے ہیں۔ ان دونوں نے جب اہلِ زمین کو معاصی کا مرتکب پایا تو ان پر معترض ہوئے اور انہیں بہت برا کہا اور اہلِ زمین کے خلاف دعا کی، اللہ نے فرمایا: اگر میں تمہیں اولادِ آدم کی طرح شہوات و خواہشات میں مبتلا کر دوں تو تم بھی یوں نافرمانی کرو گے۔ عرض کیا: اگر آپ ہمیں مبتلا کریں گے تو ہم ایسا نہیں کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین پر اُتار کر اولادِ آدم جیسی خواہشات میں ڈالا، وہ زمین پہ آ کر ٹھہر گئے، اللہ تعالیٰ نے ستارہ زہرہ کو اور اس پہ مقرر فرشتہ کو بھی زمین پر اترنے کا حکم دیا، زُہرہ نے خوبصورت عورت کی اور فرشتہ نے مرد کی صورت اختیار کر لی، زہرہ نے ایک گھر میں اپنے کو مزین کر کے ان دونوں کو اپنے ہاں دعوت دی۔ اس فرشتہ نے اس خاتون کے گھر بت نصب کر دیا، دونوں اس کے گھر آئے اور اسے برائی کی دعوت دی۔ خاتون نے کہا: میں یہ کام نہیں کروں گی البتہ اگر تم شراب پیو تو پھر تیار ہوں۔ کہنے لگے: ہم شراب نہیں پئیں گے۔ پھر شہوت نے غلبہ کیا تو شراب پی لی اور اسے برائی کی دعوت دینے لگے۔ خاتون کہنے لگی: ایک کام رہ گیا؟ میں اپنے جسم پر اس کے بغیر قدرت نہیں دوں گی۔ پوچھا: وہ کونسا کام ہے؟ اس نے کہا: اس بت کو سجدہ کرو۔ کہنے لگے: ہم اللہ کے ساتھ شرک نہیں کر سکتے۔ پھر شہوت غالب آ گئی تو کہنے لگے: سجدہ کر لیتے ہیں پھر توبہ کر لیں گے۔ تو دونوں نے بت کو سجدہ کر دیا۔ زہرہ اور فرشتہ آسمان پر اپنی جگہ چلے گئے۔ اب انہیں سمجھ آیا کہ سارا کچھ ہمارے ساتھ اولادِ آدم پر طعن و عیب کی وجہ سے ہوا ہے۔

دوسری روایت

دوسری روایت میں ہے، زُہرہ اہل زمین میں سے فاحشہ عورت تھی۔ انہوں نے اس سے شراب پینے، قتل نفس اور سجدہ بُت

Marfat.com

کے بعد برائی کی اور اسے اسم اعظم سکھا دیا جس کی وجہ سے انہوں نے اوپر آسمان پر جانا تھا، اس عورت نے وہ کلمات پڑھے تو وہ آسمان پر چلی گئی اللہ تعالیٰ نے اسے مسخ فرما کر زُہرہ ستارہ بنا دیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہاروت و ماروت کو ان کے فعل کی قباحت سے آگاہ کیا اور انہیں تاخیر سے عذابِ آخرت اور فی الفور عذاب دنیا میں اختیار دیا تو انہوں نے عذابِ دنیا کو ترجیح دی۔ اللہ نے انہیں کنواں بابل میں اوندھے منہ قیامت تک لٹکا دیا۔ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے اور اس کی دعوت دیتے ہیں۔ انہیں سوائے جادو سیکھنے والے کے کوئی نہیں دیکھ پاتا۔ بقول ان کے اسی طرف اس ارشادِ الٰہی میں اشارہ ہے:

وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ (پ۱، البقرۃ:۱۰۲) اور اس کے پیرو ہوئے جو شیطان پڑھا کرتے تھے سلطنتِ سلیمان کے زمانہ میں

تیسرا شبہ: ابلیس کا ملائکہ میں سے ہونا

ابلیس، ملائکہ، مقربین میں سے تھا پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور کفر کیا جو واضح کر دیتا ہے جنس ملائکہ سے گناہ کا صدور ہو سکتا ہے

چوتھا شبہ: ملائکہ کو عذاب دیا جانا

اس ارشادِ الٰہی:

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً (پ۲۹، المدثر:۳۱) اور ہم نے دوزخ کے داروغہ نہ کئے مگر فرشتے

سے یوں انہوں نے استدلال کیا یہ بتا رہا ہے کہ ملائکہ کو عذاب دیا جائے گا کیونکہ اصحاب نار وہی کہلائیں گے جنہیں عذاب دیا جائے گا، جیسا کہ فرمان ہے:

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ یہ دوزخ والے ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے

پہلے شبہ کا جواب

پہلی وجہ یہ تھی کہ ملائکہ نے اللہ تعالیٰ پہ اعتراض کیا اور یہ اعظم گناہ ہے تو گذارش یہ ہے کہ ان کے اس سوال سے غرض یہ نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ غافل ہے لہٰذا اسے توجہ دلائی جائے کیونکہ ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر ہے اور یہ نہ ہی اللہ تعالیٰ کے فعل پر انکار ہے بلکہ اس سوال سے مقصود یہ اُمور ہیں

Marfat.com

۱۔ انسان جب کسی دوسرے کے صاحب حکمت ہونے کے بارے میں یقین رکھتا ہو تو وہ جب اسے کوئی ایسا فعل کرتے دیکھتا ہے جس کی حکمت سے وہ آگاہ نہیں تو وہ پوچھتا ہے کیا آپ یہ کرو گے؟ گویا وہ اس کے کمال حکمت وعلم پر متعجب ہو کر کہتا ہے ایسی نعمت کسی فسادی کو عطا کرنا ان امور میں سے ہے کہ عقول اس کی حکمت تک نہیں پہنچ پاتیں، جب تم ایسا کر رہے ہو اور میں جانتا ہوں آپ کا فعل کسی گہری حکمت اور عمیق راز کی وجہ سے ہی ہے جس پر تو ہی مطلع ہے تو وہ تیری بڑی حکمت اور اعلیٰ علم کیا ہے؟ تو فرشتوں کا " اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا " کہنا گویا یہ اللہ تعالیٰ کے کمال علم اور احاطہ حکمت پر تعجب ہے جو تمام عقلاء سے مخفی ہے؟

۲۔ طلب جواب کیلئے اشکال وارد کرنا ممنوع نہیں گویا انہوں نے کہا: ہمارے اللہ تو حکیم ہے تیرا کوئی بھی کام لغو نہیں ہوتا معروف یہ ہے کہ کسی بے وقوف کو پاگل پن پر قادر کرنا بھی بے وقوفی ہی سمجھا جاتا ہے، جب تو ان مفسد وقاتل لوگوں کو پیدا کرے گا، تیرا ان کے حال سے آگاہ ہوتے ہوئے انہیں پیدا کرنا اور انہیں اس پر قدرت دینا اور انہیں نہ روکنا بے وقوفی کا وہم پیدا کرتا ہے حالانکہ تیری ذات اقدس حکیم کامل ہے تو اب دونوں چیزوں کا اجتماع کیسے ممکن ہے؟ گویا ملائکہ نے علمِ جواب کیلئے یہ سوال کیا۔

معتزلہ کا جواب

یہی معتزلہ کا جواب ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ آیت واضح کر رہی ہے ملائکہ، اللہ تعالیٰ سے فعل قبیح کا صدور جائز نہیں مانتے اور یہ اہل عدل کے مذہب کے مطابق ہے اور اس جواب میں دو چیزیں تاکید پیدا کر رہی ہیں۔

۱۔ ملائکہ نے فساد اور قتل کی نسبت مخلوق کی طرف کی ہے نہ کہ خالق کی طرف۔

۲۔ ساتھ انہوں نے یہ بھی کہا:

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے اور تیری پاکیزگی بولتے ہیں

اور تسبیح، اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کو اوصافِ اجسام اور تقدس، اس کے افعال کو اوصاف ذم اور کم عقلی سے پاک قرار دینا ہے۔

۳۔حکماء کا جواب

شرور اگرچہ اس عالم سفلی میں ہیں مگر یہ لوازم خیرات کے طور پر ہیں اور خیرات، شرور پر غالب ہیں تو شر قلیل کی وجہ سے خیر کثیر کا ترک شر کثیر ہوتا ہے تو ملائکہ نے ان شرور کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا

Marfat.com

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ بیشک جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے

یعنی عالم سفلی سے حاصل ہونے والی خیرات، ان سے حاصل شرور سے اکثر ہیں تو اس صورت میں تقاضا حکمت ان کی ایجاد ہے نہ کہ ان کا ترک، یہ جواب حکماء کا ہے۔

۴۔ ملائکہ کا یہ سوال اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں بطور مبالغہ ہے اس لئے کہ عبد مخلص اپنے مولیٰ کی شدت محبت کی وجہ سے یہ ناپسند کرتا ہے کہ اس کا کوئی نافرمان عبد ہو

۵۔ ملائکہ کا قول

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا کیا تو بنائے گا اس زمین میں جو فساد کرے گا

گذارش تھی کہ زمین یا اس کا کچھ حصہ انہیں دیدے اگر اس میں حکمت ہو۔ گویا انہوں نے کہا: اے ہمارے الٰہ تو زمین ہمیں دے دے نہ کہ انہیں جیسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا (پ۹ الاعراف:۱۵۵) کیا تو اس کام پر ہلاک فرمائے گا جو ہمارے بے عقلوں نے کیا

یعنی ہمیں ہلاک نہ فرما، تو ملائکہ کے جواب میں فرمایا:

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے

یعنی میں تمہاری صلاحیت اور ان زمین پر متمکن کئے جانے والوں کی صلاحیت سے خوب آگاہ ہوں تو ملائکہ کیلئے آسمان اور ان کیلئے زمین منتخب کی اس لئے کہ وہ ان کی مختلف ادیان کیلئے صلاحیت سے آگاہ ہے تا کہ ان میں ہر فریق اسے اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے پسند فرمایا ہے۔

۶۔ ملائکہ نے وہ حکمت پوچھی باوجود فساد وقتل کے انہیں کیوں پیدا کیا جا رہا ہے؟

۷۔ شیخ قفال کہتے ہیں ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین میں خلیفہ مقرر کرنے کی اطلاع دی تو انہوں نے اتجعل فیھا کہا تو یہ بطور استفہام، ثبوت وایجاب ہے یعنی یقیناً تو اسے کرے گا، جریر نے کہا:

ألستم خير من ركب المطايا و أندى العالمين بطون راح

(تم بہتر ہو سواروں سے اور کائنات میں سخی ہو)

یعنی تم ہی اسی طرح ہو، اگر یہاں استفہام ہو گا تو یہ مدح نہ ہو گی۔

Marfat.com

تو ملائکہ نے کہا: تو یہ بتائے گا باوجود یکہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اس لئے کہ ہم جانتے ہیں کہ تو جو کرے گا وہ درست وسراپا حکمت ہوگا تو ان کے کہنے پر فرمایا:

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ، گویا کہا: جو تم کرتے ہو بہتر ہے کیونکہ تم نے میری حکمت پر اعتراض نہیں کیا کیونکہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے تم صرف ان کے ظاہری فساد وقتل ہی سے آگاہ ہو ان کے باطن سے تم آگاہ نہیں ہو۔ اور میں ان کے ظاہر و باطن دونوں سے آگاہ ہوں تو میں ان کے باطنی ایسے مخفی اسرار اور کامل حکمتوں سے آگاہ ہوں جن کا تقاضا ان کی خلقت و ایجاد ہے۔ و اللہ اعلم

دوسرے استدلال کا جواب

دوسرا استدلال ان کا یہ تھا کہ ملائکہ نے اولادِ آدم کی غیبت کا ارتکاب کرتے ہوئے ان کا ذکر نامناسب طریق سے کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ محل اشکال، ان کا فساد وقتل پر اقدام ہے تو جو سوال کرے گا اس پہ لازم ہے کہ وہ محل اشکال کا ذکر کرے نہ کہ دوسرے محل کا۔ اسی وجہ سے انہوں نے اولادِ آدم کے یہی دو پہلو ذکر کئے۔ ان کی عبادت اور توحید پر کسی شئی کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ محل اشکال ہی نہیں تھے۔

تیسرے استدلال کا جواب: اپنی تعریف ہر حال میں منع نہیں

تیسرا استدلال یہ تھا کہ ملائکہ نے اپنی تعریف کرتے ہوئے عُجب پسندی اور تزکیۂ نفس کا اظہار کیا اس کا جواب یہ ہے کہ اپنی تعریف ہر حال میں ممنوع نہیں، ارشادِ الٰہی ہے:

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (پ ۳۰، الضحیٰ: ۱۱) اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو

پھر ممکن ہے ان کے قول "نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ" میں اپنی تعریف مقصود نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ یا رب ہم نے سوال تیری حکمت پر اعتراض کیلئے نہیں کیا کیونکہ ہم تو تیری تسبیح و تحمید کرتے ہوئے تیری اُلوہیت اور حکمت کے معترف ہیں گویا اس سے ان کی غرض یہ بیان کرنا ہے ہمارا سوال حکمت و الوہیت پر اعتراض نہیں بلکہ تفصیلاً اس حکمت سے آگاہ ہونا ہے۔

چوتھے استدلال کا رد

چوتھا استدلال یہ تھا، ان کا قول "لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا" معذرت کے مشابہ ہے جو بتاتا ہے کہ پہلے گناہ ہوا ہے۔

جواب: ہمیں تسلیم کہ اولیٰ یہی تھا کہ ملائکہ سوال نہ اٹھاتے، جب انہوں نے اولیٰ کام کے خلاف کیا تو یہ ترکِ اولیٰ پر معذرت ہے۔ (اور ترکِ اولیٰ گناہ نہیں ہوتا)

Marfat.com

سوال: کیا ملائکہ کے بارے میں ارشادِ الٰہی نہیں:

لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ (پ ۱۷ الانبیاء: ۲۷) اور بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے

تو اب یہ سوال بھی اذن الٰہی سے ہوا تو جب یہ اس میں ماذون تھے تو اب معذرت کیسی؟

جواب: عام کو کبھی تخصیص عارض ہو جاتی ہے یہاں بھی یہی معاملہ ہے۔

پانچویں استدلال کا رد

ملائکہ کا فساد و فسق کی خبر دینا وحی سے تھا یا بطور اجتہاد و ظن؟

جواب: اہلِ علم کا اس بارے میں اختلاف ہے بعض نے کہا یہ بطور ظن، دو وجہ سے ہے۔

۱۔ حضرت ابنِ عباس اور کلبی سے منقول ہے کہ انہوں نے سیدنا آدم علیہ السلام کے زمین پر آباد ہونے سے پہلے زمین پر آباد جنات پر قیاس کیا۔

۲۔ ملائکہ کو اس کی خلقت کا جب علم ہوا کہ وہ عناصر اربعہ سے مرکب اور اس میں شہوت و غضب بھی ہے تو شہوت و خواہش سے فساد اور غضب و غصہ سے قتل کا مرض وجود میں آتا ہے۔

یہ قول بطور یقین تھا

بعض نے کہا: ان کا یہ قول بطور یقین و وحی ہے اور یہ حضرت ابنِ مسعود اور متعدد صحابہ سے مروی ہے اور اس پر ان کے دلائل یہ ہیں

پہلی دلیل: جب اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں

تو انہوں نے عرض کیا: وہ خلیفہ کیسا ہوگا؟ تو بتایا اس کی اولاد ہوگی جو زمین میں فساد و حسد کرتے ہوئے ایک دوسرے کو قتل کرے گی

تو اس پر ملائکہ نے عرض کیا:

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ کیا تو اسے بنائے گا جو زمین میں فساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا۔

دوسری دلیل: اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو آگاہ کر دیا تھا کہ زمین میں ایسی کثیر مخلوق ہوگی جو اس میں فساد و قتل کرے گی۔

Marfat.com

تیسری دلیل: حضرت ابن زید کہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے دوزخ پیدا کیا تو ملائکہ بہت ڈر گئے تو عرض کیا: ہمارے رب یہ آگ کس کیلئے پیدا کی ہے؟ فرمایا: مخلوق میں سے جو میری نافرمانی کرے گا اور اس وقت مخلوق، ملائکہ کے سوا کوئی نہ تھی تو زمین پہ مخلوق کہاں؟ جب فرمایا:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً — میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں

تو ملائکہ کو علم ہوا تا فرمان ان میں سے ہوں گے

چوتھی دلیل: لوح محفوظ پر جب قلم نے تا قیامت احوال لکھے تو شاید انہوں نے وہاں مطلع ہو کر یہ معلوم کر لیا۔

پانچویں دلیل: خلیفہ کا معنی یہ ہے کہ وہ حکم وقضا میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہو، حاکم اور قاضی کی طرف رجوع تنازع وتظالم کے وقت ہی ہوتا ہے تو وجود خلیفہ کی خبر بطریق التزام، وقوع فساد وشر کی ہی خبر ہوئی۔

اہلِ تحقیق کا کہنا یہ ہے، یہ بات ملائکہ نے بطور ظن کہی، باطل ہے اس لئے کہ دوسرے پر ایسا اعتراض اٹھانا جو جھوٹ سے محفوظ نہ ہو، منافی عصمت وطہارت ہے۔

چھٹے استدلال کا رد

اُن کا چھٹا استدلال بعض روایات سے ہے، لیکن وہ تمام احاد ہیں۔ لہٰذا وہ ہمارے بیان کردہ دلائل کے سامنے لائی ہی نہیں جا سکتیں

دوسرا شبہ: واقعہ ہاروت وماروت

قصہ ہاروت، ماروت سے شبہ وارد کرنا ان وجوہات سے باطل ہے:

پہلی وجہ: انہوں نے واقعہ میں یہ ذکر کیا، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سے فرمایا تھا اگر میں اولاد آدم کی طرح تمہیں دنیا میں مبتلا کر دوں تو تم بھی میری نافرمانی کا ارتکاب کرو گے۔ انہوں نے کہا: اگر تو ہمارے ساتھ ایسے کرے تو ہم تیری نافرمانی نہیں کریں گے۔ ان کا ایسا کہنا، اللہ تعالیٰ کی تکذیب اور اسے جاہل قرار دینا ہے جو صریح کفر ہے حالانکہ فرقہ حشویہ تک تمام لوگ مانتے ہیں کہ زمین پہ آنے سے پہلے وہ معصوم تھے۔

دوسری وجہ: واقعہ میں یہ ہے کہ انہیں عذاب دُنیا اور عذاب آخرت میں اختیار دیا گیا، یہ باطل ہے بلکہ اولیٰ یہ تھا کہ انہیں توبہ اور عذاب میں اختیار دیا جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان دونوں میں اختیار دیا جنہوں نے طویل عمر اس کے ساتھ شرک اور اس

Marfat.com

کے انبیاء علیہم السلام کے ایذا کا ارتکاب کیا۔

تیسری وجہ: مذکور واقعہ میں یہ بھی ہے کہ وہ اس حالت میں بھی جادو سکھا رہے ہیں جب کہ وہ عذاب میں تھے اور وہ اس کی طرف دعوت دے رہے تھے جبکہ وہ اپنی معصیت پہ سزا بھگت رہے تھے۔

چوتھی وجہ: یہ کیسے مان لیا جائے فاجر، عورت، گناہ کے بعد آسمان پہ چلی جائے اور اسے اللہ تعالیٰ روشن ستارہ بنا کر اس کی قدر و منزلت کرے کیونکہ اس نے قسم اٹھائی ہے:

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ — تو قسم ہے ان کی جو الٹے پھریں سیدے چلیں تھم رہیں

(پ۳۰، التکویر:۱۵،۱۶)

لہٰذا یہ واقعہ نہایت ہی کمزور و غلط ہے اس کے انتہائی کمزور ہونے پر ہر عقل سلیم، شاہد ہے رہا جادو سکھانے کا معاملہ تو اس آیت کی تفسیر میں انشاء اللہ اس پر گفتگو آرہی ہے۔

تیسرا شبہ: ابلیس ملائکہ میں سے تھا، عنقریب ہم واضح کریں گے یہ ملائکہ میں سے نہیں تھا۔

چوتھا شبہ: اِرشادِ الٰہی:

وَ مَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً (پ۲۹، المدثر:۳۱) — اور ہم نے نہیں بنایا دوزخ کے داروغہ سوائے فرشتوں کے

یہ ملائکہ کے عذاب میں ہونے پہ دلیل نہیں۔ اسی طرح یہ ارشادِ الٰہی:

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (پ۱، البقرۃ:۳۹) — یہ دوزخ والے ہیں اور ہمیشہ اس میں رہیں گے

بھی ان کے عذاب پہ دلیل نہیں، یہ بات تو کسی اور دلیل سے ثابت ہو سکتی ہے۔ سابقہ آیت

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً (پ۲۹، المدثر:۳۱) — اور ہم نے دوزخ میں فرشتوں کو مقرر کیا ہے

سے دوزخ کے خازن، اس میں متصرف اور مدبر و منتظم فرشتے مراد ہیں۔ واللہ اعلم

دوسرا مسئلہ: ملائکہ، معاصی پر قادر ہیں یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے کہ ملائکہ معاصی پر قادر ہیں یا نہیں؟ جمہور فلاسفہ اور کثیر جبریہ کہتے ہیں ملائکہ خیرات محض ہیں لہٰذا یہ ہرگز شر و روفساد پر قدرت نہیں رکھتے۔

Marfat.com

جمہور معتزلہ اور کثیر فقہاء کہتے ہیں یہ دونوں امور پر اختیار رکھتے ہیں، ان کے دلائل یہ ہیں:

۱۔ ملائکہ نے کہا: اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا۔ ان کا یہ قول خواہ معصیت ہے یا ترک اولیٰ، دونوں صورتوں میں ان کا مختار ہونا ثابت ہے۔

۲۔ ارشادِ الٰہی ہے

وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ (پ۱۷، الانبیاء: ۲۹) اور ان میں جو کوئی کہے میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی سزا دیں گے

اس کا یہ تقاضا ہے کہ ان پر یہ زجر و ممانعت ہے۔ دوسرے مقام پہ ہے:

لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ (پ۹، الاعراف: ۲۰۶) وہ اس کی عبادت میں تکبر نہیں کرتے

ترک تکبر پہ مدح تبھی جائز ہو گی جبکہ وہ ترک تکبر پر قادر ہوں۔

۳۔ اگر وہ ترک خیرات پہ قادر ہی نہیں تو ان کے بجا لانے پر قابل مدح کیسے ہو سکتے ہیں جو ترک شئی پر قادر ہی نہیں بلکہ وہ مجبور ہو وہ اس شئی کی بجا آوری پر قابل ستائش و مدح نہیں ہوا کرتا۔

معتزلی کا رد

ایک معتزلی نے بھی اس سے استدلال کیا ہے میں اسے کہتا ہوں کیا ثواب و جزا۔ اللہ پہ لازم نہیں؟ اس پر لازم ہونے کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ اسے ترک کرتا ہے تو اس کے ترک سے جہالت لازم آئے گی یا حاجت و ضرورت اور یہ دونوں محال ہیں تو محال تک پہنچانے والا بھی محال ہی ہوتا ہے تو اب یہ ترک اللہ تعالیٰ سے محال ہو گا، جب ترک محال تو فعل لازم تو اب اللہ تعالیٰ پر ثواب و عوض لازم اور اس کا ترک محال حالانکہ اللہ تعالیٰ اس فعل پہ ممدوح ہے تو ثابت ہو گیا محالِ ترک، حصول مدح میں مانع نہیں تو وہ معتزلی خاموش ہو گیا کوئی جواب نہ دے سکا۔

تیسرا مسئلہ: تسبیح اور تقدیس کا مفہوم

"وَنَحْنُ" کا واؤ حالیہ ہے جیسے محاورہ ہے

اتحسن الی فلان و انا احق بالاحسان تو نے فلاں پر احسان کیا حالانکہ میں احسان کے زیادہ لائق تھا

تسبیح، اللہ تعالیٰ کا عیب و نقص سے پاک ہونا ہے اسی طرح تقدیس کا مفہوم ہے۔ یہ سبح فی الارض اور قدس فی الارض

Marfat.com

(وہ زمین پر چلا اور دور چلا گیا) سے ماخوذ ہیں، دور ہونے سے مراد اگر عیب سے دوری ہو تو تسبیح اور خیر سے دوری مراد ہو تو لعنت تو ہم کہتے ہیں عیب سے دور ہونے میں، ذات، صفات اور افعال میں بے عیب ہونا بھی داخل ہے۔

ذات میں یوں بے سبب کہ وہ امکاں کا محل نہ ہو۔

نفی امکان، نفی کثرت کو مستلزم، نفی کثرت جسمانیت وعرض ضد وند، حصول واحد اور وجوب ذاتی کو مستلزم ہے۔

صفات میں یوں ہے کہ وہ جہل سے منزہ ہے تو وہ تمام معلومات کو محیط اور تمام مقدورات پر قادر ہوگا اور اس کی صفات تمام تغیرات سے منزہ وبالاتر ہوں گی۔

افعال میں یوں کہ اس کے افعال کی غرض، حصول منافع اور ازالہ نقصانات نہیں، وہ کسی دوسری شئی کی وجہ سے کامل نہیں اور نہ کسی کے عدم سے اس کا نقص ہوتا ہے لہٰذا وہ تمام موجودات ومعدومات سے بے نیاز و مستغنی، ان کے اعدام پر اور موجودات کے ایجاد پر قادر ہوگا۔

اہلِ ذکر کہتے ہیں، تسبیح قرآن میں کبھی معنی تنزیہ اور کبھی بمعنی تعجب آتا ہے۔

تسبیح بمعنی تنزیہ

اول کی متعدد صورتیں ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱۔ میں نظیر وشریک سے بری ہوں۔

هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ	وہ اللہ واحد قہار ہے

۲۔ میں آسمانوں اور زمین میں مدبر ہوں۔

سُبْحَانَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ	پاک ہے زمین وآسمان کا پروردگار

۳۔ میں تمام جہانوں کی تدبیر کرنے والا ہوں۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ	عالمین کا رب پاک ہے

۴۔ میں ظالموں کے قول سے منزہ ہوں۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ (پ۲۳، الصّٰفّٰت:۱۸۰)	پاکیزگی تمہارے رب، عزت والے رب کی ان ظالموں کی باتوں سے

۵۔ میں تمام سے مستغنی وبے نیاز ہوں۔

Marfat.com

سُبْحَانَهٗ هُوَ الْغَنِيُّ (پ ۱۱، یونس:۶۸) وہ پاک و بے نیاز ہے

۶۔ میں ایسا بادشاہ ہوں کہ میرے سوا ہر شی میرے تابع اور کنٹرول میں ہے۔

سُبْحَانَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ پاک ہے جس کے ہاتھ پر چیز کا قبضہ ہے

(پ ۲۳، یٰسین:۸۳)

۷۔ میں ہر شی کا عالم ہوں۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ عَالِمِ الْغَيْبِ اللہ ان چیزوں سے پاک جو وہ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں غیب کو جاننے والا ہے

(پ ۱۸، المومنون:۹۱)

۸۔ میں بیوی و اولاد سے پاک ہوں۔

سُبْحَانَهٗ اَنْ يَكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ (پ ۶، النساء:۱۷۱) اللہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو

۹۔ میں ان کفار کے قول و بات سے بری ہوں۔

سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عَمَّا يَصِفُوْنَ وہ اس سے پاک اور بلند ہے جن کے ذریعے وہ شریک ٹھہراتے ہیں، جو وہ کہتے ہیں، جو وہ منسوب کرتے ہیں

تسبیح بمعنی تعجب

بمعنی تعجب کی بھی کئی صورتیں ہیں:

ا۔ میں نے ہی نہایت قوی چوپائے کمزور انسان کے تابع کر دیے۔

سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا (پ ۲۵، الزخرف:۱۳) پاک ہے جس نے اس سواری کو ہمارے تابع کر دیا

۲۔ میں نے جہان پیدا کیا اور میں تھکاوٹ و سستی سے منزہ ہوں۔

سُبْحَانَهٗ اِذَا قَضٰى اَمْرًا پاک ہے جب وہ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے

۳۔ میں عالم ہوں لیکن کسی معلم کی تعلیم اور کسی رہبر کی رہنمائی سے نہیں:

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (پ ۱، البقرۃ:۳۲) پاک ہے تو ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا

۴۔ میں ہی ستر سال کے گناہ ایک لمحہ کی توبہ سے زائل کر دیتا ہوں۔

Marfat.com

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ (پ۲۶،ق:۳۹) اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرو سورج نکلنے سے پہلے

پھر فرمایا اگر تم اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہو تو تسبیح کرو

وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا (پ۲۲،الاحزاب:۴۲) صبح وشام اس کی پاکیزگی بیان کرو

اگر مصیبت سے چھٹکارا پاتے ہو تو یوں تسبیح کرو۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے میں ظالم ہوں

(پ۱۷،الانبیاء:۸۷)

اگر تم رضا حق چاہو تو یوں تسبیح کرو:

وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى رات اور صبح وشام اللہ کی تسبیح کرو کہ اس کی رضا حاصل ہو

(پ۱۶،طٰہٰ:۱۳۰)

اگر تم آگ سے نجات چاہو تو یوں تسبیح کرو

سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (پ۴،آل عمران:۱۹۱) تو پاک ہے ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا

اے بندو! میری تسبیح پر دوام اختیار کرو مثلاً سبحان اللہ، اگر تم میری تسبیح نہیں کرو گے تو نقصان تمہارا ہے اس لئے کہ تسبیح کرنے والے بہت ہیں۔

حاملینِ عرش

ان میں سے حاملینِ عرش ہیں

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ (پ۲۴،فصلت:۳۸) اگر انہوں نے تکبر کیا تو تیرے رب کے پاس پاکیزگی بولنے والے ہیں

ان میں سے ملائکہ مقربین ہیں۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا (پ۲۲، سبا:۴۱) وہ عرض کریں گے پاکیزگی ہے تجھ کو تو ہمارا مولیٰ ہے

Marfat.com

ان میں باقی ملائکہ ہیں۔

قَالُوْا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِيْ لَنَا (پ۱۸،الفرقان۱۸) پاکیزگی ہے تجھ کو ہمیں سزاوار نہ تھا

ان میں سے حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں جیسا کہ حضرت ذوالنون یونس علیہ السلام نے پڑھا:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ (پ۱۷،الانبیاء:۸۷) نہیں تیرے سوا کوئی معبود تو پاک ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

سُبْحَانَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ (پ۹،الاعراف:۱۴۳) تو پاک ہے میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں

صحابہ تسبیح کرتے ہیں:

سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (پ۴،آل عمران:۱۹۱) تو پاک ہے ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا

بلکہ تمام اشیاء تسبیح کرتی ہیں ان میں سے حشرات، دواب اور ذرات بھی ہیں، فرمایا:

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (پ۱۵،الاسراء:۴۴) ہر شئی اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے

اسی طرح حجر، شجر، ریت، پہاڑ، رات، دن، ظلمات، انوار، جنات، نار، زمان، مکاں، عناصر، ارکان، ارواح و اجسام بھی تسبیح کرتے ہیں، ارشادِ الٰہی ہے:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ (پ۲۷،الحدید:۱) تسبیح کرتے ہیں اللہ کی تمام آسمان والے

تمام کا ثواب بندوں کے لیے

پھر فرمایا: اے بندو! میں تمام اشیاء کی تسبیح سے مستغنی ہوں اور ان اشیاء میں زندگی نہیں لہٰذا انہیں اس تسبیح پر ثواب کی حاجت بھی نہیں تو کیا ان کی تسبیحات کا ثواب ضائع ہو جائے گا حالانکہ یہ بات میرے شایانِ شان ہی نہیں، اس لئے فرمان ہے:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بیکار نہ بنائے (پ۲۳،ص:۲۷)

اس لئے میں ان اشیاء کا ثواب تمہیں عطا کرتا ہوں تا کہ ہر ایک معلوم کر لے جو میری اطاعت میں محنت کرتا ہے میں تمام جہان کو اس کی خدمت میں لگا دیتا ہوں۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ تم عبودیت کے ساتھ مجھے یاد کرو تا کہ اس سے تمہیں نفع ہو نہ کہ مجھے

Marfat.com

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ (پ۲۳،الصافات:۱۸۰) پاک ہے تمہارا رب، عزت والا رب

کیونکہ جب تم تسبیح کرو گے تو میں تمہیں معاصی سے پاک کردوں گا۔

وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلاً (پ۲۲،الاحزاب:۴۲) اور صبح وشام اس کی پاکیزگی بولو۔

مجھے قرض دو اگر چہ میں غنی ہوں۔

وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَناً (پ۲۷،الحدید:۱۸) اور وہ جنہوں نے اللہ کو اچھا قرض دیا

لیکن ایک پر تمہیں دس عطا کروں گا۔

مَنْ ذَالَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَناً فَيُضَاعِفَهٗ لَهٗ (پ۲،البقرۃ:۲۴۵) ہے کوئی جو اللہ کو قرض حسن دے تو وہ اس کیلئے کئی گنا بڑھا دے

میرے معاون بنو اگر چہ میں تمہاری معاونت سے غنی ہوں۔

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (پ۲۶،الفتح:۴) اور اللہ کے لشکر زمین اور آسمانوں میں ہیں

پھر مجھے لشکروں کی ضرورت بھی نہیں۔

وَ لَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ (پ۲۶،محمد:۴) اللہ چاہتا تو خود ان سے بدلہ لیتا

البتہ جب میری مدد کرو گے تو میں مدد تمہاری کروں گا۔

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ (پ۲۶،محمد:۷) اگر تم دین خدا کی مدد کرو گے تو اللہ بھی تمہاری مدد کرے گا

تو میرے ذکر پر دوام اختیار کرو۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ (پ۲،البقرۃ:۲۰۳) اور اللہ کا ذکر کرو گنے ہوئے دنوں میں

اور مجھے تمہارے ذکر کی حاجت نہیں اس لئے کہ تمام میرے ذاکر ہیں۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (پ۲۱،لقمان:۲۵) اگر آپ ان سے پوچھیں آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا فرمایا وہ ضرور کہیں گے اللہ نے

البتہ جب تم میرا ذکر کرو گے تو میں تمہارا ذکر کروں گا۔

تم میری خدمت کرو:

Marfat.com

یَا اَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ　　اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو

اس لئے نہیں کہ میں تمہاری خدمت کا محتاج ہوں ہاں میں ہی مالک ہوں۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ　　(پ ۴، آل عمران:۱۸۹)　　اور زمین و آسمان کی بادشاہی اللہ کیلئے ہی ہے

وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ　　(پ ۱۳، الرعد:۱۵)　　جو کچھ زمین و آسمان میں ہے اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کرتی ہے۔

ہاں ان ایام قلیلہ میں تم میری خدمت کرو تا کہ تم کثیر راحتیں پا سکو۔

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ　　(پ ۷، الانعام:۹۱)　　اللہ کہو پھر انہیں چھوڑ دو

چوتھا مسئلہ: بِحَمْدِكَ کی تفسیر

صاحب کشاف کا کہنا ہے "بِحَمْدِكَ" حال ہے یعنی تیری تسبیح کرتے ہیں اس حال میں کہ تیری حمد کرتے ہیں اور تسبیح تیری تحمید سے ملی ہوتی ہے تو مفہوم کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں تو تیری حمد کرتے ہیں یعنی ہماری تسبیح، تیرے استحقاق کے بغیر نہیں بلکہ تیری ذات اپنی حمد و جلال کی وجہ سے مستحق تسبیح ہے۔

۲۔ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اس لئے اگر بصورت توفیق ہم پر تیرا انعام نہ ہو تو ہم اس پر قادر نہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا اہم قول

جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! میں تیرے شکر پر کیسے قادر ہو سکتا ہوں؟ میں تو تیری نعمتوں کے شکر تک، تیری نعمت کے بغیر پہنچ ہی نہیں پاتا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی کی۔

اَلْاٰنَ قَدْ شَکَرْتَنِیْ حَیْثُ عَرَفْتَ اَنَّ کُلَّ ذٰلِكَ مِنِّیْ　　اب تو نے شکر کیا اس لئے کہ تم نے یہ حقیقت پالی کہ ہر شئی میری طرف سے ہی ہے۔

تسبیح سے مراد

یہاں تسبیح سے کیا مراد ہے؟ اس میں اہلِ علم کا اختلاف ہے، منقول ہے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بوقت صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ عرض کیا: میرے والدین آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہ فدا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ کو کونسا کلام زیادہ پسند ہے؟ فرمایا: جو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کیلئے منتخب کیا: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ

(مسلم:۲۷۳۱)

Marfat.com

حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے، حضور ﷺ جماعت کروا رہے تھے ایک مسلمان نے منافق کو دیکھا تو کہا: رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا رہے ہیں اور تو ادھر بیٹھا نماز نہیں پڑھ رہا۔ منافق نے کہا: جا تو اپنا کام کر۔ مسلمان نے کہا: میں محسوس کرتا ہوں تجھ پہ ایسا آدمی گزرے گا جو تجھے سیدھا کر دے گا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرے۔ فرمایا: تو ادھر بیٹھا ہے، رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا رہے ہیں۔ تو اس نے وہی سابقہ جملہ دہرایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی مرمت کی اور کہا: میرا طریقہ یہی ہے۔ پھر مسجد میں جا کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر عرض کیا: یا نبی اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں ابھی فلاں پر گزرا۔ آپ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے اور وہ بیٹھا ہوا تھا میں نے اس سے کہا: رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا رہے ہیں اور تو ادھر بیٹھا ہے۔ کہنے لگا: جا اپنا کام کر۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے اس کی گردن تو نہیں اڑا دی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُٹھے تاکہ جا کر اسے قتل کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمر واپس آؤ، تمہارا غضب عزیز اور تمہاری رضا حکمت ہے، آسمان پر کچھ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ایسے ہیں جن کی نماز کی وجہ سے وہ فلاں کی نماز سے غنی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ان کی نماز کونسی ہے؟ آپ ﷺ نے خاموشی اختیار کی تو حضرت جبریل علیہ السلام آ گئے۔ بتایا: یا نبی اللہ صلی اللہ علیک وسلم! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہلِ سماء کی نماز کے بارے میں تم سے پوچھا؟ فرمایا: ہاں! کہنے لگے انہیں میری طرف سے سلام کہو اور بتاؤ اہلِ سماء دنیا تا قیامت حالت سجدہ میں یہ کہہ رہے ہیں:

سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ — پاک ہے وہ جو ملک و ملکوت کا مالک ہے

دوسرے آسمان والے تا قیامت حالت قیام میں کہہ رہے ہیں۔

سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَ الْجَبَرُوْتِ — پاک ہے جو عزت و جبروت کا مالک ہے

تیسرے آسمان والے تا قیامت حالت رکوع میں یہ کہہ رہے ہیں۔

سُبْحَانَ الْحَيِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ — پاک ہے وہ ذات جو ہمیشہ زندہ جاوید ہے

تو یہ ملائکہ کی تسبیح ہے۔

۲۔ "نُسَبِّحُ" کا معنی "نُصَلِّی" تسبیح بمعنی صلاۃ ہے۔ حضرت ابنِ عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔

پانچواں مسئلہ: تقدیس سے مراد

تقدیس، بمعنی تطہیر، اسی سے ہے 'ارض مقدسة' (پاک سرزمین) تقدیس سے کیا مراد ہے؟ اس کے یہ معانی بیان ہوئے ہیں

Marfat.com

۱۔ نقدس لك نطهرك یعنی ہم تیرے وہی اوصاف بیان کرتے ہیں جو تیرے علو وعزت کے لائق ہیں۔

۲۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، ہم تیری رضا کیلئے اپنے نفوس کو ذنوب وخطایا سے پاک رکھتے ہیں۔

۳۔ یہ شیخ ابومسلم کا قول ہے، ہم اپنے افعال کو ذنوب سے پاک رکھتے ہیں تاکہ وہ تیرے لئے ہی ہوجائیں۔

۴۔ ہم اپنے دلوں کو تیرے غیر کی طرف متوجہ ہونے سے پاک رکھتے ہیں تاکہ وہ تیری معرفت کے انوار میں ہی مستغرق رہیں۔

معتزلہ کا مؤقف

معتزلہ کہتے ہیں یہ آیت مقدسہ عدل پر کئی وجوہات سے دال ہے۔

پہلی وجہ: ملائکہ کے قول

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ اور ہم تسبیح حمد کے ساتھ اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں

میں افعال کی نسبت انہوں نے اپنی طرف کی ہے اگر یہ افعال الٰہیہ ہوتے تو ان پر اپنی مدح کرنے کا کوئی معنی نہیں اور نہ ہی انہیں فساد وقتل پہ فضیلت ہوتی کیونکہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہیں۔

دوسری وجہ: اگر فساد وقتل اللہ تعالیٰ کے فعل ہیں تو لازماً جواب یہ ہوتا میں مالک ہوں جو چاہوں کروں۔

تیسری وجہ: ارشادِ مبارک اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔ فساد وقتل سے برأت کا اعلان ہے لیکن اپنے فعل سے برأت محال ہوتی ہے۔

چوتھی وجہ: جب فحش، قبح، جور وظلم اور فساد تمام اس کے عمل وخلقت ہیں تو تسبیح وتقدیس کا کیا معنی؟

پانچویں وجہ: ارشادِ گرامی کہ "اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ" مذہب عدل پر دال ہے اس لئے کہ اگر وہ خالقِ کفر ہوتا تو ان کی تخلیق کفر کیلئے ہوگی تو اب جواب یہ ہوتا ہاں ان کی تخلیق فساد وقتل کیلئے ہی ہے لیکن وہ اس جواب پر خوش نہیں تو یہ مذہب بھی ساقط۔

چھٹی وجہ: اگر فساد وقتل، اللہ تعالیٰ کا فعل ہیں تو یہ انسانوں کے الوان واجسام کی طرح ہوتے تو جیسے ان پر کوئی تعجب نہ تھا اسی طرح فساد وقتل پر بھی تعجب نہ ہوگا۔

جواب: ان وجوہات کا، مسئلہ داعی وعلم سے معارضہ ان کا جواب ہے جو تفصیلاً گذر چکا۔ واللہ اعلم

Marfat.com

چھٹا مسئلہ: اِنِّیْ اَعْلَمُ کے متعدد معانی

سوال: ارشاد، اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔ ان کے مذکور سوال کا جواب کیسے بنتا ہے؟

جواب: سوال میں متعدد احتمالات ہیں:

پہلا احتمال: سوال بطور تعجب ہو تو ''اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ'' اس طرح جواب ہوگا۔ فرمایا: تم ان کے فساد وقتل پر تعجب نہ کرو اس کے ساتھ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ان میں صالحین ومتقین بھی ہوں گے اسے تم نہیں جانتے۔

دوسرا احتمال: ان کا سوال بطور غم ہو تو جواب یوں ہوگا کہ تم مفسدین کی وجہ سے غم نہ کرو ان میں جانتا ہوں متقین ہوں گے اور ایسے لوگ بھی:

لَوْ اَقْسَمَ عَلَيَّ لَاَبَرَّہٗ اگر وہ کسی معاملہ میں میری قسم اٹھالیں گے تو میں اسے پوری کروں گا

تیسرا احتمال: یہ سوال طلب حکمت کیلئے ہو تو جواب یوں ہوگا تمہارا اس معاملہ میں بطور اجمال ہی حکمت کا جاننا کافی ہے نہ کہ بطور تفصیل بلکہ بعض اوقات تفصیل جاننا تمہارے لئے نقصان دہ ہے۔

چوتھا احتمال: سوال بطور التماس ہو کہ ہمیں ہی زمین پر رہنے دیا جائے تو جواب دیا میں اس کی مصلحت سے آگاہ ہوں کہ تم آسمان پر رہو نہ کہ زمین پر۔

پانچویں وجہ: پانچویں وجہ یہ ہوسکتی ہے جب ملائکہ نے کہا ''نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ'' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ اور وہ یہ تھا کہ تمہارے ساتھ ابلیس ہے اور اس کے دل میں حسد، تکبر اور نفاق ہے۔

چھٹی وجہ: اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ'' جب تم نے یہ کلمات کہے تو تم نے اپنی مدح کے ساتھ اپنے آپ کو ہی بڑا سمجھا۔ گویا تم نے اس کلام کے ساتھ اپنی تسبیح کی نہ کہ میری۔ اب تم صبر کرو تا کہ انسان تمہارے سامنے آجائیں جو میری بارگاہ میں یوں کہیں گے

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا (پ ۸، الاعراف:۲۳) اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا

Marfat.com

وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ — اور وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں بخشے گا

(پ۱۹،الشعراء:۸۲)

وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ — اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما

(پ۱۹،النمل:۱۹)

[۳۱] وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾

(اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام نام سکھائے پھر سبکو ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا سچے ہو تو ان کے نام تو بتاؤ)

تفصیلی وجہ حکمت

ملائکہ نے جب تخلیقِ آدم، ان کی اولاد اور انہیں زمین پہ ٹھہرانے کی حکمت پوچھی تو اللہ تعالیٰ نے ''اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ'' سے بطور اجمال حکمت بیان فرمائی۔ اب اس مجمل کا مزید بیان و تفصیل ہے تو یہاں حضرت آدم علیہ السلام کی ایسی فضیلت بیان کی جو انہیں معلوم نہ تھی بایں طور کہ حضرت آدم کو تمام اسماء کی تعلیم دی پھر ملائکہ سے سوال کیا تا کہ ان پہ حضرت آدم علیہ السلام کا علم میں فضل اور ملائکہ کی کمی ظاہر ہو جائے تو اس جواب تفصیلی سے جواب اجمالی میں قوت و تائید پیدا ہوگی۔ یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: زبانیں اور لغات توقیفی ہیں

امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ، جبائی اور کعبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں تمام زبانیں و لغات توقیفی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ و معانی کا علم ضروری تخلیق کیا اور ان الفاظ کو ان معانی کیلئے وضع کیا۔ ان کا استدلال 'وعلم آدم الاسماء کلھا' سے ہے ہم نے اس سے استدلال کی تفصیل بصورت سوال و جواب اصول الفقہ میں بیان کردی ہے۔

شیخ ابو ہاشم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں لغت اصطلاحی کا پہلے ہونا ضروری ہے اصطلاح کے وضع سے پہلے ہونے پر ان کے دلائل یہ ہیں

۱۔ اگر علم ضروری یوں حاصل ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ اس معنی کیلئے وضع فرمایا تو یہ علم اب عاقل کو حاصل ہوگا یا غیر عاقل کو، عاقل کیلئے اس کا حصول جائز نہیں اس لئے کہ اگر علم ضروری یوں حاصل ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ فلاں معنی کیلئے وضع کیا ہے تو اب اللہ کی صفات بداھۃً معلوم ہو جائیں گی اور اس کی ذات، استدلال سے معلوم ہے اور یہ محال ہے، غیر عاقل کیلئے

Marfat.com

بھی حصول جائز نہیں اس لئے کہ عقلاً ان لغات کے ساتھ حصول علم بعید ہے پھر غیر عاقل کیلئے ان میں عجیب حکمتیں کہاں؟ لہٰذا توقیف کا قول فاسد ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے خطاب فرمایا اس سے لازم آ رہا ہے کہ اس تکلم سے پہلے لغت زبان تھی۔

۳۔ ارشاد، وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّھَا میں تعلیم اسماء کا بیان ہے جو بتا رہا ہے کہ ان کی تعلیم سے پہلے اسماء تھے۔ جب معاملہ یوں ہی ہے تو اس تعلیم سے پہلے لغات کا حصول ہوگا۔

۴۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے علم اسماء کے ساتھ ملائکہ کو چیلنج کیا تو ملائکہ کا یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ ان اسماء کے مسمیات کی تعیین میں صادق ہیں ورنہ ان کے صدق کا علم حاصل نہیں ہوگا اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان اسماء کی وضع ان مسمیات کیلئے اس تعلیم سے مقدم ہو۔

ان دلائل کا جواب

پہلے کا جواب: یہ کہنا کیوں جائز نہیں کہ تخلیق علم ضروری سے مراد یہ ہے کہ ان اسماء کو ان مسمیات کیلئے واضع نے وضع کیا ہے ہاں یہ تعین نہیں کہ واضع اللہ تعالیٰ ہے یا لوگ ہیں؟ اس سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ صفات تو بداہۃً معلوم اور ذات دلیل سے معلوم ہو

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے عاقل میں یہ علم پیدا نہیں کیا البتہ یہ کہنا کیوں ناجائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیر عاقل میں اسے پیدا کیا اور عقلاً اسے بعید قرار دینا ہی بعید ہے۔

دوسرے کا جواب: یہ ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے خطاب کسی اور طریق پر کیا ہو مثلاً بصورت تحریر وغیرہ

تیسرے کا جواب: یہ ہے کہ بلاشبہ ان الفاظ کے معانی کیلئے وضع کا ارادہ الٰہی اس تعلیم سے مقدم تھا تو اسماء کی طرف نسبت تعلیم کیلئے یہ کافی ہے۔

چوتھے کا جواب: انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب آ رہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

دوسرا مسئلہ: صفات وخواص کا علم

پہلا قول: کچھ اہلِ علم کہتے ہیں: وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّھَا، سے واضح کیا کہ حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے اشیاء کی صفات، نعوت اور خواص کا علم عطا فرمایا۔ دلیل یہ ہے کہ اسم کا اشتقاق 'سِمَۃٌ' یا 'سُمُوٌّ' سے ہے اگر سمۃ سے ہو تو اسم کا معنی علامت ہے اشیاء کی صفات، نعوت اور خواص ہی اس کی ماہیت پہ دال ہوتے ہیں تو اسماء سے یہ صفات وغیرہ مراد لینا درست ہوگا۔

اور اگر یہ 'سُمُوٌّ' ''(بلند) سے ہو تو معاملہ پھر بھی یہی ہے اس لئے کہ شی پر دلیل، شی پر بلند شئی کی طرح ہوتی ہے کیونکہ

Marfat.com

دلیل کا علم مدلول کے علم سے پہلے ہوتا ہے تو دلیل حقیقت میں بلند ہوئی، تو اسم سے لغۃً صفت مراد لینے میں کوئی ممانعت نہیں باقی اہلِ نحو نے لفظ اسم کو چند الفاظ مخصوصہ کیلئے مخصوص کر دیا ہے لیکن نحوی عرف بعد کا اور نیا ہے لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

جب یہ تفسیر حسب لغت ممکن ہے تو اس کا مراد ہی ہونا لازم ہے نہ کہ کوئی دوسری تفسیر، اور وجوہ ودلائل یہ ہیں:

پہلی وجہ: حقائق اشیاء کی معرفت میں فقط اسماء اشیاء جاننے سے فضیلت ہے، کلام کو ایسی فضیلت کے اظہار پر محمول کرنا جو مزید فضیلت کو لازم ہو اولیٰ ہوتا ہے اس سے جس میں یہ نہ ہو۔

دوسری وجہ: تحدی وچیلنج اس سے ممکن وجائز ہوتا ہے کہ سامع کیلئے بھی اس پر کسی نہ کسی صورت میں قدرت ہو مثلاً اگر آدمی لغت وفصاحت کا عالم ہے تو اسے یہ کہنا درست ہے فصاحت میں میرے مثل کلام لاؤ، لیکن کوئی عرب، حبشی کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ تم میری زبان میں کلام کرو اس لیے کہ محض عقل ان لغات کو حاصل نہیں کر سکتی بلکہ ان کے حصول کا ذریعہ تعلیم ہی ہے ہاں تعلیم کے بعد ان کا علم آجاتا ہے، ورنہ نہیں، رہے حقائق اشیاء تو عقل انہیں حاصل کر سکتی ہے لہٰذا ان کے ساتھ تحدی درست ہے۔

دوسرا قول: مشہور یہی ہے کہ یہاں تمام اجناس حوادثات کے نام مراد ہیں جو اولاد آدم میں مختلف زبانوں مثلاً عربی، فارسی، رومی، انگریزی وغیرہ میں ہیں۔ سیدنا آدم کی اولاد ان لغات اور زبانوں میں گفتگو کرتے حضرت آدم کے وصال کے بعد ان کی اولاد اکناف عالم میں پھیل گئی تو ہر ایک نے کسی متعین زبان میں گفتگو کی تو وہاں وہی زبان رائج ہو گئی، مدت طویل اور ہر دور میں موت کی وجہ سے زبانیں بھول گئیں، اولاد آدم میں مختلف زبانوں کی تبدیلی کا سبب بھی یہی ہے۔

اہلِ معانی وحقائق کا قول

اہلِ معانی کا قول یہ ہے کہ "وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ" میں حذف ماننا ضروری ہے تو مراد یہ ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مسمیات کے اسماء کا علم دیا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اسماء کے مسمیات کا علم دیا، اول اولیٰ ہے کیونکہ آگے ارشاد:

أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هٰؤُلَاءِ — بتاؤ مجھے ان کے اسماء

فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ — جب انہوں نے ان کے اسماء بتائے

یعنی فقط یہ نہیں کہا ان کے بارے میں مجھے بتاؤ بلکہ ان کے اسماء کی بات کی۔

Marfat.com

عَرَضَهُمْ کی حکمت

سوال: جب اللہ تعالیٰ نے انہیں جمیع مسمیات کے انواع کا علم دیا تو ان میں غیر ذوی العقول بھی تو ہیں تو عَرَضَهُمْ کہا عَرَضَهَا کیوں نہ فرمایا؟

جواب: ان میں ملائکہ، انسان اور جنات شامل ہیں اور یہ اہل عقل ہیں، ان کے اکمل ہونے کی وجہ سے انہیں غلبہ دے دیا، اس لئے کہ معمول یہی ہے کہ کامل جب غالب ہوں تو انہیں ناقص پر غلبہ دیا جاتا ہے۔

تیسرا مسئلہ: کچھ نے ارشاد "اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ" سے تکلیف مالایطاق پر استدلال کیا لیکن یہ ضعیف ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے عجز سے آگاہ ہوتے ہوئے ان کی بے بسی ظاہر کرنے کیلئے پوچھا تھا اور اس پر یہ الفاظ مبارک شاہد ہیں:

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ اگر تم سچے ہو

چوتھا مسئلہ: حضرت آدم علیہ السلام کا نبی ہونا

معتزلہ کا کہنا یہ ہے حضرت آدم علیہ السلام سے علم اسماء کا اظہار ایسا معجزہ ہے جو اس وقت سے ان کی نبوت پر دلیل ہے، اقرب و مختار یہی ہے کہ ان کی بعثت حضرت حوا علیہا السلام کی طرف ہوئی تھی، لیکن یہ بھی بعید نہیں کہ ان کی بعثت ان ملائکہ کی طرف ہو جن کو چیلنج دیا گیا کیونکہ یہ تمام اگرچہ رُسل ہیں مگر رسول کی طرف بھی بعثتِ رسول ہو سکتی ہے مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت حضرت لوط علیہ السلام کی طرف ہے۔

اس پہ ان کا استدلال یہ ہے کہ انہیں علم اسماء کا حصول، خلاف معمول و عادت ہے لہٰذا اس کا معجزہ ہونا ضروری ہے جب یہ معجزہ ہو تو حضرت آدم علیہ السلام کا اس وقت سے نبی ہونا ثابت ہے۔

سوال: کوئی یہ کہہ سکتا ہے یہ تسلیم نہیں کہ انہیں علم کا حصول خلاف عادت ہوا، اس لئے کہ انہیں لُغات کا علم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے جنہیں نہیں دیا انہیں وہ حاصل نہیں تو یہ خلاف عادت نہیں۔

پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کیا ملائکہ یہ جانتے تھے کہ ان اسماء کی وضع فلاں مسمیات کیلئے ہے یا نہیں جانتے تھے؟ اگر وہ جانتے تھے تو پھر انہیں بیان کرنے پہ قدرت تھی تو اب معارضہ لاحق ہو جائے گا اور حضرت آدم علیہ السلام کی ان پہ فضیلت و کمال ظاہر نہ ہوگا۔ اور اگر وہ یہ جانتے ہی نہ تھے تو انہیں کیسے معلوم ہو گیا حضرت آدم علیہ السلام ان مسمیات میں سے ہر ایک کے بیان اسم میں سچے ہیں تو اس سوال کا جواب دو وجہ سے ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

پہلی وجہ: ممکن ہے ان انواع لغات میں سے ہر نوع ملائکہ کیلئے الگ الگ لغت ہو اور ہر نوع دوسرے کی لغت وزبان سے آگاہ نہ ہو، تمام اصناف ملائکہ وہاں موجود نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے تمام لغات کو ان پر بیان کیا، ہر صنف ملائکہ نے اپنی اپنی لغت کے حوالہ سے انہیں درست پایا تو اس طریق سے ان کی اصابت انہیں معلوم ہوگئی البتہ وہ ان تمام لغات کی معرفت سے عاجز تھے لہٰذا یہ علم معتبر قرار پایا۔

دوسری وجہ: یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو بتا دیا ہو اس سے پہلے کہ انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے سن کر ان کے صدق پر استدلال کیا تو جب انہوں نے ان سے یہی اسماء سنے اور ان کا صدق پالیا تو انہوں نے اس کا معجز ہونا پہچان لیا۔

ہاں اتنا تسلیم ہے کہ ان پہ خلاف عادت فعل کا ظہور ہوا تو ممکن ہے یہ بابِ کرامات یا بابِ ارہاصات میں سے ہو اور یہ دونوں اس موقعہ پر جائز ہیں لیکن اب اس مسئلہ پر گفتگو ان دونوں میں کلام کی فرع ہوگی۔

سیدنا آدم اس وقت نبی نہ تھے

کچھ لوگوں نے کہا: اس وقت حضرت آدم علیہ السلام قطعاً نبی نہ تھے، ان کے دلائل یہ ہیں:

پہلی دلیل: اگر وہ اسی وقت نبی تھے تو پھر معصیت کا صدور ان سے نبوت کے بعد ہوگا اور یہ درست نہیں تو لازم ہے اس وقت وہ نبی نہ ہوں، یہ لزوم یوں ثابت کہ ان سے لغزش کا صدور بالاتفاق اس واقعہ کے بعد ہوا تھا اور اس لغزش کا تعلق کبائر سے ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ عنقریب آرہی ہے۔ کبیرہ کا ارتکاب دوری، تحقیر اور لعنت کا موجب ہوتا ہے اور یہ تمام انبیاء علیہم السلام کے حوالہ سے ممکن وجائز نہیں لہٰذا یہ ماننا لازم ہے کہ یہ لغزش قبل از نبوت ہے۔

دوسری دلیل: اگر حضرت آدم علیہ السلام اس وقت رسول تھے تو ان کی بعثت کسی کی طرف تھی یا نہیں تھی؟ اگر وہ کسی طرف مبعوث تھے تو وہ ملائکہ ہوں گے یا انسان یا جنات، اول صورت باطل اس لئے کہ معتزلہ کے ہاں ملائکہ، انسانوں سے افضل ہیں تو جائز نہیں کہ کم درجہ والے کو اعلیٰ واشرف کی طرف رسول بنایا جائے کیونکہ رسول متبوع جبکہ اُمت تابع ہوتی ہے تو کم درجہ والے کا متبوع واشرف بننا خلاف اصل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آدمی اپنے ہم جنس کی بات کو زیادہ قبول کرتا ہے، اس لئے فرمانِ الٰہی ہے:

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا (پ ۷، الانعام: ۹) اور اگر ہم نبی کو فرشتہ کرتے تو جب بھی اسے مرد ہی بناتے

Marfat.com

یہ بھی جائز نہیں کہ وہ کسی انسان کی طرف مبعوث ہوں اس لئے کہ اس وقت حضرت حوا علیہا السلام ہی تھیں اور انہوں نے مکلف ہونے کی معرفت براہِ راست اللہ تعالیٰ سے پائی نہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کے واسطہ سے، ارشادِ الٰہی شاہد ہے:

وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (پ۸، الاعراف:۱۹) اور تم دونوں اس درخت کے قریب مت جانا

تو یہ حکم ان دونوں کو براہِ راست ہے اس میں سیدنا آدم علیہ السلام واسطہ نہیں بنائے گئے۔

یہ بھی جائز نہیں کہ ان کی بعثت جنات کی طرف ہو کیونکہ آسمانوں پہ کوئی جن تھا ہی نہیں۔

اور یہ بھی جائز نہیں کہ ان کی بعثت کسی کی طرف نہ ہوئی ہو کیونکہ رسول بنانے کا مقصد تبلیغ ہے اور یہاں مقصد تبلیغ ہی نہیں وہاں کسی کو رسول بنانے کا کیا فائدہ؟ لیکن یہ وجہ زیادہ قوی نہیں۔

تیسری دلیل: ارشادِ الٰہی ہے:

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ (پ۱۶، طٰہٰ:۱۲۲) پھر چن لیا اس کو اس کے پروردگار نے

یہ فرمان واضح کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں لغزش کے بعد منتخب کیا ہے لہٰذا یہ کہنا لازم ہے کہ لغزش سے پہلے منتخب نہ تھے۔ جب ولادت کے وقت منتخب ہی نہ تھے تو لازم ہے کہ رسول نہ ہوں اس لئے کہ رسالت اور انتخاب آپس میں متلازم ہیں کیونکہ انتخاب کا معنی ہی انواع واقسام شرافت کے ساتھ مخصوص کرنا ہے تو جسے بھی اللہ تعالیٰ رسول بناتا ہے اسے ان سے مخصوص فرما دیتا ہے۔ اس لئے ارشادِ مقدس ہے:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (پ۸، الانعام:۱۲۴) اللہ بہتر جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔

پانچواں مسئلہ: اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ کی تفسیر

ارشادِ الٰہی ''اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ'' کے معنی میں متعدد تفاسیر بیان ہوئی ہیں:

پہلی وجہ: معنی یہ ہے مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ، اگر تم یہ جانتے کہ بتانے میں تم سچے ہو۔

دوسری وجہ: مجھے خبر دو اور حق و سچ ہی کہو تو یہ اب ان کے قصور و عجز پر بیان کردہ تنبیہ میں تاکید ہے۔ جب ان کے اندر یہ بات پختہ ہو جائے گی کہ اگر وہ بتاتے ہیں تو وہ سچے نہ ہوں گے اور نہ ہی انہیں اس پر قدرت ہے تو وہ جان لیں گے کہ یہ ان کیلئے مشکل ہے

تیسری وجہ: اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو کہ مخلوق میں ایسی کوئی عبادت نہیں کر سکتا جس کی تمہارے اندر صلاحیت و استعداد ہے، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔

چوتھی وجہ: اگر تم اس اپنے قول میں سچے ہو کہ تم ہر مخلوق سے زیادہ علم والے ہو تو مجھے ان کے اسماء کی خبر دو۔

Marfat.com

چھٹا مسئلہ

فضیلتِ علم

Marfat.com

یہ آیتِ مبارکہ علم کی فضیلت آشکار کر رہی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام میں اپنے کمال حکمت کا اظہار فرمایا تو وہ ان کے علم کے ذریعے فرمایا: اگر کائنات میں علم سے بڑھ کر کوئی شئی اعلیٰ ہوتی تو پھر علم کے بجائے اس شئی کے ذریعہ ان کی فضیلت سامنے لائی جاتی۔

فضیلت علم اور کتاب اللہ

فضیلتِ علم پہ کتاب، سنت اور دلائل عقلیہ کثیر ہیں کتاب اللہ نے کئی طرح سے اسے بیان کیا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے علم کو حکمت فرمایا اور پھر حکمت کو عظمت دی جو شانِ علم کی عظمت پر دال ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم کو حکمت قرار دینا کچھ یوں ہے۔ حضرت مقاتل نے کہا، قرآن میں حکمت کی تفسیر ان چار معانی سے ہے:

پہلی وجہ: مواعظ قرآن، سورۃ البقرۃ میں فرمایا:

وَمَآ اَنۡزَلَ عَلَيۡکُمۡ مِّنَ الۡکِتٰبِ وَ الۡحِکۡمَةِ — اور جو نازل کیا گیا تمہاری طرف کتاب اور دانائی

(پ۲، البقرۃ:۲۳۱)

سورۂ نساء میں فرمایا:

وَ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَيۡکَ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَةَ — اور اللہ نے تم پر کتاب اور دانائی اتاری۔

(پ۵، النساء:۱۱۳)

دونوں جگہ مواعظ مراد ہیں، اسی طرح آلِ عمران میں ہے:

دوسری وجہ: حکمت بمعنی علم و فہم، ارشادِ الٰہی ہے:

وَ اٰتَيۡنٰهُ الۡحُکۡمَ صَبِيًّا (پ۱۶ مریم:۱۲) — اور اسے ہم نے بچپن میں ہی حکمت و علم دیا

سورۂ لقمان میں ہے:

وَ لَقَدۡ اٰتَيۡنَا لُقۡمٰنَ الۡحِکۡمَةَ (پ۲۱ لقمان:۱۲) — اور ہم نے لقمان کو دانائی عطا کی

یہاں مراد فہم و علم ہے، الانعام میں ہے۔

Marfat.com

أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ — یہ وہ لوگ ہیں جن کو کتاب وحکمت ہم نے عطا کی

(پ۷ الانعام:۸۹)

تیسری وجہ: حکمت بمعنی نبوت۔سورۃ النساء (54) میں فرمایا:

فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ — ہم نے آل ابراہیم کو کتاب ونبوت عطا کی

یہاں نبوت مراد ہے،سورۂ ص میں فرمایا:

وَ اٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ (پ۲۳ البقرۃ:۲۰) — اور ہم نے اسے حکمت عطا کی

سورۃ البقرہ میں فرمایا:

وَ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ الْحِكْمَةَ (پ۲ البقرۃ:۲۵۱) — اور اللہ نے اسے بادشاہی اور حکمت عطا کی

یہاں بھی نبوت مراد ہے:

چوتھی وجہ: حکمت سے قرآن مراد ہے،فرمایا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ (پ۱۴ النحل:۲۵) — اپنے رب کے راستہ کی طرف قرآن کے ساتھ بلاؤ

دوسرے مقام پر ہے:

وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا — جس کو دانائی دی گئی اس کو خیر کثیر عطا کی گئی

(پ۳ البقرۃ:۲۶۹)

یہ تمام معانی دراصل علم ہی کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

قلیل علم اور مخلوق

پھر اس پر بھی غور کیجئے،اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو علم قلیل ہی عطا کیا ہے،ارشادِ مبارک ہے:

وَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (پ۱۵ الاسراء:۸۵) — اور جو تمہیں علم دیا گیا تھوڑا ہے

اور تمام دنیا کو بھی قلیل قرار دیا ہے:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ (پ۵ النساء:۷۷) — کہہ دیں دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے

Marfat.com

جسے اس نے قلیل بتایا ہم اس کی تعداد و کیفیت کا ادراک نہیں رکھتے تو اس کے بارے میں کیا خیال ہے جسے وہ کثیر قرار دے؟

قلتِ دنیا پر دلیل

قلت دنیا اور کثرت حکمت پر دلیل عقلی یوں ہے کہ دنیا کی قدر، تعداد اور مدت تمام متناہی اور محدود ہے اور علم کی قدر، تعداد اور مدت اور اس پر حاصل سعادتوں کی حد ہی نہیں یہ تمام فضیلت علم ہی کو آشکار کر رہی ہے۔

دوسری دلیل: ارشادِ الٰہی ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ　　کہہ دیں کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں؟

(پ۲۳، الزمر:۹)

سات افراد میں فرق

اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ میں سات افراد کے درمیان فرق واضح کیا ہے، خبیث وطیب میں۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ　(پ۷، المائدۃ:۱۰۰)　اور کہہ دیجئے پاک اور ناپاک برابر نہیں

یعنی حلال وحرام میں فرق ہے۔

اندھے اور بینا میں فرق یوں بیان کیا:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ　(پ۷، الانعام:۵۰)　کہہ دیجئے کیا بینا اور نابینا برابر ہیں؟

روشنی اور تاریکی میں فرق ان الفاظ میں کیا:

اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَ النُّوْرُ　(پ۱۳، الرعد:۱۶)　کیا تاریکی اور روشنی برابر ہیں؟

اس طرح جنت و دوزخ اور ظل وحرور میں فرق کیا، اگر تم غور کرو تو معلوم ہو جائے گا یہ تمام عالم و جاہل کا ہی فرق ہے۔

تیسری دلیل: ارشاد مقدس ہے:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ　　اور اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور صاحب حکم کی

(پ۵، النساء:۵۹)

Marfat.com

اُولی الامر، اصحابِ علم

یہاں اصح قول کے مطابق اُولُو الامر سے اہلِ علم ہی مراد ہیں اس لئے کہ بادشاہوں پر اہلِ علم کی اطاعت لازم ہے اور معاملہ اس کے برعکس نہیں ہوسکتا۔

پھر یہ مرتبہ بھی ملاحظہ کر لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں دو مقامات پہ عالم کو دوسرے مرتبہ پر ذکر کیا:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ (پ۳، آل عمران:۱۸) — اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ملائکہ اور عالموں نے

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ (پ۵، النساء:۵۹) — حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول اللہ کا اور ان کا جو تم میں حکم والے ہیں

پھر اللہ تعالیٰ نے عزت و اکرام میں اضافہ کرتے ہوئے دو آیات میں عالم کو پہلے مرتبہ میں بیان کیا:

وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ (پ۳، آل عمران:۷) — اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے اور پختہ علم والے

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِىْ وَ بَيْنَكُمْ وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ (پ۱۳، الرعد:۴۳) — اور کہہ دیجئے کافی ہے اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ اور جس کے پاس کتاب کا علم ہے

چوتھی دلیل: ارشاد فرمایا:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (پ۲۸، المجادلہ:۱۱) — بلند فرمائے درجات اللہ نے ایمان والوں اور جن کو علم عطا کیا گیا ان کے

چار اصناف کے درجات

یاد رہے اللہ تعالیٰ نے چار اصناف کے درجات ذکر کئے ہیں۔

ا۔ صاحب ایمان اہلِ بدر۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ (پ۹، الانفال:۲،۴) — بیشک مومنین وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل دہل جائیں ان کیلئے درجات ہیں ان کے رب کے پاس

Marfat.com

۲۔ مجاہدین۔

وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ فضیلت دی اللہ نے مجاہدین کو بیٹھے رہنے والوں پر

(پ۵ ،النساء:۹۵)

۳۔ صالحین۔

وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَاُولٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلٰى (پ۱۶ ،طٰہٰ:۷۵) اور جو اس کے حضور ایمان کے ساتھ آئے اور اچھے کام کیے تو انہیں کے درجے اونچے ہیں۔

۴۔ اہلِ علم۔

وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (پ۲۸ ،المجادلۃ:۱۱) جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا۔

تو اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کے، دیگر اہلِ ایمان پر درجات، مجاہدین کے گھروں میں رہ جانے والوں پر درجات، صالحین کے درجات ذکر کیے اور پھر اہلِ علم کو تمام اصناف پر درجات میں فضیلت دی۔ لہٰذا اہلِ علم کا تمام لوگوں سے افضل ہونا لازم ہے۔

۵۔ ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (پ۲۲،فاطر:۲۸) بیشک بندوں میں سے علم والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔

علماء کے پانچ مناقب

اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ میں اہلِ علم کے پانچ مناقب بیان کیے ہیں۔

۱۔ ایمان

وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ (پ۳،آل عمران:۷) اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔

۲۔ توحید و شہادت

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ (پ۳ ،آل عمران:۱۸) گواہی دی اللہ نے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، فرشتوں اور علم والوں نے

۳۔ تضرع وزاری

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ (پ۱۵ الاسراء:۱۰۹) اور روتے ہوئے ٹھوڑی کے بل گرتے ہیں

نقل قدیم

ترجمہ تفسیر کبیر

Marfat.com

۴۔ خشوع

اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِهٖۤ اِذَا یُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ یَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ سُجَّدًا (پ۱۵،الاسراء:۱۰۷)

بیشک وہ جنہیں اس کے اترنے سے پہلے علم ملا جب ان پر تلاوت کیا جاتا ہے ٹھوڑی کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔

۵۔ خشیتِ الٰہی

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا (پ۲۲،فاطر:۲۸)

بیشک علماء ہی اس کے بندوں میں سے اللہ سے ڈرتے ہیں

احادیثِ مبارکہ اور فضیلتِ علم

ا۔ حضرت ثابت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے نارِ جہنم سے آزاد کردہ لوگ دیکھنا چاہتا ہے تو وہ طلبہ کو دیکھ لے۔ قسم بخدا۔ جب طالبِ علم دروازۂ علم کی طرف چلتا ہے تو ہر قدم کے بدلے جنت میں ایک شہر آباد کیا جاتا ہے وہ زمین پر چلتا ہے تو زمین اس کیلئے استغفار کرتی ہے وہ رات اور دن اس حالت میں گزارتا ہے کہ اس کے تمام گناہ معاف ہو چکے ہیں اور آتشِ جہنم سے آزادی کا پروانہ ملنے پر فرشتے گواہ ہیں

علم حاصل کرنے والا روزہ دار کی طرح

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو غیر اللہ کیلئے علم طلب کرتا ہے تو دنیا سے کوچ سے پہلے اس کے پاس ایسا علم آجاتا ہے جو خدا کیلئے بن جاتا ہے اور جو خدا کی رضا کیلئے علم حاصل کرے تو وہ روزہ دار اور رات قیام کرنے والے کی طرح ہے اگر کوئی شخص علم کا ایک باب سیکھ لے تو اس کیلئے راہِ خدا میں جبلِ ابُو قیس کے برابر سونا خرچ کرنے سے بہتر ہے

عالم اور انبیاء کا قرب

۳۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو احیاءِ اسلام کی خاطر علم حاصل کرتے ہوئے موت آجائے تو جنت میں اس کے اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان ایک درجہ کا فرق ہے۔ (سنن دارمی:۳۵۴۰)

۴۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کو اٹھائے گا اور ان میں علماء کو الگ اور ممتاز فرمائے گا اور حکم دے گا کہ میں نے تمہارے سینوں میں اپنا نور اس لیے رکھا ہے کہ میں تمہیں جانتا ہوں اور تمہیں علم کی دولت سے اس لیے سرفراز نہیں کیا کہ تمہیں عذاب دوں۔ جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا۔

(مسند الفردوس:۸۰۵۹)

Marfat.com

مخلوق روتی ہے

۵۔ معلمِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب معلمِ خیر کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس پر آسمان کے پرندے، زمین کے چوپائے اور پانی کی مچھلیاں روتیں ہیں۔

(سنن ترمذی، ۲۶۸۵)

۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے عالم کی اقتداء میں نماز ادا کی، گویا اُس نے نبی کی اقتداء میں نماز ادا کی۔

عابد پر ستر درجے

۷۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: عالم، عابدِ محض پر ستر درجے افضل ہے اور ہر درجے کے درمیان گھوڑ سوار کی ستر سالہ مُسافت کا فرق ہے، اس لیے کہ شیطان لوگوں کے درمیان بدعت پھیلانا چاہتا ہے تو عالم اسے دیکھ کر زائل کر دیتا ہے اور عابد اپنی عبادت میں مصروف رہتا ہے اور بدعت کی طرف عدمِ توجہ سے اس کو نہیں پہچانتا۔

(الترغیب والترہیب، ۱۰۷۵)

خلفاءِ رسول

۸۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے خلفاء پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔ عرض کیا گیا: آپ کے خلفاء کون لوگ ہیں؟ فرمایا: جو میری سُنّت کو زندہ کرتے ہیں اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتے ہیں۔

۹۔ رحمتِ دو عالم ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اِس خیال سے گھر سے نکلے کہ علم کا ایک باب سیکھ کر لوگوں کو باطل سے حق کی طرف اور ضلالت سے ہدایت کی طرف بلائے گا تو اس کا یہ عمل چالیس سالہ عبادت کے برابر ہوگا۔

۱۰۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ تیری وجہ سے کسی ایک آدمی کو ہدایت عطا کر دے تو یہ تمہارے لیے پُورے رُوئے زمین سے بہتر ہے۔

(البخاری، ۳۰۰۹)

۱۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس نیّت سے علم حاصل کرے کہ اسے رضائے خدا کیلئے لوگوں میں بیان کرے گا تو اُسے ستّر انبیاء کرام کے برابر ثواب ملے گا۔

۱۲۔ حضرت عامر جہنی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز طالبِ علم کی سیاہی اور شہید کا خون تولا جائے گا تو دونوں برابر ہوں گے۔

Marfat.com

ایک روایت میں ہے کہ علماء کی سیاہی راجح اور بھاری ہوگی۔

۱۳۔ حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جلوہ افروز تھے، تین آدمی آئے ایک نے مجلس میں جگہ دیکھی وہیں بیٹھ گیا اور دوسرا ان کے پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرا واپس چلا گیا۔ جب آپ نے خطاب ختم کیا تو فرمایا: میں تمہیں تین آدمیوں کے بارے میں خبر دیتا ہوں۔ ایک نے اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کی اسے پناہ مل گئی، دوسرے نے اللہ تعالیٰ سے حیاء کی اس سے حیاء کی گئی، تیسرے نے اللہ تعالیٰ سے مُنہ پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے اعراض فرمایا

(مُسلم،۲۱۷۶)

آثار صحابہ اور فضیلتِ علم

۱۔ استاذ عالم، والدین کی بہ نسبت شاگرد پر زیادہ مہربان ہوتا ہے۔ کیونکہ والدین بچے کی دُنیا کی آگ اور آفت سے حفاظت کرتے ہیں اور عالم آخرت کی آگ اور مشکلات سے بچاتا ہے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا: آپ رضی اللہ عنہ نے یہ علم کیسے حاصل کیا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: بہت سوال کرنے والی زبان اور سمجھدار دل کے ساتھ۔

۳۔ بعض عُلماء فرماتے ہیں کہ نادانوں کی طرح سوال کیا کرو اور داناؤں کی طرح یاد کیا کرو۔

۴۔ حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا: بیٹا! علم حاصل کرو، اگر تمہارے پاس مال ہے تو علم جمال بن جائے گا اور اگر مال نہیں تو علم ہی مال ہے۔

۵۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس طرح جہالت کی گفتگو میں بھلائی نہیں اِسی طرح علم کے متعلق خاموشی اختیار کرنے میں خیر نہیں۔

علماء تین طرح کے

۶۔ بعض محققین فرماتے ہیں، علماء تین طرح کے ہوتے ہیں

۱۔ عالم باللہ مگر عالم بامر اللہ نہ ہو۔

۲۔ عالم بامر اللہ مگر عالم باللہ نہ ہو۔

۳۔ عالم باللہ بھی ہو اور عالم بامر اللہ بھی۔

اول وہ بندہ ہے جس کے دل پر معرفتِ الٰہیہ نے اس قدر غلبہ کیا کہ وہ نُورِ جلال اور صفاتِ کبریاء میں مستغرق ہو جانے کی وجہ سے ضروری مسائل سے زائد علم حاصل نہ کر سکا۔

Marfat.com

دوسرا آدمی وہ ہے جس نے حلال و حرام کو پہچانا۔ احکام کا علم حاصل کیا لیکن جلالِ الٰہی کے اسرار سے بے بہرہ رہا۔

تیسرا آدمی عالمِ معقولات و عالمِ محسوسات کے درمیان حد مشترک پر بیٹھا ہے کبھی وُہ از رُوئے محبت خدا کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی از روئے شفقت و رحمت مخلوق کے ساتھ۔ جب وہ خالق سے مخلوق کی طرف آتا ہے تو ان کا ایک فرد بن جاتا ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ معرفت الٰہی نہیں رکھتا اور جب جلوت سے خلوت میں آتا ہے تو ربّ قدّوس کی عبادت و مناجات اور ذکر و فکر میں اس طرح مشغول ہوتا ہے جیسے وُہ مخلوق سے بالکل ناواقف ہے۔ یہ مرسلین و صدیقین کا طریق ہے۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے مراد بھی یہی ہے علماء سے سوال کرو؟ حکماء سے اختلاط و میل جول رکھو اور کبراء کی مجلس لازم کرلو۔

(المعجم الکبیر-۲۲،۳۲۴)

علماء سے مراد جو احکامِ شرع سے واقف ہیں لیکن عالم باللہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بوقتِ ضرورت ان سے فتویٰ لینے اور سوال کرنے کا حکم دیا ہے اور حکماء سے مُراد علماء باللہ ہیں جو اوامر و نہی کا (زائد از ضرورت) علم نہیں رکھتے۔ ان سے اختلاط کا حکم دیا گیا ہے اور کبراء سے مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کے عالم ہیں۔ جن کی مجلس اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لیے کہ ان کی مجلس میں دارین کی سعادتیں اور منفعتیں ہیں۔

عالم بامرِ اللہ کی تین علامتیں

حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، تینوں قسم کے علماء کی تین تین علامتیں ہیں۔

۱۔ ذکرِ لسانی کی دولت سے بہرہ ور ہو لیکن ذکرِ قلبی کی دولت سے محروم ہو۔

۲۔ خدا تعالیٰ کی بجائے مخلوق کا خوف غالب ہو۔

۳۔ ظاہر میں لوگوں سے حیا کرے لیکن باطن اور دل میں ربّ الناس (لوگوں کے رب) سے حیا نہ کرے۔

عالم باللہ کی تین علامات

۱۔ذکر ۲۔خوف ۳۔حیا کی دولت سے مالا مال ہو

ذکر سے مُراد ذکرِ قلبی ہے نہ کہ ذکرِ لسانی، خوف سے مراد خوفِ ریا ہے نہ کہ خوفِ معصیت اور حیا سے مُراد وساوس و خطراتِ قلب سے حیا ہے نہ کہ ظاہری حیا۔

Marfat.com

عالم باللہ و بامر اللہ کی چھ علامتیں

اللہ تعالیٰ اور امرِ الٰہی کے عالم میں چھ چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔تین عالم باللہ والی اور دُوسری تین یہ ہیں:

۱۔ عالم غیب اور عالم شہادت کے درمیان حدِ مشترک پر قیام کرتا ہو۔

۲۔ پہلی دو قسموں کا معلم ہو۔

۳۔ پہلے دو فریق اس کے محتاج ہوں اور وہ ان سے بے نیاز۔

علم و فکر کے بغیر دل کا مردہ ہونا

۲۔ حضرت شیخ فتح الموصلی فرماتے ہیں: کیا مریض کھانا پینا اور دَوا ترک کر دے تو مر نہیں جائے گا؟ یہی حال دل کا ہے۔یہ علم و فکر اور حکمت کے بغیر مر جاتا ہے۔

۳۔ حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میری مجلس میں لوگ آتے ہیں تو اُٹھ کر جاتے وقت تین قسموں پر منقسم ہوتے ہیں:

۱۔کافر محض ۲۔مومن محض ۳۔منافق محض

یہ اس لیے کہ میں تفسیر قرآن میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گفتگو کرتا ہوں جو تصدیق نہ کرے وہ کافر محض اور جس کا دل تنگ ہوتا ہے وہ منافق محض ہے اور جو اپنے کیے پر پشیمان ہوتا ہے آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرتا ہے تو وہ مومن محض ہے۔

تین اوقات میں نیند اور ہنسی

نیز فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو تین قسم کی نیند اور تین قسم کی ہنسی ناپسند ہے۔پہلی نیند نمازِ فجر کے بعد، دُوسری نمازِ عشاء سے پہلے اور تیسری دورانِ نماز۔تین قسم کی ہنسی، پہلی جنازہ کے پیچھے، دوسری قبرستان میں، تیسری مجلسِ ذکر میں۔

علم و پانی میں پانچ مشابہتیں

۴۔ بعض حضرات نے ارشادِ باری تعالیٰ فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ' (تو پانی کا بہاؤ جھاگ اٹھالایا) میں سیل کی تفسیر علم سے کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پانچ وجہ سے علم کو پانی کے ساتھ تشبیہ دی ہے:

۱۔ پانی کی طرح علم بھی آسمان سے اُترتا ہے

Marfat.com

۲۔ زمین کی اصلاح پانی سے ہوتی ہے تو مخلوق کی اصلاح علم سے ہوتی ہے۔

۳۔ پانی کے بغیر شگوفوں میں شادابیاں اور رعنائیاں نہیں آتیں تو علم کے بغیر مخلوق میں اعمال وطاعات جیسی خوبیاں پیدا نہیں ہوتیں

۴۔ بارش کا پانی رعدو بَرق کی فرع ہے۔ اس طرح علم وعدہ ووعید کی فرع ہے۔

۵۔ بارش نافع بھی ہوتی ہے اور نقصان دہ بھی اسی طرح علم نافع بھی ہے اور ضار ونقصان دِہ بھی۔ علم با عمل نفع رساں ہے اور علم بے عمل ضرر رساں ہوتا ہے

بہت سے وعظ وتذکیر کرنے والے خدا تعالیٰ سے غافل ہیں، خدا سے ڈرانے والے خداوندِ قدوس پر جری ہیں اور بہت سے لوگوں کو خُدا کے قریب کرتے ہیں لیکن خود دور ہیں بہت سے خدا کی طرف دعوت دینے والے اللہ تعالیٰ سے راہِ فرار اختیار کیے ہوئے ہیں اور بہت سے کتاب اللہ کی آیات کی تلاوت کرنے والے آیاتِ الٰہی سے بھاگے ہوئے ہیں۔

۲۔ دنیا کی بہار پانچ چیزیں

دُنیا کی بہار پانچ چیزوں سے ہے۔

۱۔ علماء کے علم ۲۔ حکمرانوں کے عدل ۳۔ تاجروں کی امانت ۴۔ اصحابِ حرفت کی خیر خواہی

۵۔ عابدین کی عبادت سے۔

ان کی مناسبت سے ابلیس نے پانچ پرچم لیے اور ہر ایک کے پہلو میں ایک پرچم نصب کر دیا۔ حسد کا علم، علم کے پہلو میں، ظلم کا عدل کے، خیانت کا امانت کے، ملاوٹ کا خیر خواہی کے اور ریا کاری کا پرچم عبادت کے پہلو میں۔

۳۔ امام حسن بصری کی پانچ فضیلتیں

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ، تابعین پر پانچ وجہ سے فضیلت رکھتے ہیں۔

۱۔ آپ کسی چیز کا حکم دینے سے پہلے خود اس پر عمل کرتے۔

۲۔ کِسی چیز سے منع کرنے سے پہلے خود اس سے باز رہتے۔

۳۔ آپ کے پاس موجود علم ومال میں سے جس نے بھی سوال کیا، آپ نے بخل سے کام نہ لیا۔

۴۔ اور دولتِ علم کی موجودگی میں لوگوں سے بے نیاز رہتے

۵۔ آپ کا ظاہر وباطن یکساں تھا۔

Marfat.com

۴۔علم نافع کی پہچان کیسے ہو؟

اگر آپ علم کے متعلق معلوم کرنا چاہیں کہ نافع ہے یا نہیں تو اپنے نفس میں پانچ خصلتیں پیدا کرو

۱۔ قلت مؤنت ومشقت کیلئے فقر سے محبت۔

۲۔ طلبِ ثواب کیلئے طاعت سے محبت۔

۳۔ طلبِ فراغت کیلئے دُنیا میں زہد سے محبت۔

۴۔ اصلاحِ قلب کی طلب میں حکمت سے محبت۔

۵۔ مناجات ربّ العزّت کی طلب میں خلوت سے محبت۔

۵۔پانچ سے پانچ طلب کرو

پانچ چیزوں سے پانچ چیزیں طلب کرو۔

۱۔ تواضع میں عزت نہ کہ مال وخاندان میں۔

۲۔ کثرت کی بجائے قناعت میں غنا۔

۳۔ دُنیا کی بجائے جنت میں امن۔

۴۔ کثرت کی بجائے قلت میں راحت۔

۵۔ منفعت کثرتِ روایت کی بجائے علم پر عمل۔

۶۔خواص کے پانچ طبقات

شیخ عبداللہ ابنِ مُبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اِس اُمّت میں خواص کی وجہ سے ہی فساد پیدا ہوا ہے اور وُہ خواص پانچ طبقات ہیں

۱۔ علماء جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔

۲۔ زُہاد جو کہ اہلِ زمین کیلئے ستون کا حکم رکھتے ہیں۔

۳۔ غازی جو کہ زمین پر خدا تعالیٰ کا لشکر ہیں۔

۴۔ تاجر جو کہ خدا کی زمین پر خدا کے امین ہیں

۵۔ حکمران جو کہ راعی ونگہبان ہیں۔

Marfat.com

جب عالم، دین چھوڑ دے اور مال اُٹھائے تو جاہل کس کی اقتدا کرے؟

جب زاہد، دُنیا کی طرف راغب ہو جائے تو توبہ کرنے والا کس کی اقتدا کرے؟

جب غازی ہی لالچی اور ریا کار بن جائے تو دُشمن پر کامیابی کیسے حاصل ہو؟

جب تاجر، خائن ہو جائے تو امانت کیسے حاصل ہوگی؟ اور

جب راعی و چرواہا ہی بھیڑیا بن گیا تو رکھوالی کس طرح ہوگی؟

۷۔علم مال سے سات طرح افضل ہے

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: علم سات طرح مال سے افضل ہے۔

۱۔ علم انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت ہے اور مال فرعونوں کی۔

۲۔ علم خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا جب کہ مال کم ہو جاتا ہے۔

۳۔ علم عالم کی حفاظت کرتا ہے جب کہ خود مال کو حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے۔

۴۔ علم اپنے صاحب کے ساتھ قبر میں جاتا ہے جب کہ مال دنیا میں رہ جاتا ہے۔

۵۔ علم صرف اہلِ ایمان کو ملتا ہے جبکہ مال اہلِ ایمان و اہلِ کُفر دونوں کو نصیب ہوتا ہے۔

۶۔ تمام لوگ اپنے دینی معاملات میں صاحبِ علم کے محتاج ہوتے ہیں نہ کہ صاحبِ مال کے۔

۷۔علم صراط (جہنم کے پُل) پر گزرتے وقت آدمی میں قوت و توانائی پیدا کرتا ہے جبکہ مال پُل عبور کرنے میں رکاوٹ بن جاتا ہے

۸۔سات عزتوں کا حصول

حضرت فقیہ ابولیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عالم کے پاس بیٹھنے سے علم نہ بھی آئے تو پھر بھی سات عزتیں حاصل ہوتی ہیں

۱۔ متعلمین کی فضیلت۔

۲۔ اتنی مدت گناہوں سے حفاظت۔

۳۔ بہ نیتِ علم پر نزول رحمت سے حصہ و نصیب۔

۴۔ حلقۂ علم پر نزولِ رحمت سے حصہ و نصیب

۵۔ علمی گفتگو سننے پر اطاعت کا ثواب۔

Marfat.com

۶۔ جب کسی مسئلہ میں غور وفکر کرے گا اور سمجھ نہ آنے پر تنگ دل ہوگا تو یہ غم بارگاہِ خداوندی میں حضوری کا وسیلہ بن جائے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''جن کے دل میری وجہ سے ٹوٹے ہیں میں ان کے قریب ہوں''

۷۔ وہ عالم کی تعظیم وتکریم اور فاسق وفاجر کی تذلیل ورُسوائی ملاحظہ کرے گا تو اس کی طبیعت علم کی طرف راغب ہوگی اسی لیے سیّد الرّسل ﷺ نے صالحین کی مجلس اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

۹۔علماء اور طبقاتِ دوزخ

بزرگ فرماتے ہیں کہ جو علماء علم کے معاملہ میں بخل سے کام لیں اور ان کی خواہش ہو کہ اس پر کوئی دوسرا واقف نہ ہو تو یہ جہنم کے پہلے طبقہ میں ہوں گے۔

جو علماء علم کے سلسلہ میں سلطان کی طرح بن جاتے ہیں کہ جب اُن کے حق سے کوئی چیز رد کی جائے تو غضبناک ہو جاتے ہیں ایسے لوگ دوزخ کے دُوسرے طبقے کے مستحق ہیں۔

جو علماء اپنے علمی نکات اور علمی گفتگو اصحابِ ثروت وفراخی کے سامنے بیان کرتے ہیں لیکن فقراء کو اس کا اہل نہیں جانتے۔ ایسے علماء جہنم کے تیسرے طبقہ کے لائق ہیں۔

جو علماء تکبر کریں وعظ کریں تو درشتی کریں اور اگر انہیں نصیحت کی جائے تو تیوری چڑھائیں وہ جہنم کے چوتھے طبقہ میں جبکہ جو علماء خود مفتی بن جائیں اور غلط فتاویٰ جاری کریں وہ پانچویں طبقے میں جائیں گے۔

جو علماء بعض ملحدین کا کلام سیکھ کر دین سے ملا دیں وہ دوزخ کے چھٹے طبقے میں گریں گے۔

جو علماء لوگوں کی توجہ بننے اور ان پر غلبہ حاصل کرنے کے خواہاں ہونگے تو وہ آتشِ آخرت کے ساتویں طبقے میں پڑیں گے۔

اللّٰھم اعذنا من النّار اے اللہ ہمیں اس عذاب سے پناہ عطا فرما

۱۰۔آٹھ آدمیوں کی صحبت

حضرت فقیہہ ابولیث سمرقندی قدسّ سرّہٗ فرماتے ہیں، آٹھ قسم کے آدمیوں کے پاس بیٹھنے سے اللہ تعالیٰ آٹھ چیزوں میں اضافہ فرماتا ہے:

۱۔ اغنیاء کے پاس بیٹھنے سے اللہ تعالیٰ دُنیا کی محبت ورغبت میں۔

۲۔ فقراء کے پاس حاضری سے تقسیمِ الٰہی پر اللہ تعالیٰ کی رضا وشکر میں۔

Marfat.com

۳- سلاطین کی بارگاہ میں رونق بننے سے اللہ تعالیٰ سے تکبر وقساوت میں۔

۴- عورتوں کی ہم نشینی سے اللہ تعالیٰ شہوت وجہالت میں اضافہ کردیتا ہے

۵- بچوں کی سنگت ورفاقت سے لہو ومزاح میں۔

۶- فساق کے ساتھ بیٹھنے سے گناہوں پر جرأت اور تاخیرِ توبہ میں۔

۷- صالحین کی صحبت سے رغبتِ عبادت میں۔

۸- اور علماء کی خدمت سے علم وورع میں اضافہ ہوگا۔

۱۱- سات طرح کا علم

اللہ تعالیٰ نے سات اشخاص کو سات طرح کا علم عطا فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کا علم دیا:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (پ۱- البقرۃ:۳۱) اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے

حضرت خضر علیہ السلام کو علم فراست:

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (پ۱۵، الکھف:۶۵) اور اسے اپنا علمِ لدنی عطا کیا

حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم تعبیر رؤیا:

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ (پ۱۳، یوسف:۱۰۱) اے میرے رب بیشک تو نے مجھے ایک سلطنت دی اور مجھے کچھ باتوں کا انجام نکالنا سکھایا

حضرت داؤد علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو زرہ سازی کا علم:

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ (پ۱۷، الانبیاء:۸۰) اور ہم نے اسے تمہارا پہناوا بنانا سکھایا

حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولیاں سکھائیں:

قَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ (پ۱۹، النمل:۱۶) اور کہا اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو تورات وانجیل کا علم بخشا:

Marfat.com

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ (پ۳۔ال عمران:۴۸) اور اللہ تعالیٰ اسے سکھائے گا کتاب و حکمت اور تورات اور انجیل

حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو توحید و شرع کے علم سے ممتاز فرمایا:

وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (پ۵ النساء:۱۱۳) اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (پ۱ البقرۃ:۱۶۴) اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (پ۲۷ الرحمٰن:۲،۱) رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا

کمالاتِ علم

حضرت آدم علیہ السلام کا علم حصولِ سجدہ و سلام کا سبب بنا۔ حضرت خضر علیہ السلام کا علم حضرت موسیٰ و یوشع علیہما السلام کا معلم بننے کا باعث بنا، حضرت یوسف علیہ السلام کے علم نے آپ کو آپ کے اہل سے ملایا اور حکومت دلوائی، حضرت داؤد علیہ السلام کا علم، فضیلت و ریاست کا ذریعہ بنا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے علم کی برکت سے غلبہ و ملکہ بلقیس کو پایا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا علم، ان کی والدہ سے اتہام کے ازالہ کا باعث بنا اور حضرت سید الانبیاء علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء الصلوٰۃ والسلام کا علم سعادتِ عظمیٰ وجودِ شفاعتِ (کبریٰ) کا امتیاز و اختصاص پا کر سب پر برتر ہوا۔

علم اور سلام الٰہی

پھر ہم کہتے ہیں کہ مخلوقات کا علم رکھنے والے کو ملائکہ سلام کرتے ہیں تو خالق و مالک کی صفات کا علم رکھنے والا ملائکہ کی طرف سے سلام کیسے نہ پائے گا؟

بلکہ خود ربّ العزت اس پر سلام کے تحفے بھیجتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (پ۲۳ یٰسین:۵۸) ان پر سلام ہوگا مہربان رب کا فرمایا ہوا

اُمت اور صحبت نبوی ﷺ

حضرت خضر علیہ السلام کو علم فراست کی برکت سے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی صحبت میسر آتی ہے تو اے اُمتِ مصطفیٰ! کیا تم علم حقیقت کی وجہ سے اپنے حبیب و کریم نبی رحیم ﷺ کی صحبت نہ پاؤ گے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

Marfat.com

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ توان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء (علیہم السلام)

(پ۵،النساء:۶۹)

حضرت یوسف علیہ السلام علم تعبیر کی وجہ سے دُنیا سے رہائی پا سکتے ہیں تو کیا کتاب اللہ کے معانی وتفسیر کا عالم قید خواہشات سے نجات نہ پائے گا؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھادے۔

(پ۱۱،یونس:۲۵)

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے اُوپر بطور نعمت الٰہی اس طرح ذکر فرمایا:

وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ (پ۱۳،یوسف:۱۰۱) اور تو نے مجھے کچھ باتوں کا انجام نکالنا سکھایا

اے عالم! تو اللہ تعالیٰ کا احسان کیوں یاد نہیں کرتا کہ اس نے تجھے اپنی کتاب کی تفسیر کا علم عطا کیا۔ اس سے بڑھ کر کون سا عطیہ ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنے کلام کا مفسر، اپنا ہم نام (عالم) اپنے نبی کا وارث، خلق کا داعی، عباداللہ کیلئے واعظ، اہلِ وطن کیلئے چراغ، جنت وثواب کی طرف لوگوں کا قائد اور نار وعتاب سے ڈرانے والا بنایا۔

حدیث شریف میں ہے علماء سردار ہیں، فقہاء قائد اور ان کی مجالس اضافہ درجات کا سبب ہیں

۱۲۔ مومن اور چھ خصائل

مومن اپنے اندر چھ خصلتیں پا کر طلب علم شروع کرتا ہے:

۱۔ مومن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرائض کی ادائیگی کا حکم دیا ہے جو علم کے بغیر ادا نہیں ہو سکتے۔

۲۔ گناہوں سے بچنے کا حکم ہے جس کیلئے ان کا علم ہونا ضروری ہے۔

۳۔ نعمتوں پر شکر کا حکم ہے جو کہ علم کے بغیر صورت پذیر نہیں ہوسکتا۔

۴۔ مخلوق میں انصاف کرنے کا حکم ہے جو علم کے بغیر ناممکن ہے۔

۵۔ رنج وبلا پر صبر کا حکم، علم کے بغیر اس پر قدرت نہیں۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے شیطان سے عداوت کا حکم دیا اور اس پر علم کے بغیر قادر نہیں ہوسکتا

۱۳۔ جنت کا راستہ

جنت کا راستہ چار لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔

۱۔ عالم ۲۔ زاہد ۳۔ عابد ۴۔ مجاہد

Marfat.com

۱۔ عالم جب اپنے دعوے میں راست ہوتا ہے تو حکمت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

۲۔ زاہد جب اپنے زُہد میں صادق ہوتا ہے تو امن کی دولت پاتا ہے۔

۳۔ عابد جب عبادت میں سچا ہوتا ہے تو خوفِ الٰہی سے مشرف ہوتا ہے۔

۴۔ اور مجاہد جب اپنے کردار میں راسخ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تعریف وثناء سے نوازتا ہے۔

۱۴۔ چار سے چار کا حصول

چار چیزوں سے چار چیزیں طلب کرو:

۱۔ مکان سے سلامتی ۲۔ ساتھی سے عزت ۳۔ مال سے فراغت ۴۔ علم سے منفعت

جب مکان سے سلامتی نہ ملے تو اس سے جیل بہتر ہے۔

جب ساتھی سے عزت حاصل نہ ہو اس سے کتا بہتر ہے۔

جب مال سے فراغت وقناعت نہ ملے تو اس سے پتھر ڈھیلے اچھے ہیں۔

اور جب علم سے منفعت نصیب نہ ہو، تو اس سے موت افضل ہے۔

۱۵۔ چار چیزوں کی تکمیل

چار چیزیں چار چیزوں کے بغیر ناممکن ہیں:

۱۔ دین تقویٰ کے بغیر ۲۔ قول فعل کے بغیر ۳۔ مروّت تواضع کے بغیر ۴۔ علم عمل کے بغیر

دین بلاتقویٰ سبب خطرہ ہے، قول بلافعل یاوہ گوئی وضیاع ہے، مروّت بلاتواضع شجر بلاثمر ہے اور علم بلاعمل بادل بلامطر (بارش) ہے۔

۱۶۔ قیامِ دنیا اور چار

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا، دُنیا چار قسم کے لوگوں کے ساتھ قائم ہے

۱۔ عالم کے ساتھ جو اپنے علم پر عمل کرے۔

۲۔ جاہل کے ساتھ، جو کسی سے پوچھتے وقت حیا محسوس نہ کرے۔

۳۔ غنی کے ساتھ جو بخل سے کام نہ لے۔

۔ فقیر کے ساتھ، جو دُنیا کے بدلے آخرت نہ بیچے۔

Marfat.com

جب عالم علم پر عمل نہیں کرتا تو جاہل علم کی تحصیل سے نفرت کرتا ہے اور جب غنی بخل سے کام لیتا ہے تو فقیر اپنی آخرت کو دُنیا کے بدلے بیچتا ہے۔ ایسے لوگوں کیلئے ستر بار ہلاکت وتباہی ہو۔

۱۷۔ مرد چار طرح کے

شیخ خلیل فرماتے ہیں، مرد چار طرح کے ہوتے ہیں:

۱۔ جاننے والا آدمی اور وہ اپنی دانست سے بھی واقف ہو یہ عالم ہے اس کی اتباع کرو۔

۲۔ آدمی علم رکھتا ہو لیکن اپنے علم سے واقف نہ ہو یہ سویا ہوا ہے اسے بیدار کرو۔

۳۔ آدمی جانتا نہ ہو اور اپنی نادانی سے واقف ہو یہ رشد وہدایت کا طالب ہے اس کی رہنمائی کرو۔

۴۔ آدمی علم سے عاری ہو اور اپنی اس بے خبری سے بھی غافل ہے، یہ شیطان ہے اس سے پرہیز کرو۔

۱۸۔ چار سے نفرت نہیں

شریف ومعزز آدمی کو چار چیزوں سے نفرت نہیں کرنی چاہئے اگرچہ وہ امیر ہی کیوں نہ ہو۔

۱۔ مجلس میں کھڑے ہو کر اپنے والد کا استقبال کرنے سے۔

۲۔ مہمان کی عزت کرنے سے۔

۳۔ اپنے عالم استاذ کی خدمت بجالانے سے۔

۴۔ جس چیز کا علم نہ ہو اس کے متعلق اپنے سے بڑے عالم سے سوال کرنے سے۔

۱۹۔ علماء اور مال

علماء جب حلال مال جمع کرنا شروع کردیں تو عوام مشتبہ مال کھانا شروع کردیتے ہیں۔

عالم جب مشتبہ مال جمع کرنا شروع کردیتا ہے تو عوام حرام خوری تک پہنچ جاتے ہیں۔

عالم جب حرام خوری کی حد پر پہنچ پاتا ہے تو عوام کفر کے گڑھے میں جا گرتے ہیں، یعنی حرام کو حلال جاننے لگتے ہیں۔

فضیلت علم پر عقلی دلائل

اُمور چار طرح کے ہیں

۱۔ جسے عقل پسند کرے لیکن وہ خواہش کو ناپسند ہو۔

۲۔ جسے خواہش پسند کرے لیکن عقل کو ناپسند ہو۔

۳۔ جسے عقل وخواہش دونوں محبوب جانیں۔

۴۔ جسے دونوں ناپسند سمجھیں۔

Marfat.com

پہلی قسم دُنیا کی مشکلات اور بیماریاں ہیں۔ دوسری قسم تمام گناہ ہیں۔ تیسری قسم علم ہے اور چوتھی قسم جہالت ہے۔ علم بمنزل جنت اور جہالت بمنزل دوزخ ہے۔ عقل وخواہش جس طرح آگ کو ناپسند کرتی ہیں اسی طرح جہالت کو بھی، جنت جس طرح عقل وخواہش دونوں کے نزدیک پسندیدہ ہے، اسی طرح علم بھی پسندیدہ ہے۔

جہالت کو پسند کرنے والا گویا موجود آتش پر راضی رہتا ہے اور علم میں مشغول موجودہ جنت پر راضی ہے۔ علم اختیار وحاصل کرنے والے کو کہا جاتا ہے تو نے اپنے مقام کی تیاری کر لی ہے لہٰذا جنت میں بسیرا کرو اور جہالت پر اکتفا کرنے والے سے کہا جاتا ہے: تو نے اپنا ٹھکانا دوزخ بنانے کی خواپنائی ہے لہٰذا دوزخ میں داخل ہو۔

علم جنت اور جہل جہنم

علم جنت اور جہل جہنم ہے علم کے جنت اور جہل کے دوزخ ہونے پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ کمالِ لذت، محبوب کے پالینے پر ہوتی ہے۔ محبوب سے بُعد ودوری میں شدید الم وتکلیف ہے۔ زخم اس لئے تکلیف دیتے ہیں کہ بدن کا ایک جز بدن کے اجزا میں سے اپنے محبوب اجتماعی اجزاء سے دور ہو جاتا ہے۔ جو اس اجتماع کے ازالے کا تقاضا کرے تو اس نے محبوب کے بُعد اور اس کے ازالے کا تقاضا کیا ہے لہٰذا یہ یقیناً تکلیف دہ ہے۔ آگ میں جلنا اس سے کہیں زیادہ درد واَلم کا موجب ہے کیونکہ زخم میں ایک معین جز دوسرے معین جُز سے جُدا ہوتا ہے۔ جب آگ تمام اجزاء میں گھس جاتی ہے اور اس میں اجزا میں تفریق زیادہ ہوں گی تو الم بھی سخت تر ہوگا، لذت، محبوب کے پالینے کو کہتے ہیں۔ کھانے کی لذت بدن کے موافق غذا کھانا ہے اسی طرح نظر کی لذت ایسی اشیاء کے دیکھنے اور ادراک کرنے میں ہے جن کی نظر مشتاق ہوتی ہے تو یقیناً اس چیز کا ادراک لذتِ نظر قرار پائے گا۔

اس تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ محبوب کے ادراک اور پالینے کو لذت، اور مکروہ کے ادراک کو الم وتکلیف کہتے ہیں۔

اس کے بعد ہم کہتے ہیں جس قدر ادراک گہرا اور اشد ہوگا اور مدرَک ومعلوم اشرف اکمل، خوبصورت اور باقی رہنے والا ہوگا۔ بلاشبہ علم کا محل رُوح ہے جو کہ بدن میں اشرف ہے لہٰذا ادراک عقلی زیادہ گہرا اور اشرف ہوگا جیسا کہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کی تفسیر میں ذکر کیا جائے گا لیکن معلوم بہر حال اشرف ہے کیونکہ معلوم اللہ ربُّ العزّت اور اس کی تمام مخلوقات، ملائکہ و افلاک، عناصر و جمادات، نباتات وحیوانات اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام و اوامر اور تکالیف ہیں اور ان سے بڑھ کر اشرف کون ہوگا؟

Marfat.com

لذت علم سے بڑھ کر کوئی لذت نہیں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کی لذت وکمال سے بڑھ کر کوئی لذت وکمال نہیں ہے اور جہالت کے نقصان وشقاوت سے بڑھ کر کوئی نقصان وشقاوت نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب ہم میں سے کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو اگر وہ معلوم ہوتو ہم جواب باصواب دے کر فرحت وسرور پاتے ہیں اگر نہ آتا ہو، تو حیا کی وجہ سے سر جھکا لیتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ علم سے حاصل ہونے والی لذت تمام لذات میں اکمل ہے اور جہالت کی شقاوت سب سے بڑی شقاوت ہے۔

فضیلت علم پر مزید نصوص ودلائل

ہم یہاں فضیلتِ علم پر مزید کچھ ایسے دلائل ذکر کرنا چاہتے ہیں جو بھول گئے تھے تو یہاں ذکر میں کوئی حرج نہیں۔

۱۔ سب سے پہلے یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ وَ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ (پ۳۰، العلق: ۱تا۵)

پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا آدمی کو خون کی پھٹک سے۔ پڑھو اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے جس نے قلم سے لکھنا سکھایا۔ آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا۔

سوال: آیات میں باہمی مناسبت ہونی چاہئے: خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اور اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الاکرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ میں کون سی مناسبت ہے؟

جواب: وجہ مناسبت یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کا ابتدائی حال بیان فرمایا کہ وہ علقہ تھا جو اشیاء میں سب سے زیادہ خسیس ہے اور آخری حالت میں وہ عالم بن گیا۔ اور یہ بلند ترین مرتبہ ہے گویا فرمایا جا رہا ہے: اے انسان! تو ابتداءً خسیس ترین درجے میں تھا اور انتہاءً شریف مرتبے پر جاگزین ہوگیا یہ سب علم کی برکت ہے اور یہ اُسی وقت ہوسکتا ہے کہ علم سب سے اشرف مرتبہ ہو، اور اگر کوئی اور چیز علم سب سے اشرف ہوتی تو اس جگہ اس چیز کا ذکر زیادہ موزوں تھا۔

دوسری وجہ:

اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ

پڑھو اور تمہارا رب ہی سب سے کریم ہے جس نے قلم سے سکھایا

اُصولِ فقہ میں یہ ضابطہ ہے کہ جب حکم کسی وصف پر لاگو ہو تو وصف اس حکم کی علت ہوا کرتا ہے۔ اس اصول سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کو اکرمیّت (سب سے بڑا کریم) کا مستحق وصف، علم کی عطا پر قرار دیا ہے اگر علم اپنے ماسوا سے اشرف نہ

Marfat.com

ہوتا تو اس کا فائدہ دیگر اشیاء کے فائدے سے اشرف نہ ہوتا۔

تیسری وجہ: ارشادِ ربُّ العزت ہے:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا — اور اللہ سے بندوں میں سے وُہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں

یہ آیت کئی طرح سے فضیلت علم پر دلالت کرتی ہے۔

۱۔اہلِ جنت ہونے پر دلالت

اہلِ خشیت، اہلِ جنّت ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

جَزَآءُ ھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ — ان کا صلہ ان کے رب کے پاس بسنے والے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی یہ اس کیلئے ہے جو اپنے رب سے ڈرے

یہ آیت کریمہ بھی اس پر دلیل ہے:

وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ (پ۲۷، الرحمٰن:۴۶) — اور جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرے اس کیلئے دو جنتیں ہیں

نیز حدیث قدسی میں ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے: مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم میں اپنے بندے پر دو خوف جمع نہیں کروں گا اور نہ دو امن۔ اگر وہ دنیا میں مجھ سے بے خوف رہا تو آخرت میں خوفزدہ ہوگا اور اگر دُنیا میں ڈرتا رہا تو آخرت میں پُر امن رکھوں گا۔

عقلی دلیل

واضح ہو کہ اس مقدمہ کے اثبات پر عقلی دلیل بھی ممکن ہے یہ کہ عالم باللہ پر خداوندِ قدوس سے ڈرنا لازم ہے کیونکہ نامعلوم چیز سے ڈرنا محال ہے۔ پھر ذات کا علم خوف کیلئے کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ مزید تین اُمور کا علم ضروری ہے۔

تین اُمور کا علم

۱۔ علم بالقدرۃ، (قدرت کا علم) اس لئے کہ بادشاہ کو علم ہو کہ لوگ اس کے افعال قبیحہ پر واقفیت رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود وُہ ان افعال سے باز نہیں آتا اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ لوگوں میں اس کے ازالہ کی قدرت نہیں ہے۔

Marfat.com

۱۔ جس کا خوف ہو اس کا عالم ہونا معلوم ہے کیونکہ شاہی خزانے میں نقب زنی کرنے والا بادشاہ کی قدرت تسلیم کرتا ہے لیکن بادشاہ کو اپنی کارگزاری سے ناواقف جانتے ہوئے بے خوف ہوتا ہے۔

۲۔ جس کا خوف ہو اس کے حکیم ہونے کا علم۔ بادشاہ کا غلام، اس جرم کی روک تھام پر بادشاہ کی قدرت تسلیم کرتا ہے۔ اپنے افعال قبیحہ پر بادشاہ کی اطلاع بھی مانتا ہے لیکن پھر بھی بے خوف رہتا ہے کیونکہ سلطان ایسے افعالِ قبیحہ کو پسند کرتا ہے۔ اگر چور، بادشاہ کی افعال بد سے آگاہی مانتا ہو اور اس کی ممانعت پہ قدرت بھی اور یہ بھی جانتا ہو کہ بادشاہ حکیم ہے اسے بُرے افعال ہرگز اچھے نہیں لگتے۔

یعنی یہ تینوں علوم ہوں گے تو دل میں خوف پیدا ہوگا۔

اس تقریر سے پتہ چلتا ہے کہ بندہ خدا سے اُس وقت ڈرے گا جب یہ جان لے گا کہ خدا تعالیٰ جمیع معلومات کا عالم، تمام مقدورات پر قادر اور منکرات و محرمات کو ناپسند کرتا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خوف، علم باللہ کے لوازم سے ہے

خوف اور حصول جنت

ہمارے اس دعویٰ کی دلیل کہ ''خوف حصولِ جنت کا سبب ہے'' یہ ہے کہ

جب بندے کیلئے لذّتِ عاجلہ و دنیا ظاہرہ ہو اور یہ لذّت عاجلہ امرِ الٰہی کے خلاف ہو اور ایسا کرنا منفعت و نقصان دونوں پر مشتمل ہو تو اس صورت میں عقل صریح جانبِ راجح کو جانب مرجوح پر ترجیح کا فیصلہ کرے گی اور جب بندہ نورِ ایمان سے معلوم کرے گا کہ لذّت عاجلہ آئندہ کے عذاب کے مقابلہ میں حقیر ہے تو یہ ایمان، لذّتِ عاجلہ سے فرار کا سبب بنے گا۔ اس کو خشیت کہتے ہیں اور بندہ جب محظور و ممنوع کو چھوڑ کر واجب کو بجالائے گا تو مستحقِ ثواب ہوگا۔ ان شواہد عقلیہ و نقلیہ سے ثابت ہو گیا کہ عالم باللہ خائف ہوتا ہے اور خائف اہلِ جنت سے ہے۔

۲۔ ظاہر آیت سے پتہ چلتا ہے کہ جنّت کے اہل صرف علماء ہیں کیونکہ ''اِنَّمَا'' کلمہ حصر ہے جو بتا رہا ہے کہ خشیّتِ الٰہی فقط علماء کو حاصل ہے اور دوسری آیت:

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ (پ ۳۰، البینۃ: ۸) یہ اللہ سے ڈرنے والے کیلئے ہے

دلالت کرتی ہے کہ جنّت صِرف اہلِ خشیّت کیلئے ہے اور جنّت کا اہلِ خشیت کیلئے ہونا غیر کیلئے حصولِ جنت کے منافی ہے۔ اور دونوں آیتوں کے مجموعے سے پتہ چلتا ہے کہ اہلِ جنت فقط اہل علم ہیں۔

Marfat.com

اور یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس آیت میں تخویف شدید ہے کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ کی خشیت علم باللہ کے لوازم سے ہے اور عدم خشیت کو علم باللہ نہ ہونا لازم ہے۔

اس دقیق نکتہ سے پتہ چلتا ہے کہ جو علم قربِ الٰہی کا سبب بنتا ہے وہ خشیت پیدا کرتا ہے اور یہ طرح طرح کے علمی مجادلے اگرچہ انتہائی دقیق وغامض ہوں اگر ان سے خشیت پیدا نہ ہو تو یہ علم مذموم کا حصہ ہیں۔

۳۔ ایک قرأت میں اس طرح ہے: اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہُ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءَ (اسمِ جلالت پر پیش اور علماء پر زبر) اس قرأت کے مطابق معنی یہ ہوں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ پر خشیت جائز ہوتی تو وہ علماء سے ڈرتا کیونکہ یہ جائز و ناجائز میں تمیز کر سکتے ہیں۔ بخلاف جاہل کے کہ وہ حلال وحرام میں امتیاز نہیں کر سکتا تو اس کی طرف توجہ اور پرواہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اسی طرح یہ آیۂ کریمہ علماء کی انتہائی تعظیم اور ان کے منصبِ رفیع پر دلالت کرتی ہے۔

۴۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْماً (پ۱۶، طٰہٰ:۱۱۴) اور عرض کرو اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما

یہ آیتِ مبارکہ علم کی نفاست، علوِ مرتبہ اور پسندیدہ خداوندی ہونے کی بڑی قوی دلیل ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خصوصی طور پر اپنے حبیب اکرم ﷺ کو زیادتیِ علم کے سوال کا حکم فرما رہا ہے نہ کہ غیر کو۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص علم پر اکتفا کرتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کرتے اور یہ نہ کہتے:

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِیْ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْداً (پ۱۵، الکہف:۶۶) کیا میں تمہارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات جو تمہیں تعلیم ہوئی

۵۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اتنی وسیع وعریض مملکت کے حکمران تھے کہ یہاں تک عرض کرتے ہیں:

وَهَبْ لِیْ مُلْكاً لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ (پ۲۳، ص:۳۵) اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو

اس کے باوجود حکومت پر فخر نہیں کرتے بلکہ علم پر فخر فرماتے ہیں، آپ نے اعلان فرمایا:

یَا اَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَ اُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ (پ۱۹، النمل:۱۶) اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی اور ہر چیز میں سے ہم کو عطا ہوا

Marfat.com

جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا منطق الطیر (پرندوں کی بولی) پر فخر فرمانا حسن قرار پاتا ہے تو ایک عبدِ مومن کا معرفت ربّ العالمین پر فخر کرنا بھی حسن بلکہ احسن ہوگا۔ اس لئے کہ آپ نے منطق الطیر کے علم کو 'اُوْتِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ' پر مقدم کیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے حالات بیان فرمائے تو اس میں بھی علم کو مقدم ذکر کیا۔

وَدَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ وَ کُلًّا اٰتَیْنَا حُکْمًا وَّ عِلْمًا　　اور داوٗد اور سلیمان کو یاد کرو۔ جب کھیتی کا ایک جھگڑا چکاتے تھے اور ان دونوں کو حکومت اور علم عطا کیا　　(پ۱۷، الانبیاء:۷۸،۷۹)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے احوالِ دُنیا کے متعلق تذکرہ فرمایا: اس سے پتہ چلتا ہے کہ علم تمام اشیاء میں اعلیٰ واشرف ہے۔

۶۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ہُدہُد پرندہ انتہائی ضعیف اور موردِ عتاب ہونے کے باوجود حضرت سُلیمان علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے:

اَحَطْتُ بِمَالَمْ تُحِطْ بِهٖ　　(پ۱۹، النمل:۲۲)　　میں وہ بات دیکھ آیا ہوں جو حضور نے نہ دیکھی

اگر علم اشرف اشیاء نہ ہوتا تو ہُدہُد جیسے پرندے کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں ایسی بات کرنے کی قطعاً گنجائش نہ ہوتی۔ اِسی وجہ سے دیکھا گیا ہے کہ ایک معمولی آدمی جب عالم بن جاتا ہے تو علم کی وجہ سے اس کی بات بادشاہوں پر نافذ العمل ہوتی ہے یہ سب علم کی برکت ہے۔

۷۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ایک لحہ کا تفکر ساٹھ سالہ عبادت سے افضل ہے اس تفصیل کی دو جہتیں ہیں:

۱۔ تفکر خدا تک پہنچاتا ہے اور عبادت ثوابِ خدا تک، خدا تعالیٰ تک پہنچانے والی چیز ثوابِ خدا تک پہنچانے والی چیز سے افضل ہوگی۔

۲۔ تفکر دل کا عمل ہے اور عبادت دیگر اعضاء و جوارح کا۔ چونکہ دل جوارح سے افضل ہے اس لئے اس کا عمل بھی جوارح کے علم سے افضل ہے اس وجہ کی تائید اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے:

وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ　　(پ۱۶، طٰہٰ:۱۴)　　اور میری یاد کیلئے نماز قائم رکھ

کہ صلوٰۃ کو ذکرِ قلب کا وسیلہ قرار دیا ہے اور مقصود، وسیلہ کی نسبت اشرف ہوتا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ علم دوسری اشیاء سے افضل واشرف ہے۔

Marfat.com

۸۔ارشادِ رب العزت ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (پ۵، النساء:۱۱۳) اور تمہیں سکھا دیا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے

علم کا نام عظیم رکھا ہے اور حکمت کا خیرِ کثیر اور حکمت علم ہی ہے نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (پ۲۷، الرحمٰن:۲،۱) رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا

نعمت علم کو دیگر نعمتوں پر مقدم کرنا اس کے اشرف ہونے کی دلیل ہے۔

۹۔ تمام آسمانی کتابیں علم کی فضیلت بیان کرتی ہیں۔تورات میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ حکمت کو عظیم جانو، اس لیے کہ میں کسی بندے کے دل میں حکمت اس لئے ڈالتا ہوں کہ اس کی بخشش ہو جائے تم حکمت حاصل کر کے اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ پھر اسے خرچ کرو تاکہ دُنیا و آخرت میں میری کرامت پا سکو۔

زبُور میں ہے: اے داؤد! بنی اسرائیل کے احبار و رہبان سے فرماؤ کہ اتقیاء کے ساتھ مذاکرہ رکھیں۔ اتقیاء نہ ملیں تو علماء سے علماء بھی میسر نہ ہوں تو عقلاء کے ساتھ، کیونکہ ایسا نہیں ہوتا کہ میں کسی کی ہلاکت کا ارادہ کروں اور ان میں تقویٰ، علم اور عقل کے مرتبوں سے کوئی مرتبہ ہو۔

میں کہتا ہوں کہ تقویٰ کو مقدم کیا گیا ہے کیونکہ تقویٰ علم کے بغیر ناممکن ہے جیسا کہ خشیت علم کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی اور دو صفتوں سے متصف چیز ایک صفت سے موصوف چیز سے اشرف ہوتی ہے۔ عالم کو عاقل پر مقدم کرنے میں بھی یہی راز ہے کہ عالم ضروری طور پر عاقل ہو گا اور عاقل بعض اوقات عالم نہیں ہوتا۔ عقل بمنزلہ بیج کے ہے اور علم درخت کی مانند اور تقویٰ پھل کی مثل

انجیل کی سُورہ نمبر ۱۷ میں ہے۔ ایسے شخص کیلئے تباہی ہے جس نے علم کی بابت سُنا اور اسے طلب نہ کیا۔ اسے جاہلوں کے ساتھ بُری طرح آگ میں اکٹھا کیا جائے اور علم طلب کرو اور سیکھو۔ اس لئے کہ علم اگر تجھے سعادت مند نہیں کرے گا تو شقی بھی نہیں بنائے گا اور اگر تمہیں رفعت و بلندی نہ دے گا تو ذلیل بھی نہیں کرے گا اگر نفع نہیں دے گا تو نقصان بھی نہیں کرے گا۔ یہ نہ کہو کہ ہمیں ڈر ہے کہیں ایسا نہ ہو ہم علم حاصل کر کے اس پر عمل نہ کر سکیں بلکہ یہ کہو ہمیں اُمید ہے کہ علم حاصل کر کے اس پر عمل کریں گے۔ علم، عالم کا شفیع ہے اور اللہ تعالیٰ کے کرم کے ذمہ لازم ہے کہ عالم کو رُسوائی نہ ہو۔ قیامت کے دن اعلان ہو گا۔ اے گروہِ علماء! تمہارا اپنے رب کے بارے میں کیا گمان ہے؟ علماء عرض کریں گے۔ ہم اپنے رب کی رحمت و مغفرت کے اُمیدوار ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے ایسا کر دیا۔ میں نے کسی شر کے ارادے سے تمہیں حکمت سے نہیں نوازا تھا۔ بلکہ خیر کے ارادے سے

Marfat.com

تمہیں حکمت سے سرفراز کیا تھا۔میری رحمت سے میرے نیک بندوں کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

مقاتل بن یسار فرماتے ہیں میں نے انجیل میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اے عیسیٰ! علماء کی تعظیم کرو۔ان کی فضیلت کو پہچان لو کیونکہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے بعد تمام مخلوق میں اس طرح فضیلت رکھتے ہیں جس طرح سورج تمام ستاروں پر۔جس طرح آخرت دُنیا پر اور جس طرح مجھے ہر شئے پر فضیلت ہے۔

احادیثِ طیبہ اور علم

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ علماء سے فرمائے گا: میں نے تمہارے سینوں کو علم سے اس لئے لبریز نہیں کیا تھا کہ تمہیں عذاب دوں تم جو کچھ بھی کر چکے ہو جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(مسند فردوس:۸۰۵۹)

۲۔ حضرت ابو ہریرہ راور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال شریف سے قبل بڑا وسیع اور فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔یہ مدینہ طیبہ میں آپ کا آخری خطبہ تھا اس میں فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے علم حاصل کیا، علم میں تواضع اختیار کی اور اللہ کے بندوں کو علم سکھایا تو جنت میں ثواب کے اعتبار سے افضل اور منزل کے اعتبار سے اس سے اشرف کوئی نہیں ہوگا۔جو بھی نفیس و رفیع درجہ ہوگا عالم کا اس میں حظ وافر اور بلند مقام ہوگا۔

(مسند حارث:۱،۳۲۱)

۳۔اُمت کو علم پڑھانے والوں کی شان

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سونے کے منبر رکھے جائیں گے ان پر چاندی کے قُبے ہوں گے۔موتیوں یاقوت اور زمرّد سے مرصّع ہوں گے۔ان پر سندس و استبرق کے ریشمی پردے ہوں گے۔پھر رحمٰن اکبر کی طرف سے منادی ندا دے گا۔خدا کی رضا کیلئے اُمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک علم پہنچانے والے کہاں ہیں؟ ان منبروں پر جلوہ افروز ہو جائیں۔ان پر کوئی خوف نہیں یہاں تک کہ جنت میں داخل ہو جائیں۔ (حلیہ لابی نعیم:۵۵۰۷)

۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اُمتِ محمدیہ میں علماء و حکماء ہیں گویا وہ فقیہہ ہیں انبیاء کی طرح ہیں قلیل رزق پر خدا تعالیٰ سے راضی رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے قلیل عمل پر راضی رہے گا اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہنے پر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

Marfat.com

۵۔ عالم کی تعظیم

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے قدم طلب علم میں خاک آلود ہوں گے اللہ تعالیٰ اس کے جسم کو آگ پر حرام کر دے گا۔ اور اس پر مقرر دونوں فرشتے (کراماً کاتبین) اس کیلئے استغفار کرتے ہیں۔ اگر طلب علم کے دوران اس کی اَجل آجائے تو مرتبۂ شہادت پاتا ہے اس کی قبر "رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ" (باغات جنت میں سے ایک باغ) ہوتی ہے۔ قبر کو حدِ نگاہ تک وسعت مل جاتی ہے اس کے پڑوس میں دائیں بائیں آگے پیچھے چالیس چالیس قبریں نُور سے معمور کردی جاتی ہیں۔ عالم کی نیند عبادت، اس کا مذاکرۂ علمی تسبیح، اس کا سانس لینا صدقہ ہے اس کی آنکھ کا ہر ہر قطرہ جہنم کی آگ کو بُجھا سکتا ہے پس جس نے عالم کی توہین کی اس نے علم کی توہین کی، جس نے علم کی توہین کی اس نے نبی کی توہین کی، جس نے نبی کی توہین کی اس نے جبرئیل کی توہین کی، جبرئیل کی توہین کرنے والا خدا کی توہین کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو قیامت کے روز ذلیل ورُسوا کرے گا۔

۶۔ رسُولِ معظم ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں بڑے جواد (سخی) کی خبر نہ دوں؟ عرض کیا گیا: ضرور ارشاد فرمائیں۔ فرمایا: سب سے بڑا جواد اللہ تعالیٰ ہے اور مخلوق میں سب سے بڑا جواد میں ہوں اور میرے بعد جواد عالم ہوگا جو علم کی اشاعت کرے گا قیامت کے دن اسے اٹھایا جائے گا تو وہ اکیلا ہی ایک جماعت ہوگا اور وہ آدمی جواد ہے جو راہِ خدا تعالیٰ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جائے۔

۷۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: جس نے مومن سے دُنیاوی تنگی کو دُور کیا اللہ تعالیٰ اس سے اُخروی تنگی دُور فرمائے گا اور جس نے تنگ دست پر آسانی پیدا کی اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت میں آسانی فراہم فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے جو شخص طلب علم کی خاطر کسی راستہ پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کا راستہ آسان فرما دیتا ہے جو لوگ کسی مسجد میں تلاوت کلام الٰہی اور درس و تدریس کیلئے جمع ہوتے ہیں تو اُن پر سکینہ نازل ہوتی ہے۔ اُنہیں رحمتِ خداوندی ڈھانپ لیتی ہے۔ ملائکہ کرام سایہ فگن ہو جاتے ہیں اور ان کا تذکرہ خود ربّ العزت اپنے پاس مخلوق کے سامنے کرتا ہے۔ (مسلم:۲۶۹۹)

۸۔ آقائے دو عالم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن تین قسم کے لوگ شفاعت کریں گے۔

۱۔ انبیاء علیہم السلام ۲۔ علماء ۳۔ شہداء

راوی کہتا ہے کہ بلند مرتبہ نبوّت وشہادت کے درمیان واسطہ ہے۔ (سنن ابن ماجہ:۴۳۱۳)

۹۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علم حاصل کرو کیونکہ خدا کی رضا کیلئے علم حاصل کرنا

Marfat.com

خشیت ہے اس کی طلب عبادت، اس کا مذاکرہ تسبیح، اس کی بحث جہاد، اس کی تعلیم صدقہ اور اس کے اہل پر علم خرچ کرنا قربت ہے اس لئے کہ حلال وحرام کی معرفت جنت کے راستوں کیلئے مینارۂ نور، وحشت میں انیس، وحدت میں جلیس، خلوت میں ہمراز، بیماری وتنگدستی میں رہنما، دشمنوں کے مقابلہ میں ہتھیار اور اختلاف کے وقت دین ہے۔ اللہ تعالیٰ علم کی وجہ سے اقوام کو بلندی عطا کر کے سراسر خیر میں داخل فرما دیتا ہے۔ انہیں ہادی وقائد بنا دیتا ہے کہ ان سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ بھلائی کیلئے پیشوا بنا دیتا ہے کہ ان کے نقشِ قدم پر چلا جاتا ہے۔ ان کے افعال کی پیروی کی جاتی ہے اور ان کی آراء پر گفتگو ہوتی ہے فرشتے ان کی حلقہ نشینی کے خواہش مند ہوتے ہیں اپنے پَر ان سے ملاتے ہیں اپنی نماز ودُعاء میں ان کیلئے استغفار کرتے ہیں یہاں تک کہ ہر رطب ویابس، سمندر کی مچھلیاں و دیگر جانور، جنگل کے درندے اور پرندے آسمان اور اس کے ستارے بھی ان کے حق میں دُعا گو رہتے ہیں کیونکہ علم اندھیرے سے نکالنے والا اور قلوب کی حیات ہے۔ ظلمت میں آنکھوں کا نور، صورتِ ضعف میں بدن کی قوت اور دور دراز کے لوگوں کو احرار کی منازل، سلاطین کی مجالس اور دنیا وآخرت کی سعادات ودرجات تک پہنچانے کا سبب ہے۔

علم میں تفکر روزوں کی طرح ہے اور اس کی تکرار نمازوں کے برابر ہے اسی کے ذریعے خدا تعالیٰ کی اطاعت وعبادت کی جاتی ہے۔ اس کی بزرگی وتوحید کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ صلہ رحمی کی جاتی ہے اور حلال وحرام کی پہچان کی جاتی ہے۔

(الترغیب والترہیب: ۵۲۰۱)

۱۰۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو تین اعمال کے سوا سب عمل ختم ہو جاتے ہیں:

۱۔ صدقہ جاریہ ۲۔ علم جس سے نفع پایا جاتا ہو ۳۔ نیک اولاد جو اس کے حق میں دُعائے خیر کرتی رہتی ہے۔

(مسلم: ۱۶۳۱)

۱۱۔ رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سوال کرو "النّاس" سے کرو۔ عرض کیا گیا "النّاس" (کامل لوگ) کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: اہلِ قرآن۔ عرض کیا گیا: ان کے بعد۔ فرمایا: اہلِ علم۔ عرض کیا گیا: پھر فرمایا: حسین چہرے والے۔ راوی کہتا ہے اہلِ قرآن سے مراد اس کے معنی ومفہوم پر گہری نظر کے حامل لوگ ہیں۔

۱۲۔ سیّد الساداتِ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے بھلائی کا حکم دیا اور بُرائی سے منع کیا وہ اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب اور اس کے رسول کا خلیفہ ہے دُنیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے زہر ہے جو بندوں کو قتل کرتی ہے۔ دُنیا سے اس قدر زہر لو جس قدر ادویات میں

نقل قدر

Marfat.com

استعمال کیلئے لیا جاتا ہے تا کہ تم نجات پاسکو

راوی کہتا ہے کہ اس میں علماء بھی داخل ہیں کیونکہ یہ بتاتے ہیں یہ حرام ہے اس سے اجتناب کرو اور یہ حلال ہے اسے حاصل کرو

۱۳۔ ایک روایت میں ہے عالم (بالتبع) نبی کا درجہ رکھتا ہے لیکن اس کی طرف وحی نہیں آتی۔

۱۴۔ مَعْدِنُ الْبَرَکَات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: عالم بن یا متعلم یا سامع یا محبّ علم پانچواں نہ بن تا کہ ہلاکت سے محفوظ رہے۔ (المعجم الصغیر للطبرانی-۷۸۶)

راوی کہتا ہے دوسری حدیث میں ہے آدمی عالم اور متعلم ہی ہیں باقی سب احمق ہیں۔ان میں بھلائی کی کوئی بات نہیں۔

(کشف الخفاء،۲۸۴۶)

ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ سامع اور محبّ بمنزل متعلم ہیں۔

ایک اعرابی نے اپنے بیٹے کو کیا اچھی نصیحت کی ہے کہ تو نوچنے والا درندہ، خناس بھیڑیا یا رکھوالا کتا تو بن جا لیکن ناقص انسان ہرگز نہ بننا۔

۱۵۔ رُوحِ کائنات ﷺ نے فرمایا: جس کے ہاتھ پر عالم تکیہ لگائے تو اللہ تعالیٰ ہر قدم کے بدلے غلام آزاد کرنے کا ثواب لکھ دیتا ہے اور جو کسی عالم کے سر پر بوسہ دے تو اسے ہر بال کے بدلے ثواب ملے گا۔ (مسند فردوس:۵۹۱۷)

۱۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ سلطانِ دو جہان ﷺ نے فرمایا: جب عزیز ذلیل ہو، غنی فقیر ہو جائے یا جاہل عالم کا مذاق اڑائیں تو اس پر زمین و آسمان اور اس میں بسنے والی مخلوقات سب گریہ کرتے ہیں۔ (ایضاً،۲۱۰۳)

۱۷۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: حاملینِ قرآن اہلِ جنت کے رہنما، شہداء ان کے قائد اور انبیاء علیہم السلام ان کے سردار ہیں۔

(حلیہ لابی نعیم،۶۵۰۶)

۱۸۔ حدیث شریف میں ہے علماء جنت کی کنجیاں اور انبیاء علیہم السلام کے خلفاء ہیں۔

راوی کہتا ہے کہ انسان کنجی نہیں بنتا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس علم ہے جو چابی کا کام دیتا ہے اس پر دلیل یہ ہے جو شخص خواب میں اپنے ہاتھ میں چابی دیکھے تو اس کی تعبیر یہی ہوتی ہے کہ اسے علم دین کی دولت نصیب ہوگی۔

۱۹۔ حدیث شریف میں ہے تمام مخلوق پر خواہ وہ غافل ہو یا بالغ ہو یا نابالغ چوبیس گھنٹوں میں اللہ تعالیٰ کی ایک ہزار رحمت نازل ہوتی ہے جن سے نوسو ننانوے رحمتیں علماء و طلباء اور مسلمانوں کیلئے ہیں اور باقی ایک رحمت دوسرے لوگوں کیلئے۔

۲۰۔ رسول اللہ ﷺ نے جبریل امین سے پوچھا! کون سا عمل بہتر ہے؟ جبریلِ امین نے عرض کی: علم۔ فرمایا: اس کے بعد؟

Marfat.com

جبرئیل امین علیہ السلام نے جواب دیا: عالم کی زیارت۔ فرمایا: اس کے بعد؟ جبرئیل امین علیہ السلام نے جواب دیا: عالم سے ملاقات۔ پھر فرمایا: رضائے خداتعالیٰ کیلئے علم حاصل کرے اور اس کا مقصود اپنی اور لوگوں کی اصلاح ہو اور دنیا کا مال مقصود نہ ہو تو میں اس کیلئے جنت کا ضامن ہوں۔

۲۱۔ رُوحِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دس آدمیوں کی دُعا قبول ہوتی ہے۔

۱۔عالم ۲۔متعلّم ۳۔صاحبِ حُسنِ خلق ۴۔یتیم ۵۔غازی ۶۔حاجی ۷۔مسلمانوں کا خیرخواہ،

۸۔والدین کی فرمانبردار اولاد ۹۔مریض ۱۰۔خاوند کی خدمت گار بیوی

۲۲۔ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: علم کیا چیز ہے؟ فرمایا: عمل کا رہنما۔ عرض کیا گیا: عقل کیا ہے؟ فرمایا: خیر کا قائد۔ عرض کیا گیا: ہویٰ (خواہش) کیا ہے؟ فرمایا: گناہوں کی سواری۔ عرض کیا گیا: مال کیا ہے؟ فرمایا: متکبرین کی چادر۔ عرض کیا گیا: دُنیا کیا ہے؟ آخرت کا بازار۔

موت اور حصول علم

۲۳۔ فخرِ آدم و بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے وقت ایک آدمی سے گفتگو فرما رہے تھے۔ اس دوران وحی نازل ہوئی کہ اس کی عمر ایک گھنٹہ باقی رہ گئی ہے۔ آپ نے اس آدمی کو بتایا تو وہ مضطرب ہو کر عرض کرنے لگا مجھے فرمائیں کہ اس عرصہ میں کونسا عمل میرے زیادہ موافق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحصیلِ علم میں مصروف ہو جا۔ وہ تحصیل علم میں مصروف ہو گیا تو مغرب سے قبل اس کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

راوی کہتا ہے کہ اگر علم سے افضل کوئی اور چیز ہوتی تو اس چیز کو اپنانے کا حکم دیا جاتا

۲۴۔ ایک مشہور روایت میں ہے علماء کے علاوہ تمام لوگ مردہ ہیں۔

۲۵۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کے انتقال کے بعد سات چیزیں جاری رہتی ہیں۔

۱۔پڑھایا ہوا علم ۲۔جاری کی ہوئی نہریں ۳۔کھدوایا ہوا کنواں ۴۔تعمیر کی ہوئی مسجد

۵۔ورثہ میں چھوڑا ہوا قرآن پاک ۵۔نیک اولاد جو پس مرگ دُعا کرتی رہے ۸۔صدقہ جاریہ

۲۶۔ رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علماء کے پاس اس وقت بیٹھو جب وہ تمہیں پانچ چیزوں کی طرف بلائیں۔

۱۔شک سے یقین کی طرف ۲۔تکبر سے تواضع کی طرف ۳۔عداوت سے خیرخواہی کی طرف

۴۔ریا سے اخلاص کی طرف ۵۔اور رغبتِ دنیا سے زہد کی طرف

فضل قدیر

Marfat.com

۲۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی: اے علی! توحید کی حفاظت کرنا کیونکہ یہ میرا سرمایہ ہے، عمل کے پابند رہنا کیونکہ یہ میری حرفت ہے، نماز قائم رکھنا کیونکہ یہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، یادالٰہی میں مصروف رہنا کیونکہ یہ میرے دل کی بصیرت ہے اور علم کو بروئے کار لانا کیونکہ یہ میری میراث ہے۔

۲۸۔ حضرت ابو کبشہ انصاری رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا میں چار طرح کے آدمی ہیں۔

۱۔ ایک آدمی جسے اللہ تعالیٰ علم اور مال دونوں سے نوازتا ہے اور وہ علم کے مطابق عمل کرتا ہے

۲۔ دوسرے آدمی کو علم نصیب ہوتا ہے لیکن دولت سے محروم رہتا ہے، وہ کہتا ہے اگر اللہ تعالیٰ مجھے فلاں کی طرح مال دیتا تو وہ بھی اس کی طرح راہِ خدا میں خرچ کرتا، یہ دونوں آدمی اجر میں برابر ہیں۔

۳۔ تیسرا جسے اللہ تعالیٰ مال دیتا ہے اور علم نہیں دیتا یہ مال کو راہِ حق میں خرچ کرنے کے بجائے باطل میں خرچ کرتا ہے۔

۴۔ چوتھا آدمی جسے اللہ تعالیٰ نہ علم دیتا ہے اور نہ مال دیتا ہے، وہ کہتا ہے: اگر اللہ تعالیٰ مجھے تیسرے آدمی کی طرح مال دیتا تو میں بھی اس کی طرح خرچ کرتا تو یہ دونوں گناہ میں برابر ہیں۔ (سنن ترمذی، ۲۳۲۵)

علم اور آثارِ صحابہ

۱۔ کمیل بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ میرا ہاتھ پکڑ کر کھلی فضا کی طرف لے گئے۔ جب صحرا میں پہنچے، کافی دیر آرام کرنے کے بعد فرمایا: اے کمیل بن زیاد یہ قلوب برتن ہیں۔ بہتر دل وہ ہے جو خوب یاد رکھے۔ لہٰذا میں جو کہتا ہوں یاد رکھنا۔ لوگ تین طرح کے ہیں:

۱۔ عالمِ ربانی ۲۔ متعلم راہِ نجات کا سالک ۳۔ احمق کمینے لوگ جو ہر بلانے والے کی اتباع کرتے ہیں۔

ہر طرف چلنے والے کی طرف میلان کرتے ہیں۔ نہ انہوں نے نورِ علم سے روشنی پائی اور نہ انہوں نے کسی مضبوط بہ اعتماد سے پناہ لی۔ اے کمیل! علم مال سے بہتر ہے، علم تیری حفاظت کرتا ہے اور مال کی تجھے حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے، مال کے زوال سے مال کی صنعت بھی زائل ہو جاتی ہے۔ اے کمیل! علم زینت ہے جس کے ساتھ انسان آراستہ ہوتا ہے اور اس کے ذریعے انسان طاعت کماتا ہے۔ وَجَمِیْلُ الاحدوثۃ بعد وفاتہٖ مرنے کے بعد ذکرِ خیر باقی رہتا ہے۔ علم حاکم ہے اور مال محکوم۔

۲۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آدمی گھر سے نکلتا ہے تو اس پر تہامہ پہاڑ کے برابر گناہ ہوتے ہیں۔ جب وہ علمی گفتگو سنتا ہے اُس کے دل میں خوفِ خدا پیدا ہوتا ہے اور گناہوں سے توبہ کرتا ہے تو جب وہ گھر کی طرف لوٹتا ہے تو اس کے

Marfat.com

تمام گناہ معاف ہو چکے ہوتے ہیں اس لئے تم علماء کی مجالس سے دوری اختیار نہ کرو۔ کیونکہ فرش زمین پر مجالس علماء سے افضل کوئی جگہ نہیں ہے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک وحکومت اور علم کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ نے علم کو اختیار فرمایا۔ آپ کو مال اور ملک بھی دے دیا گیا۔

ہدہد اور پانی

۴۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہدہد کی ضرورت، علمی وجہ سے ہی پیش آئی جیسا کہ نافع بن ارزق سے روایت ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے پانی طلب کرنے کیلئے ہدہد کو کیوں اختیار فرمایا اس لئے ہدہد کیلئے یہ زمین آئینہ کی مانند ہے اور وہ ظاہر کی طرح باطن کو بھی دیکھ لیتا ہے۔ نافع نے عرض کیا: جب یہ جال میں پھنستا ہے تو ایک انگشت زمین کے نیچے کی طرف نہیں دیکھ پاتا۔ آپ نے فرمایا: اِذْ جَاءَ الْقَدَرُ عَمِيَ الْبَصَرُ۔ (جب تقدیر آجاتی ہے تو آنکھ اندھی ہو جاتی ہے)

۵۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جنت دس ہزار حصوں میں تقسیم کی گئی ہے جس سے نوسو ننانوے حصے ایسے لوگوں کے نصیب میں ہیں جنہوں نے امرِ الٰہی کو سمجھا۔ ان میں ثواب کی تقسیم عقل کے لحاظ سے ہوگی اور ایک حصہ ضعیف، فقیر، صالحین کیلئے

۶۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا: اے بیٹے! ادب کو لازم کرلو کیونکہ یہ مرادوں کے حصول کی دلیل، وحشت میں انس، غربت میں ساتھی، حضر میں ہم مجلس، وسائل ٹوٹ جائیں تو وسیلہ، عدم مال کی صورت میں تمنا، خسیس کیلئے رفعت، شریف کیلئے کمال اور بادشاہ کیلئے جاہ وجلال ہے۔

۷۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: علماء کے قلم کی آواز تسبیح ہے۔ علم کی کتابت اور اس کی طرف نظر عبادت ہے، دوات سے روشنائی کا کپڑا کو لگنا اسی طرح ہے جیسے شہداء کے لباس کے ساتھ خون لگ گیا ہو اور جب کوئی قطرہ زمین پر گرتا ہے تو وہ نور بن کر چمکتا ہے۔ عالم جب قیامت کے روز قبر سے اُٹھے گا تو اہلِ محشر نظریں اٹھا کر اس کے جمال کا مشاہدہ کریں گے اور صدا بلند ہوگی یہ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہے جو انعاماتِ الٰہیہ سے سرفراز ہوا ہے اور اس کا حشر انبیاء کرام علیہم السلام کے مقدس گروہ کے ساتھ ہوا ہے۔

۸۔ کلیلہ ودمنہ میں ہے جن لوگوں کے حقوق میں کمی نہ کی جائے گی اس کے زیادہ حقدار تین لوگ ہیں:

۱۔عالم ۲۔سلطان ۳۔اخوان

جس نے عالم کی توہین کی اس نے اپنا دین تباہ کرلیا۔ جس نے سلطان کی توہین کی اس نے دنیا برباد کرلی اور جو اپنے بھائیوں کی بے حرمتی کرے اس کی مروت کا جنازہ نکل گیا۔

Marfat.com

۹۔ سقراط نے علم کی فضیلت میں کہا: جس طرح تم دوسری اشیاء میں خدام پا سکتے ہو علم کے معاملہ میں خادم پانے پر قدرت نہیں بلکہ خود علم کی خدمت کرنا ہوگی اور کوئی شخص تم سے علم سلب نہیں کر سکتا۔

یہ میرے بس میں نہیں

ایک حکیم و دانا سے کہا گیا: مت دیکھو۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر کہا گیا: مت سنو۔ اس نے کان بند کر لیا۔ پھر کلام کرنے سے روکا گیا۔ اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ پھر کہا گیا: علم حاصل نہ کرو۔ اسنے جواباً کہا: یہ میرے بس میں نہیں ہے۔

عالم سے اگر جرم سرزد ہو جائے تو سزا سے بچنے کی تدبیر نکال سکتا ہے۔ مثلاً چوری ہو تو کہہ سکتا ہے یہ مال میرے پاس امانت تھا تو اب ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے، شراب پینے پر کہہ سکتا ہے میں نے اسے سرکہ جانا، زنا کی صورت میں، میرا اس سے نکاح ہے

بعض علماء نے فرمایا: اپنے بھائیوں کے دلوں کو اپنے بصیرت افروز بیان سے زندہ رکھو جس طرح کہ تم بنجر زمین کر کھیتی باڑی کے ذریعے زندہ کرتے ہو اس لئے کہ نفس کا لذات و شہوات سے دُور رہنا بنجر زمین آباد کرنے سے کہیں افضل ہے۔

شاعر کہتا ہے:

وفی الجهل قبل الموت موت لاهله
و اجسامهم قبل القبور قبور
و ان امرأ لم یحیی بالعلم میت
و لیس له حتی النشور النشور

۱۔ جاہل موت طاری ہونے سے پہلے ہی مُردہ ہیں اور ان کے جسم قبروں میں داخل ہونے سے پہلے ہی خود قبروں کا منظر پیش کر رہے ہیں۔

۲۔ علم کے ذریعے حیاتِ جاوداں سے بے بہرہ رہنے والا سراسر مُردہ ہے۔ یوم النشور کو اسے نہیں اُٹھایا جائے گا۔

نکات متعلقہ فضیلت علم

جہالت کی صورت میں اگر گناہ ہو جائے تو اس کے زوال کی اُمید نہیں ہوتی اور بصورت علم زوال کی توقع ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش واقع ہوئی تو آپ نے استغفار کی اور یہ علم کے پیشِ نظر تھا اور شیطان نے گمراہی اختیار کی اور ہمیشہ کیلئے گمراہ ہی رہا اس کی گمراہی کا سبب جہالت تھی۔

Marfat.com

حضرت یوسف علیہ السلام کا گواہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو وزیر کی ضرورت پیش آئی تو بارگاہِ رب العزت میں عرض کی۔ جبرائیل علیہ السلام نے آ کر کہا کہ فلاں کو وزیر بنا تو آپ نے کہا کہ وہ انتہائی خستہ حالت میں ہے یہ وزارت کا اہل کیسے ہو سکتا ہے؟ جبرائیل امین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے وزارت کیلئے اُس کو منتخب فرمایا ہے اس لئے کہ آپ کی برأت کی گواہی (جھولے میں) اس نے دی تھی اور کہا تھا:

وَاِنۡ كَانَ قَمِيۡصُهٗ قُدَّ مِنۡ دُبُرٍ فَكَذَبَتۡ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ اور اگر ان کا کرتہ پیچھے سے چاک ہوا تو عورت جھوٹی ہے اور یہ سچے (پ۱۲، یوسف:۲۶)

اس میں نکتہ یہ ہے کہ جو شخص حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت کی گواہی دے وہ آپ کی حکومت میں شریک ہو سکتا ہے تو جو دین قویم کی برہان مستقیم کے ذریعے حفاظت کرے وہ خداوندی احسان و تحسین کے لائق کیوں نہ ہوگا۔

چیونٹی کا علم و ادب

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَالَتۡ نَمۡلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمۡلُ ادۡخُلُوۡا مَسٰكِنَكُمۡ ایک چیونٹی بولی: اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلی جاؤ۔

(پ۱۹، النمل:۱۸)

گویا چیونٹی کہہ رہی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام معصوم ہیں اور یہ بات ناجائز ہے کہ ایک معصوم کسی بری الذمہ کو سزا دے اور یہ ممکن ہے کہ سہواً تمہیں روند ڈالیں کہ تمہارے حال کی طرف ان کی توجہ نہ جائے اور "وَهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ" انبیاء کرام علیہم السلام کی معصیت سے تنزیہہ اور بالاتر ہونے کی طرف اشارہ ہے جب یہ چیونٹی ایک مسئلہ کا علم رکھنے کی وجہ سے ریاست تامہ کی مستحق بن سکتی ہے تو جو آدمی موجودات و معدومات اشیاء کی حقیقتوں سے واقف ہو وہ دنیا و آخرت کی ریاست کا والی کیوں نہ بنے گا؟

سدھایا ہوا کتا اور علم

سدھایا ہوا کتا بسم اللہ پڑھ کر چھوڑ دیا جائے تو اس کا کیا ہوا شکار بھی پاک ہے اس میں نکتہ یہ ہے کہ علم کی نسبت کتے کی طرف ہوگئی تو علم کی برکت سے نجس چیز بھی پاک ہوگئی اور یہاں تو نفس و روح اصل فطرت کے اعتبار سے طاہر ہیں لیکن معصیات کی آلائش سے آلودہ ہو چکے ہیں جب یہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے علم سے متصف ہوں گے تو ہمیں بارگاہِ خداوندی سے اُمید واثق ہے کہ پلید دل پاک ہو جائے گا اور مردود مقبول بن جائے گا۔

Marfat.com

قوت دل اور علم

دل اعضاء میں رئیس ہے۔ یہ ریاست، اسے قوت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ہڈی اس سے سخت ہے۔ نہ بڑا ہونے کی وجہ سے ہے اس لئے کہ ران کا حجم اس سے کئی درجے زیادہ ہے نہ تیزی کی وجہ سے ہے کیونکہ ناخن اس سے تیز ہیں لہٰذا دل کی ریاست محض علم کی وجہ سے ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ علم اشرف الصفات ہے۔

چہارم: تحصیلِ علم فقط اس صورت میں گراں محسوس ہوگی جب تم دنیا سے فرطِ محبت کا شکار ہوگے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دو چیزیں دی ہیں۔ ایک سوادِ عین اور دوسری سُویداءِ دل۔ ظاہر ہے کہ سواد، سویداء کی نسبت بڑھ کر ہے کیونکہ سُوادمکبّر اور سُویداء مصغر ہے جب تم سوادِ عین (آنکھ کی پتلی) پر دنیا کی ایک چھوٹی سی چیز رکھ لو تو تمہیں کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تو جب سویداء دل پر ساری دُنیا رکھ لو تو دل کو کیا سوجھے گا؟

علم وعمل کا رشتہ

ایک حکیم نے کہا کہ دل میت ہے اس کی روح علم ہے۔ علم میت ہے اس کی زندگی طلب پر موقوف ہے۔ طلب ایک ضعیف سی چیز ہے اس کی قوت تکرارِ علم میں ہے جب یہ مدارست سے قوت پالے تو ابھی محجوب ہے اس کا اظہار مناظرہ و بحث سے ہوگا۔ جب یہ مناظرہ کے ذریعے ظاہر ہو تو ابھی عقیم (بانجھ) ہے عمل کی صورت میں اس کا نتیجہ ظاہر ہوگا جب علم وعمل میں رشتۂ ازدواج قائم ہوگا تو توالد و تناسل کی صورت میں ایک ابدی ملک جنم لے گا جس کی کوئی انتہا نہیں۔

علم اور خدمتِ رب

ایک آدمی کسی بادشاہ کی ملازمت اختیار کرنا چاہتا تھا۔ بادشاہ نے کہا تم میری خدمت کے اہل نہیں ہو۔ جاؤ پہلے علم حاصل کرو پھر آنا۔ وہ شخص تحصیلِ علم میں معروف ہو گیا اور اس سے خوب محظوظ ہوا۔ بادشاہ نے پیغام بھیجا کہ اب تم میری خدمت کے اہل بن چکے ہو، علم چھوڑ کر چلے آؤ۔ اس نے جواب دیا: جب تم مجھے اپنی خدمت کے اہل نہیں سمجھتے تھے تو میں تمہاری خدمت کے اہل تھا۔ اب میں رب العزت کی خدمت کا اہل بن چکا ہوں۔ تمہارے پاس آنے کی ضرورت نہیں۔ پہلے میں جہالت کی وجہ سے سمجھتا تھا کہ دروازہ فقط آپ کا ہے اور اب معلوم ہوا ہے کہ دروازہ صرف اور صرف خداوندِ قدوس کا ہے۔

Marfat.com

حکایات متعلقہ فضیلتِ علم

Marfat.com

۱۔ امام ابویوسف کا کمال علمی

خلیفہ ہارون الرشید کے پاس فقہاء موجود تھے جن میں قاضی ابویوسف علیہ الرحمۃ بھی تھے ایک آدمی نے آکر دعویٰ کیا کہ اس نے رات میرا مال اخذ کرلیا ہے اور پکڑنے والے نے بھری مجلس میں مال پکڑنے کا اعتراف بھی کرلیا تو تمام فقہاء نے بیک زبان کہا اُس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے قاضی ابویوسف علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا۔ اس لئے کہ اس نے اخذ (پکڑنے) کا اعتراف کیا ہے نہ کہ سرقہ (چوری) کا۔ ہاتھ کاٹنے کیلئے اعترافِ سرقہ شرط ہے۔ تمام فقہاء کرام نے آپ کی تائید کی پھر لینے والے سے پوچھا گیا۔ کیا تو نے اس کا مال چرایا ہے؟ اس نے اعتراف کرلیا کہ میں نے چوری کی ہے پھر تمام فقہاء نے ہاتھ کاٹنے کا فتویٰ دیا تو قاضی ابویوسف علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا کیونکہ پہلے اس نے مال پکڑنے کا اعتراف کیا تو اس پر ضمان لازم ہوگئی اب یہ چوری کا اقرار کرکے مال کی ضمان ساقط کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس کا دوسرا اقرار قابلِ قبول نہیں اس پر تمام فقہاء انگشت بدنداں رہ گئے۔

۲۔ حسنین کا اولادِ رسول ہونا

محدث شعبی کہتے ہیں کہ میں حجاج بن یوسف کے پاس بیٹھا تھا اس دوران فقیہ خراسان حضرت یحییٰ بن یعمر کو بلخ سے بیڑیوں میں جکڑ کر لایا گیا۔ حجاج نے پوچھا: کیا تم (حضرت امام) حسن اور (حضرت امام) حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو ذریّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے ہو؟ تو انہوں نے جواباً کہا: ہاں سمجھتا ہوں۔ حجاج نے کہا: اس پر واضح ثبوت پیش کرو ورنہ تمہارا جوڑ کاٹ دیا جائے گا۔ حضرت یحییٰ نے فرمایا: اے حجاج! میں قرآن سے ثبوت پیش کرتا ہوں۔ محدث شعبی فرماتے ہیں کہ میں یحییٰ کی اس جرأت مندی اور اندازِ تخاطب "یا حجاج" پر بڑا متعجب ہوا۔ حجاج نے کہا: یہ آیت کریمہ پیش نہ کرنا: نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَكُمۡ۔ حضرت یحییٰ نے فرمایا: اس کے علاوہ واضح دلیل قرآنِ حکیم سے ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَنُوۡحًا هَدَيۡنَا مِنۡ قَبۡلُ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيۡمٰنَ ... وَزَكَرِيَّا وَيَحۡيٰى وَعِيۡسٰى (پ ۷، الانعام: ۸۴)

اور ان سے پہلے نوح کو راہ دکھائی اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان کو (یہاں تک کہ) زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ کو

اس آیت کریمہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت نوح علیہ السلام کی ذریّت قرار دیا گیا ہے۔ بتاؤ آپ کا باپ کون تھا؟ تو حجاج کافی دیر سر جھکائے مبہوت بیٹھا رہا۔ پھر کہنے لگا: ایسا محسوس ہوتا ہے گویا کہ میں نے یہ آیت پڑھی ہی نہیں تھی اور حکم دیا کہ ان کی بیڑیاں کھول دو اور اتنا مال دے دو۔

فضل قدیر

Marfat.com

۳۔امام اعظم اور فاتحہ خلف الامام

اہلِ مدینہ کی ایک جماعت امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے فاتحہ خلف الامام پر مناظرہ کرنے کیلئے آئے تاکہ آپ کو اس مسئلہ میں خاموش و شرمندہ کر کے طعن و تشنیع کریں۔آپ نے فرمایا: میں تمام سے مناظرہ نہیں کروں گا۔تم میں سے جو بڑا ہو وہ بات چیت کرے۔ انہوں نے ایک عالم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ہماری طرف سے یہ مناظر ہیں۔آپ نے پوچھا: کیا یہ تم میں بڑا عالم ہے؟ کہنے لگے: جی! یہی بڑے ہیں۔آپ نے فرمایا: کیا اس کے ساتھ مناظرہ تمام کے ساتھ مناظرہ ہے؟ بولے: جی سب کے ساتھ۔آپ نے فرمایا: اس پر اعتراض سب پر اعتراض ہوگا؟ سب نے اثبات میں جواب دیا۔آپ نے فرمایا: کیا میرا اس کے ساتھ مناظرہ اور الزام حجت تمام کے ساتھ مناظرہ والزامِ حجت ہے؟ انہوں نے تسلیم کر لیا کہ تمام کے ساتھ مناظرہ اور الزام حجت ہے۔آپ نے فرمایا: وہ کیسے؟ کہنے لگے کہ ہم نے اسے اپنا امام تسلیم کر لیا ہے۔اس کا قول ہمارا قول ہوگا۔تو امام اعظم ابوحنیفہ نے فرمایا: جب ہم نماز میں ایک امام مقرر کر لیتے ہیں تو اس کی قرأت ہماری قرأت ہوئی اور وہ ہماری نیابت و نمائندگی ہی کرتا ہے اس پر تمام فقہاء نے الزام کا اقرار کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر لی۔

۴۔فرزدق کی ذہانت

فرزدق شاعر نے کسی کی ہجو و مذمت میں یہ شعر کہا:

لَقَدْ ضَاعَ شِعْرِیْ عَلٰی بَابِکُمْ

کَمَا ضَاعَ دُرٌّ عَلٰی خَالِصَةٍ

(جس طرح خالصہ کے گلے میں موتی لٹکانا اسے ضائع کرنے کے مترادف ہے اسی طرح تمہارے دروازے پر میرا موتیوں جیسا شعر بے کار ہے)

خالصہ بڑی ظریفہ، ادیبہ سلیمان بن عبدالملک کی عشقیہ بیوی تھی اور سلیمان کی مروانی سلاطین میں ہیبت مسلم تھی خالصہ نے سلیمان سے شکایت کی۔سلیمان نے فرزدق کو حاضر دربار کرنے کا حکم دیا کہ اسے بیڑیوں میں جکڑ کر ذلت و رسوائی کے ساتھ لایا جائے۔جب حاضر کیا گیا تو وہ شدت ہیبت کی وجہ سے نڈھال ہو رہا تھا۔سلیمان نے پوچھا: کیا یہ شعر تمہارا ہے؟

لَقَدْ ضَاعَ شِعْرِیْ عَلٰی بَابِکُمْ

کَمَا ضَاعَ دُرٌّ عَلٰی خَالِصَةٍ

Marfat.com

فرزدق نے کہا: میں نے اس طرح نہیں کہا، میرے کسی بدخواہ نے اسے بدل دیا ہے۔ میں نے تو اس طرح کہا تھا۔

لَقَدْ ضَاءَ شِعْرِیْ عَلٰی بَابِکُمْ
کَمَا ضَاءَ دُرٌّ عَلٰی خَالِصَةٍ

(تمہارے دروازے پر میرا شعر اس طرح چمکتا ہے جس طرح کہ خالصہ کے گلے کے موتی ہیں)

خالصہ پسِ پردہ گفتگو سن رہی تھی اس سے ضبط نہ ہو سکا پردے پھلانگتی ہوئی برسرِ محفل آگئی اور اپنے گلے کا قیمتی ہار فرزدق کے گلے کی زینت بنا دیا جس کی قیمت لاکھ سے زائد تھی۔ فرزدق جب رخصت ہو گیا تو سلیمان نے حاجب کے ذریعے ایک لاکھ میں وہ ہار خرید کر پھر خالصہ کے گلے میں ڈال دیا۔

۵۔ امام اعظم کی دانائی

ایک دن منصور نے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کو طلب کیا۔ محدث ربیع جن کو امام صاحب سے عداوت تھی۔ منصور سے کہنے لگے: اے امیر المؤمنین! یہ آپ کے دادا (حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما) کی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ استثناءِ منفصل کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے اور یہ ناجائز سمجھتے ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ربیع کہہ رہے ہیں کہ لوگوں کی گردنوں میں آپ کی بیعت نہیں ہے۔ منصور کہنے لگا: وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ آپ کے سامنے بیعت کر لیں اور گھر جا کر انشاء اللہ کہہ لیں تو بیعت باطل ہو گئی۔ منصور ہنس دیا اور کہنے لگا: اے ربیع! امام ابوحنیفہ کے متعلق اس قسم کی باتوں سے بچو۔ بعد میں ربیع نے شکوہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے میرا خون مباح کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے فرمایا: ابتداء تمہاری تھی میں نے تو صرف دفاع کیا ہے۔

۶۔ امام ابو یوسف اور احترام مسلم

یہ حکایت بھی ملتی ہے کہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ذمی کے قاتل مسلمان کے قتل کا حکم دیا۔ زبیدہ خاتون رحمۃ اللہ علیہا جو کہ مسلمانوں کی بڑی خیر خواہ تھیں، نے پیغام بھیجا کہ مسلمان کو قتل نہ کرنا۔ جب امام ابو یوسف اور دیگر فقہاء خلیفہ ہارون الرشید کے پاس تشریف فرما تھے تو خلیفہ وقت نے مسلمان کے قتل کا حکم دیا۔ قاضی ابو یوسف فرمانے لگے: میرا فتویٰ بھی یہی ہے لیکن میں قتل کا حکم اس وقت دوں گا جب مقتول کے ورثاء اس بات پر عادل گواہ پیش کریں کہ مقتول قتل کے دن جزیہ دینے والوں میں سے تھا۔ ورثاء گواہ پیش نہ کر سکے اس طرح ایک مسلمان قتل ہونے سے بچ گیا۔

Marfat.com

۷۔السلام علیکم اور امن

غضبان نے ایک دن حجاج کے کسی دشمن سے کہا کہ تو حجاج کو ہلاک کردے قبل اس کے کہ وہ تیرا کام تمام کردے۔ یہ بات حجاج تک پہنچ گئی۔ پھر غضبان حجاج کے پاس آکر کہنے لگا: تم السلام علیکم کا کیا جواب دیتے ہو؟ حجاج نے کہا: وعلیکم السلام۔ پھر حجاج سمجھا کہ اس نے تو امان لے لی ہے۔ کہنے لگا: اے غضبان تجھے تباہی ہو تو نے میرے سلام کے جواب کی صورت میں امان حاصل کرلی ہے۔ اگر میں نے وعلیکم السلام نہ کہا ہوتا تو تُو آج کے بعد ٹھنڈا پانی نہ پیتا۔

اے صاحب عقل! اس صورت میں علم کا فائدہ دیکھو۔ اللہ کیلئے ہی علم اور علماء کی خوبی ہے اور جہالت وجہلاء پر حیف صد حیف

۸۔ عبدالملک بن مروان کو کسی شاعر کا یہ شعر سنایا گیا:

وَمِنَّا سُوَيْدٌ وَالْبَطِيْنُ وَقَعْنَبٌ
وَمِنَّا اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ شَبِيْبٌ

عبدالملک نے اسے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو عبدالملک نے پوچھا: کیا تو نے یہ کہا ہے؟ وَمِنَّا اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ شَبِيْبٌ

شاعر کہنے لگا: میں نے امیر کی را پر ضمہ نہیں بلکہ فتحہ پڑھا ہے یعنی وَمِنَّا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ شَبِيْبٌ۔ یعنی تمہیں ندا کی ہے اور تم سے استغاثہ کیا ہے۔ عبدالملک کا غصہ فرو ہو گیا اور اسے چھوڑ دیا۔ اس طرح ایک شاعر علم کی برکت سے جان سلامت لے کر گھر کو لوٹا

۹۔ حاکم وقت ابو مسلم نے سلیمان بن کثیر سے کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے کہا ہے کہ یا اللہ! ابو مسلم کا چہرہ سیاہ کردے۔ اس کی گردن کاٹ دے اور مجھے اس کا خون پلا۔ سلیمان کہنے لگے: ہاں! میں نے ایسا کہا ہے۔ میں نے تو انگوروں کا ایک گچھا دیکھا تھا۔ اس کے متعلق کہا تھا۔ ابو مسلم نے اس کی بات کو پسند کرتے ہوئے چھوڑ دیا۔

۱۰۔علوم کا انکشاف

ایک شخص امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہنے لگا: میں نے قسم کھائی تھی جب تک میری بیوی مجھ سے بات نہیں کرے گی، میں اس سے گفتگو نہیں کروں گا، اور میری بیوی نے بھی حلف اٹھالیا کہ جب تک میں اس سے گفتگو نہ کروں، وہ مجھ سے بات نہ کرے گی ورنہ اتنا صدقہ اس کے ذمہ لازم ہے اور اتنا صدقہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ فقہاء اس مسئلہ میں حیران ہیں۔ حضرت سفیان ثوری نے فتویٰ دیا ہے کہ جو بھی بات کرے گا حانث ہو جائے گا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ جاؤ اپنی بیوی سے کلام

Marfat.com

کرلو۔کسی پر بھی کفارہ لازم نہیں آتا۔اس آدمی نے یہ فتویٰ سفیان ثوری کو جا سنایا۔وہ سخت ناراض ہوئے آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے:آپ حرام کو مباح قرار دے رہے ہیں۔امام صاحب نے فرمایا:وہ کیسے؟سفیان ثوری نے اس شخص سے کہا:ان سے دوبارہ سوال کرو۔اس شخص نے سوال دہرایا۔آپ نے وہی جواب دیا۔حضرت سفیان نے دلیل طلب کی۔آپ نے فرمایا:خاوند کے حلف کے بعد خاوند کی موجودگی میں بیوی نے قسم کھائی تو خاوند سے کلام کرلی اس طرح خاوند سے قسم ساقط ہوگئی۔اب خاوند بات کرے تو عورت کی قسم ساقط ہوجائے گی اس پر حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے:آپ پر جن علوم کا انکشاف ہوتا ہے ہم ان علوم سے غافل ہیں۔

۱۱۔امامِ اعظم کی علمی بصیرت

ایک شخص کے گھر میں چور داخل ہوئے تمام سامان باندھ لیا اور مالک مکان سے قسم لی کہ اگر اس نے کسی کو بتایا تو اس کی بیوی کو تین طلاقیں۔صبح وہ اپنا سامان بکتا دیکھتا ہے لیکن بولے تو بیوی جاتی ہے۔مشورہ کیلئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا۔

آپ نے فرمایا:اپنے امام مسجد اور اہلِ محلہ کو بلاؤ۔جب وہ آئے تو آپ نے فرمایا:کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اس کا سامان بھی مل جائے اور بیوی بھی بچ جائے؟وہ کہنے لگے:کیوں نہیں۔آپ نے فرمایا:تمام اہلِ محلہ کو ایک جگہ جمع کرو اور ایک ایک کو باہر نکال کر اس سے پوچھو:کیا یہ تیرا چور ہے؟جو چور نہیں ہوگا اس کے متعلق یہ نفی کرتا رہے گا اور چور پر خاموش رہے گا۔اس سے سمجھ لینا کہ یہ چور ہے۔امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بصیرت سے مسروقہ مال بھی مل گیا اور حلف بھی نہ ٹوٹا۔

۱۲۔ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس میں ایک نوجوان رہائش پذیر تھا۔آپ کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا۔ایک دن کہنے لگا:فلاں بنت فلاں بنت فلاں سے نکاح کا خواہشمند ہوں۔میں نے پیغامِ نکاح بھیجا تو انہوں نے اس قدر حقِ مہر طلب کیا جو اس کی بساط سے باہر ہے۔

آپ نے فرمایا:حیلہ کرلو۔قرض لے کر نکاح کرلو اللہ تعالیٰ آسانی پیدا فرمائے گا۔پھر آپ نے اتنا قرض دے دیا اور شادی سے کچھ عرصہ بعد فرمایا:تم کسی دور دراز سفر کا ارادہ ظاہر کرو اور کہو کہ میں اپنی بیوی کو ساتھ لے جاؤں گا۔اس نوجوان نے اس طرح کیا۔بیوی کے والدین نے لڑکی کو بھیجنے سے انکار کردیا اور شکایت لے کر آپ کی خدمت میں آئے۔آپ نے فرمایا:اسے ایسا کرنے کا حق حاصل ہے۔پوچھنے لگے:پھر کوئی تدبیر بتادیں۔آپ نے فرمایا:تم نے اس سے جو مہر لیا ہے وہ واپس کردو۔انہوں نے تسلیم کرلیا۔آپ نے نوجوان کو بتایا تو وہ کہنے لگا:میں تو اس سے زائد رقم لوں گا۔امام صاحب فرمانے لگے اس پر اکتفا کرو ورنہ میں کسی آدمی کیلئے قرض کا اقرار کرکے تمہارے پیچھے لگادوں گا اور جب تم قرض ادا نہ کروگے۔شہر سے باہر قدم نہیں رکھ سکوگے۔

Marfat.com

وہ عرض کرنے لگا: اللہ اللہ بخدا ایسا نہ کیجئے کہیں میرے سسرال والے سُن نہ لیں، میں حق مہر پر ہی اکتفا کرتا ہوں، زائد رقم نہیں لوں گا
امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے علم کی برکت سے دونوں گھرانوں کے معاملات میں حائل شدہ رکاوٹ دور ہوگئی

۱۳۔ لیث بن سعد فرماتے ہیں: ایک شخص امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: میرا لڑکا نیک کردار نہیں ہے۔ میں زرِ کثیر خرچ کر کے اس کیلئے لونڈی خریدتا ہوں تو وہ آزاد کر دیتا ہے اور اگر بھاری رقم صرف کر کے نکاح کرتا ہوں تو طلاق دے دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے سوق النخاسین (بازار) میں لے جاؤ۔ جس لونڈی کو پسند کرے اسے خود خرید کر اس کے نکاح میں دے دو۔ اگر وہ طلاق دے گا تو تمہاری مملوکہ ہی رہے گی اور اگر آزاد کرنا چاہے گا تو اس کا اسے اختیار نہیں ہے۔ حضرت لیث کہتے ہیں: قسم بخدا مجھے آپ کا جواب اتنا پسند نہیں آیا جس قدر فی الفور جواب دینا پسند ہے۔

۱۴۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص حلف اٹھاتا ہے کہ وہ رمضان المبارک میں دن کے وقت اپنی بیوی سے ہمبستری کرے گا اور تمام فقہاء اس کے جواب میں عاجز ہیں۔ آپ نے فرمایا: وہ رمضان المبارک میں اپنی بیوی کے ساتھ سفر پر چلا جائے تو دن کے وقت صحبت کرے حانث نہیں ہوگا۔

۱۵۔ ایک شخص حجاج بن یوسف کے پاس آیا اور شکایت کی کہ میرے چار ہزار درہم چوری ہو گئے ہیں۔ حجاج نے پوچھا: تمہیں کسی پر شک ہے۔ کہنے لگا کہ کسی پر بھی نہیں۔ حجاج نے کہا کہ شاید تمہاری بیوی نے ایسا کیا ہو۔ وہ کہنے لگا: سبحان اللہ! میری بیوی ایسا نہیں کر سکتی۔ حجاج نے عطار کو بہترین خوشبو تیار کرنے کیلئے کہا کہ ایسی خوشبو پہلے کسی کے پاس نہ ہو۔ جب خوشبو تیار ہوگئی تو مدعی کو بلا کر کہا: یہ خوشبو لے جاؤ اور اسے خود ہی لگانا، کسی اور کو نہ دینا۔ پھر اپنی پولیس کو اس خوشبو کی پہچان کرائی اور حکم دیا کہ جامع مسجد اور دیگر مساجد کے دروازوں پر بیٹھ جاؤ، جس آدمی سے یہ خوشبو آئے اسے پکڑ لو۔ سپاہی ایک میڈیوں والے شخص کو پکڑ لائے۔ حجاج نے پوچھا: یہ خوشبو کہاں سے لی ہے؟ بولا: خود تیار کروائی ہے۔ حجاج نے قتل کی دھمکی دی تو اس نے اعتراف کر لیا کہ فلاں عورت (مدعی کی بیوی) سے لی ہے۔ حجاج نے مدعی کو بلا کر کہا: اس نے تمہاری بیوی کی وساطت سے تمہارے چار ہزار درہم چرائے ہیں۔ جاؤ اسے حسنِ ادب سکھاؤ۔ پھر چور سے چار ہزار درہم لے دیئے۔

۱۶۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ایک دن امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ سے کہا کہ جعفر بن عیسیٰ کے پاس ایک لونڈی ہے جو مجھے بہت پسند ہے۔ اس بات کا جعفر کو بھی علم ہے اور اس نے حلف اٹھا رکھا ہے کہ وہ نہ اسے بیچے گا نہ ہبہ کرے گا اور نہ ہی آزاد کرے گا اور اب وہ اپنی قسم سے نکلنا چاہتا ہے اور آپ نے فرمایا: نصف بیچ دے اور نصف ہبہ کر دے۔

Marfat.com

۱۷۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا علمی کمال

امام محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں ایک رات سو رہا تھا کہ میرا دروازہ کھٹکا۔ میں نے کہا: دیکھو دروازے پر کون ہے؟ پتا چلا کہ خلیفہ ہارون الرشید بلا رہے ہیں۔

میں اس آدمی کے ساتھ چلتا ہوا خلیفہ کے پاس پہنچا تو کہنے لگا: ایک مسئلہ کی خاطر تمہیں تکلیف دی ہے۔ میں نے اُم زبیدہ سے کہا ہے کہ میں امام عادل ہوں اور امام عادل جنتی ہوتا ہے۔ وہ کہنے لگی: تم امام عاصی ہو اور اپنے لیے جنت کی گواہی دے کر خدا تعالیٰ پر جھوٹ بول رہے ہو، اس لیے دائرہ اسلام سے خارج ہو اور میں تم پر حرام ہو چکی ہوں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں نے پوچھا: اے امیر المؤمنین! کیا معصیت کے وقت یا بعد میں کبھی تمہارے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوا ہے؟ امیر المؤمنین نے کہا: قسم بخدا میں بہت ڈرتا ہوں۔ تو میں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم جنتی ہو بلکہ ایک کی بجائے دو کے مستحق ہو۔ قرآنِ کریم میں ہے

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (پ ۲۷، الرحمٰن: ۴۶)

اور جو اپنے رب کے حضور کھڑا (حساب) ہونے سے ڈرے اس کیلئے دو جنتیں ہیں

تو خلیفۂ وقت انتہائی تعظیم بجالائے۔ جب میں گھر کو لوٹا تو دنانیر و دراہم سے چھلکتا ہوا طبق میرے آگے آگے تھا۔

۱۸۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رات کے وقت خلیفہ ہارون الرشید کا پیامبر آیا۔ کہنے لگا: جلدی چلیں خلیفۂ وقت یاد فرماتے ہیں۔ آپ خلیفہ کے محل کی طرف چل دیے۔ وہاں پہنچ کر السلام علیکم کہا تو خلیفہ نے اپنے قریب کر لیا اور رات کو بلانے کی وجہ بیان کی کہ ہمارے گھر سے زیور چوری ہو گیا اور میں نے اپنی خاص لونڈی کو متہم ٹھہرایا ہے اور حلف اٹھایا کہ اگر اس نے سچ نہ بولا تو قتل کر دی جائے گی اور اب مجھے ندامت ہو رہی ہے۔ اس حلف سے نکلنے کی کوئی صورت فرمائیں۔ آپ نے لونڈی سے کہا: کیا تو نے زیور چرایا ہے؟ اس نے نفی میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا: پھر جو میں کہتا ہوں اس کو ذہن نشین رکھنا اور اس میں کمی بیشی نہ کرنا۔ جب خلیفۂ وقت بلا کر دریافت کریں کیا تو نے چوری کی ہے؟ تو کہہ دینا میں نے چوری کی ہے اور جب کہیں کہ لا زیور کہاں رکھا ہے؟ تو کہہ دینا میں نے چوری نہیں کی۔ جب امام ابو یوسف خلیفہ کے پاس تشریف لائے تو کہا لونڈی کو بلا کر سوال کرو۔ پوچھا گیا: کیا تو نے چوری کی ہے۔ اس نے اعتراف کر لیا۔ جب مال حاضر کرنے کا حکم ہوا تو چوری سے انکار کر دیا۔ تو قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس کے اقرار یا انکار میں ایک بات سچی ہے لہٰذا آپ قسم سے بری الذمہ ہو چکے ہیں۔ اس طرح چاند جیسی لونڈی قتل ہونے سے بچ گئی۔ خلیفۂ وقت نے حکم دیا کہ ایک لاکھ درہم ان کے گھر پہنچا دو۔ خدام نے عرض کیا:

Marfat.com

بیت المال کا انچارج موجود نہیں ہے، صبح حکم کی تعمیل ہو جائے گی۔ خلیفہ نے فرمایا: انہوں نے ہمیں رات کو آزاد کیا ہے ان کا صلہ کل تک مؤخر نہیں کر سکتے اور فوراً دست بدست ایک لاکھ درہم حاضر کرنے کا حکم دیا۔

۱۹۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی کمال

خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے امام شافعی اور بشر مریسی کا مناظرہ ہو رہا تھا۔ بشر مریسی نے کہا: اہلِ شرق وغرب کا ایک بات پر اتفاق معلوم کرنا ناممکن ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آپ کو معلوم ہے کہ اس شخص کی خلافت پر اہلِ شرق وغرب کا اتفاق ہے اس نے ڈرتے ہوئے اعتراف کر لیا اور اس بات پر مناظرہ ختم ہو گیا۔

۲۰۔امام حسین اور اعرابی کی علمی گفتگو

ایک اعرابی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر حاجت پیش کرتے ہوئے کہنے لگا: میں نے آپ کے جدِّ امجد صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جب تم سوال کرو تو چار قسم کے آدمیوں سے سوال کرو۔

۱۔عربی شریف سے ۲۔کریم آقا سے ۳۔حاملِ قرآن سے ۴۔حسین وجمیل سے۔ عرب تو وہ آپ کے جدِّ بزرگوار کے صدقے سے شریف بنے ہیں۔ کرم آپ کی سیرت وعادت ہے۔ قرآن آپ کے گھر میں نازل ہوا ہے اور باقی رہا وجہ صبیح و حسین، میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے اگر تمہیں کسی کو دیکھنے کا شوق ہو تو حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو دیکھو۔ آپ نے فرمایا: تمہاری حاجت کیا ہے؟ اس نے اپنی حاجت زمین پر لکھ دی۔ آپ نے فرمایا: میں نے اپنے والدِ ماجد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ آدمی کی قیمت اس کی خوبی کے مطابق ہوتی ہے اور اپنے جدِّ معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ بھلائی معرفت کے مطابق ہوتی ہے۔ میں تین چیزوں کے متعلق سوال کرتا ہوں اگر ایک جواب صحیح ہوا تو ایک تہائی مال اور دو صحیح ہوئے تو دو تہائی مال اور تینوں صحیح ہوئے تو سارا مال دے دیا جائے گا اور ابھی آپ کے پاس عراق سے مہر لگی تھیلی آئی تھی۔ وہ اعرابی کہنے لگا: سوال کیجئے اور اللہ تعالیٰ ہی نیکی کی قوت دینے والا ہے اور وہی برائی سے محفوظ رکھنے والا ہے۔ آپ نے پوچھا:

سوال: کون سا عمل افضل ہے؟

جواب: اعرابی نے جواب دیا: ایمان باللہ۔

سوال: آدمی کیلئے ہلاکت سے بچنے کا ذریعہ کیا ہے؟

جواب: وثوق باللہ، اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ۔

Marfat.com

سوال: آدمی کی زینت کس چیز میں ہے؟

جواب: علم کے ساتھ حلم۔

سوال: اگر علم کی دولت نہ ہو تو پھر؟

جواب دیا: مال معه کرم۔ مال، سخاوت کے ساتھ۔

آپ نے فرمایا: اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر کس کا درجہ ہے؟

بولا: فقر مع الصبر۔ فقر، صبر کے ساتھ۔

امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر یہ بھی نہ ہو تو؟

اعرابی نے جواباً کہا: آسمان سے بجلی آئے اور اسے جلا کر خاکستر کر دے۔ اس پر امام حسین رضی اللہ عنہ مسکرا دیئے اور دنانیر سے بھری تھیلی انہیں دے دی۔

Marfat.com

فضیلتِ علم پر شواہدِ عقلیہ

Marfat.com

ہم کہتے ہیں کہ علم کا صفتِ شرف وکمال اور جہل کا وصفِ نقصان وقبیح ہونا عقلاء کے نزدیک معلوم ومسلم امر ہے اس لیے کہ جب کسی عالم سے کہا جائے: اے جاہل! تو وہ بہت تکلیف محسوس کرتا ہے اور اگر کسی جاہل کو کہا جائے: اے عالم! تو وہ بہت خوش ہوتا ہے۔ اگر چہ وہ جانتا ہے کہ فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ علم لذاتہٖ محبوب وشریف ہے اور جہل لذاتہٖ نقصان۔ اور علم جہاں ہوتا ہے تو صاحبِ علم معظم ومکرم ہوتا ہے حتیٰ کہ حیوانات انسان کو دیکھ کر کچھ نہ کچھ احترام واحتشام کرتے ہیں اور کچھ ڈرتے بھی ہیں۔ خواہ حیوان انسان سے کتنا ہی بڑا ہو۔

اسی طرح ایک والی حکومت اپنے سے بڑھ کر صاحبِ علم وعقل والی کو دیکھتا ہے تو بطیبِ خاطر جھک جاتا ہے اور علماء جب کہ ان سے عناد نہ ہو وہ اپنے سے کم علم لوگوں کے فطرۃً رئیس ہوتے ہیں۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے معاندین آپ کے قتل کا ارادہ لے کر آتے۔ جب آپ کو دیکھتے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں آپ کا رعب ودبدبہ ڈال دیتا اور وہ ہیبت زدہ ہو کر منقاد ومطیع ہو جاتے۔ شاعر کہتا ہے۔

لو لم تکن فیه أیاتٌ مبیّنة

کانت بداهته تنبئك عن خبر

"اگر آپ کی کوئی اور نشانی نہ ہو تو آپ کو دیکھ لینا اور زیارت ہی بتادے گی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسولِ برحق ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام"

یہ بات بلاشبہ ثابت ہے کہ انسان تمام حیوانات سے اشرف ہے اس کی یہ فضیلت قوت ودبدبہ کی وجہ سے نہیں ہے اس لیے کہ بہت سے جانور قوت میں انسان کے برابر بلکہ بڑھ کر ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ فضیلت نورانیۃ اور لطیفۂ ربانیہ کے ساتھ مخصوص ہے جس کی وجہ سے یہ حقائقِ اشیاء کا ادراک اور عباداتِ الٰہی میں اشتغال کے لائق ہوا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ — اور میں نے جن اور آدمی اسی لیے ہی بنائے ہیں کہ میری بندگی کریں (پ۲۷ الذاریات:۵۶)

نیز جاہل، گہری تاریکی میں غرق ہے اور عالِم، ملکوت کے اقطار میں محوِ پرواز اور معقولات کے بحار میں غوطہ زن ہوتا ہے موجود ومعدوم اور ممکن ومحال کا مطالعہ کرتا ہے۔ پھر ممکن کے جوہر وعرض پھر جوہر کی مرکب وبسیط کی طرف تقسیم معلوم کرتا ہے پھر ہر ایک کی انواع، انواعِ انواع کی طرف اِس طرح اجزا اور اجزاءِ اجزا کی طرف تقسیم میں مبالغہ کرتا ہے کہ کون سی چیز میں غیر کے ساتھ شریک ہے کون سی چیز میں ممتاز ہے۔ ہر چیز کے معلول وعلت، مؤثر واثر، ملزوم ولازم، کلی وجزی اور کثرت ووحدت کو

Marfat.com

پہچانتا ہے حتیٰ کہ اس کی عقل ایک کتاب کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے جس میں جمیع معلومات اپنی اقسام وتفاصیل کے ساتھ مندرج ہوتی ہیں۔ اس درجہ سے بڑھ کر اور سعادت کون سی ہو سکتی ہے۔ پھر عقل اس وصف سے انصاف کے بعد جاہل نفوس کو عالم بنا دیتی ہے اور یہ نفس عالم ارواح میں سورج کی طرح تابانی دکھاتا ہے اور تمام نفوس کیلئے حیاتِ ابدیہ کا سبب بن جاتا ہے کہ پہلے یہ کامل تھا تو اب مکمل بن چکا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان واسطہ بن جاتا ہے۔ اس لیے ارشاد ہوتا ہے:

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ (پ۱۴ النحل: ۲) ملائکہ کو وحی دے کر اپنے امر سے اتارتا ہے

مفسرین نے اس روح کی تفسیر علم اور قرآن سے کی ہے جس طرح بدن روح کے بغیر، میت اور فاسد ہے اسی طرح علم بغیر روح میت ہے اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اور یونہی ہم نے روح کو اپنے حکم سے تیری طرف وحی کیا

یہ علم روح الروح، نور النور اور لب اللب ہے۔ اس سعادت کے خواص سے ہے کہ یہ سعادت باقی رہتی ہے اور فنا وتغیر سے محفوظ و مامون ہوتی ہے کیونکہ تصورات کلیۃ متغیر وزوال پذیر نہیں ہوتے اور جب یہ سعادت فی ذاتہٖ انتہائی جلیل ہے اور ابد الآبدین ودہر الداہرین تک باقی رہتی ہے تو لامحالہ تمام سعادتوں سے اکمل واتم قرار پائے گی۔

نیز انبیاء کرام علیہم السلام دعوت الی الحق کیلئے مبعوث ہوئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے

(پ۱۴ النحل: ۱۲۵)

ایک مقام پر فرمایا:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ کہہ دیجیے یہ میرا رستہ ہے میں دعوت دیتا ہوں اللہ کی طرف علیٰ وجہ بصیرت میں اور میرے ماننے والے

پھر ابتداء واقعہ کو لے لو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (پ۱ البقرہ: ۳۰) میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

ملائکہ عرض کرتے ہیں:

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا (پ۱ البقرہ: ۳۰) بولے کیا ایسے کو نائب کرے گا جو زمین میں فساد پھیلائے

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ (پ ۱، البقرہ:۳۰) مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے

اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی دیگر صفات جلال قدرت، ارادہ، سمع، بصر، وجود، قدم اور مکان و جہت سے استغنا کی بجائے صفت علم کو جواب کے طور پر ذکر فرمایا اور انہیں خاموش کر دیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام صفاتِ جمال و کمال انتہائی شرافت و کمال والی ہیں۔ لیکن صفتِ علم دیگر صفات کی نسبت اشرف ہے پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا علم ظاہر فرمایا تو آپ کو مسجود ملائکہ اور دنیا میں خلیفہ بنا دیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے حضرت آدم علیہ السلام کے اس استحقاق کا سبب علم ہے۔ فرشتے تسبیح وتہلیل پر فخر کرتے تھے۔ تسبیح وتقدیس پر فخر اس صورت میں درست ہوگا۔ جب اس کے ساتھ علم بھی ہو کیونکہ علم کے بغیر ان کا حصول یا تو نفاق کا درجہ ہوگا یا تقلید محض کا اور نفاق اخس المراتب ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ فِى الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ بیشک منافق دوزخ کے نچلے طبقہ میں ہیں

(پ ۵، النساء:۱۴۵)

اور ایسی تقلید، مذموم ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ملائکہ کی تسبیح وتقدیس علم کی وجہ سے ہی باعثِ افتخار بنتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام پر اسمِ معصیت واقع ہوا۔ کیونکہ آپ سے ایک مسئلہ میں خطاء اجتہادی ہوئی اور اس کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا اور جو چیز جس قدر زیادہ پرخطر ہوگی اسی قدر پررونق و مشرف ہوگی۔ یہ چیز بھی فضیلتِ علم اور جلالتِ علم کو عیاں کر رہی ہے۔ نیز حضرت آدم علیہ السلام نے علم کی وجہ سے ہی توبہ ورجوع کیا، خطا پر اصرار و استکبار ترک کیا تو اجتباء و برگزیدگی کی خلعت سے نوازے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کمال ملاحظہ ہو۔ آپ ابتداء ہی میں طلبِ علم میں مشغول نظر آتے ہیں۔

اللہ عزوجل نے فرمایا:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيۡهِ الَّيۡلُ رَاٰ كَوۡكَبًا (پ ۷، الانعام:۷۶) پھر جب ان پر رات کا اندھیرا آیا ایک تارا دیکھا

پھر ستاروں سے چاند کی طرف اور چاند سے سورج کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ کا تفکر ایک شی سے دوسری شی کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ آپ دلیل باہر اور برہان ظاہر سے مقصود تک پہنچ گئے اور شرک سے بیزاری و اعراض کا یوں اعلان فرمایا:

اِنِّىۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِىَ لِلَّذِىۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِيۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ (پ ۷، الانعام:۷۹) میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان و زمین بنائے ایک اس کا ہو کر اور میں مشرکوں سے نہیں ہوں

اور جب آپ اس مرتبہ پر فائز ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے کس طرح آپ کی مدح فرمائی اور کس طرح احسن انداز سے آپ کی

Marfat.com

خوبی کا ذکر فرمایا:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (پ ۷، الانعام:۷۵) اور اس طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی

کسی مقام پر آپ کے درجات رفیعہ کو اس طرح ظاہر فرمایا:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ (پ ۷، الانعام:۸۳) اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر عطا فرمائی ہم جسے چاہیں درجوں بلند کریں

پھر اللہ تعالیٰ مَبدء کی معرفت کے بعد معاد کی معرفت کا ذکر فرماتا ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى (پ ۳، البقرۃ:۲۶۰) اور جب عرض کی ابراہیم نے اے میرے رب مجھے دکھا دے تو کیونکر مُردے جلائے گا

اور جب آپ تحصیلِ علم سے فارغ ہوئے۔ تاج نبوت وقباء رسالت زیب تن کرتے ہوئے تعلیم واتمام والزام حجت میں مشغول ہو گئے۔ کبھی اپنے چچا سے کہتے ہیں:

لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ (پ ۱۶، مریم:۴۲) کیوں ایسے کو پوجتا ہے جو نہ سنے نہ دیکھے

اور کبھی قوم سے خطاب کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں:

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ یہ وہ مورتیاں ہیں جن کیلئے تم آسن مار کے بیٹھتے ہو

اور کبھی بادشاہِ وقت کے سامنے اعلانِ حق کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ (پ ۳، البقرۃ:۲۵۸) اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا تھا اسے جو ابراہیم سے جھگڑا اس کے رب کے بارے میں۔

حضرت صالح، حضرت ہود اور حضرت شعیب علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کے حالات کا مطالعہ کرو کس طرح اول تا آخر تعلیم وتعلم اور ارشادِ خلق کیلئے دلائل میں نظر وفکر میں مشغول رہے۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ مکالمہ اور وجوہ دلائل ہیں اور ہمارے آقا ومولیٰ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال شریفہ پر محبت والفت کی نظر ڈالو اللہ تعالیٰ کس طرح بار بار علم کو بطور احسان ذکر فرماتا ہے

Marfat.com

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى (پ۳۰، الضحیٰ:۷،۸)

اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی اور تمہیں حاجت مند پایا پھر غنی کر دیا

اِس میں احسان علم کو احسان مال پر مقدم فرمایا

ایک مقام پر فرمایا:

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ

تم (از خود) نہیں جانتے تھے کتاب کیا ہے؟ اور نہ ہی ایمان جانتے تھے

پھر فرمایا:

مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا

تم اس سے پہلے اسے نہ جانتے تھے اور نہ ہی تمہاری قوم

نیز آپ کی طرف پہلی وحی ہی یہ نازل ہوئی:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (پ۳۰، العلق:۱تا۴)

پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا آدمی کو خون کی پھٹک سے، پڑھو تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے جس نے قلم سے لکھنا سکھایا

اور رسول اللہ ﷺ ہمیشہ یہ دعا مانگتے: اے اللہ!

اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْيَاءِ كَمَا هِيَ

مجھے اشیاء کی حقیقتیں دکھادے جس طرح کہ وہ ہیں

اگر ہمارے ذکر کردہ دلائل عقلیہ ونقلیہ سے کسی انسان پر شرف علم ظاہر نہیں ہوتا تو اس کیلئے کسی چیز کا بھی ظاہر ہونا محال ہے نیز اللہ تعالیٰ نے کتاب حکیم میں علم کے کئی اسماء شریفہ ذکر فرمائے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (پ۲، البقرۃ:۲۴۷)

بیشک اللہ نے اسے تم پر چن لیا اور اسے علم اور جسم میں کشادگی زیادہ دی۔

اس میں علم کو جسم پر مقدم رکھا۔ ظاہر ہے کہ تمام نعمتوں سے مقصود سعادت بدنیہ ہے اور سعادت بدنیہ سعادت مالیہ سے اشرف ہے تو جب سعادت علمیہ سعادت بدنیہ سے اشرف ہوگی تو لامحالہ سعادت مالیہ پر شرف وفوقیت رکھے گی۔

حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں:

Marfat.com

اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کردے بیشک میں حفاظت والا علم والا ہوں (پ ۱۳، یوسف:۵۵)

آپ نے یہ نہ فرمایا: میں حسیب ونسیب ہوں یا فصیح وصبیح ہوں۔

حدیث شریف میں ہے کہ آدمی کا اپنی دو چھوٹی چیزوں پر دارومدار ہے۔

۱۔دل ۲۔زبان۔زبان سے گفتگو ہوتی ہے اور مقابلہ ومقاتلہ دل سے

شاعر کہتا ہے:

لسان الفتٰی نصف و نصف فوادہٗ

فلم یبق الّا صورۃ اللّحم والدّم

(نوجوان کا نصف زبان ہے اور نصف دل ہے اس کے ماسواسب خون اور گوشت سے مرکب ایک صورت ہے)

اللہ تعالٰی نے دوزخیوں کے بارے میں عذابِ جہل کو عذابِ نار پر مقدم کرتے ہوئے فرمایا:

كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ہاں ہاں بیشک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہیں۔پھر بیشک انہیں جہنم میں داخل ہونا ہے (پ ۳۰،المطففین:۱۶،۱۵)

بعض علماء فرماتے ہیں کہ علوم کا مطالعہ تین ذرائع سے ہوتا ہے:

۱۔متفکر دل ۲۔تعبیر کرنے والی زبان ۳۔تصویر کشی کرنے والا بیان

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لفظِ علم میں عین علو کی، لام لطف کی، اور میم مروت کی ہے۔

اسی طرح بیان کیا جاتا ہے کہ علوم دس طرح کے ہیں:

۱۔ علمِ توحید، اَدیان کیلئے
۲۔ علمِ سر، ردِّ شیطان کیلئے
۳۔ علمِ شریعت، ارکان کیلئے
۴۔ علمِ فراست، برہان کیلئے
۵۔ علمِ سیاست، سلطان کیلئے
۶۔ طب، ابدان کیلئے
۷۔علمِ رؤیا بیان کیلئے
۸۔علمِ نجوم، ازمان کیلئے
۹۔ علمِ مبارزت، فرسان (سواروں) کیلئے
۱۰۔ علمِ حقیقت، رحمٰن کیلئے

نیز علم کی مثال پانی سے بیان کی گئی ہے، اللہ تعالٰی جل وعلانے فرمایا:

Marfat.com

وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (پ۱ البقرۃ:۲۲) اور آسمان سے پانی اتارا

پانی چار طرح کے ہیں:

۱۔چشمے کا پانی ۲۔کنوئیں کا پانی ۳۔بارش کا پانی ۴۔سیلاب کا پانی

اسی طرح علوم بھی چار طرح کے ہیں:

۱۔علم توحید ۲۔علم فقہ ۳۔علم زُہد ۴۔علم بدعات

۱۔ علم توحید چشمے کی طرح ہے اسے حرکت دینا نا جائز ہے ورنہ گدلا ہو جائے گا۔اس طرح کیفیت ذات باری تعالیٰ کی معرفت طلب کرنا نا جائز ہے ورنہ کفر تک نوبت پہنچ سکتی ہے۔

۲۔ علم فقہ کنوئیں کے پانی کی طرح ہے اور استنباط کے ذریعے بڑھتا ہے جس طرح کہ کنوئیں کا پانی کھودنے سے زیادہ ہوتا ہے

۳۔ علم زہد بارش کے پانی کی طرح ہے جب اترتا ہے تو صاف وشفاف ہوتا ہے لیکن غبارے گدلا ہو جاتا ہے اسی طرح علم زہد صاف ہے جو کہ (خواہش) وطمع کی آلودگی سے مکدّر ہو جاتا ہے۔

۴۔ علم بدعت، یہ سیلاب کے پانی کی طرح ہے جو زندوں کو مارتا ہے اور مخلوق کو تباہ کرتا ہے اور یہی حال بدعات (خصوصاً اعتقادی بدعات) کا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

ساتواں مسئلہ:تعریف علم میں اقوال

۱۔ امام ابوالحسن اشعری کہتے ہیں جس کے ذریعے جانا جائے وہ علم ہے،بعض اوقات فرماتے جس کی وجہ سے کوئی ذات عالم بن جائے۔

اعتراض: عالم ومعلوم،علم سے ہی پہچانے جاتے ہیں تو ان دونوں سے 'علم کی تعریف' دَور ہے جو جائز نہیں۔

جواب: انسان کو اپنی ذات،تکلیف اور نفس کا علم ضروری وبدیہی ہے،یہ علم کہ وہ ان اشیاء کا عالم ہے یہ اصل علم کا علم ہے اس لیے کہ ماہیت،ماہیت مقیدہ میں داخل ہوتی ہے تو اس کا یہ جان لینا کہ علم کا علم ہے ضروری ہے تو دور ساقط،اس کی مزید تفصیل اس باب میں ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے مختار قول کے تحت کریں گے۔

۲۔ قاضی ابوبکر کہتے ہیں کہ معلوم جس حال میں ہے اس کی معرفت علم ہے،بعض اوقات کہتے ہیں:علم،معرفت ہی کا نام ہے۔ اول پر اعتراض یہ ہے معرفت معلوم۔یہ علم کی معلوم کے ساتھ تعریف ہے لہٰذا یہاں بھی دور لازم ہے تو معرفت موافق معلوم ہی ہوگی اس کے بعد،جس حال پر ہے،کا تذکرہ زائد ہے۔

Marfat.com

دوسرے پر اعتراض ہے کہ علم معرفت ہی ہے اس میں کئی طرح سے خلل ہے۔

پہلا خلل: اگر علم، نفس معرفت ہے تو شی کی تعریف بنفسہٖ لازم آرہی ہے جو محال ہے۔

دوسرا خلل: معرفت، التباس کے بعد حصول علم کا نام ہے اس لیے کہ معرفت، پہلے جہالت کا تقاضا کرتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں محال ہے۔

۳۔ استاذ ابواسحاق اسفرائنی کہتے ہیں: تفصیل معلوم علم ہے، بعض اوقات حقائق کا اظہار اور بعض اوقات تبیین کو علم کہتے لیکن یہ قول بھی ضعیف ہے۔ علم، تبیین ہے یہ تو ایک لفظ کو دوسرے انھی لفظ سے تبدیل کرنا ہے اور اس لیے بھی کہ تبیین اور استبان بتارہے ہیں کہ خفاء کے بعد ظہور ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے علم پر فٹ نہیں آتی۔ تبیین المعلوم کو معلوم قرار دینے پر وہی اعتراضات ہوں گے جو قاضی ابوبکر کے قول پر ہوئے۔

۴۔ استاد ابوبکر بن فورک کہتے ہیں جو اس کے ساتھ متصف ہو اس کا فعل پختہ و مضبوط ہوتا ہے لیکن یہ بھی ضعیف ہے اس لیے کہ واجبات کے وجوب اور محالات کے امتناع کا علم احکام فعل کا مفید نہیں ہوتا۔

۵۔ شیخ قفال نے کہا: معلوم کا اثبات جس حال میں ہو، بعض اوقات معلوم جس حال میں ہو اس کا تصور علم کہلاتا ہے۔ سابقہ اعتراضات ان پر بھی وارد ہوں گے۔

۶۔ امام الحرمین کہتے ہیں: ماہیت علم کے تصور اور دوسرے سے امتیاز کے حوالہ سے ہم یہ کہتے ہیں ہمارے اندر بداہتہً یہ بات موجود ہے کہ ہم بعض اشیاء کا اعتقاد رکھتے ہیں اب شی میں ہمارا اعتقاد جازم ہوگا یا جازم نہیں ہوگا۔ اگر اعتقاد جازم ہے تو وہ مطابق واقع ہے یا مطابق نہیں۔ اگر مطابق ہے تو اگر سبب و موجب موضوع و محمول ہیں تو یہ علم بدیہی اور اگر موجب ان علوم ضروریہ کی ترکیب ہے تو علم نظری اور یا کوئی سبب نہیں تو یہ مقلد کا اعتقاد۔ اگر جزم مطابق واقع نہیں تو یہ جہل ہے۔
اور اگر جازم نہیں تو ان کی دونوں اطراف مساوی ہیں تو شک اگر ایک طرف دوسری سے راجح ہے تو راجح ظن اور مرجوح وہم، لیکن اس تعریف میں بھی چند طرح خلل ہے۔

پہلا خلل: یہ تعریف تب کامل ہے جب ہم یہ دعویٰ کریں کہ ماہیت اعتقاد کا ہمیں علم بداہتہً حاصل ہے، جب یہ بات کہنا جائز ہے تو ہم یہ دعویٰ کیوں نہیں کرسکتے کہ ماہیت علم کا علم بدیہی ہے۔

دوسرا خلل: علم کی تعریف اس کے اضداد کی نفی سے ہے اور ان اضداد کی معرفت، معرفت علم سے اقویٰ نہیں کہ عدم کو معرفت نقیض کا ذریعہ بنالیا جائے تو یہاں بھی شی کی تعریف، بنفس شئی یا اخفی کے ساتھ تعریف لازم آجائے گی۔

Marfat.com

تیسرا خلل: علم کبھی تصور اور کبھی تصدیق ہوتا ہے، تصور کو جزم، تردد، قوت اور ضعف لاحق ہی نہیں ہوتے جب صورت حال یہ ہے تو علوم تصوریہ اس تعریف سے خارج ہو جائیں گے۔

معتزلہ اور تعریف علم

معتزلہ کہتے ہیں: علم وہ اعتقاد ہے جو سکون نفس کا متقاضی ہو۔ کبھی وہ یہ کہہ دیتے ہیں علم وہی ہے جو سکون کا تقاضا کرے۔ لفظ سکون یہاں اگرچہ مجازاً ہے مگر جب مقصود ظاہر تو اب اس کا ذکر منافی مقصود نہیں۔

اہلِ سُنّت کہتے ہیں: اعتقاد بطور جنس، علم کے مخالف ہے لہٰذا علم کو اعتقاد کہنا درست نہیں۔ لیکن معتزلہ کہہ سکتے ہیں بلاشبہ علم اور اعتقاد کے درمیان جو قدر مشترک ہے ہماری مراد وہی قدر ہے۔

اہلِ سُنّت فرماتے ہیں اس سے علم الٰہی خارج ہو جائے گا کیونکہ وہاں سکونِ نفس کی بات نہیں کی جا سکتی۔

فلاسفہ اور تعریف علم

فلاسفہ کہتے ہیں: نفس میں معلوم کے مطابق صورت حاصلہ کا نام علم ہے۔ اس تعریف میں یہ عیوب ہیں۔

پہلا عیب: لفظ صورت کا اطلاق علم پر بلاشبہ مجاز ہے۔ تلخیص حقیقت یہ بنی کہ جیسے آئینے میں صورت آتی ہے اسی طرح ذہن میں صورتِ معلوم ہوتی ہے۔

لیکن یہ ضعیف ہے کیونکہ جب ہم پہاڑ و سمندر کا تصور کرتے ہیں اگر دونوں ذہنوں میں آ جائیں تو ذہن میں پہاڑ اور سمندر آ جائے گا یہ محال ہے، اگر یہ ذہن میں خود حاصل نہیں ہوتے ان کی فقط صورت حاصل ہوتی ہے تو اب معلوم صورت ہوئی تو جس شئ کی یہ صورت ہے وہ لازماً معلوم نہ ہوگی اگر کوئی کہے ذہن میں صورت اور اس کا محل آ جاتا ہے تو ذہن میں پہاڑ اور سمندر آ جانے والا اعتراض لوٹ آئے گا۔

دوسرا عیب: الفاظ تعریف کا معلوم کے مطابق ہونا سے دور لازم آ رہا ہے۔

تیسرا عیب: فلاسفہ کے ہاں کئی معلومات خارج میں موجود ہوتی ہیں اور کبھی موجود نہیں ہوتیں۔ ایسی صورت میں ایسی معلومات اعتباریہ کو صور ذہنیہ اور معقولات ثانیہ کا نام دیتے ہیں تو اب اس قسم میں مطابقت، معقول ہی نہیں۔

چوتھا عیب: بعض اوقات ہم معدوم کا تصور کرتے ہیں اور یہاں یہ کہنا ممکن ہی نہیں کہ صورت عقلیہ، معلوم کے مطابق ہے اس لیے کہ مطابقت کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں امر ثبوتی ہوں، معدوم نفی محض ہے وہاں مطابقت کا تحقق محال ہے۔

Marfat.com

شیخ غزالی نے تعریف علم کے بارے میں فلاسفہ کی گفتگو کی وضاحت کرتے ہوئے کہا یہ باطنی بصیرت کا ادراک ہے۔ جسے ہم بصر ظاہری پر قیاس کر کے سمجھ سکتے ہیں۔ بصر ظاہری کا معنی صرف یہ ہے مرئی، قوت باصرہ میں اسی طرح طبع ہوتی ہے جیسے آئینہ میں صورت کا نقش ہوتا ہے۔ جیسے بصر، مبصرات کی صورت اخذ کرتی ہے یعنی اس میں ان کی مثال جاگزیں ہوتی ہیں نہ کہ ان کا نفس عین کیونکہ عین (ذات) نار تو آنکھ میں بھی نہیں ہوتا بلکہ اس کی مثال ہوتی ہے جو اس کی صورت ہے، اسی طرح عقل کا معاملہ بھی آئینہ کی طرح ہے اس میں بھی معقولات منقش ہوتی ہیں۔ صُور معقولہ سے مراد ان کے حقائق اور ماہیات ہیں۔

آئینہ میں تین اُمور

اور آئینہ میں تین امور ہوتے ہیں۔ لوہا اور اس کا شفاف ہونا اور اس میں منقش صورت۔ اسی طرح جوہر آدمی مثل لوہا، اس کا عقل صقالت اور معلوم، صورت کی طرح ہوتا ہے۔

شیخ غزالی کا رد

لیکن غزالی کی تمام گفتگو ساقط و مردود ہے۔

ان کا یہ کہنا کہ بصر ظاہری کا معنی فقط یہ ہے کہ قوت باصرہ پر صورت مرئی کا انطباع ہوتا ہے یہ ان وجوہات پر باطل ہے۔

پہلی وجہ: انہوں نے ابصار کی تعریف میں مبصر اور باصر کا ذکر لایا۔ یہ دور ہے۔

دوسری وجہ: اگر ابصار اس انطباع کا نام ہے تو پھر ہم نقطہ ناظر کی مقدار کے علاوہ کسی کو نہ دیکھ سکیں گے کیونکہ عظیم کا انطباع صغیر میں نہیں ہوسکتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ خارج میں شئ عظیم کے ابصار کے لیے صورت صغیر، منطبعہ شرط ہے تو ہم کہیں گے شرط، مشروط کا غیر ہوتی ہے تو ابصار، صورت منطبعہ کا غیر ہوگی۔

تیسری وجہ: ہم مرئی کو اس کے حال میں رکھتے ہیں اگر مرضی صورت منطبعہ ہے تو ہم اسے حیز و مکان میں نہ دیکھ سکیں گے ان کا کہنا عقل میں صُور معقولات منطبع ہوتیں ہیں۔ یہ بھی ضعیف ہے اس لیے عقل میں جو حرارت کی صورت مرتسم ہوتی ہے وہ ماہیت میں حرارت کے مساوی ہوگی یا نہ۔ اول صورت میں لازم آئے گا عقل تصور حرارت کے وقت حار و گرم ہو کیونکہ حار کا معنی ہی حرارت سے متصف ہونا ہے اگر دوسری صورت ہے تو اب ذہن میں ایسی ماہیت کا ہی حصول ہوگا جو ماہیت میں حرارت کے مخالف ہے اور یہ باطل ہے۔

Marfat.com

ان کا کہنا، آئینہ میں صورتوں کا مرتسم ہونا درست نہیں تمام فلاسفہ کا اتفاق ہے کہ صورت مرئی آئینہ میں منطبع نہیں ہوتی۔ لہٰذا غزالی کی تفصیل نہ ان کے قول کے مطابق ہے اور نہ ان کے اصولوں کے موافق، لہٰذا یہ تمام تعریفاتِ علم باطل ٹھہریں۔

علم کی مختار تعریف

یاد رہے کسی شی کی تعریف سے عجز کبھی مطلوب میں بہت ہی زیادہ خفا کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی شی کے نہایت ہی واضح و آشکار ہونے کی وجہ سے کہ اس سے کوئی زیادہ معروف شئ نہیں ہوتی جس سے اس کی تعریف کی جائے۔ تعریف علم سے عجز اس دوسری وجہ سے ہے۔ حق یہی ہے کہ ماہیتِ علم، تصور بدیہی کی شکل میں آشکار و متصور ہے۔ لہٰذا اس کی تعریف کی ضرورت ہی نہیں اس پر دلیل یہ ہے کہ ہر آدمی بدیہی طور پر اپنے آپ کو جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ میں آسمان پہ نہیں اور نہ ہی سمندر کی تہوں میں۔ اور اسے ان اشیاء کے عالم ہونے کا علم بدیہی ہے، ان علوم سے اپنی ذات کے متصف ہونے کا علم ہے۔ ایک شئ کی دوسری شی کی طرف نسبت کرنے کا۔ عالم، بالیقین دونوں اطراف کا عالم ہوتا ہے جب اس منسوب کرنے کا علم بدیہی حاصل ہے تو ماہیت علم کا علم ضروری بھی حاصل ہوگا تو جب معاملہ یوں ہے تو علم کی تعریف محال ہے ہاں اس قدر گفتگو یہاں کافی ہے باقی تحقیقات کتب منطق میں موجود ہے

آٹھواں مسئلہ، علم کے مترادف الفاظ کا بیان

علم کے مترادف الفاظ کی تعداد تیس ہے:

۱۔ ادراک۔ ملاقات و وصول، محاورہ ہے: ادرك الغلام (غلام پالیا) ادرکت الثمر (پھل حاصل ہوگیا) ارشاد الٰہی ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا:

اِنَّا لَمُدۡرَکُوۡنَ (پ ۱۹، الشعراء:۶۱) ہم تو پالیے گے

تو قوت عاقلہ، جب ماہیت معقول تک پہنچ کر اسے حاصل کر لیتی ہے تو یہ قوت اس جہت سے ادراک کہلاتی ہے۔

۲۔ شعور۔ یہ بغیر پختگی کے ادراک ہے۔ یہ قوت عاقلہ تک معلوم کے پہنچنے کا اول مرتبہ ہے گویا یہ ادراک متزلزل ہوا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ''شعر کذا'' نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ کہا جاتا ہے: یعلم کذا۔

۳۔ التصور۔ جب قوت عاقلہ معنی پالے اور تمام کا ادراک کرے تو یہ تصور ہے۔

واضح رہے تصور کا لفظ صورت سے ہے، صورت کی وضع اس حالت جسمانی کے لیے ہے جو جسم متشکل کو حاصل ہوتی ہے۔ مگر لوگوں نے جب خیال کیا کہ حقائق معلومات، قوت عاقلہ میں اس حالت پہ ہوتے ہیں جس طرح شکل و ہیئت، مادہ جسمانی میں حلول کر جاتے ہیں تو انہوں نے اس تاویل کی بنا پر لفظ تصور کا اطلاق کیا ہے۔

Marfat.com

۴۔ الحفظ۔ جب صورت عقل میں حاصل ہو کر اسی طرح خوب مستحکم اور پختہ ہو گئی کہ اگر وہ زائل ہو جائے تو قوت عاقلہ اسے واپس لے آئے اسی حالت کو حفظ کہا جاتا ہے، جب حفظ میں ضعف کے بعد تاکید و پختگی ہے تو بالیقین علم الٰہی کو حفظ نہیں کہہ سکتے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حفظ کی محتاجی کیلئے زوال کا جائز ہونا ضروری ہوتا اور یہ چیز علم الٰہی میں محال ہے تو اسے حفظ کا نام نہیں دیا جاسکتا

۵۔ التذکر۔ عقل میں صورت محفوظ جب زائل ہو جائے اور ذہن اسے لوٹانے کا ارادہ کرے تو یہ ارادہ تذکر کہلاتا ہے۔ یاد رہے لفظ تذکر میں ایک راز ہے جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تذکر ذہن کا محو اور مٹی ہوئی صورت کو واپس لانا ہے اب اگر اس صورت کا شعور ہے تو وہ ذہن اس سے غافل ہو گا جب غافل ہے تو اس کے لوٹانے کا طالب ہونا محال اس لیے کہ جو متصور ہی نہیں۔ اسے طلب کرنا محال ہوتا ہے۔

تو دونوں صورتوں میں مذکور تذکر کی واپسی کی طلب محال ہے حالانکہ ہم اپنے اندر یہ بات پاتے ہیں کہ ہم اسی صورت کو طلب بھی کرتے ہیں اور اسے پاتے بھی ہیں۔

ان اسرار میں جب عاقل ڈوب کر خوب غور کرتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم اس تذکر کی کنہ پا ہی نہیں سکتے حالانکہ لوگوں کے ہاں یہ بڑی آشکار و ظاہر شئی ہے تو ان اشیاء کے بارے میں کہا جاسکتا ہے جو عقول واذہان پہ تمام سے مخفی اور مشکل ہیں۔

۶۔ الذکر۔ صورت زائلہ کی واپسی کا جب ارادہ کیا ہو اور وہ اس طلب کے بعد لوٹ کر حاضر ہو گی تو اس وجدان کا نام ذکر ہے اب اگر پہلے ادراک کا زوال نہ ہوتا تو ایسے ادراک کو ذکر نہ کہا جاتا۔ اس لیے شاعر نے کہا:

فاللہ یعلم أنی لست أذکرہ و کیف أذکرہ اذ لست أنساہ

(تو اللہ جانتا ہے کہ میں نے اسے یاد نہیں کیا اور میں اسے یاد کروں جبکہ میں اسے بھولا ہی نہیں ہوں)

تو شاعر نے حصولِ نسیان کو حصول ذکر کیلئے شرط قرار دیا اور قول کو ذکر قرار دیا کیونکہ یہ نفس میں حصولِ معنی کا سبب بن رہا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (پ ۱۴، الحجر:۹) ہم نے قرآن کو اُتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں

اہم تفسیری نکتہ

یہاں اہم تفسیری نکتہ ہے ارشاد الٰہی ہے:

فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ (پ ۲، البقرہ:۱۵۲) تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا

بندہ کیلئے یہ حکم حالت نسیان میں ہے یا زوالِ نسیان کے بعد۔

Marfat.com

اگر اول صورت ہے تو وہ حالت نسیان میں غافل ہے تو اس حالت میں یہ حکم اسے کیسے ہوسکتا ہے اور دوسری صورت ہے تو وہ ذاکر ہے اور ذکر حاصل اور تحصیل حاصل محال تو انسان کو اس بات کا حکم کیسے دے دیا؟ اور یہی اشکال اس فرمان الٰہی کی طرف بھی متوجہ ہوتا ہے۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (پ۲۶، محمد:۱۹) جان لو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

فاعلم، (یقین رکھو) میں تو جواب یہ ہے کہ یہاں حکم معرفت توحید کا ہے اور اس کا تعلق باب تصدیق سے ہے۔ لہٰذا اس پر اشکال نہیں ہاں ذکر، تو تصورات میں سے ہے۔ لہٰذا یہاں اشکال قوی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اپنے اندر یاد پہ قدرت پاتے ہیں۔ اور جب یہ ممکن ہے تو جو کچھ تم نے بصورت اعتراض کہا یہ ضروریات میں تشکیک پیدا کر رہا ہے۔ لہٰذا یہ جواب کا مستحق ہی نہیں۔ ہاں یہ کہنا باقی رہ جاتا ہے کہ تذکر کی کیفیت کیا ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ اس کی کیفیت سے ہم آگاہ نہیں۔

ایک اور راز

بلکہ یہاں ایک راز ہے کہ جب تم یا دو ذکر کی ماہیت جاننے سے عاجز ہو حالانکہ یہ تمہاری صفت ہے تو تمہارے لیے مذکور (اللہ تعالیٰ) کی کنہ وحقیقت سے آگاہی کیسے ممکن ہوسکتی ہے حالانکہ وہ مناسبت کے اعتبار سے تم سے سب سے دور ہے تو پاک ہے وہ ذات جس نے سب سے ظاہر کو سب سے مخفی کر دیا تاکہ اس کے ذریعے اس کی کنہ سے عاجز اور اپنی شرح کو انتہائی کوتاہ مانے اور اس کی تقادیر کے اسرار کے مطالعہ سے اس کے ظاہر و باطن کا مشاہدہ کرے۔

۷۔ تفسیر معرفت میں اقوال

المعرفت۔ اس لفظ کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں

ا۔ معرفت، ادراکِ جزئیات اور علم ادراکِ کلیات ہے۔

۲۔ کچھ کہتے ہیں معرفت، تصور اور علم، تصدیق ہے اور یہ عرفان کو علم سے اعظم قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں ہماری یہ تصدیق کہ تمام محسوسات کی نسبت واجب الوجود کی طرف ہے۔ بداہۃً معلوم ہے۔ رہا واجب کی حقیقت کا تصور وہ انسانی طاقت سے باہر ہے دوسری بات یہ ہے کہ جب تک کسی کا وجود معلوم نہ ہوگا اس کی ماہیت، طلب ہی نہیں کی جاسکتی۔ اس پر ہی کہا جاتا ہے کہ ہر عارف عالم ہوتا ہے مگر ہر عالم، عارف نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے عارف وہی شخص کہلا سکتا ہے جو علم کے میدانوں میں طاقت بشری

Marfat.com

کے مطابق مستغرق، ان کی ابتداء سے انتہاء تک اور ان کے مبادی سے غایات تک کا علم رکھنے والا ہو۔

اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی انسان بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت کی طاقت نہیں رکھتا اس لیے کہ اس کی ذات کی کنہ اور اس کی الوہیت راز پانا محال ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جس نے کسی شی کا ادراک کیا اور اس کا اثر اپنے اندر محفوظ کر لیا پھر اس شی کو اس نے دوبارہ جان کر معلوم کر لیا یہ وہ پہلی ہی چیز ہے جس کا ادراک ہوا تھا اسے معرفت کہا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے: میں نے اس آدمی کو پہچان لیا، یہ وہی ہے جسے میں نے فلاں موقع پر دیکھا تھا۔

کچھ لوگ ارواح کو قدیم، کچھ انہیں ابدان سے مقدم مان کر کہتے ہیں۔ انہیں جب صُلب آدم علیہ السلام سے نکالا گیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت اور ربوبیت کا اعتراف واقرار کیا۔ جب ان کا ظلماتی بدن سے تعلق بنا تو یہ اپنے مولیٰ کو بھول گئیں تو جب انہوں نے ظلمت بدن اور جسم کی کھائی سے نجات پائی تو انہوں نے اپنے رب کی معرفت پائی اور انہیں معلوم ہو گیا کہ ہم اس کی عارف تھیں تو بالیقین اسی ادراک کو عرفان کہا جاتا ہے۔

۸۔ الفهم۔ شئی کا الفاظ مخاطب سے تصور۔ افہام فہم سامع تک معنی کا لفظ کے ساتھ اتصال ہے۔

۹۔ الفقه۔ کسی کے خطاب کی غرض کا علم، جب کوئی کسی کی غرض وغایت پالیتا ہے تو کہتا ہے فقهت کلامك (میں نے تمہارا کلام سمجھ لیا ہے) کفار قریش صاحب شبہات وخواہشات تھے تو وہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں منافع عظیمہ سے واقف نہ ہو پائے تو ارشاد الٰہی ہوا:

لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا (پ۱۶، الکھف:۹۳) کوئی بات سمجھتے معلوم نہ ہوتے

یعنی وہ مقصود اصلی اور غرض حقیقی سے آگاہ نہ ہوئے۔

۱۰۔ العقل۔ یہ صفات اشیاء مثلاً حسن وقبح اور کامل وناقص کا علم ہے، جب تمہیں ان اشیاء میں موجود منافع اور خسارہ کا علم ہو گا تو ان میں موجود نفع اسے بجالانے کا داعی وسبب بن جائے گا، اسی طرح اگر ان میں ضرر رسانی ہے تو وہ اس کے ترک کا داعی و سبب ہو گا تو یہ علم بھی فعل سے مانع اور کبھی اس کے ترک سے مانع ٹھہرا تو یہی علم، عقال ناقہ (اونٹنی کی نکیل) کی طرح قرار پایا، اسی لیے جب کسی صالح سے عقل کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا اشیاء کے خیر وشر کا علم ہے پوچھا عاقل کون؟ فرمایا:

مَنْ عَقَلَ عَنِ اللّٰهِ اَمْرَهٗ وَ نَهْيَهٗ جو اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی پہ رک جائے

اس کے مقام کے لائق یہی گفتگو ہے۔ تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام پر آئے گی۔

Marfat.com

۱۱۔ الدرایة ۔ جو کسی حیلہ وطریقہ سے معرفت حاصل ہو، یہ مقدمات کی تقدیم اور استعمال رؤیت ہے۔ اس کی اصل دریت الصید والدریة۔ ہے کیونکہ اس سے نشانہ کا علم ہوتا ہے، ذریعہ اصلاح شعر کو مدری کہا جاتا ہے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کا فکر وحیلہ کرنا محال ہے۔

۱۲۔ الحکمة۔ یہ ہر خوبصورت علم اور عمل صالح کا نام ہے۔ یہ علم عملی بھی نظری علم سے خاص ہے اس کا استعمال بجائے علم کے عمل میں زیادہ ہے۔ پختہ عمل کو کہا جاتا ہے: أحکم العمل احکامہٗ حکم بکذا حکمہٗ۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت سے مراد یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کیلئے دنیاوی اور اُخروی نفع پیدا کردیا ہے اور بندوں کی حکمت بھی یہی ہے۔

حکمت کی تعریف

تعریف حکمت مختلف الفاظ سے کی گئی ہے، مثلاً

۱۔ مَعْرِفَةُ الْاَشْیَاءِ بِحَقَائِقِهَا اشیاء کو ان کے حقائق کے ساتھ جاننا

اس میں یہ اشارہ ہے کہ ادراکِ جزئیات بڑا کمال نہیں کیونکہ یہ ادراکات بدل جاتے ہیں البتہ ادراکِ ماہیت تبدیل وتغیر سے محفوظ رہتا ہے۔

۲۔ اَلْاِتْیَانُ بِالْفِعْلِ الَّذِیْ عَاقِبَتُهٗ مَحْمُوْدَةٌ اس فعل کو بجالانا جس کا انجام اچھا ہو۔

۳۔ اَلْاِقْتِدَاءُ بِالْخَالِقِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی فِی السِّیَاسَةِ بِقَدْرِ الطَّاقَةِ الْبَشَرِیَّةِ بقدر طاقت انسانی اپنے خالق کی تدبیر کی اقتدا کرنا۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کے علم کو جہالت سے، اس کے فعل کو ظلم سے، اس کی سخاوت کو بخل سے اور اس کے حلم کو سفہ سے پاک مانے۔

۱۳۔ علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین ۔ اہل علم کے نزدیک یقین یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ شئی یوں ہی ہے اور اس کا خلاف محال ہے تو اب اس اعتقاد کا سبب بداہت فطرت ہوگا یا عقل۔

۱۴۔ الذهن۔ نفس کی قوت جو غیر حاصل کو، حاصل کرلے، تفصیل کچھ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کو تحقیق وعلم اشیاء سے خالی پیدا کیا، ارشاد الٰہی ہے:

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْــٴًـا (پ۱۴، النحل:۷۸) اور اللہ نے تمہیں ماؤوں کے بطن سے اس طرح نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے

اللہ تعالیٰ نے چونکہ اسے اپنی عبادت وطاعت کیلئے پیدا کیا، فرمایا:

Marfat.com

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف عبادت کیلئے پیدا کیا

(پ۲۷ الذریات:۵۶)

اور طاعت کیلئے علم شرط ہے، دوسرے مقام پہ فرمایا:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ (پ۱۶ طہٰ:۱۴) میرے ذکر کیلئے نماز قائم کرو

تو واضح ہو گیا حکمِ طاعت کی غرض علم ہے تو علم کا ہر حال میں ہونا ضروری قرار پایا۔ تو ضروری تھا نفس ان معارف وعلوم کے حصول پر قادر ہو تو اللہ تعالیٰ نے اسے حواس عطا فرمائے جو ان کے حصول پر اس کے معاون بن جائیں، سماعت کے بارے میں فرمان ہے:

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (پ۳۰ البلد:۱۰) اور اسے دو اُبھری ہوئی چیزوں کی راہ بتائی

بصر کے بارے میں ہے:

سَنُرِيْهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ ہم عنقریب اپنی نشانیاں دکھائیں گے آفاق میں اور ان کے نفوس میں (پ۲۵ فصلت:۵۳)

فکر کے حوالہ سے فرمایا:

وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (پ۲۶ الذاریات:۲۱) اور خود تم میں تو کیا سوجھتا نہیں تمہیں

جب یہ قویٰ معاون بنتے ہیں تو جاہل روح، عالم بن جاتی ہے، اس ارشادِ باری تعالیٰ کا یہی مفہوم ہے

الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (پ۲۷ الرحمٰن:۱،۲) رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا

حاصل یہ ہے کہ ان معارف کے حصول کی نفس استعداد، ذہن ہے۔

۱۵۔ الفکر۔ روح کا تصدیقات موجودہ سے تصدیقات مستحضرہ کی طرف منتقل ہونا ہے، بعض محققین نے کہا: فکر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مسلسل اس سے نزولِ علوم کے بارے میں تضرع کرتی ہے۔

۱۶۔ الحدس۔ فکر کا عمل تب تام ہوتا ہے کہ وہ مجہول کے اطراف کے درمیان نسبت کو پالے تا کہ نسبت غیر معلوم معلوم ہو جائے۔ اس لیے کہ نفس، حالت جہالت میں گویا تاریکی میں کھڑا ہے اس کے چلانے کیلئے کسی قائد کی ضرورت ہے جو طرفین کے درمیان میں ہے اور اسے ان دونوں کے ساتھ خصوصی نسبت ہے تو ان دونوں کی طرف نسبت سے دو مقدمے

Marfat.com

سامنے آئیں گے تو ہر مجہول وغیرہ کا علم دو معلوم مقدمات کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ دو مقدمات دو گواہوں کی طرح ہیں۔ شرع میں دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے اسی طرح عقل میں دو گواہ لازم ہیں اور یہی مقدمات آدمی کو نتیجہ تک پہنچا دیتے ہیں تو نفس کی اس متوسط کو پانے کی استعداد حدس کہلاتی ہے۔

۱۷۔ الذکاء۔ یہ حدس کی شدت، کمال اور انتہائی درجہ پر ہوتا ہے، اس لیے کہ ذکاء فیصلہ کر گزرنا اور حق کو جلدی پالینا ہے۔ اس کا اصل ہے ذکت النار (آگ کا خوب جلنا) ذکت الریح (ہوا کا تیز چلنا) شاۃ مذکاۃ (تیز چھری سے ذبح بکری)۔

۱۸۔ الفطنۃ۔ اشارہ کردہ بات کو پالینا۔ یہی وجہ ہے اس کا استعمال اکثر حوائج اور رُموز کے لیے ہوتا ہے۔

۱۹۔ الخاطر۔ حصول دلیل کی طرف نفس کا حرکت کرنا۔ حقیقت میں وہ معلوم ہی دل میں خاطر اور نفس میں حاضر ہوتا ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے: یہ میرے بعد آیا ہے چونکہ نفس اس معنی خاطر کا محل ہوتا ہے اس لیے اسے خاطر کہا تو یہ حال کا محل پر اطلاق ہے۔

۲۰۔ الوھم۔ اعتقادِ مرجوح۔ بعض اوقات اشخاص جزئیہ جسمانیہ کے غیر محسوس اُمور جزئیہ کے حکم کو وہم کہا جاتا ہے، مثلاً خلوص ماں پر عیب اور موذی پر عداوت کا حکم لگانا۔

۲۱۔ الظن۔ اعتقادِ راجح۔ جب قبول اعتقاد، قوت وضعف کی وجہ سے منضبط نہیں اسی طرح مراتب ظن کا بھی حال ہے اس لیے اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے قلبی اعتقاد کی دونوں اطراف میں سے ایک کا راجح ہونا اور دوسری طرف کا جواز ہو، پھر ظن پر جو قوت میں متناہی ہے علم کا اطلاق ہوتا ہے لہٰذا ظن کا بھی علم پر اطلاق ہوگا جس طرح بعض مفسرین نے اس ارشادِ الٰہی کے تحت کہا:

اَلَّذِیۡنَ یَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّهِمۡ (پ۱، البقرۃ:۴۶) وہ لوگ جنہیں اپنے رب کی ملاقات کا یقین تھا

ظن کے اطلاقِ علم پر انہوں نے دو وجہ ذکر کی ہیں:

۱۔ اس پر توجہ دلانا ہے کہ اکثر لوگوں کا دنیاوی علم، اُخروی علم کی نسبت اس طرح ہے جیسے ظن مشابہ علم۔

۲۔ علم حقیقی دنیا میں فقط انبیاء اور صدیقین کو حاصل ہوتا ہے، جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ثُمَّ لَمۡ یَرۡتَابُوۡا (پ۲۶، الحجرات:۱۵) وہ جو ایمان لائے اللہ اور اس کے رسول پر پھر تردو کا شکار نہ ہوئے

یاد رہے اگر ظن، قوی دلیل کی بنا پر ہے تو اسے قبول اور قابلِ تعریف قرار دیا جائے گا، اس علم کے احوال کا اکثر مدار اسی پر ہے

Marfat.com

اور اگر دلیل کمزور ہے تو اس کی مذمت ہوگی، ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (پ۲۷، النجم:۲۸) بیشک گمان حق کو کوئی کام نہیں دیتا

اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (پ۲۶، الحجرات:۱۲) بعض گمان گناہ ہے

۲۲- الخیال - غیبت کے بعد محسوس کی صورتِ باقی کا نام ہے۔ خواب اور بیداری میں اس صورت کو خیال کہا جاتا ہے محاورہ ہے۔ الطیف الوارد من صورۃ المحبوب خیالاً۔ ہاں طیف صرف حالت نیند ہی کی صورت کا نام ہوگا۔

۲۳- البداھت- ابتدأ نفس میں بلا فکر حصول کا نام ہے، مثلاً ہمیں یہ علم ہے۔ واحد، دو کا نصف ہے۔

۲۴- الاولیات- یہ بھی بعینہٖ بدیہات ہیں۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ ذہن اولاً ہی محمول قضیہ موضوع کے ساتھ لاحق ہو جاتا ہے اور اس میں کوئی واسطہ نہیں ہوتا اور جو دوسری شئی کے توسط سے ہے وہ متوسط ہی اولاً محمول ہوتا ہے۔

۲۵- الرؤیۃ- فکر کثیر کے بعد حاصل معرفت ہے اور یہ روی سے مشتق ہے۔

۲۶- الکیاسۃ- نفس کا النفع کے استنباط پہ قادر ہونا۔ اسی لیے حضور ﷺ کا فرمان ہے:

اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَہٗ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ عقل مند وہی ہے جو اپنے نفس کو سمجھے اور موت کے بعد کی تیاری کرے

اس لیے کہ موت کے بعد انسان کو جو خبر ملتی ہے اس سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں۔

۲۷- الخبرۃ - بطریق تجربہ حصول معرفت۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وجدت الناس أخبر تقله - عرب کا قول ناقۃ خبرۃ - (عمدہ دودھ والی) گویا خبر عمدہ معرفت - یہ بھی ممکن ہے جملہ اس کی عمدگی پر دال ہو۔

۲۸- الرائ - ان مقدمات میں دل کا احاطہ جن سے مطلوب کی امید ہو، کبھی نتیجہ خبر قضیہ کو رای کہہ دیا جاتا ہے۔ رائے، فکر کیلئے صانع کے آلہ طرح ہے، اس لیے محاورہ ہے: ''ایاك والرأى الفطير، دع الرای نصب'' (رائے ترک کر کے صواب پالو)

۲۹- الفراسۃ - خلق ظاہر سے خلق باطن پہ استدلال۔ اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ استدلال کے صدق پہ توجہ دلائی ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ (پ۱۴، الحجر:۷۵) بیشک اس میں فراست والوں کیلئے نشانیاں ہیں

تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ (پ۳، البقرۃ:۲۷۳) تم ان کی پیشانیوں سے انہیں پہچان لوگے۔

وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ (پ۲۶، محمد:۳۰) اور ضرور تم انہیں بات کے اسلوب سے پہچان لوگے

یہ فرس السبع الشاۃ (بکری کو درندے نے اچک لیا) سے ہے۔ گویا فراست، معرفت کا اُچک لینا ہے۔

Marfat.com

اس کی دوصورتیں ہیں، ایک یہ کہ انسان کے دل میں بلاسبب بات آجاتی ہے یہ الہام بلکہ وحی کی قسم ہے، اسی بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں مراد لیا ہے:

اِنَّ فِی اُمَّتِی لَمُحَدَّثِیْنَ وَاِنَّ عُمَرَ لَمِنْهُمْ — میری اُمت میں سے کچھ الہام پاتے ہیں اور عُمر ان میں سے ہیں

تو اسے دل میں بات ڈالنا کہا گیا ہے۔

دوسری فراست کی صورت سیکھی گئی ہوتی ہے اور وہ اشکال ظاہرہ سے اخلاق باطنہ پر استدلال ہے، اہلِ معرفت نے ارشادِ الٰہی

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ (پ۱۲، ہود:۱۷) — تو کیا وہ جو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہو اور اس پر اللہ کی طرف سے گواہ آئے

کے تحت کہا ہے: بینة۔ قسم اول ہے جو صفائی جوہر روح کی طرف اشارہ ہے اور شاهد۔ دوسری قسم ہے جو اشکال سے احوال پر استدلال ہے۔

نواں مسئلہ: اللہ تعالیٰ پر معلم کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ارشادِ الٰہی:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ لَاعِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا، اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ، کی اس پر دلالت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو معلم کہا جائے کیونکہ لفظ معلم جس طرح متعارف ہے کہ جو تعلیم و تلقین سے حاصل کرے اس حوالہ سے اس کا اطلاق اللہ پہ محال ہے۔ جیسے مدرس کو ہر حال میں معلم نہیں کہا جاتا حتیٰ کہ اگر کسی نے متعلمین کیلئے وصیت کی تو اس میں مدرس شامل نہ ہوگا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کو بھی بغیر کسی قید معلم نہیں کہا جاسکتا اگر یہ معروف معنی نہ ہوتا تو معلم کا اطلاق اللہ تعالیٰ پہ خوبصورت بلکہ لازم تھا کہ صرف اس کے کیلئے ہی یہ لفظ استعمال ہو۔ اس لیے کہ معلم وہ ہوتا ہے جو دوسرے میں علم پیدا کردے اور یہ قوت و قدرت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

Marfat.com

[۳۲-۳۳] قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

(بولے پاکیزگی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے، فرمایا اے آدم بتادے انہیں (سب اشیاء کے) نام جب اس نے (یعنی آدم نے) انہیں سب کے نام بتادیے فرمایا میں نہ کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں زمین و آسمان کی سب چھپی چیزیں اور میں جانتا ہوں جو کچھ ظاہر کرتے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو)

معصیت کا قول کرنے والے

جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ ملائکہ نے ''اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا'' کہہ کر معصیت کا ارتکاب کیا ان کا کہنا یہ ہے جب انہوں نے اپنے سوال کو خطا پایا تو اس سے رجوع کرتے ہوئے توبہ کی اور اپنی خطا پر معذرت چاہتے ہوئے کہا:

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا پاک ہے تیری ذات ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا

عصمت ماننے والے

جو ان سے معصیت نہیں مانتے انہوں نے ''قَالُوْا سُبْحٰنَكَ'' میں دو وجہیں بیان کی ہیں:

۱۔ انہوں نے یہ بطور اعتراف عجز و تسلیم کہا کہ وہ سوال کردہ اشیاء کا علم نہیں رکھتے۔ اس لیے کہا: ہم نہیں جانتے مگر تو نے جو ہمیں سکھایا جب تو نے یہ ہمیں سکھایا ہی نہیں تو اسے ہم کیسے جانیں؟

۲۔ ملائکہ نے ''اَتَجْعَلُ فِيْهَا'' اس لیے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ بتادیا تھا گویا انہوں نے عرض کیا: جب تو نے ہمیں بتادیا یہ زمین پر فساد اور خون بہائیں گے تو ہم عرض کرتے ہیں: کیا تو انہیں بنارہا ہے جو زمین میں فساد پھیلائیں گے۔ رہے یہ اسماء تو نے ہمیں ان کے بارے جب آگاہ ہی نہیں کیا تو انہیں کیسے جان سکتے ہیں؟

یہاں چند مسائل ہیں:

Marfat.com

پہلا مسئلہ: معارف اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں

اہل سنت نے ارشاد الٰہی 'لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا' سے اس پہ استدلال کیا ہے کہ معارف، اللہ تعالیٰ کی ہی مخلوق اور پیدا کردہ ہیں۔

معتزلہ کہتے ہیں معنی یہ ہے کہ ہمیں ان کا علم اس کی طرف سے ہی ہے خواہ تعلیم سے یا قیام دلیل سے ہے۔

جواب: تعلیم دوسرے میں حصول علم کا نام ہے جیسے تسوید، دوسرے میں حصول سیاہی ہے، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تعلیم افادہ امر ہے جس پہ علم مرتب ہے بشرطیکہ شرط حاصل اور مانع کی نفی ہو، اس لیے محاورہ: علمته فما تعلم ۔جس امر پر علم مرتب ہے وہ نصب دلیل ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ہی فعل ہے اس لیے کہ وجود علم میں موثر، ذات دلیل نہیں بلکہ نظر فی الدلیل ہے اور نظر بندے کا فعل ہے لہٰذا علم کا حصول تعلیم الٰہی سے نہ ہوا تو یہ 'لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا' کے متضاد ہے۔

دوسرا مسئلہ: غیب اور تعلیم الٰہی

اہلِ اسلام نے اسی آیت سے یہ بھی استدلال کیا کہ غیوب کی معرفت تعلیمِ الٰہی کے بغیر ممکن نہیں اور انہیں علم نجوم، کہانت اور عرافہ کے ذریعے نہیں حاصل کیا جاسکتا، اس کی نظیر یہ ارشاد الٰہی ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ (پ الانعام:۵۹)
اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اسے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (پ ۲۹ الجن:۲۶،۲۷)
وہ غیب کو جاننے والا ہے اور کسی پر غیب کو ظاہر نہیں کرتا مگر رسولوں میں سے جسے منتخب کرلے

کوئی نجومی، معتزلی سے کہہ سکتا ہے جب تم نے تعلیم کی تفسیر نصبِ دلائل سے کی ہے تو میرے ہاں حرکاتِ نجوم ایسے دلائل ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس علم کے احوال کیلئے پیدا کیا، جب میں ان سے استدلال کرتا ہوں تو یہ بھی تعلیم الٰہی سے ہی ہوگا۔

یہاں یہ کہنا بھی ممکن ہے جب ملائکہ معرفتِ غیوب سے عاجز ہیں تو اس سے ہمارا عجز بطریق اولیٰ ہوگا۔

تیسرا مسئلہ: اَلْعَلِيْمُ کی تفسیر

یہ علم میں صفت بطور مبالغہ تامہ ہے، حصول مبالغہ تامہ کیلئے تمام معلومات کا احاطہ ضروری اور یہ شان صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہے۔ بالیقین علیم کامل وہی ہے اس لیے بطور حصر فرمایا:

Marfat.com

اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ بلاشبہ تو ہی علیم و حکیم ہے

چوتھا مسئلہ: حکیم کا استعمال

حکیم کا استعمال دو صورتوں پر ہوتا ہے:

۱۔ بمعنی علیم، تو یہ صفات ذات میں سے ہوگا، اس تفسیر پر ہم کہہ سکتے ہیں اللہ تعالیٰ ازلاً حکیم ہے۔

۲۔ وہ ایسے فعل کا فاعل ہو جس پر کسی کو کوئی اعتراض نہ ہو تو اب یہ صفاتِ فعلیہ میں سے ہوگا۔ اب ہم اُسے ازلاً نہیں کہہ سکتے۔

اقرب یہاں دوسرا معنی ہی ہے ورنہ تکرار لازم آجائے گا۔

گویا ملائکہ نے کہا تو تمام معلومات کا عالم ہے تیرے لیے تعلیمِ آدم ممکن ہے اور تیرا یہ فعل سراپا حکمت و صواب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے۔ ملائکہ کی حکیم سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر خلیفہ بنانا نہایت ہی درست فیصلہ ہے۔

پانچواں مسئلہ: اشیاء اور علم الٰہی

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام سے اسماء کے نام بتانے کا فرمایا اور انہوں نے بتا دیے جب بتا چکے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکُمۡ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ غَیۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ کیا میں نے تمہیں نہیں کہا کہ میں ہی جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کے غیب

اس غیب سے مراد اللہ تعالیٰ کا تخلیقِ آدم علیہ السلام سے پہلے ان کے احوال سے آگاہ ہونا ہے۔

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کے معرضِ وجود میں آنے سے پہلے ان کا علم رکھتا ہے، اس سے ہشام بن الحکم کا یہ مذہب باطل قرار پا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وقوعِ اشیاء سے پہلے ان کا علم نہیں رکھتا۔

سوال: ایمان، علم کا ہی نام ہے تو ارشادِ مبارک "یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ" بتا رہا ہے کہ بندے غیب کا علم رکھتے ہیں تو پھر اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ غَیۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ'' کیوں فرما دیا ہے یہ تو بتا رہا ہے کہ علمِ غیب میرے لیے ہی ہے اور میرے سوا ہر کوئی علمِ غیب سے خالی ہے

اس کا جواب 'اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ' کے تحت آچکا ہے۔

Marfat.com

وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ کی تفسیر

(میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو)

اس کی متعدد تفاسیر ہیں:

۱۔ امام شعبی نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے نقل کیا: اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ، سے مراد ملائکہ کا قول، اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا اور وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ سے مراد ہے جو ابلیس نے اپنے اندر تکبر اور سجدہ نہ کرنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔

۲۔ یہ الفاظ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ' کی تفسیر ہے یعنی میں ان امور غائبہ اور اسرار مخفی کو جانتا ہوں جن کے بارے میں ظاہراً یہی خیال کیا جاتا ہے کہ ان میں کوئی مصلحت ہی نہیں چونکہ میں اسرار غیبی کا علم رکھتا ہوں لہٰذا ان کی تخلیقی مصلحت سے بھی خوب آگاہ ہوں۔

۳۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، ملائکہ نے ان کی خلقت عجیب پائی تو کہنے لگے: ہو جائے گا جو وہ چاہے گا، ہمارا رب جو بھی خلق فرمائے ہم اس کے ہاں اس مخلوق سے معزز ہی ہوں گے۔ لیکن یہ قول انہوں نے مخفی رکھا۔ یہ بھی ممکن ہے اس قول کو انہوں نے آپس میں مخفی رکھا مگر بعض نے دوسرے سے کہہ دیا۔ لیکن دوسروں سے مخفی رہا گویا ایک فعل میں اظہار بھی ہے اور خفا بھی۔

۴۔ پانچ اقسام کا بیان

حکماء کا قول ہے، اقسام اشیاء پانچ ہیں۔ شئی خیر محض یا شر محض یا دونوں کا اجتماع، امتزاج کی صورت میں دونوں کا اعتدال پہ ہونا یا خیر کا غلبہ یا شر کا غلبہ۔ خیر محض کی ایجاد، حکمت کا تقاضا ہے جس میں خیر کا غلبہ ہے، اس کی ایجاد بھی حکمت کا تقاضا ہے کیونکہ خیر کثیر کو شر قلیل کی وجہ سے ترک کر دینا شر کثیر ہے۔

ملائکہ نے شر و فساد کا تذکرہ کیا جو انسان سے حاصل ہونے والی خیرات کے مقابل شر قلیل ہے تو فرمایا: اِنِّیْ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی میں جانتا ہوں کہ ان کا خیر ان کے شرور پہ غالب ہے لہٰذا حکمت ان کے ایجاد و تکوین کا تقاضا کر رہی ہے۔

چھٹا مسئلہ، خوف عظیم اور فرحت عظیم

اس آیت میں خوف عظیم اور فرحت عظیم ہے، خوف یوں کہ اللہ تعالیٰ پر احوالِ ضمائر و قلوب سے بھی کوئی شئی مخفی نہیں۔ لہٰذا آدمی پر لازم ہے کہ وہ اپنے باطن کی طہارت پر خوب محنت کرے، اس کا یہ وطیرہ نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ان گناہوں کو ترک کرے

Marfat.com

جن پہ مخلوق مطلع ہوتی ہے اور ان گناہوں کو ترک نہ کرے جن پہ خالق مطلع ہے، یہ احادیث اسی معاملہ کو خوب اجاگر کر رہی ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی خاطر گناہوں سے رکنا

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روز قیامت کچھ لوگوں کو لا کر جنت لے جانے کا حکم ہوگا۔ جب وہ جنت کے قریب پہنچ کر اس کی خوشبو پائیں گے، اس کے محلات اور اہل جنت کیلئے اللہ تعالیٰ کے تیار کردہ انعامات دیکھ لیں گے۔ آواز دی جائے گی انہیں واپس لاؤ ان کا جنت سے کوئی حصہ نہیں تو وہ ایسے موقعہ پر حسرت والوں کی طرح حسرت لیے واپس لوٹیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے: کاش تو ہمیں اپنے دوستوں کیلئے تیار کردہ انعامات وثوابات دکھانے سے پہلے دوزخ میں داخل فرما دیتا تو یہ ہمارے اُوپر معاملہ آسان ہوتا۔ آواز دی جائے گی تمہارے لیے یہی میرا ارادہ تھا تم جب تنہا ہوتے تو بڑے بڑے دعوؤں سے میرا مقابلہ کرتے اور جب تم لوگوں میں ہوتے تو بڑی محبت، عجز اور ریا کاری کرتے، ان سے ملتے حالانکہ دلوں میں اس کے خلاف مخفی ہوتا، تم لوگوں سے ڈرتے مگر مجھ سے نہ ڈرتے، تم لوگوں کو بڑا سمجھتے اور مجھے بڑا نہ سمجھتے، تم نے لوگوں کی خاطر معاصی چھوڑے مگر میری خاطر نہیں چھوڑتے حالانکہ میں تمہیں سب سے زیادہ دیکھنے والا تھا۔ آج میں تمہیں دردناک عذاب چکھا رہا ہوں اور تم پر میں نے اپنی نعمتیں حرام کردی ہیں۔ (المعجم الاوسط،۵۴۷۸)

۲۔ سلیمان بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حمید طویل رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: مجھے نصیحت کیجئے۔ فرمایا: اگر تم نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی یہ خیال کرتے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے تو تو نے بہت بڑی جسارت کی اور اگر تیرا خیال یہ تھا کہ وہ نہیں دیکھ رہا تو یہ تو نے کفر کیا

۳۔ تین احوال میں نفس کا خیال

شیخ حاتم اصم فرماتے ہیں: تین احوال میں اپنے نفس کو پاک رکھو

۱۔ جب تم اعضا سے کام کرنے لگو تم یاد کرو اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے

۲۔ جب تم بات کرنے لگو تو خیال رکھو اللہ تعالیٰ سن رہا ہے۔

۳۔ جب تم کچھ نہیں کر رہے دل سے فعل کر رہے ہو تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ جان رہا ہے۔ اس کا فرمان ہے:

اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰی (پ۱۶، طٰہٰ:۴۶) میں تمہارے ساتھ ہوں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں

۴۔ یاد رہے، اسرارِ حکمت الٰہی پر کوئی مطلع نہیں۔ ملائکہ کی نظر فساد قتل پر پڑی تو انہوں نے بشر کو حقیر جانا، ان کی نظر ابلیس کی

Marfat.com

طاعت پر گئی تو اسے عظیم سمجھا۔لیکن تمام غیوب جاننے والا ہی یہ جانتا ہے کہ اگر چہ ان میں فساد و قتل ہے لیکن اس کے بعد کہیں گے:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا (پ ۸، الاعراف:۲۳) ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا

ابلیس اگر چہ طاعات بجالا رہا ہے لیکن وہ بعد میں یہ کہے گا:

اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ میں اس سے کہیں بہتر ہوں

عقل کو چاہئے وہ اپنی رائے پر ہی ڈٹی نہ رہے بلکہ ہمیشہ خوف وخشیت دامن گیر رہے۔تو ارشاد الٰہی اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ کا مفہوم یہ ہوا کہ میری ذات، ظاہر، باطن، واقع اور متوقع سب جانتی ہے۔میں یہ بھی جانتا ہوں جسے تم عابد و مطیع جان رہے ہو وہ کفر کا مرتکب ہو جائے گا اور جسے تم فاسق و بعید جان رہے ہو وہ میری اطاعت بجالائے گا تو خلق کیلئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ جہالت کے حجاب سے نکل جائے اور نہ ہی ان پر دستار عجز کا پھاڑنا ممکن ہے کیونکہ یہ اس کے علم کی کسی شئی کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے علم غیب اور عجز ملائکہ کے ثبوت میں انسان کی کمال عبودیت اور آسمانی باشندوں میں سے زیادہ عبادت گزار کا کفر آشکار کیا ہے تاکہ کوئی اس کے عمل سے دھوکہ نہ کھائے اور وہ معرفتِ اشیاء کو حکمت خالق کے سپرد کر دیں اور اس کی مصنوعات و تخلیقات پر زبان و دل سے کبھی معترض نہ ہو۔

[۳۴] وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

(اور یاد کرو جب ہم نے ملائکہ سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کفار میں سے تھا)

چوتھا انعام

یہ تمام انسانوں پہ ہونے والے انعامات میں چوتھی نعمت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ کو مسجودِ ملائکہ بنا دیا ہے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کیلئے تخصیص فرمائی پھر انہیں علم کثیر دیا پھر اتنا علم کہ ملائکہ ان کے درجہ علم کے سامنے عاجز آگئے اور اب ان کا مسجود ملائکہ ہونا بیان ہو رہا ہے۔

Marfat.com

یہاں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: حکم سجدہ تکمیل تخلیق سے پہلے

ملائکہ کو حکم سجدہ، اللہ تعالیٰ کی تخلیق آدم علیہ السلام کی تکمیل سے پہلے ہوا، دلیل یہ ارشادِ الٰہی ہے:

اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْالَهٗ سَاجِدِیْنَ (پ ۲۳ ص:۷۱، ۷۲)

میں مٹی سے انسان بناؤں گا جب میں اسے ٹھیک بنالوں اور اس میں اپنی طرف کی روح پھونکوں تو تم اس کے لیے سجدے میں گرنا

ظاہراً آیت نشاندہی کر رہی ہے جیسے ہی ان میں زندگی آئی تو وہ مسجود ملائکہ ہوئے کیونکہ ،فَقَعُوْا، کی فاتعقیب پہ دال ہے۔
اس صورت میں انہیں تعلیمِ اسماء اور اس بارے میں ملائکہ سے ان کا مناظرہ مسجود ملائکہ بننے کے بعد ہوا۔

دوسرا مسئلہ: یہ سجدہ عبادت نہ تھا

اہلِ اسلام کا اس پر اتفاق ہے یہ سجدہ، سجدۂ عبادت نہ تھا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کیلئے سجدۂ عبادت کفر ہے اور کفر کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ اس کے بعد اختلاف ہے۔ تین اقوال ہیں:

۱۔ یہ سجدہ بارگاہ الٰہی میں ہی تھا مگر آدم علیہ السلام قبلہ کی طرح تھے۔

دو اعتراضات

کچھ لوگوں نے اس پہ دو طرح سے طعن کیا ہے:

پہلا طعن: یہ نہیں کہا جاسکتا میں نے قبلہ کیلئے نماز پڑھی، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے میں نے قبلہ رخ نماز ادا کی۔ اگر وہ اس سجدہ کیلئے قبلہ تھے تو پھر ،اُسْجُدُوْ اِلٰی اٰدَمَ (آدم کی طرف سجدہ) ہوتا، حکم ان الفاظ میں نہیں۔ بلکہ فرمایا: اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (آدم کیلئے سجدہ کرو) تو بلاشبہ آدم علیہ السلام فقط قبلہ نہ تھے۔

دوسرا طعن: ابلیس نے کہا تھا: (کیا تو اسے دیکھتا ہے جسے تو نے مجھ پہ فضیلت دی ہے) یعنی مسجود ہونا بتا رہا ہے کہ یہ ساجد سے افضل ہے، اگر آدم صرف قبلہ ہی تھے تو یہ بلند درجہ انہیں حاصل ہی نہیں۔ مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی طرف نماز ادا فرماتے تو اس سے کہاں لازم کہ کعبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہو جائے۔

جواب: طعن اول کا جواب یہ ہے، جس طرح یہ کہنا، میں نے قبلہ رخ نماز ادا کی درست ہے اسی طرح صلیت للقبلة (میں نے

Marfat.com

قبلہ کیلئے نماز پڑھی) کہنا درست ہے اور یہ بات قرآن واشعار سے ثابت ہے، مثلاً قرآن مجید میں ہے:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ (پ ۱۵ الاسراء:۷۸) اور نماز قائم رکھو سورج ڈھلنے کے لئے۔

حالانکہ نماز اللہ تعالیٰ کیلئے ہے نہ کہ زوال کیلئے۔ جب یہاں جائز ہے تو صلیت للقبلۃ، کیوں نا جائز کیونکہ نماز اللہ کیلئے ہوتی ہے نہ کہ قبلہ کیلئے۔

اشعار سے ثبوت یوں ہے کہ حضرت حسان کہتے ہیں:

ما کنت اعرف ان الامر منصرف عن ھاشم ثم منھا عن ابی حسن

الیس أول من صلی لقبلتکم واعرف الناس بالقرآن والسنن

تو ان الفاظ "صلی لقبلتکم" مقصود پر نص ہیں۔

دوسرے طعن کا جواب یہ ہے کہ ابلیس نے ان کی تکریم کا شکوہ کیا اور ضروری نہیں وہ تکریم فقط مسجود ہونے کی وجہ سے ہی ہو بلکہ اس کے ساتھ دیگر امور بھی ہو سکتے ہیں۔

دوسرا قول، سجدہ تعظیمی تھا

یہ سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کیلئے بطور تعظیم وتحیہ تھا یہ ان کی طرف سے ان پر سلام کی طرح ہے۔ اُمم سابقہ میں ایسا تھا جیسے مسلمان آج آپس میں سلام کہتے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے:

وَخَرُّوۡا لَہٗ سُجَّدًا (پ ۱۳، یوسف:۱۰۰) اور وہ ان کے سامنے سجدہ میں گر پڑے

کے تحت کہا: لوگوں کے درمیان اس وقت تحیہ سلام ایک دوسرے کو سجدہ تھا۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن سے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔ فرمایا: معاذ! یہ کیا؟ عرض کیا: یہود اپنے سرداروں اور علماء کو سجدہ کرتے ہیں، میں نے نصاریٰ کو اپنے راہبوں کو سجدہ کرتے دیکھا تو پوچھا یہ کیا: انہوں نے بتایا: یہ تحیۃ الانبیاء ہے۔ فرمایا: انہوں نے اپنے انبیاء پر جھوٹ بولا ہے۔ (المستدرک، ۷۳۲۵)

حضرت ثوری نے سماک بن ہانی سے بیان کیا: جاثلیق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو اس نے سجدہ کا ارادہ کیا۔ فرمایا: اللہ کو سجدہ کرو نہ کہ مجھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اگر غیر اللہ کیلئے میں سجدہ کا حکم دیتا تو بیوی کو خاوند کے عظیم حق کی وجہ سے سجدہ کا حکم دیتا۔

(سنن ابوداؤد، ۲۱۴۰)

Marfat.com

تیسرا قول، سجدہ بمعنی طاعت

سجود کا لغوی معنی ہے اطاعت وخضوع۔شاعر نے کہا:

تری الأکم فیها سجداً للحوافر

(یعنی چھوٹے چھوٹے پہاڑ اونٹوں کے پاؤں تلے روندے گئے)

اسی لیے ارشاد الٰہی ہے:

وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ (پ۲۷،الرحمٰن:۶) اور ستارے اور درخت طاعت بجالاتے ہیں

قول اول ضعیف ہے۔کیونکہ مقصد سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم کا اظہار ہے محض انہیں قبلہ بنانا تعظیم حال پر اس قدر مفید نہیں۔قول ثالث بھی ضعیف ہے بلاشبہ عرفِ شرع میں سجدہ زمین پر پیشانی رکھنا ہے لہٰذا اہل لغت کے ہاں بھی یہی معنی ہوگا کیونکہ اصل تو یہی ہے کہ معنی میں تبدیلی نہ ہو۔

سوال: سجود عبادت تو غیر اللہ کیلئے جائز نہیں؟

جواب: ہم سجود کو عبادت نہیں مانتے۔تفصیل یہ ہے کہ بعض اوقات فعل،قول کی طرح مفید ہے مثلاً ہمارا کسی کیلئے قیام کرنا اس کی عظمت پر دال ہے حالانکہ قیام بھی عبادت ہی ہے۔جب یہ ثابت ہے تو انسان کا زمین پر گرنا اور اس پر پیشانی لگانا،تعظیم کی ہی صورت ہے۔اگرچہ عبادت نہیں جب معاملہ یونہی ہے تو ممکن ہے ملائکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طریقہ سے کرتے ہوں گے کہ اس کی رفعت وعظمت کا خوب اظہار ہو۔

تیسرا مسئلہ،کیا ابلیس فرشتوں میں داخل ہے؟

۱۔ یہ جن ہے تو لازم کہ ملائکہ، میں سے نہ ہو،اس کے جن ہونے پر دلیل ارشاد الٰہی ہے:

اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ (پ۱۵،الکہف:۵۰) مگر ابلیس جو جنوں میں سے تھا

تو کچھ لوگوں نے یہ خیال کیا ہے جب یہ جن ہے تو یہ ملائکہ میں شامل نہیں ہوسکتا کیونکہ جن،ملائکہ کے مخالف جنس ہے۔

لیکن یہ بات ضعیف ہے اس لیے جن،اجتنان بمعنی ستر سے ماخوذ ہے۔مخفی ہونے کی وجہ سے بچے کو جنین کہا جاتا ہے۔جنت بھی مخفی ہے۔جنون،عقل کو ڈھانپ لینا۔جب یہ ثابت ہے تو ملائکہ آنکھوں سے مستور ہوتے ہیں لہٰذا ان پر لغۃً لفظ جن کا اطلاق درست ہے تو واضح ہوگیا اس قدر دلیل مفید مقصود نہیں۔

Marfat.com

ایک اور دلیل

جب ابلیس کا جن ہونا ثابت تو لازماً یہ ملائکہ میں سے نہ ہوگا، ارشادِ الٰہی ہے:

وَیَوْمَ یَحْشُرُھُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اَھٰٓؤُلَآءِ اِیَّاکُمْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِھِمْ بَلْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ (پ۲۲، سبا:۴۰،۴۱)

جس دن انہیں وہ جمع کر کے فرمائے گا فرشتوں سے کہا انہوں نے تمہاری عبادت کی وہ عرض کریں گے تیری ذات پاک ہے تو ہی ہمارا مولیٰ ہے نہ کہ یہ بلکہ انہوں نے جنات کی عبادت کی

اس آیت نے تو ملک و جن میں واضح فرق کر دیا ہے۔

خازن جنت مراد ہے

سوال: ہم ابلیس کا جن ہونا نہیں مانتے، ارشادِ الٰہی 'کَانَ مِنَ الْجِنِّ' کا مفہوم ہے کہ یہ خازن جنت تھا، یہ بات ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ کیوں جائز نہیں کہ کان من الجن کا معنی ہو کہ ہوگیا جن جس طرح کَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ یعنی وہ کافر ہوگیا۔ ہم مان لیتے ہیں یہ بتا رہا ہے وہ جن ہے لیکن تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ اس کا جن ہونا ملائکہ سے ہونے کے منافی ہے، جو تم نے بطور دلیل آیت ذکر کی ہے اس کے معارض آیت موجود ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

وَجَعَلُوا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْجِنَّۃِ نَسَبًا (پ۲۳، الصافات:۱۵۸) اور اس میں اور جنوں میں رشتہ ٹھہرایا

اس لیے کہ قریش کہتے ہیں: ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں تو آیت بتا رہی ہے کہ ملک کا نام جن ہے۔

جواب: کَانَ مِنَ الْجِنِّ، سے خازن جنت مراد لینا جائز نہیں۔ اس لیے کہ۔

اِلَّآ اِبْلِیْسَ کَانَ مِنَ الْجِنِّ (پ۱۵، الکہف:۵۰) سوائے ابلیس کے کہ قوم جن سے تھا

بتا رہا ہے کہ ترک سجدہ کی علت اس کا جن ہونا ہے اور ترک سجود کی علت خازن جنت قرار دینا ممکن نہیں۔ لہٰذا "کَانَ مِنَ الْجِنِّ" (جن ہوگیا) باطل ٹھہرے گا۔

ہم کہتے ہیں یہ خلاف ظاہر ہے اور اس کی طرف رجوع مجبوراً ہی ہوتا ہے۔ رہا یہ ارشادِ الٰہی:

وَجَعَلُوْا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْجِنَّۃِ نَسَبًا (پ۲۳، الصافات:۱۵۸) اس میں اور جنوں میں رشتہ ٹھہرایا

ممکن ہے بعض کفار نے جنات کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا ہو جیسا کہ بعض نے ملائکہ کو قرار دیا۔

Marfat.com

پھر ہم نے یہ بھی بیان کیا کہ لغۃً ملک جن ہے لیکن عرفاً غیر ملائکہ کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ مثلاً لفظ دابۃ لغت واصل کے اعتبار سے ہر زمین پر چلنے والا ہے البتہ عرف میں بعض کے ساتھ مخصوص ہے تو اس آیت کو لغت اصلی پر اور ہمارے والی آیت کو عرف حادث پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ ابلیس کی اولاد ہے جبکہ ملائکہ کی نہیں۔ اولاد ابلیس پر یہ ارشاد الٰہی شاہد ہے جس میں اس کے بارے میں ہے:

اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّیَّتَهٗٓ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ — کیا تم نے اس اور اس کی اولاد کو میرے سوا مددگار بنالیا

(پ۱۵، الکہف:۵۰)

اولاد ہونے پر یہ تصریح ہے۔

ملائکہ کی اولاد نہ ہونے پر یہ دلیل ہے کہ اولاد مذکر مونث سے حاصل ہوتی ہے جبکہ ملائکہ میں مونث نہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِیْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ (پ۲۵، الزخرف:۱۹) — اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں عورتیں ٹھہرایا کیا ان کے بناتے وقت وہ حاضر تھے ان کی گواہی لکھ لی جائے گی

یہاں ان کے مونث ہونے کی تردید ہے جب مونث ہونے کی نفی ہے تو بالیقین تو الدختم تو اولاد کی نفی ثابت۔

۳۔ ملائکہ، معصوم ہیں جیسے گزر چکا، ابلیس معصوم نہیں لہٰذا ضروری ہے یہ ملائکہ میں سے نہ ہو

۴۔ ابلیس کی تخلیق آگ سے ہے جبکہ ملائکہ کا معاملہ ایسا نہیں ابلیس کے آگ سے ہونے پر دلیل یہ ارشاد ہے، ابلیس سے حکایت کرتے فرمایا:

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ — مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا

اور جنات کی تخلیق آگ سے ہے، ارشاد مبارک ہے:

كَانَ مِنَ الْجِنِّ — یہ جنات میں سے تھا

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (پ۱۴، الحجر:۲۷) — اور جن کو اس سے پہلے بنایا بے دھوئیں کی آگ سے

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۙ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (پ۲۷، الرحمٰن:۱۴، ۱۵) — اس نے آدمی کو بجتی مٹی سے بنایا اور جن کو آگ کی لو سے پیدا کیا

Marfat.com

ملائکہ کی تخلیق آگ نہیں بلکہ نور سے ہے۔امام زہری رحمہ اللہ نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے،انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ملائکہ کی تخلیق نور سے اور جنات کی آگ سے ہے۔ (مسلم،۲۹۹۶)

دوسری بات یہ ہے کہ مسلم طور پر مشہور ہے کہ ملائکہ روحانی ہیں۔اس نام کی وجہ یہ ہے کہ ان کی تخلیق ریح یا روح سے ہے۔

۵۔ ملائکہ رسل ہیں۔ارشاد الٰہی ہے:

جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا (پ۲۲،فاطر:۱) فرشتوں کو رسول کرنے والا

اور اللہ کے رسل،معصوم ہوتے ہیں۔ارشاد الٰہی ہے:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (پ۸،الانعام:۱۲۳) اللہ درست جانتا ہے جہاں رسالت کو رکھے۔

جبکہ ابلیس کو یہ مرتبہ حاصل نہیں تو وہ لازماً ملائکہ میں سے نہیں ہو سکتا۔

ملائکہ سے ماننے والوں کی دلیل

ابلیس کو ملائکہ سے ماننے والوں کے دو دلائل ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ملائکہ سے مستثنیٰ کیا اور استثناء کا تقاضا ہے کہ اسے ان میں سے نکالا گیا ہے اور یہ بات لازم کر رہی ہے کہ یہ ملائکہ میں سے ہے۔

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کلام عرب میں استثناء منقطع معروف ہے،ارشاد الٰہی ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ (پ۲۵،الزخرف:۲۶،۲۷) جب ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم سے فرمایا: میں بیزار ہوں تمہارے معبودوں سے سوائے اس کے جس نے مجھے پیدا کیا

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا (پ۲۷،الواقعہ:۲۵،۲۶) اور اس میں نہ سنیں گے کوئی بیکار بات اور گناہ کاری ہاں یہ کہنا ہوگا: سلام سلام

لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا اور مسلمان کی شان نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی سے

Marfat.com

یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ ہزار ہا ملائکہ میں جن تھا مگر غلبہ کی وجہ سے یہ ان میں شامل رہا پھر اسے مستثنیٰ کیا گیا۔ تو یہ انہی میں سے ایک ہوا۔

اس لیے کہ یہ دونوں باتیں خلاف اصل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی طرف بوقت مجبوری رجوع کیا جاتا ہے۔ جو دلائل تم نے ملائکہ سے ہونے کی نفی پر بیان کیے ہیں ان میں عمومات پر ہی اعتماد ہے۔ اگر ہم اسے ملائکہ میں شامل کریں تو تمہارے معتمد عمومات میں تخصیص ہوگی اور اگر ہم کہیں وہ ملائکہ میں سے نہیں تو استثناء کو استثناء منقطع ماننا ہوگا۔

یہ بات معلوم ہے کہ کتاب اللہ میں عمومات میں تخصیص، استثناء سے استثناء منقطع مراد لینے سے بہت زیادہ ہے۔ لہٰذا ہمارا قول ہی اولیٰ ہے:

دوسرا یہ کہ استثناء ثنی اور صرف سے مشتق ہے۔ معنی صرف تب متحقق ہوتا ہے اگر صرف نہ ہوتا تو یہ اس میں داخل ہوتا اور شئی غیر جنس میں داخل نہیں ہوا کرتی تو اس میں معنی استثناء کا تحقق محال ہوگا۔

رہی یہ بات کہ وہ جن ہو کر ملائکہ میں سے ایک تھا اس بارے میں گزارش یہ ہے کہ کثیر کا حکم قلیل پر تب جاری کرنا جائز ہوتا ہے جب قلیل کا کوئی اعتبار نہ ہو اور وہ قابل التفات ہی نہ ہو، جب وہ اسقدر ہو کہ ساری بات کا اسی واحد کے ساتھ تعلق ہو تو پھر دوسروں کا حکم اس پر جاری نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ اگر ابلیس ملائکہ میں داخل نہیں تو یہ حکم الٰہی اس کیلئے کیسے ہوگا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ — اور جب ہم نے ملائکہ سے کہا سجدہ کرو آدم کو

جب وہ حکم میں شامل ہی نہیں تو اس کا ترک سجدہ، تکبر، معصیت و بغاوت کیسے بن گیا؟ اور وہ مذمت وعتاب کا مستحق کیسے قرار پا گیا ہے؟ حالانکہ یہ تمام امور یہاں اس کیلئے حاصل ہیں تو واضح طور پر خطاب اسے بھی شامل ہے اور خطاب شامل ہونے کی صورت یہی ہے کہ وہ ملائکہ میں ضرور شامل ہے۔

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ملائکہ میں سے تو نہیں البتہ انہیں میں یہ رہا۔ طویل مدت ان کے ساتھ بسر کی تو اسی وجہ سے خطاب اسے شامل تھا۔

پھر یہ کہنا بھی غلط نہیں کہ اگرچہ وہ اس حکم میں داخل نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے کسی اور حکم کے ذریعے سجدہ کا حکم فرمایا جو قرآن میں منقول نہیں۔ دلیل یہ ارشاد ہے:

مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ — تجھے کس نے روکا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب میں نے تجھے حکم دیا

Marfat.com

جواب: اول کا جواب یہ ہے کہ اتصال ومخالطت وجہ شمول نہیں ہو سکتی۔اسی طرح اصول فقہ میں ہے خطاب مذکر، مونث کو اور خطاب مونث مذکر کو شامل نہیں ہوتا۔حالانکہ ان دونوں اصناف میں کس قدر شدت اتصال ہے۔

پھر یہ بھی سامنے رہے جب شدت مخالطت ملائکہ اور ابلیس کے درمیان، ابلیس پر اختصاص لعنت سے مانع نہیں تو اس حکم کو ملائکہ سے اختصاص سے کیسے مانع ہو گی۔

دوسرے سے جواب یہ ہے کہ حکم کا کسی وصف پر جاری ہونا اس وصف کے علت بننے کو آشکار کرتا ہے، جب

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ — اور ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو

کے بعد فرمایا:

اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ — اس نے انکار کیا اور تکبر کیا

اس کا بعد میں لانا بتا رہا ہے کہ یہ انکار اسی حکم کی مخالفت کی وجہ سے ہے نہ کہ کسی دوسرے حکم کی وجہ سے۔

دونوں طرف کے دلائل میرے مطالعہ میں یہی ہیں باقی امور کے حقائق سے اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے۔

چوتھا مسئلہ، انبیاء، ملائکہ سے افضل

ہمارے اصحاب میں سے ایک جماعت نے اللہ تعالیٰ کے ملائکہ کو سیدنا آدم علیہ السلام کیلئے سجدہ کے حکم سے استدلال کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے ملائکہ سے افضل ہیں۔لہٰذا یہاں ہم اس مسئلہ پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

اہل سنت کا مسلک

اکثر اہلِ سُنّت کا مسلک یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں۔معتزلہ کہتے ہیں کہ ملائکہ، انبیاء سے افضل ہیں۔ جمہور شیعہ کا بھی یہی مؤقف ہے۔اسی قول کو ہمارے اہلسنت متکلمین میں سے امام ابوبکر باقلانی اور ہمارے فقہاء میں سے امام ابو عبداللہ حلیمی نے مختار قرار دیا ہے، ہم دونوں کے دلائل ذکر کیے دیتے ہیں۔

ملائکہ انسان سے افضل

ملائکہ کو انسان پر فضیلت دینے والوں کے دلائل یہ ہیں:

پہلی دلیل: ارشاد الٰہی ہے:

وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ — اور اس کے پاس والے اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے

یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ (پ۱۷،الانبیاء:۱۹،۲۰) — رات دن اس کی پاکیزگی بولتے ہیں اور سستی نہیں کرتے

Marfat.com

اس آیت مبارکہ سے استدلال دو طریقوں سے ہے۔

پہلا طریق: یہاں 'عندہ' سے مکان و جہت مراد نہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کیلئے محال ہے بلکہ مراد قرب و شرف ہے، جب یہ آیت ملائکہ کی شان میں ہے تو ہم پہ واضح ہو رہا ہے کہ قرب و شرف کی یہ نوع انہیں ہی حاصل ہے کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔

سوال: اس پر کوئی یہ سوال اٹھا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا قرب آخرت میں ہر ایک مومن کیلئے بیان کیا ہے۔

فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ (پ۲۷، القمر:۵۵) سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور

اور دنیا کے حوالہ سے بھی رسول اللہ ﷺ نے اللہ رب العزت سے بیان کیا:

اَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ لِاَجْلِیْ میں ان کے پاس ہوتا ہوں جن کے دل میری خاطر ٹوٹتے ہیں

اور اس میں عظمت و شان زیادہ ہے۔ حدیث بتا رہی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ ان ٹوٹے ہوئے دلوں کے پاس ہے۔

جس آیت سے انہوں نے استدلال کیا ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا بندے کے پاس ہونا یہ بندے کا اللہ کے پاس ہونے سے کہیں زیادہ تعظیم پہ مشتمل ہے۔

دوسرا طریق: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ ملائکہ میری عبادت سے تکبر نہیں کرتے تو لازم ہے کہ ان کے غیر بھی تکبر نہ کریں۔ اب اگر بشر ان سے افضل ہے تو یہ دلیل تام نہیں بنتی۔ اس لیے کہ جب سلطان اپنی رعیت کو اپنی طاعت کا کہتا ہے تو وہ کہتا ہے میری طاعت سے تو بادشاہ بھی تکبر نہیں کرتے تو ان مساکین میں کون ہے جو میری طاعت سے سرکشی اختیار کرے گا تو یہ استدلال اقویٰ سے اضعف سے ہی قائم ہو سکتا ہے۔

سوال: کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ملائکہ کی قدرت و قوت میں بشر سے زیادہ ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں تو صحتِ استدلال کیلئے اسی قدر تفاوت کافی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: ملائکہ، شدت و قوت، آسمانوں اور زمین پر غلبہ، بڑھاپے، مرض اور طول عمر سے بے خوف ہو کر بھی ایک لحہ میری عبودیت ترک نہیں کرتے تو اپنی انتہائی ضعف، مرض، بڑھاپا اور دیگر انواع آفات میں واقع ہونے والے بشر کو بدرجۂ اولیٰ ہماری عبادت سے سرکشی نہیں کرنی چاہیے۔ تو صحتِ استدلال کیلئے اتنا تفاوت کافی ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے تفاوت میں نزاع بھی نہیں۔ نزاع تو کثرت ثواب پانے میں ہے تو اس کیلئے دلیل چاہیے؟ علاوہ ازیں متبادر یہی ہے جو ہم نے ذکر کیا

تیسری دلیل: عبادات ملائکہ، عبادات بشر سے مشکل ہیں لہٰذا ان پر ثواب بھی عبادات بشر سے زیادہ ہوگا عبادات مشکل ہونے کے دلائل یہ ہیں:

Marfat.com

پہلی دلیل: ان کا میلان سرکشی اور تمرد کی طرف اشد ہے۔لہٰذا ان کی طاعت زیادہ دشوار ہے، تمرد کی طرف میلان کے اشد ہونے پر دلیل یہ ہے جو عبد آفات سے محفوظ اور طلب حاجات سے بے نیاز ہے وہ نعمتوں اور لذتوں کی طرف زیادہ مائل ہوگا اس سے جو حاجات میں مستغرق ہے تو وہ عبادت مولیٰ میں اور التجا میں مضطرب کی طرح ہوگا، اس لیے ارشاد الٰہی ہے:

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ (پ۲۱، العنکبوت:۶۵)

پھر جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں اللہ کو پکارتے ہیں ایک اسی پر عقیدہ لاکر پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو شرک کرنے لگتے ہیں

اور یہ حقیقت ہے کہ ملائکہ آسمانوں میں ہیں جو باغات، بساتین اور مقامِ عیش و راحت میں، وہ مرض و فقر سے بے خوف ہیں ان تمام اسباب انعام کے باوجود تخلیق سے وہ عبادت میں مشغول، خوف و ڈرنے والے گویا قیدی ہیں وہ جنتی نعمتوں اور لذتوں کی طرف متوجہ ہی نہیں بلکہ وہ طاعات شاقہ کی طرف متوجہ، خوف شدید اور فزع عظیم سے متصف ہیں گویا اولاد آدم علیہ السلام اس طرح ایک دن بھی نہیں گزار سکتی۔ چہ جائیکہ اس قدر طویل زمانہ ایسے ہو جائے، اس میں قوت حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ سے بھی ہوتی ہے انہیں تمام جنت میں آزادی تھی۔

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا (پ۱، البقرہ:۳۵)

اور کھاؤ بلا روک ٹوک جہاں تمہارا جی چاہے

اور ایک درخت سے منع کر دیا لیکن وہ نفس پر کنٹرول نہ رکھ سکے حتیٰ کہ وہ شر میں داخل ہو گئے تو یہ بات بتا رہی ہے کہ ملائکہ کی طاعات بشر سے سخت ہیں۔

دوسری دلیل: مکلف کا ایک نوع عبادت سے دوسری نوع کی طرف انتقال، ایک گلستان سے دوسری گلستان کی طرف جانا ہے ایک ہی نوع پر اقامت، مشقت اور ملال پیدا کرتی ہے۔ اسی سبب کتب کو ابواب و فصول میں تقسیم کیا جاتا ہے حتیٰ کہ کتاب اللہ بھی سورتوں، احزاب، اعشار، اخماس پر مشتمل ہے۔ ملائکہ میں سے ہر کوئی ایک ہی عمل پر ہمیشہ قائم ہے اور دوسرے کی طرف نہیں جا سکتا جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ (پ۱۷، الانبیاء:۲۰)

دن رات اس کی پاکیزگی بولتے ہیں اور سستی نہیں کرتے

اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ (پ۲۳، الصافات:۱۶۶،۱۶۵)

بیشک ہم پر پھیلائے اس کے حکم کے منتظر ہیں اور بیشک ہم اس کی تسبیح کرنے والے ہیں

Marfat.com

جب بات یہی ہے تو ان کی عبادت میں انتہائی مشقت ہے، جب یہ ثابت ہو گیا تو لازماً ان کی عبادات افضل ہوں گی حضور ﷺ کا فرمان ہے:

اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اَحْمَزُهَا — زیادہ مشقت والی عبادات افضل ہوتی ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

اِنَّمَا اَجْرُكَ عَلٰى قَدْرِ نَصَبِكَ — تمہاری مشقت کے مطابق ہی تمہیں اجر ملے گا۔

عقل کا تقاضا بھی ہے بندہ اپنے مولیٰ کی رضا کی خاطر جس قدر تکلیف برداشت کرتا ہے اسی قدر وہ قابل تعظیم وتقدیم ہونا چاہیے

سوال: کوئی دو طرح سوال کر سکتا ہے۔

۱۔ ہمیں تسلیم ان کی مشقت کثیر ہے لیکن تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ لازم طور پر ان کا ثواب بھی اکثر ہے۔ اس لیے ہمارے بعض صوفیاء مجاہدہ میں اس قدر مشقتیں اور تکالیف اٹھاتے ہیں کہ کسی نبی نے ان میں سے بعض بھی نہیں اٹھائیں حالانکہ ہم قطعی طور پر جانتے ہیں نبی ان سے افضل ہے۔

بلکہ ہندوستان کے عابدین، زُہاد اور راہبوں کے بارے میں منقول ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بطور تواضع ایسی ایسی مشقتیں برداشت کرتے ہیں جو کسی نبی وولی سے منقول نہیں۔ حالانکہ ہم انہیں مطلقاً کافر ہی کہتے ہیں تو واضح ہو گیا عبادت میں کثرتِ مشقت زیادہ ثواب کا موجب نہیں، تفصیل یہ ہے:

کثرتِ ثواب کی بنا اسباب وارادے پر ہی موقوف ہے دو آدمی ایک ہی فعل کریں اور وہ ظاہر میں برابر بھی ہو مگر ایک ثواب عظیم کا اور دوسرا ثواب قلیل کا مستحق ہو اس لیے کہ ایک کا اخلاص دوسرے سے اکثر اور اشد تھا تو اب کثرت ومشقت، عبادات میں فضیلت کی موجب نہ ٹھہریں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم عباداتِ ملائکہ کو اشق اور زیادہ مشکل نہیں مانتے۔

پہلی دلیل کا رد

آسمانوں کا خوبصورت باغات کی طرح ہونا تسلیم ہے لیکن یہ کیوں کہتے ہو کہ پاکیزہ مقامات پہ عبادت روی مقامات پر عبادات سے اشق ومشکل ہوتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہاں پر اسباب نعمت موجود تھے مگر ان کا تمام کو ترک کر کے عبادت کرنا اشق تھا۔

لیکن یہاں یہ بطور معارضہ کہا جا سکتا ہے کہ جب نوع واحد عبادت ان کی عادت بن گئی تو اب وہ اس مجبور کی طرح ہیں جو

Marfat.com

اس کے مخالف کر ہی نہیں سکتا اس لیے کہا جاتا ہے: العادۃ طبعتہ۔(عادت بھی پانچویں طبعیت ہے) تو اب یہ عبادت نہایت ہی آسان ہوگی اس لیے آپ ﷺ نے صوم وصال سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

اَفْضَلُ الصَّوْمِ صَوْمُ دَاوُدَ عَلَیْهِ السَّلَامُ — افضل روزہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے

(صحیح البخاری:۱۹۷۶)

اور وہ یوں تھا کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن روزہ نہ رکھتے۔

تیسری دلیل: عبادات ملائکہ دائمی ہیں لہٰذا وہ افضل ٹھہریں، عبادات دائمی ہونے پر دلیل یہ ارشاد ہے۔

یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ (پ۱۷، الانبیاء:۲۰) دن رات اس کی پاکیزگی بولتے ہیں اور سستی نہیں کرتے

اس بنا پر اگر ان کی عمریں، بشری عمروں کے برابر ہی ہوں تو ان کی طاعات، دائمی اور اکثر ہوں گی تو اس وقت کیا صورت ہوگی جبکہ کل بشر کی عمروں کی ملائکہ کی عمروں کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں جیسا کہ صفات ملائکہ میں گزرا ہے۔

حضرت کعب الاحبار کا خوبصورت جواب

سوال: اس آیت کے بارے میں ایک سوال سامنے آتا ہے شعب الایمان میں عبداللہ بن حارث بن نوفل سے ہے میں نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تم اللہ تعالیٰ کا ارشاد جانتے ہو:

یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ (پ۱۷، الانبیاء:۲۰) دن رات اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے اور سستی نہیں کرتے

پھر اس کا فرمان ہے:

جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا (پ۲۲، فاطر:۱) فرشتوں کو رسول کرنے والا

تو کیا رسالت ان کی اس تسبیح میں مانع و رکاوٹ نہیں بنتی؟

ایک اور جگہ فرمان ہے:

اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ — ان پر لعنت ہے اللہ کی فرشتوں اور سب آدمیوں کی

(پ۲، البقرۃ:۱۶۱)

تو یہ لعنت میں مشغول ہوتے ہوئے تسبیح کیسے کریں گے؟

تو حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان کی تسبیح، ہمارے سانس لینے کی مانند ہے جیسے ہمارا سانس لینا ہمارے کام میں

Marfat.com

رکاوٹ نہیں اسی طرح ان کا تسبیح کرنا دیگر اعمال سے مانع نہیں ہوتا۔

سوال: ہمارے نزدیک کوئی کہہ سکتا ہے سانس لینا، مانع کلام نہیں اس لیے کہ آلہ تنفس اور ہے اور آلہ کلام اور، لیکن لعنت و تسبیح دونوں کا تعلق کلام سے ہے تو دونوں کا اجتماع حالت واحدہ میں محال ہے۔

ملائکہ کی متعدد زبانیں

پہلا جواب: اس میں کوئی بُعد نہیں کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ کے لیے متعدد زبانیں تخلیق فرمادے، بعض کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں، اور بعض کے ساتھ دشمنانِ خداوند پر لعنت کریں۔

دوسرا جواب: لعن، دھتکارنا اور دور کرنا، تسبیح ثناء الٰہی میں ڈوب جانا ہے بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی ثنا اس کو مستلزم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں غیر مناسب اعتقاد رکھنے والے کو دور ہی مانا جائے تو اب لعنت، تسبیح کے لوازمات میں سے ٹھہری۔

تیسرا جواب: الفاظ 'لَا یَفْتُرُوْنَ' کا مفہوم یہ ہو کہ وہ عبادات کے اوقات مناسبہ میں ادائیگی کے عزم سے نہیں تھکتے جیسے کہا جاتا ہے فلاں ہمیشہ جماعت کی پابندی کرتے کرتے اس سے تھکتا نہیں تو اس سے مراد اس کا ہر وقت ان میں مشغول رہنا نہیں ہوتا بلکہ اس کا یہ دائمی عزم مراد ہوتا ہے کہ وہ انہیں ان کے اوقات میں ادا کرے گا جب ان کی عبادات کا دائمی ہونا ثابت ہے تو ان کا افضل ہونا ان وجوہات سے لازم ہے۔

۱۔ دائمی عمل نہایت مشکل ہوتا ہے لہٰذا وہ افضل ہوگا جیسا کہ دوسری دلیل کے تحت گزر چکا ہے۔

۲۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے:

اَفْضَلُ الْعِبَادِ مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَ حَسُنَ عَمَلُہٗ — افضل بندہ وہ ہے جس کی عمر لمبی اور اعمال اچھے ہوں

(سنن ترمذی:۲۳۳۰)

ملائکہ ایسے بندے ہیں جن کی عمریں لمبی اور اعمال خوبصورت ہیں لہٰذا ان کا افضل العباد ہونا لازمی ہے۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے:

اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ (کشف الخفا:۱۵۷۶) شیخ اپنی قوم میں، اُمت میں اس کے نبی کی طرح ہوتا ہے۔

نوٹ: محدثین نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے (مترجم قادری)

اس کا فرمان کا تقاضا ہے کہ انسانوں میں ایسے لوگ ہوں جو امت میں نبی (ملائکہ) کی طرح ہوں تو یہ چیز بھی بتارہی ہے کہ ملائکہ انسان سے اعلیٰ و افضل ہوتے ہیں

Marfat.com

سوال: کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام- حضرت لقمان اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام کی عمریں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے طویل تھیں تو پھر ان کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونا لازم ہوگا- حالانکہ یہ بالاتفاق باطل ہے- لہٰذا ان کا قول باطل ہے اور امت میں بھی ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر عمر اور مشقت کرنے والے پاتے ہیں مگر ان کا درجہ اس نسبت سے بھی زیادہ کم اور دور ہے جو عرش کا تحت الثریٰ کے ساتھ ہے-

تو تحقیق ہماری یہ ہے کہ کثرت ثواب کا مدار دواعی واسباب اور مقاصد پر ہوتا ہے- لہٰذا یہ جائز ہے کہ انسان سے اطاعت قلیل کا صدور ایسے طریق پر ہو کہ اسے ثواب کثیر مل جائے اور کسی سے طاعات کثیرہ ایسے ہوں کہ ان پر ثواب قلیل ہو-

۴- وہ تمام عبادات میں تمام سے اسبق وآگے ہیں، دینی کوئی معمول ایسا نہیں جس میں وہ امام ومقدم نہ ہوں بلکہ وہی طرق دین کے آباد کنندہ اور اس کے ابتدا کرنے والے ہیں تو عبادت میں سبقت تفضیل وتعظیم ہی ہے-

اولاً: اس پر اجماع ہے-

ثانیاً: ارشاد الٰہی ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ

جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے وہی مقرب بارگاہ ہیں (پ۲۷، الواقعہ:۱۰)

ثالثاً: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ

جس نے اچھے کام کی بنیاد رکھی اسے اس کا اجر اور جو اس پر عمل پیرا ہوگا اس کا ثواب قیامت تک ملے گا (مسلم:۱۰۱۷)

اس کا تقاضا یہ ہے کہ ملائکہ کو وہ تمام ثواب حاصل ہو جو حضرات انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے پھر ملائکہ کے ثواب میں ایسا اضافہ بھی ہے جو عبادات وافعال انہوں نے تخلیق بشر سے پہلے بجا لائے-

سوال: کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوں اس لیے کہ وہ پہلے بشر ہیں جنہوں نے عبادت الٰہی کی سُنّت جاری کی- وہی اول ہیں جنہوں نے کفار کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا- حالانکہ یہ بات بالاتفاق باطل ہے لہٰذا تمہاری ذکر کردہ دلیل باطل ہے-

تحقیقی بات ہماری بیان کردہ ہی ہے کہ کثرت ثواب کا مدار نیت پر ہے ممکن ہے بعد والے کی نیت زیادہ صاف ہو تو وہ اپنے سے پہلے سے ثواب کا زیادہ مستحق ٹھہرے-

Marfat.com

پانچویں دلیل: انبیاء اُمتوں سے افضل

ملائکہ کے حضرات انبیاء علیہم السلام کی طرف رسول ہونے پر دلیل یہ ارشادات عالیہ ہیں:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی (پ ۲۷، النجم: ۵) انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِكَ اسے روح الامین لے کر اترا تمہارے دل پر

(پ ۱۹، الشعراء: ۱۹۳، ۱۹۴)

رسول، اُمت سے افضل ہوتا ہے یہ قیاس سے ثابت ہے کہ انسان، انبیاء اپنی اپنی امتوں سے افضل ہیں تو یہاں بھی معاملہ اسی طرح ہونا چاہیے۔

سوال: عرف یہ ہے کہ جب سلطان کسی نمائندہ کو جماعت عظیم کی طرف بھیجے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے اور ان کے اُمور ان کے سپرد کرے تو یہ نمائندہ اس جماعت سے افضل ہوگا لیکن جب کسی ایک کو ایک کی طرف بھیجے تو پھر رسول کا مرسل الیہ سے اشرف و اعلیٰ ہونا ضروری نہیں ہوتا مثلاً بادشاہ اہم معاملہ میں کسی غلام کو اپنے وزیر کی طرف بھیجتا ہے تو اب وہ غلام اس وزیر سے تو افضل نہ ہوگا۔

جواب: حضرت جبرائیل علیہ السلام تو تمام انبیاء و رسل کی طرف مبعوث ہیں سائل کے بیان کردہ قانون سے لازم آرہا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ان تمام سے افضل ہوں۔

یاد رہے اس بیان کردہ کی تفصیل اس طریق پر بھی ممکن ہے ملائکہ، رسل ہیں، ارشاد الٰہی ہے:

جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا (پ ۲۲، فاطر: ۱) فرشتوں کو رسول بنانے والا

اب دو میں ایک صورت ہوگی۔ فرشتہ دوسرے فرشتہ کی طرف رسول ہوگا یا انسانی نبی کی طرف ہوگا۔ دونوں صورتوں میں رسول اور رسل اس کی امت بنیں گے۔ باقی رسول بشر، رسول تو ہے مگر رسل اس کی اُمت نہیں تو وہ رسول افضل ہوگا جس کی اُمت رسل ہیں اس رسول سے جس کی اُمت رسل نہیں تو اس جہت سے فرشتہ نبی سے افضل ہوگا۔

اور یوں بھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حضرت لوط علیہ السلام کی طرف بعثت ہے تو وہ حضرت لوط علیہ السلام سے افضل ہوں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ان انبیاء کی طرف بعثت ہے جو ان کے لشکر میں شامل تھے تو آپ ان سے افضل ٹھہرے۔

Marfat.com

سوال: بادشاہ جب نمائندہ کو کسی علاقہ میں بھیجتا ہے تو وہ اس کو وہاں کے لوگوں پر حاکم، ان کے امور پر متولی اور ان کے احوال میں متصرف بناتا ہے اور کبھی یہ مقصد نہیں وہ فقط انہیں بعض امور کی اطلاع کیلئے جاتا ہے نہ وہ حاکم ہوتا ہے نہ ہی اور متولی اور نہ متصرف

اول صورت میں رسول کا ان لوگوں سے افضل ہونا لازم ہے اور دوسری صورت میں ان کا لوگوں سے افضل ہونا ضروری نہیں ہے، انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا امتوں کی طرف مبعوث ہونے کا تعلق اول صورت سے ہے لہٰذا وہ بالیقین لوگوں سے افضل ہوں گے، تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ملائکہ کی انبیاء کی طرف بعثت کا تعلق اول صورت سے ہے حتیٰ کہ وہ انبیاء سے افضل ہو جائیں۔

چھٹی دلیل: ملائکہ بشر سے اتقیٰ (زیادہ تقویٰ والے) ہیں لہٰذا وہ افضل ہی ہوں گے، ملائکہ اتقیٰ کس طرح ہیں؟ وہ زلات اور ان کی طرف میلان سے مبرہ ہیں، ان کے خوف وڈر دائمی ہیں ارشاد الٰہی ہے:

يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ (پ۱۴، النحل:۵۰) اپنے اوپر اپنے رب کا خوف کرتے ہیں

وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ (پ۱۷، الانبیاء:۲۸) اور وہ اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں

خوف واشفاق، معصیت پر عزم کے منافی ہیں، حضرات انبیاء علیہم السلام گو وہ افضل البشر ہیں مگر وہ لغزش سے مبرا نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ہم میں سے ہر کوئی معصیت یا اس کا ارادہ کرتا ہے سوائے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام۔

تو ثابت ہوا ملائکہ کا تقویٰ اشد ہے لہٰذا ان کا بشر سے افضل ہونا لازمی ہے، ارشاد الٰہی ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (پ۲۶، الحجرات:۱۳) بیشک اللہ کے ہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے

ملائکہ اور ثبوتِ تقویٰ

سوال: إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔ تو انسانوں سے خطاب ہے یہ ملائکہ کو شامل نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ تقویٰ وقایہ (بچنا) سے ہے اور ملائکہ میں شہوت ہی نہیں لہٰذا ان کیلئے ثبوت تقویٰ ہو ہی نہیں سکتا۔

پہلا جواب: کرامت وعزت کا تقویٰ پر مرتب ہونا بتا رہا ہے کہ علتِ کرامت تقویٰ ہے تو جہاں تقویٰ زیادہ ہوگا وہاں کرامت وفضیلت بھی زیادہ ہوگی (خواہ وہ ملائکہ ہوں یا انسان)

ملائکہ اور تمناءِ درجات

دوسرا جواب: ملائکہ میں عدم خواہش ہم تسلیم نہیں کرتے ہاں ان میں کھانے پینے اور مباشرت کی خواہش نہیں لیکن بعض

Marfat.com

خواہشات کی نفی سے ہر خواہش کی نفی نہیں ہوتی بلکہ تقدم وبلندی درجات کی تمنا ان میں ہوسکتی ہے، ارشاد الٰہی ہے:

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (پ، البقرہ:۳۰)

کیا ایسے کو بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا اور خون ریزیاں کرے گا اور ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں

وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ (پ۱۷، الانبیاء:۲۹)

اور ان میں سے جو کہے میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو ہم اسے جہنم کی سزا دیں گے

سوال: مذکور ارشاد نبوی بتا رہا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام تمام انبیاء سے اتقی ہیں لہٰذا وہ حضرت محمد ﷺ سے بھی افضل ہوں گے اور یہ باطل ہے تو اس سے واضح ہو جاتا ہے، تقویٰ کی زیادتی سے فضل میں اضافہ لازم نہیں۔

تحقیقی بات ہماری بیان کردہ ہی ہے کہ ممکن ہے ایک انسان سے کبھی معصیت کا صدور نہ ہو اور اس سے ایسی عبادات کا صدور ہو جس سے وہ ثواب کے صد اجزا کا مستحق ٹھہرے۔ دوسرا انسان ہے جس سے معصیت کا صدور ہو لیکن وہ ایسی عبادت بجا لاتا ہے کہ جس پر ثواب ہزار اجزا ہے تو سو اجزا ثواب کے مقابل ہوں گے سو اجزاء عتاب کے تو صد ثواب باقی رہ گیا تو دوسرا انسان، معصیت کے صدور کے باوجود اس انسان سے افضل ٹھہرا جس سے کبھی معصیت کا صدور نہیں ہوا۔

دوسرا ہم تقویٰ ملائکہ کے اشد ہونے کو نہیں مانتے۔ اس لیے کہ تقویٰ وقایہ (پرہیزگاری) سے مشتق ہے اور معصیت کا تقاضا اولادِ آدم میں اکثر ہے لہٰذا متقین کا تقویٰ ملائکہ سے اکثر ہوگا۔

انسانی خواہشات زیادہ ہیں

ملائکہ میں ریاست کی خواہش ہے، ہم کہتے ہیں کہ یہ ہمیں نقصان دہ نہیں۔ اس لیے کہ یہ خواہش تو انسان کو بھی حاصل ہے اور اسے دیگر بطن وفرج کی خواہشات بھی حاصل ہیں جب یہ ضعیف ہے تو اب اولاد آدم کو طاعات سے پھیرنے والی خواہشات اکثر ہوئیں لہٰذا متقین کا تقویٰ، ملائکہ سے اکثر واشد ہونا لازم ہے۔

ساتویں دلیل: ارشاد الٰہی ہے:

لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓىِٕكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ (پ۶، النساء:۱۷۲)

مسیح اللہ کا بندہ بننے سے کوئی نفرت نہیں کرتا اور نہ ہی مقرب فرشتے

Marfat.com

استدلال یوں ہے کہ ’’ وَ لَا الْمَلٰٓئِکَۃُ الْمُقَرَّبُوْنَ ‘‘ اول کی تاکید ہے اور ایسی تاکید ذکرِ افضل کے ساتھ ہوا کرتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ اس لکڑی کو نہ دس آدمی اٹھا سکتے ہیں اور نہ صد، یہ نہیں کہا جاتا کہ اسے نہ دس اٹھا سکتے ہیں اور نہ ایک، یہ کہا جاتا ہے کہ اس عالم کی خدمت بجالاتا ہے یوں نہیں کہا جاتا کہ اس کی خدمت وزیر ہی بجا نہیں لاتا بلکہ چوکیدار بھی بجالاتا ہے۔

سوال: کوئی کہہ سکتا ہے آیت یہ بتا رہی ہے کہ ملائکہ مقربین حضرت مسیح علیہ السلام سے افضل ہیں لیکن اس سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ ان مقربین سے بھی افضل ہوں جو حضرت مسیح علیہ السلام سے افضل ہیں مثلاً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ المختصر اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہونا ثابت ہو جائے تو پھر ان کا مقصود حاصل ہو جائے گا تو جب تک اس پر دلیل نہ آئے ان کا مقصود حاصل نہیں ہو سکتا جبکہ خصوصاً تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت مسیح علیہ السلام سے افضل ہیں۔

ہم تو کسی ایسے ایک مسلمان کو نہیں جانتے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام سے افضل ہونے کا قائل ہو

ہم ایک اور بات کہتے ہیں وَ لَا الْمَلٰٓئِکَۃُ الْمُقَرَّبُوْنَ، میں واوِ عطف، مطلق جمع کیلئے ہے تو مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نہ تو حضرت مسیح نے تکبر کیا اور نہ ملائکہ مقربین نے، رہا حضرت مسیح پر ملائکہ کا افضل ہونا اس پر یہاں دلالت ہی نہیں، جو مثالیں تم نے دی ہیں دعویٰ کلی کے ثبوت کیلئے کافی نہیں پھر یہ دیگر مثالوں کے مخالف ہیں۔ مثلاً اس پر میری کسی نے مدد نہ کی نہ زید نے اور نہ عمر نے تو اب یہاں عمرو کا افضل ہونا لازم نہیں، ارشادِ الٰہی ہے:

وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ — اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیاں اور نہ جن کے گلے میں علامتیں آویزاں ہیں (پ ۶، المائدۃ: ۲)

جب مثالوں کا آپس میں اختلاف ہے تو ان پر اعتماد درست نہیں پھر تحقیقی بات یہ ہے جب کہا جاتا ہے کہ اس لکڑی کو نہ ایک اٹھا سکتا ہے اور نہ دس تو ہمیں اس بات کا پہلے علم ہوتا ہے کہ دس ایک سے اقوی اور زیادہ طاقتور ہیں تو یقیناً ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ دوسرے کا ذکر بطور مبالغہ ہے لیکن مبالغہ، مذکور طریق سے آیا نہ کہ محض الفاظ سے۔

آیت مبارکہ میں ’’ وَ لَا الْمَلٰٓئِکَۃُ الْمُقَرَّبُوْنَ ‘‘ سے بیان مبالغہ کا تب ہمیں علم ہوگا کہ پہلے ہم یہ جانتے ہوں کہ ملائکہ مقربین حضرت مسیح علیہ السلام سے افضل ہیں تو اب اس آیت سے ثبوت مطلوب پر استدلال اس پر موقوف ہے کہ اس دلیل سے پہلے اس کا علم ہو حالانکہ ثبوت مطلوب اس آیت کی دلالت پر موقوف ہے تو یہاں دور لازم آ رہا ہے جو باطل ہے۔

ہم مانتے ہیں یہ مفید تفاوت ہے لیکن تمام درجات میں مفید تفاوت نہیں بلکہ بعض کے بارے میں ہے لیکن بعض کے بارے میں نہیں ہے کچھ تفصیل یوں ہے:

Marfat.com

جب یہ کہا جاتا ہے اس عالم نے قاضی کی طاعت سے انکار نہیں کیا اور نہ ہی سلطان کی طاعت سے تو اب اس سے یہ لازم آتا ہے کہ سلطان، قاضی سے بعض امور مثلاً قدرت، قوت اور غلبہ میں افضل ہے مگر اس پر دلالت نہیں کرتا کہ قاضی سے علم، زہد اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خشوع کے حوالہ سے بھی افضل ہے۔

جب یہ ثابت ہے تو اس کے پیش نظر کہتے ہیں فرشتے قدرت وگرفت میں بشر سے افضل ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے قوم لوط کے تمام شہروں کو اکھاڑ لیا اور کسی انسان میں تو یہ طاقت نہیں لیکن تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ فرشتے اضافی خشوع وعبودیت کی بنا پر بشر سے کثرت ثواب میں افضل ہیں۔

کمال تحقیق یہاں یہ ہے کہ جس فضیلت میں اختلاف ہے وہ کثرت ثواب ہے اور یہ عبودیت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا اور عبودیت انتہائی تواضع وخضوع کا نام ہے، بندے کا اللہ تعالیٰ کیلئے انتہائی تواضع سے متصف ہونے کے یہ مناسب نہیں کہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے فائدہ سے خارج کرنا ہوگا، رہا کسی کا قدرت شدید اور غلبہ عظیم کے ساتھ متصف ہونا یہ سرکشی اور ترک عبودیت کے مناسب ہے۔

نصاریٰ نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردوں کو زندہ اور کوڑھے اور اندھوں کو بینائی دیتے دیکھا تو انہوں نے اسی قدرت کو دیکھ کر انہیں عبودیت (بندہ ہونے) سے نکال دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہوں نے اس قدرت کے باوجود میری طاعت وعبادت سے کبھی تکبر وانکار نہیں کیا اور نہ ہی ملائکہ مقربین نے جو قدرت، قوت، گرفت اور عوالم سموات وارض پر غلبہ میں ان سے زیادہ ہیں تو اس طریق سے دلالت آیت اس پر ہوگی کہ ملائکہ، بشر سے شدت اور گرفت میں افضل ہیں لیکن اس کی اس پر دلالت نہیں کہ وہ بشر سے کثرت ثواب میں افضل ہیں۔

یا یوں کہا جائے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہا کہ یہ بغیر باپ کے ہیں تو ان سے یہاں کہا جا رہا ہے ملائکہ کا نہ باپ اور نہ ہی ماں، تو یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ عجیب معاملہ ہے اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی عبدیت سے تکبر کرنے والے نہیں

سوال: آیت میں اس پر دلالت ہے کہ حضرت مسیح اور ملائکہ کے درمیان عبودیت میں فرق ہے نہ کہ قدرت، قوت اور گرفت میں اس لیے کہ ان کا وصف مقرب بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف قرب مکانی اور جہتی نہیں ہوتا بلکہ درجہ اور منزلت ہے تو جب انہیں مقرب فرمایا تو معلوم ہوا کہ ان کے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے درمیان درجات فضل کا تفاوت ہے نہ کہ قوت وگرفت کا۔

جواب: اگر تمہارا اس سوال سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کا ہی وصف مقربین بیان کیا تو اس پر دال نہیں ہوتا کہ ماسوا سے اس کی نفی ہے

Marfat.com

اگر تمہارا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کا وصف مقرب بیان کیا لہٰذا تفاوت بھی لازماً اسی اعتبار سے ہوگا تو یہ بھی باطل ہے اس لیے کہ ممکن ہے حضرت مسیح علیہ السلام اور مقربین طاعت میں صفت قرب میں مشترک ہوں لیکن دیگر امور کے اعتبار سے ان میں تفاوت ہو تو یہاں ان امور طاعت میں صفت قرب میں مشترک ہوں لیکن دیگر امور کے اعتبار سے ان میں تفاوت ہو تو یہاں ان امور میں ہی تفاوت مقصود ہو۔

دوسرا سوال: ہم اس آیت کی وجہ سے مان لیتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام فضیلت میں تمام مجموعہ ملائکہ سے کم ہیں لیکن تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ فضیلت میں ہر فرشتہ سے کم ہیں۔

تیسرا سوال: ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے ان آیات سے انہیں مخاطب فرمایا ہو جن کا عقیدہ تھا کہ ملائکہ، بشر سے افضل ہوتے ہیں تو ان کے اعتقاد کے مطابق کلام ہوا جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (پ۲۱ الروم:۲۷) اور یہ تمہاری سمجھ میں اس پر زیادہ آسان ہونا چاہیے

۸۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے یہ حکایت کیا:

مَانَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ (پ۸ الاعراف:۲۰) تمہیں تمہارے رب نے اس پیڑ سے اس لیے منع کیا ہے کہ کہیں تم دو فرشتے ہو جاؤ یا ہمیشہ جینے والے

تو اب اگر حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے ہاں یہ مسلم نہ تھا کہ فرشتے بشر سے افضل ہیں تو ابلیس انہیں دھوکہ دینے میں کامیاب نہ ہوتا اور نہ ہی حضرت آدم وحوا علیہما السلام اس سے دھوکہ کھاتے۔

سوال: کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ابلیس کا قول ہے لہٰذا دلیل نہیں۔ جواباً یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی صحت مانی ورنہ وہ دھوکہ نہ کھاتے تو حضرت آدم علیہ السلام کا اعتقاد حجت ہے اس لیے کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں ممکن ہے حضرت آدم علیہ السلام نے یہ جان کر خطا کی اس لیے کہ لغزش سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نبی ہی نہ تھے تو اس وقت فرشتہ کے ان سے افضل ہونے سے یہ لازم کب آتا ہے، کہ نبی بننے کے بعد بھی وہ افضل ہے۔

یہ بھی تسلیم کر لیتے ہیں کہ آیت کی اس پر دلالت ہے کہ ملائکہ بعض پسندیدہ اوصاف میں بشر سے افضل ہیں لیکن تم نے یہ کیسے استدلال کیا کہ وہ بشر پر ثواب میں افضل ہیں اس لیے کہ قدرت، قوت، حسن وجمال عناصر کی وجہ سے جو کدورتیں ہوتیں ہیں ان سے پاک وصاف ہونے میں ملائکہ کے بشر سے افضل ہونے میں کوئی اختلاف ہی نہیں کیونکہ ملائکہ کی تخلیق نور اور آدم کی مٹی سے ہے، تو حضرت آدم علیہ السلام اگرچہ کثرت ثواب میں ان سے افضل تھے مگر مذکورا امور میں وہ ان سے مساوات چاہتے ہوں تو اس وجہ سے انہیں دھوکہ ہو گیا

Marfat.com

ارشادگرامی "اِلَّآ اَنۡ تَكُوۡنَا مَلَكَيۡنِ" میں بھی احتمال ہے کہ یہاں مراد یہ ہے تم دونوں بدل کر فرشتے بن جاؤ گے تو اب تمہارا استدلال درست ہوا۔

لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں نہی ملائکہ اور خالدین کے ساتھ مختص ہو نہ کہ ان دونوں کے ساتھ۔ اور یہ یوں ہو جیسے ہم دوسرے سے کہتے ہیں کہ ہم نے تجھے منع نہیں کیا مگر یہ کہ تم فلاں ہو۔ تو اب معنی یہ ہے فلاں کو منع کیا گیا ہے نہ کہ مخاطب کو۔ تو یہاں یہی ہوگا کہ مخاطب بدل کر فلاں ہو جائے۔ جب ابلیس کی غرض دونوں کو شبہ ڈالنا تھا تو انہیں اس وہم میں ڈال دینا شبہ کو پختہ کر دیتا ہے کہ انہیں تو منع کیا ہی نہیں گیا، منع تو دوسرے کو کیا گیا ہے۔

چلو ہم تسلیم ہے آیت دلالت کرتی ہے کہ فرشتے حضرت آدم علیہ السلام سے افضل ہیں تو تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ فرشتے حضرت محمد ﷺ سے بھی افضل ہیں؟ یہ اس لیے کہ مسلمانوں کا اجماع ہے۔ حضرت محمد ﷺ حضرت آدم علیہ السلام سے افضل ہیں تو ملائکہ کے مفضول ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ افضل سے بھی افضل ہوں۔

۹۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلۡ لَّآ اَقُوۡلُ لَكُمۡ عِنۡدِىۡ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ وَلَاۤ اَقُوۡلُ لَكُمۡ اِنِّىۡ مَلَكٌ‌ۚ (پ، الانعام:۵۰)

تم بتاؤ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں غیب جانتا ہوں اور تم سے یہ کہوں میں فرشتہ ہوں۔

سوال: یہاں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ "لَاۤ اَقُوۡلُ لَكُمۡ اِنِّىۡ مَلَكٌ" میں مراد یہ ہو کہ میں کثرت علوم اور شدت میں فرشتہ نہیں ہوں، اس احتمال و معنی کی صحت پر یہ دلائل ہیں۔

پہلی دلیل: کفار نے نبی سے اُمور عظیمہ کا مطالبہ کیا تھا مثلاً آسمان پر چڑھنے، پہاڑ کو منتقل کرنا، اموال عظیمہ کا حاضر کرنا تو ان اُمور کا حصول، علوم کثیرہ اور قدرت شدیدہ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

دوسری دلیل: ارشاد:

قُلۡ لَّآ اَقُوۡلُ لَكُمۡ عِنۡدِىۡ خَزَآئِنُ اللّٰهِ

بتا دو میں تمہیں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں

بتا رہا ہے کہ نبی نے اعتراف کیا کہ وہ تمام مقدورات پر قادر نہیں۔ "وَلَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ" بتا رہا ہے کہ انہیں اعتراف ہے کہ وہ تمام معلومات کے عالم نہیں۔ "وَلَاۤ اَقُوۡلُ لَكُمۡ اِنِّىۡ مَلَكٌ" اس کا معنی (واللہ اعلم) یہ ہے کہ جس طرح میں تمام مقدورات پر

Marfat.com

قدرت اور تمام معلومات کے علم کا دعویٰ نہیں کرتا اسی طرح میں فرشتوں کی قدرت اور ان کے علوم کی مثل کا دعویٰ بھی نہیں کرتا۔

تیسری دلیل: ارشاد الٰہی "وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ" میں نفی صورت مراد نہیں کیونکہ اس سے غرض حاصل نہیں ہوتی۔ یہاں صفاتِ ملائکہ کے مثل کی نفی ہے اور اس کے صدق کیلئے یہ کافی ہے کہ اس میں ان کی مثل اشیاء نہیں اور اس کی صفات ہر لحاظ سے ان کے مساوی نہیں نہ ہی اس پر دلالت ہے کہ تمام صفات کے حوالہ سے ان میں تفاوت ہے اس لیے کہ کل میں مساوی نہ ہونا اور ہوتا ہے اور کل میں اختلاف کا حصول اور ہوتا ہے۔

۱۰۔ ارشاد الٰہی ہے:

مَاهٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ (پ۱۲ یوسف:۳۱) یہ تو جنسِ بشر سے نہیں یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے

سوال: یہ کیوں جائز نہیں کہ یہاں صورت و جمال میں تشبیہ مراد ہو؟

جواب: اولیٰ یہ ہے کہ سیرت میں تشبیہ ہو نہ کہ صورت میں اس لیے کہ الفاظ ہیں "اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ" تو تشبیہ ملک کریم کے ساتھ ہے تو ملک، سیرت اعلیٰ سے ہی کریم ہوگا نہ کہ محض صورت کی وجہ سے۔ تو ثابت ہوا یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کی ملک کے ساتھ تشبیہ، بشری تقاضوں مثلاً شہوت اور طلب خواہش کی نفی اور اس کی ضد حالت ملک مثلاً غض بصر، نفس کا محرمات کی طرف میلان سے بری ہونے کا اثبات ہے۔ تو یہ آیت بتا رہی ہے کہ تمام عقلاء مرد، خواتین، مسلمان، کافر کا اس پہ اجماع ہے کہ ملائکہ کیلئے درجات بشر پر ایک مخصوص فائق درجہ ہے۔

سوال: خاتون کا قول:

فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ (پ۱۲ یوسف:۳۲) تو یہ ہیں وہ جن پر تم مجھے طعنہ دیتی تھیں

تصریح ہے کہ قول خواتین اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ" کا مقصد حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کی بڑھائی تھی نہ کہ سیرت، اس لیے کہ اس خاتون کا آپ سے شدت عشق پر ظہور عذر کا سبب حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن میں کمال تھا نہ کہ آپ کا کمال زہد و ورع کیونکہ یہ تو اس شدت عشق کے مناسب ہی نہیں۔

ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ملائکہ کے ساتھ، خواہشات سے اعراض میں تشبیہ دی تو کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا ملائکہ سے ثواب میں کم ہونا لازم ہے؟ اس لیے کہ اس میں تو کوئی نزاع ہی نہیں کہ ملائکہ میں طعام و اُمور نکاح وغیرہ کی طرف التفات، بشری التفات سے کم ہے لیکن کیا اس سے تم یہ کہہ سکتے ہو اس وجہ سے ان کے کثرت ثواب میں اضافہ کی وجہ سے اور فضیلت حاصل ہو جاتی ہے؟

Marfat.com

اگر تم یہ استدلال کرو۔ کہ کم معصیت والے کا افضل ہونا لازم ہے تو اس پر گفتگو پیچھے آچکی ہے۔

گیارہویں دلیل: ارشاد مبارک ہے:

وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا — اور ان کو اپنی بہت مخلوق سے افضل کیا

(پ۱۵ الاسراء:۷۰)

مکلف کی چار انواع

مخلوق الٰہی مکلّف ہیں یا غیر مکلّف۔ بلاشبہ مکلّف دوسروں سے افضل ہیں، مکلّف کی چار انواع ہیں۔ ملائکہ، انسان، جنات، اور شیاطین۔ بلاشک انسان، جنات سے افضل ہیں اب اگر یہ ملائکہ سے بھی افضل ہوں تو لازم آئے گا انسان تمام مخلوقات سے افضل ہو تو اب ارشاد الٰہی، وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا، میں کیا فائدہ باقی رہ جائے گا؟ بلکہ پھر تو یہ کہنا مناسب تھا:

وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى جَمِيْعِ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا — ہم نے انہیں اپنی تمام مخلوق پر فضیلت دی

جب یہ نہیں فرمایا تو واضح ہو گیا ملائکہ انسان سے افضل ہیں۔

سوال: کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ کلام دلیل خطاب سے تمسک ہے اس لیے کہ یہ تصریح کہ انسان، کثیر مخلوق سے افضل ہے اس پر دال نہیں کہ باقیسے بھی افضل ہونے پر دلیل خطاب کی ضرورت ہے۔

یہ بھی تسلیم ہے کہ جنس ملائکہ، جنس اولاد آدم سے افضل ہیں۔ لیکن ایک مجموعہ کے دوسرے مجموعہ پر افضل ہونے سے یہ لازم نہیں کہ مجموعہ اول کا ہر فرد دوسرے مجموعہ کے ہر فرد سے افضل ہو مثلاً ہمارے پاس دس غلام ہیں جو قیمت سو دینار میں مساوی ہیں، ان کے ساتھ ایسے دس اور آملے جن میں ایک کی قیمت دو صد دینار باقی نو میں سے ہر ایک کی قیمت ایک دینار ہے تو مجموعہ پہلا، دوسرے مجموعہ سے افضل ہے۔ لیکن دوسرے مجموعہ میں ایک ایسا بھی ہے جو مجموعہ اول کے ہر فرد سے افضل ہے اسی طرح کا معاملہ زیر بحث مسئلہ میں بھی ہے۔

الفاظ مبارکہ "وَفَضَّلْنٰهُمْ" سے ممکن ہے۔ مراد یہ ہو کہ ہم نے انہیں کرامت و عزت میں فضیلت دی جس کا ذکر ابتدا آیت میں ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ۔ تو یہاں کرامت سے حسنِ صورت، خوب ذکاوت، اعمالِ عجیبہ پر قدرت نظافت و طہارت میں مبالغہ مراد ہو۔ اگر معاملہ یہی ہے تو ہم مانتے ہیں ملائکہ ان اُمور میں بشر سے کہیں زائد ہیں لیکن تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ثواب میں بشر سے اکثر ہیں۔

Marfat.com

ارشادالٰہی:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (پ۲۱ لقمان:۱۰) اس نے آسمان بغیر ستونوں کے بنائے جو تم دیکھتے ہو

کا یہ تقاضا نہیں کہ وہاں نہ نظر آنے والے ستون ہیں، اسی طرح ارشادالٰہی ہے:

وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ (پ۱۸، مومن:۱۱۷) اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی دوسرے خدا کی پوجا کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں

یہ تقاضا نہیں کہ وہاں کوئی دوسرا اللہ ہے اور اس پر برہان موجود ہے، اسی طرح کا معاملہ یہاں بھی ہے۔

بارھویں دلیل: حضرات انبیاء علیہم السلام نے جب کسی لیے طلب مغفرت کی دعا کی تو پہلے اپنے لیے کی اور پھر دیگر اہل ایمان کیلئے کی ہے، حضرت آدم کی دعا ہے:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا (پ۸، الاعراف:۲۳) اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ہے:

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا (پ۲۹، نوح:۲۸) مجھے بخش دے اور میرے والدین اور اسے جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں داخل ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ (پ۱۳، ابراہیم:۴۱) اے میرے رب مجھے بخش دے اور میرے والدین کو۔

رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ (پ۱۹، الشعراء:۸۳) اے میرے رب مجھے حکم عطا کر اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض ہے:

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِاَخِیْ (پ۹، الاعراف:۱۵۱) اے میرے رب مجھے بخش دے اور میرے بھائی کو۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ سے فرمایا:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (پ۲۶، محمد:۱۹) اے محبوب اپنے لئے اور عام مسلمان اور مرد اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو

Marfat.com

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (پ۲۶، الفتح:۲)
تا کہ اللہ تمہارے سبب تمہارے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ بخشے

لیکن ملائکہ نے اپنے لیے کبھی طلب مغفرت کی دعا نہیں کی۔ ہاں وہ اہل ایمان بشر کیلئے دعا کرتے ہیں۔ یہ ارشادات عالیہ یہی بیان کررہے ہیں۔

فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (پ۲۴، غافر:۷)
معاف فرمادے جو توبہ کرتے اور تیری راہ کی اتباع کرتے ہیں اور انہیں عذاب دوزخ سے بچا

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اور وہ مغفرت مانگتے ہیں اہل ایمان کے لئے

اگر ملائکہ طلب مغفرت کے محتاج ہوتے تو اپنے سے ابتدا کرتے اس لیے کہ اپنی ذات سے رفع ضرر سب سے مقدم ہے۔

فرمان نبوی ہے، اخراجات میں:

اِبْدَأْ بِنَفْسِكَ ثُمَّ بِمَنْ تَعُوْلُ (مسلم، ۹۹۷)
اپنے آپ سے ابتدا کرو اور پھر جس کی ذمہ داری تم پر ہے۔

تو یہ حقیقت آشکار ہورہی ہے کہ ملائکہ انسان سے افضل ہیں۔

سوال: کوئی کہہ سکتا ہے: یہ وجہ یہ نہیں بتاتی کہ ملائکہ سے کبھی لغزش نہیں ہوئی اور انسانوں سے ہوتی ہیں۔ لیکن ہم پہلے واضح کر آئے ہیں کہ اس میں تفاوت، فضیلت میں تفاوت لازم نہیں کرتا۔

کچھ اہل علم کا کہنا یہ ہے کہ ملائکہ انسان کیلئے جو طلب مغفرت کی دعا کرتے ہیں یہ ان کی بشر پر اس طعن پہ معذرت ہے۔

انہوں نے کہا:

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا (پ۱، البقرۃ:۳۰)
کیا تو اسے بنائے گا جو زمین میں فساد پھیلائے گا

تیرہویں دلیل: ارشاد مبارک ہے:

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ
بیشک تم پر کچھ نگہبان ہیں معزز لکھنے والے

(پ۳۰، الانفطار:۱۰،۱۱)

یہ تمام اولاد آدم مکلفین کے حوالہ سے ہے حتیٰ کہ اس میں حضرات انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں۔

تو یہ دو وجہ سے اس پر دلیل ہے کہ ملائکہ انسان سے افضل ہیں۔

Marfat.com

پہلی وجہ: اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد آدم کے محافظ بنایا۔ مکلف کی معصیت سے حفاظت کرنے والے کیلئے ضروری ہے کہ وہ خطاو زلل سے محفوظ اور زیادہ دور ہو تو یہاں ثابت ہو رہا ہے ملائکہ، بشر سے معاصی سے بہت دور اور طاعات میں بہت قریب ہیں اور اس بات کا تقاضا فضیلت میں اضافہ ہی ہے۔

دوسری وجہ: اللہ تعالیٰ نے ان کی کتابت کو انسان کی طاعت کے حق میں اوران کے معاصی کے خلاف دلیل بنایا۔ اس کا تقاضا ہے کہ ملائکہ کے قول کو انسانی قول پر فضیلت حاصل ہو، اگر انسان کا درجہ برابر ہوتا تو معاملہ اس کے برعکس ہوتا۔

سوال: کوئی کہہ سکتا ہے یہ کہنا کہ حافظ کیلئے لازم ہے کہ وہ محفوظ سے زیادہ محفوظ ہو۔ یہ بعید ہے کیونکہ بعض اوقات بادشاہ اپنی اولاد پر اپنے غلام کو حافظ مقرر کرتا ہے تو وہاں حافظ کا محفوظ سے اشرف ہونا لازم نہیں۔

ان کی شہادت بشر پر دلیل ہے۔ یہ بھی ضعیف ہے کیونکہ شاہد بعض اوقات مشہود علیہ (جس پر گواہی ہے) سے کم درجہ رکھتا ہے

چودھویں دلیل: ارشاد مقدس ہے:

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (پ۳۰، النبأ:۳۸)

اور جس دن جبرائیل کھڑا ہوگا اور سب فرشتے پرباندھے کوئی نہ یہ بول سکے گا مگر جسے رحمٰن نے اذن دیا اور اس نے ٹھیک بات کہی

یہاں ملائکہ کے بیان احوال سے مقصود، اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال کی تفصیل ہے اگر مخلوق میں کوئی اور گروہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا بیان بہتر کر سکتا تو اس مقام پر اس کا ذکر اولیٰ تھا۔ پھر جس طرح ذکر ملائکہ سے آخرت میں اپنی عظمت بیان کی اسی طرح دنیا میں بھی ذکر ملائکہ کے ساتھ بیان کی۔

وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ (پ۲۴، الزمر:۷۵)

اور تم فرشتوں کو دیکھو گے عرش کے آس پاس حلقہ کیے ہوئے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکیزگی بولتے ہیں۔

سوال: کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ بات بلاشبہ بعض امور ملائکہ کے بشر پر بلندی وزائد ہونے پر دال ہے لیکن یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ حالت اضافی ان کی قوت، شدت اور گرفت ہی ہے۔

یہ اسی طرح کا معاملہ ہے کہ سلطان جب بیٹھتا ہے تو اس کے اردگرد اطراف عالم کے ملوک خشوع وخضوع کے ساتھ بیٹھتے ہیں ں سے عظمت سلطان اجاگر ہوتی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ سلطان کے ہاں اپنی اولاد سے زیادہ اشرف ومعزز

ل قدیر

Marfat.com

ہو جائیں، یہاں بھی اسی طرح کا معاملہ ہے۔

پندرھویں دلیل: ارشاد الٰہی ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ (پ۳، البقرہ:۲۸۵)

اور ایمان والے سب نے مانا اللہ اور اس کے فرشتے اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے صحت ایمان کیلئے ان اشیاء پر ایمان ضروری ہے، پہلے اپنی ذات کا ذکر کیا دوسرا مرتبہ پر ملائکہ، تیسرے پر کتب پھر چوتھے پر انبیاء کو لایا گیا اسی طرح اس ارشاد میں بھی ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ (پ۳، آل عمران:۱۸)

گواہی دی اللہ نے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور علم والوں نے

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِىِّ (پ۲۲، الاحزاب:۵۶)　اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر

تقدیم ذکری، تقدیم درجہ پہ دلیل ہوتی ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ عرفاً یہ بات قبیح ہے کہ ادنیٰ کا ذکر اشرف سے مقدم کیا جائے تو لازماً شرعاً بھی یہ قبیح ہے۔ عرف میں یہ فعل قبیح ہے اس پر یہ شعر شاہد ہے:

عمیرة ودع ان تجهزت غادیًا　　كفى الشیب والاسلام للمرء ناهیًا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ شعر سن کر فرمایا: اگر تم اس میں اسلام کو مقدم کرتے تو بہتر ہوتا۔

پھر جب بھی رسول اللہ ﷺ اور مشرکین کے درمیان معاہدات لکھے گئے تو تقدیم اسم پر اختلاف ہوا۔ اسی طرح سیدنا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان معاہدہ کے وقت بھی ہوا تو اس سے واضح ہو جاتا ہے تقدیم ذکری، مزید شرف پر دلیل ہوتی ہے۔

جب عرف میں یہ ثابت ہے تو لازماً شرع میں بھی اسی طرح ہے، حضور ﷺ کا فرمان ہے جسے اہل اسلام اچھا جانیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہی ہوتا ہے۔ (مسند احمد:۳۷۹)

نوٹ: یہ روایت موقوف ہے (مترجم قادری)

تو ثابت ہوا ذکر میں ملائکہ کی رسل سے تقدیم، ان کی تقدیم فضیلت پر دلیل ہے۔

سوال: کوئی یہ اشکال اٹھا سکتا ہے کہ یہ دلیل ضعیف ہے کیونکہ اگر سہارا واؤ ہے تو یہ ترتیب پر دال نہیں اور اگر تقدیم ذکر پر ہے تو پھر سورۂ تبت کا سورۂ قل ھو اللہ پر تقدم اس کے مخالف و متضاد ہے۔

Marfat.com

۱۶۔ ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ (پ۲۲،الاحزاب:۵۶)

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے پر

یہاں صلوات ملائکہ کو حضور ﷺ کیلئے بطور تشریف وعزت بیان کیا ہے جو واضح کر رہا ہے ملائکہ نبی سے افضل ہیں۔

کوئی کہہ سکتا ہے یہ بات اگلے الفاظ کے مخالف ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ

اے اہل ایمان تم بھی ان پر درود بھیجو۔

یہاں اہل ایمان کو نبی پر صلاۃ کا حکم ہے تو اہل ایمان کا حضور ﷺ سے افضل ہونا لازماً متصور نہیں تو یہی بات ملائکہ کی ہے۔

سترہویں دلیل، حضرت جبریل اور حضرت محمد ﷺ پر گفتگو

حضرت جبریل امین علیہ السلام حضرت محمد ﷺ سے افضل ہیں۔ دلائل یہ ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ وَمَا صَاحِبُکُمْ بِمَجْنُوْنٍ (پ۳۰،التکویر:۱۹،۲۲)

جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور عزت والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے اور تمہارے صاحب مجنون نہیں

یہاں جبریل امین کی چھ صفات کا تذکرہ ہے

۱۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ معزز واکرم ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ قوت والے ہیں تو اب اللہ تعالیٰ کے ہاں قوت سے مراد ان کی طاعات پہ ایسی قوت ہے جو کسی دوسرے میں نہیں۔

۴۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مکیں ہیں۔

۵۔ عالم سموات میں انہیں کا حکم چلتا ہے۔

۶۔ تمام خدمات میں امین اور تمام انواع خیانات سے مبرا اور معصوم ہیں۔

نقل قدیر

Marfat.com

حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کی ان صفات کے بعد حضرت محمد ﷺ کی صفت بیان کی۔

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ — اور تمہارے ساتھی دیوانہ نہیں

اگر حضرت محمد ﷺ صفات فضل، میں جبرئیل امین کے مساوی یا قریب ہوتے تو جبریل کی ان صفات کے بعد حضور ﷺ کی یہ صفت آپ کے منصب میں نقص، شان میں تحقیر اور حق کا ابطال ہے اور ایسی بات کرنا اللہ تعالیٰ کے بارے میں جائز ہی نہیں تو یہ آیت بتا رہی ہے حضرت محمد ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے ہاں یہی درجہ ہے کہ وہ مجنون نہیں اور یہ بتا رہا ہے کہ جبریل امین علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کے درمیان فضل و درجہ میں کوئی نسبت ہی نہیں۔

سوال: کوئی اگر سوال اٹھائے اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ۔ یہ تمام حضرت محمد ﷺ کی صفات ہیں نہ کہ جبریل امین کی۔

جواب: ارشاد الٰہی:

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ — آپ نے اسے افق مبین پر دیکھا

اسے باطل قرار دے رہا ہے۔

سوال: ہم سب کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے مجنون نہ ہونے کے علاوہ بھی بے شمار صفات ہیں لیکن اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر نہیں فرمایا تو ان فضائل کے یہاں عدمِ ذکر سے ان کا بالاجماع عدم، لازم نہیں آتا۔

یوں کہا جائے کہ جب حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس مقام پر مذکور صفت کے علاوہ بھی بے شمار فضائل ہیں تو آپ ﷺ ان فضائل کی بنا پر حضرت جبریل علیہ السلام سے افضل ہیں جس طرح یہاں حضرت جبریل علیہ السلام کی چھ صفات ذکر ہوئیں اسی طرح حضور ﷺ کی چھ (بلکہ آٹھ) صفات کا یوں تذکرہ فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَّ مُبَشِّراً وَّ نَذِيراً وَّ دَاعِياً إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَ سِرَاجاً مُّنِيراً (پ ۲۲، الاحزاب: ۴۵، ۴۶)

اے غیب کی خبریں بتانے والے بیشک ہم نے تمہیں بھیجا گواہ و ناظر خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا

(۱) نبی ہونا، (۲) رسول ہونا، (۳) شاہد ہونا، (۴) مبشر ہونا، (۵) نذیر ہونا

(۶) اللہ کی طرف اسی کے حکم سے داعی ہونا، (۷) سراج، (۸) منیر

الغرض دو اشخاص میں سے کسی کے الگ اوصاف کے ذکر سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے سے ان اوصاف کی نفی ہے۔

Marfat.com

اٹھارویں دلیل: فرشتے انسان سے زیادہ علم رکھتے ہیں اور زیادہ علم والا دوسرے پر افضل ہوتا ہے لہٰذا فرشتے افضل ہوں گے

یہ قول کہ فرشتے انسان سے زیادہ علم والے ہیں، پر دلیل یہ ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام، حضرت محمد ﷺ کے معلم ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى (پ۲۷، النجم:۵) انہیں سخت قوتوں والے طاقتور نے سکھایا

اور معلم کا متعلم سے زیادہ علم والا ہونا ضروری ہے۔

علوم کی دو اقسام

پھر علوم کی بھی دو اقسام ہیں:

پہلی قسم: علوم جنہیں بذریعہ عقل حاصل کیا جاتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم ان میں کوتاہی نہیں ہو سکتی نہ حضرت جبریل علیہ السلام سے اور نہ حضرت محمد ﷺ سے اس لیے کہ یہاں تقصیر جہل ہے اور یہ معرفت الٰہی میں رکاوٹ ہے۔

رہا مخلوقاتِ الٰہیہ کی کیفیات، ان میں موجود عجائبات کا علم، عرش، کرسی، لوح وقلم، جنت ودوزخ، طبقات آسمانی، انواع اور مشاہدہ زیادہ ہے تو ان کا علم بھی اکثر واتم ہوگا۔

دوسری قسم: علوم جن تک رسائی سوائے وحی الٰہی کے کسی کی نہ ہو نہ حضرت محمد ﷺ اور نہ کسی نبی علیہ السلام کو۔ ہاں ان کا علم حضرت جبریل امین کے واسطہ سے ہوگا تو اب حضور ﷺ کو حضرت جبریل امین پہ فضیلت دینا محال ہے۔ حضرت جبریل امین، اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان واسطہ رہے تو یہ تمام سابقہ شرائع اور موجودہ شریعت کے عالم ہیں اور یہ شرائع ملائکہ اور ان کے احکام وذمہ داریوں سے بھی آگاہ ہیں اور حضرت محمد ﷺ ان سے آگاہ نہیں۔

تو ثابت ہوا حضرت جبریل علیہ السلام حضرت محمد ﷺ سے علم زیادہ رکھتے ہیں، اس ثبوت کے بعد لازم کہ جبریل امین آپ سے افضل ہوں، ارشاد الٰہیہ ہے

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ کہہ دیجیے کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں

(پ۲۳، الزمر:۹)

سوال: ملائکہ کا بشر سے زیادہ علم والا ہونا ہم تسلیم نہیں کرتے۔ دلیل یہ ہے کہ ملائکہ نے اس کا اعتراف کیا، حضرت آدم علیہ السلام ان سے علم زیادہ رکھتے ہیں، ارشاد الٰہی ہے:

Marfat.com

يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ　　　　اے آدم آگاہ کرانہیں ان کے ناموں سے

(پ۱،البقرۃ:۳۳)

چلو ہم علمی اضافہ مان لیتے ہیں لیکن یہ کثرت ثواب کا تقاضا نہیں کرتا ہم صاحب بدعت کو دیکھتے ہیں وہ علم کے کثیر دقائق کا احاطہ کیے ہے مگر وہ کسی ثواب کا مستحق نہیں چہ جائے اس کا ثواب دوسروں سے اکثر ہو۔اس کا سبب پیچھے متعدد دفعہ بیان کرتے آئے ہیں کہ کثرت ثواب، افعال میں اخلاص کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ ملائکہ کا اخلاص بشر سے اکثر ہے۔

اُنیسویں دلیل: ارشادگرامی ہے:

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ　　　　اور جس نے ان میں سے کہا کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو ہم اسے دوزخ کی سزادیں گے

(پ۱۷،الانبیاء:۲۹)

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ملائکہ بلندی اور علو درجہ میں اس قدر بلند ہیں اگر یہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کریں تو یہ صرف اور صرف دعویٰ اُلوہیت ہی کریں گے لیکن کسی اور شی مثلاً اتباع شہوت میں دعویٰ نہیں کریں گے اور یہ چیز ان کے انتہائی مقام پر دلیل ہے

سوال: یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے انتہائی مقام میں تو کوئی نزاع ہی نہیں پھر یہ بھی مسلم کہ وہ اگر مخالفت کریں گے تو دعویٰ اُلوہیت میں ہی کریں گے اور یہ اس لیے کہ ان کے علوم کثیر،قوتیں شدید ہیں اور وہ خواہش بطن وفرج سے مبرا ہیں۔جس کا معاملہ اسی طرح کا ہو وہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت اس طریقہ پہ کرے گا جو تم نے بیان کیا لیکن تم یہ نہیں کہہ سکتے یہ چیز،اس پر دلیل ہے کہ ملائکہ،بشر سے ثواب میں زیادہ درجہ رکھتے ہیں اور محل نزاع یہی بات ہے۔

بیسویں دلیل: حضور ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ سے بیان کیا:

وَاِذَا ذَكَرَنِىْ عَبْدِىْ فِىْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهٗ فِىْ مَلَاٍ خَيْرٍ مِّنْ مَلَائِهٖ　　　　اور جب میرا بندہ مجھے مجلس میں ذکر کرتا ہے میں اس سے بہتر مجلس میں اس کا ذکر کرتا ہوں

سوال: یہ تو خبر واحد ہے پھر یہ بتاتی ہے کہ ملأ ملائکہ، ملأ بشر سے اعلیٰ ہے اور ملأ بشر سے مراد عوام ہیں نہ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام، ملائکہ کے عام بشر سے افضل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ انبیاء سے بھی افضل ہوں۔

یہ تمام دلائل نقلی وسمعی اور شرعی تھے

Marfat.com

فلاسفہ کا اتفاق

یاد رہے فلاسفہ کا اس پر اتفاق ہے، ارواح سماویہ اور ملائکہ، ارواحِ ناطقہ بشریہ سے افضل ہیں اس بارے میں ان کے دلائل عقلیہ یہ ہیں۔ اب انشاءاللہ تعالیٰ ان کا ذکر کریں گے۔

پہلی دلیل: ملائکہ کی ذوات بسیط ہیں اور کثرت سے مبرا ہیں لیکن بشر، نفس اور بدن سے مرکب ہے اور نفس قوی کثیرۃ ہے۔ اسی طرح بدن اجزا کثیرہ سے مرکب ہے، بسیط، مرکب سے افضل ہوتا ہے اس لیے کہ مرکب کے اسباب عدم، بسیط کے مقابل اکثر ہوتے ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی فردانیت، اس کے صفاتِ جلال اور نعوت کبریائی میں سے ہے۔

اعتراض: اس پہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہم بسیط کا مرکب سے افضل ہونا نہیں مانتے اس لیے کہ جانب روحانی امر واحد جبکہ جانب جسمانی دو امور، روح اور جسم ہیں تو اس کا روح کے اعتبار سے عالم روحانیات اور انوار سے تعلق ہے اور جسم کی وجہ سے عالم جسمانیات سے ہے تو یہ روحانی و جسمانی کے اجتماع کی وجہ سے لازماً محض روحانی اور محض جسمانی سے افضل ہوگا اسی راز کی وجہ سے بشر اول کو مسجود ملائکہ بنایا گیا۔

ایک اور طریق سے یوں کہا جا سکتا ہے ارواح ملکی علائق جسمانی سے جدا و مجرو ہیں تو ان کا مقامات نورانیہ میں استغراق یوں ہوگا کہ وہ اس عالم جسمانی کے تدبیر سے دور و غافل ہوں گے، لیکن نفوس بشری نبویہ یہ دونوں جہانوں کو جمع کرنے پہ قادر ہیں تو ان کی بلندی معارف و عوالم قدس میں دائمی ترقی ہوگی کہ یہ تدبیر عالم سفلی سے دور نہ ہوں گے اور نظم عالم اجسام کی طرف ان کا التفات عالم ارواح میں ان کے استعمال سے مانع نہیں تو ان نفوس کی قوت، دونوں جہاں میں تدبیر اور دونوں اجناس کے احاطہ کی وجہ سے کامل ہوگی لہٰذا ان کا اشرف و اعظم ہونا لازمی ہے۔

دوسری دلیل: جواہر روحانیہ اس خواہش سے مبرا ہوتی ہے جو خون بہانے کا منشا بنتی ہے لیکن ارواح بشریہ میں وہ موجود ہے تو منبع شر سے خالی، شر میں مبتلا سے اشرف ہوتیں ہے۔

اعتراض: بلاشبہ موانع اور عوائق کے باوجود طاعت پر دوام زیادہ اخلاص پر دلیل ہے اس دوام سے جس میں یہ موانع و عوائق نہ ہوں یہ چیز نشان دہی کر رہی ہے کہ مقام بشر محبت میں اعلیٰ و اکمل ہے۔

پھر روحانی کی طاعتِ خالق، اللہ کے دشمن شیاطین پر قہر کا موجب نہیں ہوتیں لیکن جب ارواح بشری خالق کی طاعت بجا لاتے ہیں تو اس طاعت سے قوی شہوانیہ و غضبیہ جو شیاطین انس میں ہیں پر قہر ٹوٹتا ہے لہٰذا ان کی طاعات اکمل ہیں۔

Marfat.com

پھر ظاہر یہ ہے کہ درجات روحانیات، لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا کہنے پر اکمل ہے اس لیے جب انہوں نے کہا:

اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا (پ۱، البقرۃ:۳۰) کیا تو اسے بنائے گا جو زمین میں فساد پھیلائے گا

تو اس کی وجہ فقط انکسار تھا جو لغزش سے حاصل ہوا اور یہ انکساری بشر میں اکمل ہوتی ہے اس لیے حضور ﷺ نے اپنے رب کا فرمان بیان کیا:

لَاَنِيْنُ الْمُذْنِبِيْنَ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ زَجْلِ الْمُسَبِّحِيْنَ گناہگاروں کا رونا مجھے تسبیح ملائکہ کی جھنکار سے زیادہ محبوب ہے (شعب الایمان،۵،۴۵۲)

تیسری دلیل: روحانیات، طبعیات بالقوہ سے مبرا ہیں۔ جو کچھ ان سے انواع اور اشخاص کے حوالہ سے ممکن ہے تمام کا صدور بالفعل ہے حالانکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا معاملہ یوں نہیں۔

اس لیے حضور ﷺ کا فرمان ہے، میں دن رات میں اللہ تعالیٰ سے سو دفعہ استغفار کرتا ہوں اور میں (ذاتی طور پر) نہیں جانتا میرے ساتھ کیا، کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔ (مسلم،۲،۲۷۰)

قرآن مجید میں ہے:

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ (پ۲۵، الشوریٰ:۵۲) اس سے پہلے اپنی عقل سے تم کتاب جانتے تھے اور نہ ہی احکامِ شرع کی تفصیل

بلاشبہ فعل کامل، فعل بالقوۃ سے اشرف ہوتا ہے۔

اعتراض: ہم ان کا فعل تام ہونا تسلیم نہیں کرتے، بعض امور میں وہ بالقوۃ ہیں، اسی لیے کہا جاتا ہے ان کی افلاک کیلئے تحریکات، تعقلات کو قوۃ سے فعل کی طرف لانے کیلئے ہیں تو یہ تحریکات ان کی نسبت ان تحریکات کی طرح ہیں جو ان اروح کو عارض ہیں جو تعقلات کو قوۃ سے فعل کی طرف لانے کے قوی فکری اور تخیلی رکھتے ہیں۔

چوتھی دلیل: روحانیات کا وجود ابدی اور یہ تغیر و قوت سے مبرا ہیں لیکن نفوس ناطقہ بشریہ کا معاملہ یوں نہیں۔

اعتراض: یہ دونوں مقدمے ہم نہیں مانتے کیا یہ روحانیات اپنی ذوات میں ممکن الوجود نہیں اور مادہ کے اعتبار سے واجب الوجود ہیں تو یہ حادث ہوئے۔ ہمیں یہ تسلیم ہے مگر ارواح بشریہ کا حادث ہونا ہم نہیں مانتے بلکہ یہ بعض کے نزدیک ازلی ہیں اور وہ

Marfat.com

کہتے ہیں یہ ارواح سرمدی طور پر موجود، عرش کے نیچے سایہ کی طرح اپنے رب کی حمد کرتی ہیں البتہ مبدئ اول نے انہیں عالم اجسام اور مقامات مادیات کی طرف اترنے کا حکم دیا جب وہ ان اجسام سے متعلق ہوئیں تو ان کی عاشق ہوگئیں اور ان کے ساتھ اُلفت ہوگئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان اظلال میں اکمل اور اشرف (انبیاء) کو اس جہاں میں بھیجا تا کہ ارواح کو ان سکنات سے خلاصی دلوائیں۔ صاحب کلیلہ دمنہ کے باب الحمامہ میں یہی موجود ہے۔

پانچویں دلیل: روحانیات، نوری، علوی اور لطیف ہیں جبکہ جسمانیات ظلماتی، سفلی اور کثیف ہیں۔ بداہتہً عقل شاہد ہے کہ نور، ظلمت سے اشرف، علوی سفلی سے بہتر اور لطیف کثیف سے اکمل ہوتے ہیں۔

اعتراض: یہ تمام مادہ کی طرف اشارہ ہے، ہمارے نزدیک شرف کا سبب حکمِ رب العالمین کی فرمانبرداری ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (پ۱۵، الاسراء:۸۵) تو فرما دو روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے

شرفِ مادہ کی بنا پر شرف کا دعویٰ، پہلے لغتی کی دلیل ہے پھر اسے جو کچھ قرار دیا گیا وہ سب کے سامنے ہے۔

چھٹی دلیل: روحانیات سماویہ کو جسمانیات پر، قوی علم و عمل کے سبب فضیلت حاصل ہے۔

علم، تمام حکماء کا اتفاق ہے۔ روحانیات سماویہ، مغیبات کا احاطہ اور امور مستقبل پر اطلاع رکھتے ہیں اور ان کے علوم فطری فعلی دائمی ہیں جبکہ علوم بشری کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔

عمل یہ دائمی عمل خدمت میں رہتے ہیں، دن رات تسبیح کرتے ہیں تھکتے نہیں۔ ان کی آنکھوں کو نیند، عقول کو سہو۔ اور ان کو غفلت عارض نہیں ہوتی۔ ان کا طعام تسبیح، ان کا پینا تقدیس اور تمہید و تہلیل، ان کا سانس ذکر اللہ، ان کی خوشی، خدمت اللہ یہ علائق بدنیہ سے خالی، ان میں قوی شہوانی و نفس کا کوئی حجاب نہیں، ایک دونوں اقسام میں سے دوسری کیسے ہوسکتی ہے؟ جو کچھ تم نے ذکر کیا اس میں کوئی نزاع ہی نہیں۔

اہم باریک نکتہ

ہاں اہم نکتہ دقیق یہاں ہے کہ لطیف غذائیں تناول کرنے والے ان سے وہ لذت نہیں پاتے جو کثیر دن بھوک میں مبتلا شخص لذت پاتا ہے تو ملائکہ ان درجات عالیہ پر دوام کی وجہ سے لذت نہیں پاتے جیسے بشر پاتے ہیں جو اکثر اوقات علائق جسمانیہ اور حجاب ظلمانی میں ہوتے ہیں تو لذت کا یہ اضافہ بشری خصوصیات میں سے ہے اس فرمانِ الٰہی سے ممکن ہے مراد یہی ہو۔

فضل قدیر

Marfat.com

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَيۡنَ اَنۡ يَّحۡمِلۡنَهَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَحَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ (پ۲۲، الاحزاب:۷۲)

بیشک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اٹھالی

اس لیے کہ منافی چیزوں میں ابتلاء کے بعد مناسب کا ادراک، دائمی مناسب کے ادراک سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے اس لیے اطباء کا قول ہے حرارت ظاہری بخار میں اندرونی بخار سے اشد ہوتی ہے لیکن جب یہی حرارت دائمی ہو جائے تو اس کا شعور ختم، تو یہ حالت ملائکہ کو حاصل نہیں، ان کے کمالات دائمی ہیں اور وہ باقی اجسام کو حاصل نہیں کیونکہ وہ ادراک کی قوۃ استعداد سے خالی ہوتے ہیں تو اب ایسی شئی نہیں جو سوائے بشر کے اس امانت کو اٹھانے کی قوت دے۔

ساتویں دلیل: روحانیات کو تبدیلی اجسام اور انقلاب اجرام پہ قوت ہوتی ہے اور یہ قوت جنس مزاجیہ میں سے نہیں کہ اسے تھکاوٹ و بوجھ محسوس ہو۔ پھر تم نے پودوں کی ابتدائی حالت بھی دیکھی کہ وہ لطیف سی کونپل پتھر کو شق اور سخت زمین کو پھاڑ دیتی ہے، یہ قوۃ نباتیہ ہے جو قوی سماویہ کی جواہر سے انہیں حاصل ہوتی ہے تو پھر خود ان قوی سماویہ اور روحانیات کا عالم کیا ہوگا جو اجسام سفلیہ میں تبدیلی انقلاب جیسا تصرف کرتی ہیں ان پر بوجھ کا اٹھانا مشکل نہیں۔ انہیں پہاڑوں کو حرکت دینا کوئی مسئلہ نہیں۔ ہوائیں ان کی تحریک سے چلتی ہیں۔ سحاب ان کے تصرف سے آگے پیچھے چلتے ہیں، اسی طرح پہاڑوں میں زلزلے ان کی طرف سے آتے ہیں، شریعت میں اس کی تصریح موجود ہے۔

ارشاد الٰہی ہے

فَالۡمُقَسِّمٰتِ اَمۡرًا (پ۲۶، الذاریات:۴)

پھر حکم کے تقسیم کرنے والیاں

اور عقلیں بھی اسی پر دال ہیں لیکن ارواح سفلیہ کا معاملہ یوں نہیں لہٰذا یہ ایک دوسرے کی طرح کیسے ہو سکتے ہیں؟

ملائکہ کی قوت شیاطین سے زیادہ

یہ جو قول ہے کہ شیاطین اور ارواح خبیثہ بھی اس پر قادر ہیں ہم اسے نہیں مانتے۔ اگر تسلیم کر لیں تو اسمیں نزاع نہیں کہ ملائکہ کی قدرت ان پر اشد اور اکمل ہے۔

اس لیے بھی کہ ارواح طیبہ ملکیہ، عالم سفلی کے مصالح اور مناظر میں تصرف کرتے ہیں اور ارواح خبیثہ کے قوتیں، شرور میں تصرف کرتی ہیں تو یہ برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟

Marfat.com

اعتراض: کوئی بعید نہیں کہ نفوسِ بشریہ میں سے کوئی کامل، قوی نفس، اجرام عنصری میں تبدیلی وانقلاب پہ قادر ہو تو ایسے نفس کے عدم پر کیا دلیل ہے۔

آٹھویں دلیل: روحانیات کو جلالِ انوار الٰہی سے ایسے اختیاررات حاصل ہوتے ہیں جو انہیں ایسی خیرات کی طرف متوجہ کرتے ہیں جو اس عالم کے نظم تک محدود ہیں اس میں شر وفساد کا کوئی شائبہ تک نہیں ہوتا بخلاف اختیاررات بشریہ دونوں جہات علو وسفل اور خیر وشر کے درمیان ہیں اور ان کا خیرات کی طرف میلان، ملائکہ کے تعاون سے ہی ہوتا ہے جیسا کہ احادیث میں ہے ہر انسان کی رہنمائی فرشتہ ہی کرتا ہے۔

اعتراض: یہ بات بتا رہی ہے کہ ملائکہ اپنی خدمات پہ مجبور کی طرح ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کو دونوں میں اختیار ہے تو مختار، مجبور سے افضل ہوا کرتا ہے۔

لیکن یہ ضعیف ہے اس لیے کہ تردد تب تک رہتا ہے۔ جب تک صدورِ فعل محال ہو، جب فعل کو ترجیح حاصل ہوگی تو وہ موجب وواجب بن جاتا ہے تو حضرات انبیاء علیہم السلام کیلئے خیرات بالقوۃ ہوئیں، البتہ ملائکہ کے واسطہ سے وہ عمل وفعل میں آئیں لیکن ملائکہ کی خیرات تو بالفعل ہی ہیں لہٰذا یہ دونوں ایک نہیں۔

نویں دلیل: روحانیات، ہیاکل کے ساتھ مختص اور یہ سیارات سبعہ ہیں، باقی ثوابت وافلاک، ابدان کی طرح، کواکب، قلوب اور ملائکہ ارواح کی طرح ہیں، تو ارواح کی نسبت دوسرے ارواح کی طرف ابدان کی ابدان کی طرف نسبت کی طرح ہے پھر ہمیں یہ علم ہے کہ احوال افلاک کے اختلافات، اس جہاں کے اختلاف احوال کے حصول کے مبادی ہیں اس لیے کہ حرکات کواکب سے مختلف اتصالات حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً تسدیس، تثلیث، تربیع، مقابلہ، مقاربہ اسی طرح مناطق افلاک کبھی وہ ایک دوسرے پر منطبق ہوتے ہیں، اسی کو رتق (کھولنا) کہا جاتا ہے تو اب عمارت عالم باطل اور وہ مناطق ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تو عمارت اس عالم علوی غالب سے عالم سفلی کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

اس طرح ارواح عالم سفلی کا معاملہ ہے خصوصاً مباحث حکمیہ اور علوم فلسفہ اسی پر دال ہیں کہ اس عالم کے ارواح، عالم علوی کے ارواح کے معلومات، اور ان ارواح کے کمالات معلول ہیں ان ارواح کی نسبت ان ارواح کے ساتھ اس چھوٹے شعلہ کی، ٹکیہ سورج کے اور پانی کے قطرے کے سمندرِ اعظم کے مقابل ہے تو یہ سفلی آثار ہیں جبکہ علوی مبداء ومعاد ہیں تو ان میں مساوات کا قول درست نہیں چہ جائے سفلی کو اعلیٰ کہا جائے۔

فضل قدیر

Marfat.com

اعتراض: تم نے جو ذکر کیا اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، بصورت تسلیم ابھی بحث باقی ہے اس لیے کہ جیسے گزر امحرومی کے بعد حصول لذت اس دائمی حصول سے زیادہ لذیذ ہوتی ہے اور یہ حالت صرف بشر کو ہی حاصل ہے۔

دسویں دلیل: روحانیات فلکیہ، اس عالم کی روحانیات کے لیے مبادی و معاد ہیں مبدا، صاحب مبدا سے اشرف ہوتا ہے اس لیے کہ ہر کمال جو صاحب مبدا کو حاصل ہوتا ہے وہ مبدا سے ہی مستفاد ہوتا ہے اور مستفید واجب سے کم درجہ رکھتا ہے اسی طرح معاد کا مبدا سے اشرف ہونا ضروری ہے تو عالم روحانیات عالم کمال ہے تو مبدا، معاد اور مصدر و مرجع وہی ہیں۔

پھر ارواح اپنے عالم سے اتر کر بدن سے متصل ہوتے ہیں تو یہ اجسام کی میل سے میلے ہوئے پھر اخلاق ذکیہ اور پسندیدہ اعمال کی وجہ سے پاک ہوئے حتیٰ کہ جدا ہو کر وہ اپنے عالم اول میں پہنچے نزول نشاۃ اول اور صعود نشاۃ ثانیہ ہے تو معلوم ہوا روحانیات اشخاص بشریہ سے اشرف ہیں۔

اعتراض تمہاری گفتگو تب ثابت ہو سکتی ہے جب معاد اور حشر کی نفی ہو ورنہ نہیں۔

گیارہویں دلیل: کیا تمام انبیاء کا اس پر اتفاق نہیں کہ وہ معارف وعلوم میں وحی کے بعد ہی گفتگو کرتے ہیں تو یہ اعتراف ہے کہ ان کے علوم ملائکہ سے مستفاد ہیں۔

کیا اس پر اتفاق نہیں کہ ملائکہ نے دشمنوں کے مقابل انبیاء علیہم السلام کی مدد کی۔ مثلاً قوم لوط کے شہروں کو اٹھا کر پھینکا اور بدر کے دن۔

پھر یہ انبیاء علیہم السلام کی رہنمائی کرتے ہیں جیسے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا واقعہ ہے۔

جب ان تمام میں اتفاق ہے پھر تم کس بنا پر انبیاء کو ملائکہ پر فضیلت دیتے ہو جبکہ خود تصریح کرتے ہو کہ ان تمام امور میں انبیاء، ملائکہ کے محتاج ہیں۔

بارہویں دلیل عقلی تقسیم بتاتی ہے کہ زندہ، خیر محض ہوں گے یا سراپا شر یا دونوں کا اشتراک، خیر محض ملائکہ، سراپا شر، شیاطین ہو دونوں میں متوسط انسان۔

پھر انسان عاقل و صاحب موت ہیں اور اس کے دونوں جانب دو اقسام بھی ہیں۔

۱۔ عاقل مگر ان پر موت نہیں فرشتے۔

Marfat.com

۲۔ ان پر موت ہے مگر ناطق نہیں، چوپائے۔

یہ عملی تقسیم بتا رہی ہے کہ بشر کمال کے متوسط درجہ اور فرشتے کمال کے اعلیٰ درجہ پر ہیں تو اب انسان کو افضل ماننا عقلی تقسیم کا اُلٹ اور ترتیب وجود میں تنازعہ کھڑا کرنا ہے۔

اعتراض: افضل سے مراد کثرت ثواب ہے تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ملائکہ کا ثواب زیادہ ہے۔

اس مسئلہ میں وجوہ عقلیہ کا خلاصہ یہی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے افضل ہونے پر دلائل

دوسرا موقف یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں؟

پہلی دلیل: اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کا حکم دیا، جیسے واضح ہو چکا کہ وہ قبلہ کی طرح نہ تھے بلکہ سجدہ انہیں کیلئے تھا، جب یہ ثابت ہے تو لازماً حضرت آدم علیہ السلام ان سے افضل ہوں گے۔ کیونکہ سجدہ تو رفع و بلندی کی انتہا ہے، اشرف کو ادنیٰ کیلئے انتہائی تواضع کا حکم عقلاً قبیح و بدتر ہے مثلاً یہ نہایت ہی قبیح ہے کہ امام ابوحنیفہ کو اس آدمی کی خدمت کا کہا جائے جو فقہ کا نہایت ہی قلیل علم رکھتا ہو تو یہ بات واضح کر رہی ہے حضرت آدم علیہ السلام ملائکہ سے افضل ہیں۔

دوسری دلیل: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنایا اور یہاں خلافت سے ولایت و حکومت مراد ہے، ارشاد الٰہی ہے۔

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ (پ۲۳،ص:۲۶) اے داؤد بیشک ہم نے تجھے زمین پر نائب بنایا تو لوگوں میں سچا حکم کرو

اور یہ مسلمہ بات ہے کہ بادشاہ کے ہاں اعلیٰ منصب یہی ہے کہ اس کا نائب ولایت و تصرف میں اس کے قائم مقام اور اس کا خلیفہ ہو، یہ حضرت آدم علیہ السلام کے تمام مخلوق سے اشرف ہونے کی دلیل ہے، یہ ارشادات عالیہ اسی کی تائید و تاکید کر رہے ہیں۔ فرمایا:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ (پ۱۷، الحج:۶۵) اور تمہارے تابع کیا جو کچھ زمین میں ہے

پھر اسی عموم کی تاکید فرمائی

Marfat.com

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا — پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے تمام

(پ ۱، البقرۃ: ۲۹)

تو حضرت آدم علیہ السلام منصب خلافت میں اس درجہ پر ہیں کہ دنیا ان کے بقا کا سامان اور آخرت ان کی جزا کی مملکت ہے ان پر تکبر کی وجہ سے شیاطین ملعون ٹھہرے۔ جن ان کی رعایا، ملائکہ ان کی طاعت وسجود اور تواضع میں ہیں پھر بعض ملائکہ ان کے اور ان کی اولاد کے محافظ، بعض انہیں رزق پہنچانے والے، بعض ان کی لغزشوں پر استغفار کرنے والے ہیں پھر ان مناصب عالیہ کے باوجود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ (پ ۲۶، ق: ۳۵) — اور ہمارے ہاں اس سے کہیں زائد ہے

تو اب اس کمال وجلال کی کوئی انتہا ہی نہیں۔

تیسری دلیل: سیدنا آدم علیہ السلام کا علم ان سے زیادہ، اور زیادہ علم والا افضل ہوتا ہے ان کے اعلم (زیادہ علم والا) ہونے پر دلیل یہ ہے کہ جب ملائکہ سے اسماء کے بارے میں پوچھا:

قَالُوْا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (پ ۱، البقرۃ: ۳۲) — بولے تیری ذات پاک ہے ہمیں نہیں علم مگر تو نے جو ہمیں سکھایا بلاشبہ تو ہی علم وحکمت والا ہے

تو اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا اٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّا اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ (پ ۱، البقرۃ: ۳۳) — اے آدم انہیں ان کے نام بتاؤ جب انہوں نے ان کے نام بتا دیے فرمایا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا

یہ آیات نشاندہی کر رہی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام جن اشیاء کے عالم تھے ملائکہ ان کا علم نہ رکھتے تھے اور زیادہ علم والے کے افضل ہونے پر دلیل یہ فرمان الٰہی ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ — بتا دیجئے کیا علم والے اور بے علم برابر ہوتے ہیں؟

(پ ۲۳، الزمر: ۹)

Marfat.com

چوتھی دلیل: ارشادالٰہی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (پ۳،آل عمران:۳۳)

بیشک اللہ نے چن لیا آدم اور نوح اور ابراہیم کی آل کو عمران کی آل کو سارے جہانوں سے

اللہ کے علاوہ ہر کوئی عالم میں شامل ہے، پہلے گزرا عالم سے علم ہے تو جو اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر نشان و دلیل ہے وہی عالم ہے بلاشبہ ہر حادث و وجود اللہ تعالیٰ پر دلیل ہے تو ہر حادث عالم ہے، تو ارشاد الٰہی:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (پ۳،آل عمران:۳۳)

بیشک اللہ نے چن لیا آدم اور نوح اور ابراہیم کی آل کو عمران کی آل کو سارے جہانوں سے

کا معنی یہ ہوگا، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام و نوح علیہ السلام کو تمام مخلوق میں منتخب فرمایا ہے، بلاشبہ ملائکہ مخلوق میں شامل ہیں تو یہ آیت مبارکہ نشاندہی کررہی ہے کہ ان انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے افضل کیا ہے۔

سوال: اس پر اس ارشاد الٰہی سے اشکال وارد ہوسکتا ہے۔

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (پ۱،البقرۃ:۴۷)

اے اولاد یعقوب یاد کرو بڑا احسان جو میں نے تم پر کیا اور وہ جو میں نے (اس زمانہ کے) سب لوگوں پر تمہیں فضیلت دی

کیونکہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ملائکہ اور حضرت محمد ﷺ سے بھی افضل ہوں تو اسی طرح کا معاملہ آیت مذکورہ کا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ (پ۳آل عمران:۴۲)

اللہ نے تجھے چن لیا اور خوب ستھرا کیا اور آج سارے جہاں کی عورتوں سے تجھے پسند کیا

یہ ان انبیاء علیہم السلام سے خطاب ہے جو یہود کے اسلاف تھے، جب وہ موجود تھے تو اس وقت حضرت محمد ﷺ اس زمانہ میں موجود نہ تھے، جب آپ موجود نہ تھے تو اس وقت عالمین میں سے نہ ہوئے کیونکہ معدوم عالمین میں شامل نہیں، جب معاملہ یوں ہے تو اس وقت کے لوگوں میں سے ان کا انتخاب و افضل ہونے سے یہ لازم نہیں کہ وہ حضرت محمد ﷺ سے بھی افضل ہوں، حضرت جبریل امین اس وقت موجود تھے، جب فرمایا:

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (پ ۳، آل عمران: ۳۳) بیشک اللہ نے چن لیا آدم اور نوح اور ابراہیم کی آل کو عمران کی آل کو سارے جہانوں سے

تو اس سے لازم آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت جبریل علیہ السلام سے افضل ومنتخب فرمایا ہے۔ پھر یہ بھی سامنے رہے وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ "میں دلیل کی بنا پر تخصیص ہوسکتی ہے مگر مذکورہ آیت کے حوالہ سے کوئی ایسی دلیل نہیں جو ترک ظاہر کی موجب وسبب ہو لہٰذا اسے عموم پر ہی رکھنا لازم ہے۔

پانچویں دلیل: ارشادِ الٰہی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (پ ۱۷، الانبیاء: ۱۰۷) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا

ملائکہ، عالمین میں شامل ہیں تو حضرت محمد ﷺ ان کیلئے بھی رحمت ہے لہٰذا حضرت محمد ﷺ کا ان سے افضل ہونا ضروری ہے

چھٹی دلیل: عبادتِ بشر، اشق ومشکل ہے لہٰذا ان کا افضل ہونا ضروری ہے۔ ان کی عبادت اشق ہونے پر دلائل یہ ہیں۔

۱۔ آدمی کے اندر شہوت وخواہش ہے جو اسے برائی کی دعوت دیتی ہے حالانکہ فرشتوں میں ایسی کوئی خواہش نہیں۔ معارض و مخالف کے موجود ہوتے ہوئے فعل بجالانا اس سے مشکل ہے یہاں ایسا کوئی مخالف نہ ہو۔

سوال: ملائکہ کے اندر بھی خواہش ہے جو انہیں برائی کی طرف لے جاتی ہے اور وہ خواہش ریاست وملکوت ہے۔

جواب: ہمیں یہ تسلیم ہے، واقعۃً معاملہ یونہی ہے لیکن بشر میں تو انواعِ شہوات کثیر ہیں مثلاً خواہش بطن۔ خواہش فرج و ریاست، ملائکہ میں خواہش ریاست کے علاوہ کوئی اور خواہش موجود ہی نہیں، تو زیادہ خواہشات میں مبتلا کی عبادت وطاعت اس سے اشق ہوگی جو واحد خواہش میں مبتلا ہے۔

۲۔ ملائکہ صرف نصوص پر عمل کرتے ہیں، ارشاد فرمایا:

لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (پ ۱، البقرۃ: ۳۲) ہم نہیں جانتے مگر وہ جو تو نے علم دیا

لَا یَسْبِقُوْنَہٗ بِالْقَوْلِ وَھُمْ بِاَمْرِہٖ یَعْمَلُوْنَ (پ ۱۷، الانبیاء: ۲۷) بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر کاربند ہیں

لیکن بشر میں اجتہاد وقیاس کی قوت بھی ہے، ارشاد فرمایا

Marfat.com

فَاعْتَبِرُوْا يَآ أُولِي الْاَبْصَارِ (پ ۲۸، الحشر:۲) تو عبرت حاصل کرو اے نگاہ والو

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا میں فیصلے کے وقت اجتہاد سے کام لوں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصویب فرمائی اور اجتہاد پہ عمل کا نص سے اشق ہونا واضح ہے۔

۳۔ بشر کیلئے شبہات، ملائکہ کی نسبت زیادہ ہیں اس لیے کہ قوی شبہات میں سے ایک یہ ہے کہ افلاک اور انجم، اسی عالم کے حوادث کا سبب ہیں تو بشر اس شبہ کے ازالہ کا محتاج ہے جبکہ ملائکہ محتاج نہیں کیونکہ وہ عالم سموات میں رہتے تھے وہ مدبرو صانع کی طرف اسباب عالم محتاج ہونے کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

۴۔ شیطان، ملائکہ کو وسوسہ نہیں ڈال سکتا حالانکہ وسوسہ بشر پر مسلط ہے یہ بہت بڑا تفاوت ہے جب یہ ثابت تو بشر کی طاعت اشق ہوئی تو لازم ہے ان کا ثواب بھی نص کی وجہ سے زیادہ واکثر ہو۔ فرمان نبوی ہے:

اَفْضَلُ الْعِبَادَاتِ اَحْمَزُهَا (کشف الخفاء:۴۵۹) افضل عبادات زیادہ مشقت والی ہوتیں ہے

عقلاً بھی یہی ہے ہم جانتے ہیں جسے خواتین کی طرح میلان نہ رہا ہو گر وہ زنا سے رُکتا ہے تو اس کی وہ فضیلت نہیں جو رغبت شدید اور شوق عظیم رکھنے کے باوجود اس سے رُکتا ہے، اسی طرح کا معاملہ یہاں ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو عقلمند بنایا مگر ان میں خواہش نہیں، بہائم کو بلا عقل شھوات کے ساتھ پیدا کیا، انسان میں دونوں جمع کر دیں اب انسان بہائم سے کئی درجے بلند ہے کہ اس کی حد بھی نہیں لہٰذا ضروری ہے کہ آدمی بسبب شہوت، ملائکہ سے کم ہو۔ پھر آدمی کو دیکھتے ہیں جب اس کی خواہش عقل پر غالب آجائے اور خواہش کے مطابق عمل کرے نہ کہ بمطابق عقل تو اب اس کا درجہ چوپایہ سے کم ہو جاتا ہے ارشاد الٰہی میں اس کی نشاندہی ہے:

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (پ ۹، الاعراف:۱۷۹) وہ چوپایوں کی طرح ہیں جبکہ ان سے بھی بدتر ہیں

اسی وجہ سے آدمی دوزخ میں جائے گا اور چوپائے وہاں نہیں جائیں گے تو اب یہ قول لازم ہے کہ جب اس کا عقل خواہش پر غالب ہو، وہ نفس کی خواہش کے تابع نہ رہے اور وہ صرف اور صرف عقل کے تابع ہو کر عمل بجالائے تو اب ایک طرف کا اعتبار کرتے ہوئے وہ ملائکہ سے افضل ہوگا۔

۸۔ ملائکہ محافظ اور اولادِ آدم محفوظ، محفوظ، محافظ سے اشرف و معزز ہوتا ہے لہٰذا ضروری ہے اولادِ آدم، اللہ تعالیٰ کے ہاں ملائکہ سے اشرف ہو۔

۹۔ منقول ہے شب معراج براق پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری کی تو رکاب حضرت جبریل امین نے پکڑی تھی۔

فضل قدیر

Marfat.com

یہ آشکار کر رہا ہے کہ حضرت محمد ﷺ جبریل امین سے افضل ہیں۔ اسی طرح جب آپ ﷺ بعض مقامات (سدرہ) پر پہنچے تو حضرت جبریل علیہ السلام پیچھے رہ گئے اور کہا:

لَوْ دَنَوْتُ اَنْمِلَةً لَاحْتَرَقْتُ — اگر میں ایک پورا آگے جاؤں تو میں جل جاؤں

۱۰۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے میرے دو وزیر آسمانوں پر اور دو وزیر زمین پر ہیں، آسمانوں پر حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام، زمین پر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما، یہ روایت بتا رہی ہے کہ حضرت محمد ﷺ بادشاہ کی طرح ہیں اور حضرت جبریل و میکائیل ان کے وزیر کی مانند تو لازم ہے حضرت محمد ﷺ فرشتوں سے افضل ہوں۔ (سنن ترمذی، ۳۶۸۰)

یہ بشر کے ملائکہ سے افضل ہونے پر دلائل ہیں۔

مخالفین کا جواب

جو ملائکہ کو افضل مانتے ہیں انہوں نے ان دلائل کا یہ جواب دیا ہے۔

پہلی دلیل کا جواب

پہلے گزرا کچھ لوگوں کا قول ہے سجدہ سے مراد تواضع ہے نہ کہ زمین پر پیشانی رکھنا، بعض نے زمین پر پیشانی رکھنا مانا مگر کہا، سجدہ اللہ تعالیٰ کیلئے تھا اور حضرت آدم قبلہ تھے، ان دونوں صورتوں میں کوئی اشکال نہیں۔ اگر مان لیا جائے سجدہ حضرت آدم کیلئے ہی تھا تو یہ تو نہیں کہتے کہ اشرف کا حق شریف میں ایسا کرنا ناجائز ہے۔

اس لیے کہ بعض اوقات حکمت کا تقاضا اشرف کی کثرتِ حُب اور طاعت و فرمانبرداری کی انتہا ہے اس لیے کہ سلطان کو حق حاصل ہے کہ کم درجہ کے غلام کو اونچا بٹھا دے اور اکابر کو اس کی خدمت میں بٹھا دے، اس سے مقصد یہ بتانا ہے کہ یہ تمام امور اور احوال میں سلطان کی بات تسلیم کرتے ہیں کیونکہ جائز نہیں کہ یہاں معاملہ بھی اسی طرح پر ہو۔

کیا ہمارا مذہب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے اور جو چاہے فیصلہ دے، اس کے افعال کسی غرض کے تابع نہیں۔

اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ وہ انسان کے اندر کفر تخلیق کرے اور پھر اسے ابدالآباد تک عذاب دے، جب بات یہی ہے تو پھر یہ اعتراض کیسے ہو سکتا ہے کہ اس نے اعلیٰ کو ادنیٰ کیلئے سجدہ کا حکم کیوں کیا؟

دوسری دلیل کا رد

حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر خلیفہ بنایا جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ زمینی تمام اشیاء سے افضل ہوں تو یہ آسمانی ملائکہ سے افضل ہونے پر دلیل نہیں۔

Marfat.com

سوال: کسی آسمانی فرشتہ کو زمین پر اپنا خلیفہ کیوں نہ بنایا؟

جواب: اس کی چند وجہ ہیں۔

۱۔ بشر، ملائکہ کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

۲۔ جنس، جنس کی طرف زیادہ میلان رکھتی ہے۔

۳۔ ملائکہ نہایت ہی طہارت وعصمت کے مالک ہیں۔

یہی بات اس ارشاد الٰہی میں بیان ہوئی:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا (پ۷، الانعام:۹) اور اگر ہم نبی کو فرشتہ کرتے تو بھی اسے مرد ہی بناتے

تیسری دلیل کا رد

ہم حضرت آدم علیہ السلام کا ملائکہ سے زیادہ علم والا ہونا تسلیم نہیں کرتے، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ حضرت آدم لغات کے عالم تھے اور ملائکہ انہیں نہ جانتے تھے، ممکن ہے باقی اشیاء کے ملائکہ عالم ہوں اور انہیں حضرت آدم علیہ السلام نہ جانتے ہوں، اس بات کی تائید یوں بھی ہے، ہمارا اتفاق ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آدم علیہ السلام سے افضل ہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لغات سے واقف نہیں

پھر اور دیکھئے، ابلیس اس بات کا عالم تھا کہ اس درخت کے قرب سے لازماً حضرت آدم جنت سے نکال دیے جائیں گے لیکن حضرت آدم اس سے آگاہ نہ تھے تو اس سے یہ لازم کہاں ابلیس، حضرت آدم علیہ السلام سے افضل ہو جائے پھر ہُد ہُد نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا:

اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ (پ۱۹، النمل:۲۲) میں نے دیکھا جو آپ نے نہیں دیکھا

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہد ہد حضرت سلیمان علیہ السلام سے افضل ہو جائے۔

پھر اگر ان کا اعلم (زیادہ علم والا) ہونا مان لیں تو یہ قول کیوں درست نہیں ملائکہ کی طاعات میں طاعتِ آدم سے زیاد اخلاص ہے لہٰذا ان کا ثواب بھی اکثر وزیادہ ہوگا۔

چوتھی دلیل: مذکور دلائل میں یہ نہایت ہی قوی دلیل ہے۔

پانچویں دلیل

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (پ۱۷، الانبیاء:۱۰۷) اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

Marfat.com

حضرت محمد ﷺ کا ملائکہ کیلئے رحمت ہونا آپ کی افضلیت کو لازم نہیں کرتا جیسا کہ ارشاد الٰہی

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (پ۲۱،الروم:۵۰) تو اللہ کی رحمت کے اثر کو دیکھو کس طرح زمین کو زندہ کرتا ہے اس کے مرنے کے بعد

اس میں کوئی استحالہ نہیں کہ آپ ﷺ ملائکہ کیلئے بعض وجوہ سے رحمت ہوں اور بعض ملائکہ آپ کے لیے رحمت ہوں۔

چھٹی دلیل: عبادت بشر اشق ہے، یہ قاعدہ اس سے ٹوٹ جاتا ہے کہ ہم ایک صوفی کو مجاہدہ میں اس قدر مشقتیں اور تکالیف برداشت کرتے پاتے ہیں کہ ان کی مثل حضور ﷺ نے نہیں اٹھائیں حالانکہ حضور ﷺ ان تمام سے افضل ہیں اور یہ افضلیت کثرتِ ثواب کی وجہ سے ہے جس کی بنیاد نیت میں اخلاص ہے تو ممکن ہے فعل آسان ہو مگر بجالانے والے کی نیت اکثر ہو تو ثواب بھی اس پر اکثر ہوگا۔

ساتویں دلیل: یہ بغیر علتِ جامع کے دو اطرف کو جمع کرنا ہے۔

آٹھویں دلیل: محفوظ کا حافظ سے اشرف واعلیٰ ہونا ہر حال میں درست نہیں بلکہ کبھی حافظ، محفوظ سے اشرف ہوتا ہے مثلاً جرنیل کو باغی سپاہیوں پر مقرر کیا جاتا ہے۔

آخری دو وجہ

آخر دو دلیلوں کا تعلق اخبار احاد سے ہے اور یہ دونوں شدتِ تواضع رسول ﷺ سے معارض ہیں۔اس مسئلہ کا یہاں اختتام ہو رہا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

پانچواں مسئلہ: جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو ساجدین سے مستثنیٰ کیا تو یہ گمان ممکن تھا کہ وہ ترک سجدہ میں معذور ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ اس نے قدرت کے باوجود سجدہ نہ کیا اور " اَبٰی "(اس نے انکار کیا) نے نہایت واضح کر دیا کیونکہ اباء کا معنی، اختیار ہوتے ہوئے، رک جانا ہے اگر کوئی فعل پر قادر نہ ہو تو اسے " ابٰی " نہیں کہا جا سکتا۔ کبھی اباء ہوتا ہے مگر ساتھ تکبر نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے "وَاسْتَكْبَرَ" کے ساتھ بتا دیا اس کا انکار تکبر کے ساتھ تھا ممکن تھا انکار اور کبر ہو مگر کفر نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے "وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ" فرما کر بتا دیا ساتھ کفر بھی تھا۔

قاضی عبدالجبار کہتے ہیں یہ آیت مبارکہ کئی وجہ سے جبریہ کی تردید کرتی ہے۔

Marfat.com

۱۔ جبریہ کا خیال ہے جب اس نے سجدہ کیا تو وہ سجدہ پر قادر نہ تھا کیونکہ ان کے ہاں فعل پر قدرت کی نفی ہے حالانکہ جو شئی پر قادر نہ ہو اسے یہ نہیں کہا جاتا کہ اس نے انکار کیا۔

۲۔ جو فعل پر قادر نہ ہو اسے نہیں کہا جاتا کہ اس نے فعل بجالانے سے تکبر کیا اس لیے کہ جب وہ فعل پر قادر ہی نہیں تو اسے استکبر عن الفعل، نہیں کہا جا سکتا، استکبار کا وصف اس وقت ہوگا جب اس نے فعل نہ کیا حالانکہ اگر ارادہِ فعل کرتا تو اس کیلئے ممکن تھا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ　　اور کافرین میں سے ہوا

اسے کافر قرار دینا جائز نہیں کہ اس نے وہ فعل نہ کیا جس پر وہ قادر ہی نہ تھا۔

۴۔ اس کا تکبر اور سب انکار، اس میں تخلیق الٰہی سے تھا تو اب اس کا مذموم ہونے سے معذور ہونا اولیٰ تھا اور جو اسے اپنا مذہب مان کر ابلیس کے لیے عذر بناتا تو وہ گھاٹے کا سودا کرے گا۔

جواب: اس کا جواب اہل جبر کی طرف سے یہ ہے، قاضی ویسے ہی متعدد وجوہات سے بات کرتے ہیں حالانکہ حاصل ان کا یہی ہے کہ معاملہ، امر، نہی اور ثواب وعتاب کی طرف لوٹتا ہے (یعنی ان کا عدم لازم آتا ہے)

ہم بھی قاضی سے کہتے ہیں، بتائیے ابلیس سے اس فعل کا صدور کسی قصد و داعی کی وجہ سے ہوا یا نہیں۔ اگر قصد داعی کی وجہ سے ہے تو یہ مقصد کہاں سے آیا؟ اس کا وقوع فاعل سے نہیں ہے یا فاعل سے۔ اگر فاعل سے ہے تو وہ بندہ ہے یا اللہ تعالیٰ؟ اگر اس کا وقوع فاعل سے ہے تو صانع کا ثبوت کیسے ہوگا؟ اگر وقوع بندہ سے ہے تو اس کا قصد کسی اور قصد کی بنا پر ہے تو تسلسل لازم اور اگر کوئی قصد اور نہیں تو وقوع فعل بغیر قصد ہوا جس کا ابطال آرہا ہے، اگر قصد کا وقوع فاعل اللہ تعالیٰ سے ہوا تو اب آپ کے اعتراضات ہماری طرح آپ پر بھی وارد ہوں گے۔

اگر تم کہو فعل کا وقوع قصد و داعی کے بغیر ہوا تو مرجح کے بغیر ممکن کا ترجیح پانا لازم اور یہ اثبات صانع کا دروازہ بند کرنا ہے۔ پھر یہ بھی سامنے رہے اگر فعل بغیر قصد ہوا تو اب اس کا وقوع اتفاقاً ہوگا اور انسانی عمل بندے کا اختیار و قدرت میں نہیں ہوتا تو پھر اس کا حکم دیا جانا اور اس سے منع کیسے درست ٹھہرا۔ تو قاضی صاحب کا اب امر و نہی سے استدلال کا کیا فائدہ؟ یہ کثیر وجوہات اس ایک حرف کی طرف لوٹ آتی ہیں۔

پھر اسی طرح کا برہان قاطع، تمہارے پچھلوں کا قلع قمع کردے گا اور تمہارے کلام کی جڑ کاٹ دے گا اگر اولین و آخرین اس برہان پر جمع ہوجائیں تو وہ خلاصی نہیں پاسکتے یا تو مانیں کہ ممکن کا وقوع بلا مرجح ہے اس سے اثبات صانع کا معاملہ ڈھپ یا مانیں اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے اور جو چاہے فیصلہ کرے اور یہی ہمارا جواب ہے۔

Marfat.com

33
33

چھٹا مسئلہ، عقلاء کے دو اقوال

ارشادِ الٰہی "وَ کَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ" میں عقلاء کے دو اقوال ہیں:

۱۔ ابلیس جب سے مشغول عبادت ہوا یہ منافق و کافر ہی تھا، اس کی تقریر ان دو وجہ سے ہے۔

وجہ اول: شیخ محمد بن عبدالکریم شہرستانی نے الملل والنحل کی ابتداء میں شارح اناجیل اربعہ ماری سے نقل کیا کہ تورات میں متفرق مقامات پہ مذکور ہے کہ حکم سجدہ کے بعد اس کے اور ملائکہ کے درمیان بصورت مناظرہ یوں گفتگو ہوئی۔

حکمت پر سات اعتراضات

ابلیس نے ملائکہ سے کہا: میں مانتا ہوں کہ میرا اللہ ہے اور وہی میرا خالق و موجد ہے اور وہی مخلوق کا خالق ہے لیکن مجھے اللہ تعالیٰ کی حکمت پر سات اعتراضات ہیں۔

۱۔ خلق کی حکمت کیا ہے؟ خصوصاً جبکہ وہ جانتا ہے کہ کافر بوقت تخلیق آلام کا مستحق نہیں۔

۲۔ مکلّف بنانے کا کیا فائدہ باوجودیکہ اس سے نہ کوئی ضرر ہوتا ہے اور نہ نفع، جو مکلفین کو حاصل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے حصول پر بغیر مکلف بنانے قادر ہے۔

۳۔ مجھے تسلیم ہے وہ مجھے اپنی طاعت و معرفت کا مکلّف بنائے لیکن اس نے مجھے سجودِ آدم کا مکلّف کیوں بنا دیا؟

۴۔ جب میں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کر کے اس کی نافرمانی کی تو اس نے مجھے دھتکار دیا اور مجھے سزا کا مستحق قرار دیا حالانکہ اس میں اس کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہی دوسرے کا البتہ مجھے اس میں ضرر اعظم ہے۔

۵۔ جب اس نے میرے ساتھ یہ کر دیا تو مجھے دخول جنت اور آدم علیہ السلام کو وسوسہ ڈالنے پر قدرت کیوں دی؟

۶۔ جب میں نے یہ کیا تو مجھے ان کی اولاد پر مسلط اور ان کے اغواو اضلال (گمراہ کرنے) پر قدرت کیوں دی؟

۷۔ جب میں نے اس سے طویل مدت و مہلت مانگی تو اس نے مجھے مہلت کیوں دے دی؟ اور یہ مسلم حقیقت ہے اگر جہان بشر سے خالی رہتا تو یہی بہتر تھا۔

شارح انجیل لکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے سرادقات جلال و کبریاء سے اس پر وحی کی، اے ابلیس تجھے میری معرفت نصیب ہی نہیں ہوئی، اگر تجھے میری معرفت مل جاتی تو تجھے علم ہوتا، میرے افعال پر کوئی اعتراض ہی نہیں ہو سکتا، میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں جو کروں اس پہ سوال نہیں کیا جا سکتا۔

Marfat.com

یاد رہے اگر اولین و آخرین جمع ہو کر کہیں کہ حسن وقبح کا مدار عقل پر ہے تو وہ ان اعتراضات سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے اور تمام ان پر لازماً وارد ہوں گے۔

لیکن جب ہم وہی جواب دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا تمام شبہات ختم۔ بلکہ اعتراضات کا از خود ازالہ ہو جائے گا اور کیسے نہ ہو۔ اللہ سبحانہ کی ذات اقدس اپنی ذات وصفات میں واجب الوجود ہے اور وہ اپنی فاعلیت میں دیگر موثرات و مرجحات سے مستغنی و بے نیاز ہے اس لیے کہ اگر وہ محتاج ہے تو وہ فقیر ہو گا نہ کہ غنی تو اللہ تعالیٰ کی ذات مقطع حاجات اور منتہی رغبات ہے اور تمام طلبات کا حصول اس سے ہوتا ہے جب حقیقت میں صورت حال یہی ہے تو اس کے افعال کیلئے لم وعلت عارض نہ ہو سکے گی اور نہ اس کی خالقیت پر کوئی اعتراض اٹھایا جا سکتا ہے، کسی کا قول کس قدر خوبصورت ہے۔

جَلَّ جَنَابُ الْجَلَالِ عَنْ اَنْ یُوْزَنَ بِمِیْزَانِ الْاِعْتِزَال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اس سے بلند ہے کہ اسے اعتزال کی میزان سے تولا جائے

تو اس قول والوں نے ارشاد الٰہی "وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ" کو اپنے ظاہر پر رکھا اور کہا جب سے ابلیس ہے وہ کافر و منافق ہی ہے

دوسری وجہ: ابلیس کے دائمی کافر ہونے کی بنا پر اصحاب الموافات کا قول ہے کہ ایمان، دائمی عذاب کا مستحق نہیں بننے دیتا تو دائمی ثواب اور دائمی عتاب کا جمع ہونا محال ہے، جب مکلّف کسی وقت مسلمان تھا پھر اس سے (اللہ کی پناہ) بعد میں کفر ہوا تو اب دونوں کا استحقاق اجتماعی ہوگا، یہ تو محال ہے جس طرح اوپر بیان ہو گیا یا عارض ہونا سابق کو زائل کر دے گا یہ بھی محال ہے کیونکہ احباط کا قول باطل ہے تو اب یہ باقی رہ گیا یہ مفروضہ ہی محال ہے، حصول ایمان کیلئے شرط ہے کہ کسی وقت بھی کفر کا صدور نہ ہو، جب خاتمہ کفر پر ہوا تو ہمیں علم ہو گیا جو اس سے اولاً صادر ہوا تھا وہ ایمان نہ تھا، جب یہ ثابت ہے تو اب ہم بیان کرتے ہیں جب ابلیس کا خاتمہ کفر پر ہوا تو ہمیں علم ہو گیا وہ اولاً مومن نہ تھا۔

دوسرا قول: ابلیس اولاً مومن تھا، بعد میں اس سے کفر کا صدور ہوا، ان کا 'وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ' کی تفسیر میں اختلاف ہے کچھ نے کہا کہ یہ علم الٰہی میں کافر تھا یعنی اللہ تعالیٰ ازل میں جانتا تھا یہ عنقریب کفر کرے گا تو لفظ "كَانَ" کا تعلق علم سے ہے نہ کہ معلوم سے دوسرا قول یہ ہے کہ جب اس نے مومن ہونے کے بعد معین وقت میں کفر کیا تو یہ وقت کفر گزرنے کے بعد یہ قول درست ہے کہ یہ اس وقت کافر تھا تو اب کان من الکافرین کہنا درست ہے۔ گویا یہ، "كَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ فِيْ ذٰلِكَ الْوَقْتَ" کا جز ہے جب مرکب صادق ہے تو مفرد بھی صادق ہوگا

لعل اللہ

Marfat.com

تیسرا قول یہ ہے کہ، کَانَ بمعنی صَارَ یعنی بن گیا کافر۔

چند مباحث

یہاں چند مباحث ہیں۔

پہلی بحث: کَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ، کی کیا اس پر دلالت ہے اس سے پہلے کفار کی جماعت تھی تبھی مِنَ الْکٰفِرِیْنَ کہنا درست ہوگا

۱۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس کی دلالت اس پر ہے اس لیے کہ مِنْ بعضیہ ہے تو لفظ بعض کفار کا تقاضا کرتا ہے کہ کچھ دوسرے لوگ بھی کافر تھے تا کہ ان کا یہ بعض ٹھہرے۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے، اللہ تعالیٰ نے کچھ ملائکہ پیدا فرمائے۔ ان سے فرمایا: میں مٹی سے انسان پیدا کروں گا جب میں اسے تیار کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونکوں تو تم نے اسے سجدہ کرنا ہے۔ انہوں نے کہا: ہم تو ایسا نہیں کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر آگ بھیجی اس نے انہیں جلا دیا تو ابلیس ان انکار کرنے والوں کی طرح ہی ہے۔

۲۔ کچھ کا قول یہ ہے کہ آیت کی اس پر دلالت ہی نہیں ان کے ہاں آیت کی دو طرح تفسیر ہے۔

پہلی تفسیر: معنی یہ ہے کہ ابلیس ان میں سے ہو گیا جو بعد میں اس کے کفر میں موافق ہوں گے، یہ شیخ اصم کا قول ہے اس کی مثال انہوں نے اس ارشاد الٰہی کے ساتھ دی ہے۔

وَالْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ منافق مرد اور منافق عورتیں ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں

(پ۱۰، التوبہ:۶۷)

تو یہاں دین میں موافقت کے سبب انہیں ایک دوسرے کا بعض کہا ہے تو یہاں بھی اسی طرح کا معاملہ ہے، نزولِ آیت کے وقت اہل جہاں کا کفر نہایت ہی آشکار تھا تو 'کَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ' کہنا درست ہے۔

دوسری تفسیر: یہ افراد ماہیت ہی سے ایک فرد کی ماہیت کی طرف نسبت ہے تو اس اضافت کی صحت کیلئے ماہیت کا وجود ضروری نہیں۔ مثلاً وہ حیوان جسے اللہ تعالیٰ نے اولاً پیدا کیا تو اس کے بارے میں یہ کہنا درست ہے کہ وہ حیوان کا ایک فرد ہے لیکن اس کا یہ معنی ہرگز نہیں وہ ذہن سے خارج میں حیوانات موجودہ میں ایک حیوان ہے بلکہ معنی یہ ہے۔

کہ وہ اس ماہیت کے افراد کا ایک فرد اور اس حقیقت کے احاد میں سے ایک ہے۔ اس بحث سے یہ مسئلہ سامنے آتا ہے کہ کیا ابلیس، اللہ تعالیٰ کے ساتھ پہلا کفر کرنے والا ہے؟ اکثریت کی رائے یہی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے میں اول ہے۔

Marfat.com

دوسری بحث، معصیت اور کفر

معتزلہ اور ہمارے نزدیک معصیت و گناہ، موجب وسبب کفر نہیں۔ ہمارے نزدیک اس لیے کہ صاحب کبیرہ مومن ہی رہتا ہے اور معتزلہ کے ہاں اس لیے کہ اگر چہ وہ ایمان سے نکل جاتا ہے مگر کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ خوارج کے ہاں ہر معصیت کفر ہے اور انہوں نے اس آیت مبارکہ سے استدلال کرتے ہوئے کہا اللہ تعالیٰ نے اس معصیت کی وجہ سے ابلیس کو کافر قرار دیا ہے جو واضح کررہا ہے کہ معصیت کفر ہوتی ہے۔

جواب: اگر ہم یہ کہہ دیں کہ یہ ابتداءً ہی سے کافر تھا تو یہ سوال ختم، اور اگر ہم اسے ابتداً مومن قرار دیں تو پھر اسے کافر اس لیے قرار دیا گیا کہ اس نے تکبر کرتے ہوئے اپنی سرکشی اور بغاوت کو حق جانا کیونکہ اس نے کہا ''اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ'' (میں اس سے بہتر ہوں) (واللہ اعلم)

ساتواں مسئلہ: تمام فرشتوں کو سجدہ کا حکم

اکثریت کا یہی قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کا حکم تمام فرشتوں کو تھا، اس پر ان کے دو دلائل ہیں۔

پہلی دلیل: لفظ 'الملائکۃ' جس میں عموم ہوتا ہے پھر اسے کامل طور پر مؤکد کر کے اس فرمان میں بھی لایا گیا ہے۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ (پ۱۴، الحجر:۳۰) تو سجدہ کیا تمام ملائکہ نے اکٹھا

دوسری دلیل: اللہ تعالیٰ نے ان سے ابلیس کو مستثنیٰ کر کے نکالا، تو ان میں سے ایک کو نکالنا واضح کر رہا ہے کہ اس کے علاوہ تمام اس حکم میں داخل تھے۔

بعض کا انکار

لہٰذا یہ بعض لوگوں نے اس کا انکار کرتے ہوئے کہا اس حکم کا حکم اکابرِ ملائکہ کیلئے ہونا عجیب ہے لہٰذا یہ صرف زمینی ملائکہ کیلئے تھا

حکماء کا قول

فلاسفہ نے ملائکہ سے جواہر روحانی مراد لیتے ہوئے کہا کہ ارواح سماوی کا نفوسِ ناطقہ کیلئے جھکنا اور فرمانبردار ہونا محال ہے۔ لہٰذا ملائکہ جنہیں سجدہ کا حکم ہوا اس سے مراد وہ قویٰ بشریہ ہیں جو نفس ناطقہ کی مطیع ہیں۔ اور اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کتب عقلیات میں مذکور ہے

تفسیر کا دوسرا جز: یہاں مکمل ہوا اس کے بعد تیسرا جز ہے جس کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ عالی سے ہو رہی ہے: وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ۔

فضل قدیر

Marfat.com